سیّد غوث علی شاہ صاحب قلندری قادری قدس سرہ کی تعلیم
مرآۃ الوحدت
المعروف بہ
تعلیمِ غوثیہ
سیّد شاہ گل حسن قلندری قادری
شبیر برادرز

مرأة الوحدت

المعروف بہ

تعلیمِ غوثیہ

تالیف

سید گل حسن قلندر قادری

جدید ترتیب وتدوین

محمد عبدالستار طاہر

ناشر

شبیر برادرز

40 اُردو بازار لاہور فون 7246006

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب .... تعلیم غوثیہ

تالیف .... سید گل حسن قلندر قادری

ترتیب وتدوین .... محمد عبدالستار طاہر

پروف ریڈنگ .... محمد عبدالستار طاہر

کمپوزنگ .... WORDS MAKER

صفحات 760

تعداد .... گیارہ سو

اشاعت .... اگست 2003ء

باہتمام .... ملک شبیر حسین

ناشر .... شبیر برادرز لاہور

قیمت .... 200 روپے

ملنے کے پتے

۱- **شبیر برادرز** 40 اُردو بازار لاہور فون 7246006

۲- **ادارہ پیغام القرآن** 40 اُردو بازار لاہور

۳- **مکتبہ اشرفیہ** مریدکے (ضلع شیخوپورہ)

مشمولات

مضامین	صفحہ نمبر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

یہ کتاب ''تعلیم غوثیہ'' سلسلہ قادریہ غوثیہ کے معروف بزرگ حضرت مولانا سید غوث علی شاہ قلندری علیہ الرحمہ کی تعلیمات کا مجموعہ ہے —— جسے ''مرأۃ الوحدت'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ''آئینہ وحدت'' —— گویا یہ کتاب وحدت کا آئینہ ہے —— اس آئینے میں جمالِ وحدت کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

◆

سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی علیہ الرحمہ کا اصل نام ابوالحسن خورشید علی تھا۔ لیکن سید غوث علی شاہ قلندر قادری کے نام سے معروف ہوئے —— آپ کا سلسلہء نسب سترہ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز سے جا کر ملتا ہے —— محبوب سبحانی غوث صمدانی قدس سرہٗ العزیز نے ۳۲ ویں پشت میں یہ سلسلہ سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے جا ملتا ہے۔

نوویں پشت میں آپ کے جد امجد سید مبارک حقانی علیہ الرحمہ کے بڑے بھائی سید عبدالقادر ثانی علیہ الرحمہ اُوچ شریف ضلع بہاولپور میں مدفون ہیں۔ جہاں آپ کا مزار مرجع خاص وعام ہے۔

حضرت غوث علی شاہ علیہ الرحمہ کی ولادت صوبہ بہار میں ۱۲۱۹ھ میں ہوئی —— ۱۲۹۷ھ میں پانی پت میں ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔[1]

[1] محمد افضل فریدیالوی: دیباچہ ''تذکرہ غوثیہ'' مطبوعہ مکتبہ شاہکار لاہور فروری ۱۹۷۷ء

◆

''تعلیم غوثیہ'' کے مرتب آپ کے ایک خلیفۂ خاص اور جانشین طریقت مولانا سید گل حسن شاہ قادری علیہ الرحمہ ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے زیرِ نظر کتاب میں ''سببِ تالیفِ کتاب'' کے زیرِ عنوان وضاحت کی ہے۔

قبل ازیں سید غوث علی شاہ علیہ الرحمہ کے ملفوظات و ارشادات کا ایک مجموعہ ''تذکرہ غوثیہ'' بھی انہی سید گل حسن شاہ قادری علیہ الرحمہ نے مرتب کیا تھا ـــــ جسے منفرد طرزِ بیان اور دلچسپ واقعات کے تناظر میں بہت پذیرائی ہوئی۔ اس کتاب کے برصغیر پاک و ہند میں بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

کتاب کے نام ''تعلیم غوثیہ'' سے ذہن میں فوراً یہ خیال ابھرتا ہے کہ یہ کتاب سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کی تعلیمات و فرمودات پر مبنی ہے' حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔

◆

اسی انداز پر تصوف کے باب میں کئی کتب معروف ہیں۔ مثلاً

سلسلہ عالیہ چشتیہ میں ''ہشت بہشت'' ہے۔ جو کہ اس سلسلے کے سرکردہ بزرگوں کے ملفوظات و ارشادات کا عطر مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں :

۱- انیس الارواح : ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ
مرتبہ : حضرت خواجہ غریب نواز چشتی اجمیری علیہ الرحمہ

۲- دلیل العارفین : ملفوظات خواجہ غریب نواز چشتی علیہ الرحمہ
مرتبہ : حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ

۳- فوائد السالکین : ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ
مرتبہ : حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمہ

۴- بابا فریدالدین علیہ الرحمہ کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں :

- ـــــ راحت القلوب : مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ

● ——اسرار الاولیاء : مرتبہ خواجہ بدر اسحاق علیہ الرحمہ

۵-خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے ملفوظات کے تین مجموعے ہیں جبکہ "فوائد الفواد" کے پانچ حصے ہیں:

● ——افضل الفوائد : مرتبہ-خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ

● ——راحت المحبین : مرتبہ-خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ

● ——فوائد الفواد : مرتبہ-خواجہ میر حسن سنجری علیہ الرحمہ

۶-مفتاح العاشقین : ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ

"ہشت بہشت" کے علاوہ:

۷-ملفوظات مہریہ : ملفوظات حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ

سلسلہ عالیہ قادریہ کے بزرگوں میں:

۸-الملفوظ : ملفوظاتِ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ

مرتبہ: مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ

۹-ملفوظات : حضرت خواجہ سید بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ

۱۰-فاضلی انوارِ الٰہی : ملفوظات حضرت فضل شاہ قطب عالم علیہ الرحمہ

مرتبہ: حافظ نذر الاسلام

اسی طرح سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اکابرین کے ملفوظات:

۱۱-دُر المعارف : ملفوظات شاہ غلام علی دہلوی نقشبندی علیہ الرحمہ

مرتبہ: شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ

۱۲-ملفوظات خواجگانِ نقشبندیہ : مرتبہ میاں محمد صادق قصوری نقشبندی

ان کے علاوہ ملفوظات کے اور بھی گراں قدر ذخائر ہوں گے۔ یہ ذخائر زندگی آمیز بھی ہیں اور زندگی آموز بھی۔

◆

تعلیماتِ تصوف میں بھی متعدد کتب شائقین کے ذوق کا سامان کر رہی ہیں۔

جن میں سے اکثر کتب مستقل اہمیت کی حامل ہیں اور جو ہر دور میں مقبول عام رہی ہیں۔ مثلاً:

۱-کتاب اللمع فی التصوف .... ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی
۲-التعرف لمذهب اهل التصوف ... ابوبکر بن ابواسحاق بخاری کلاباذی
۳-قوت القلوب فی معاملة المحبوب ابوطالب محمد بن علی بن عطیہ مکی حارثی
۴-الرسالة القشيريه .... امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری
۵-غنية الطالبين .... سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز
۶-کشف المحجوب .... حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش علیہ الرحمہ
۷-کیمیائے سعادت .... حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمہ
۸-احياء العلوم .... حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمہ
۹-عوارف المعارف .... شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ
۱۰-فصوص الحكم .... محی الدین اکبر ابن عربی علیہ الرحمہ
۱۱-فتوحاتِ مکیه .... علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ
۱۲-لوائح جامی .... مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ

خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی کا مرشد نہ ہو تو اسے کشف المحجوب کے مطالعہ سے مل جائے گا''۔

ان کتب کے علاوہ دنیائے تصوف میں شہرۂ آفاق ''مکتوبات مجدد الف ثانی'' علیہ الرحمہ ہیں۔ جس کی تین مجلدات معرفت حق کے عظیم خزائن ہیں۔

تصوف کیا ہے؟ —— تصوف کے موضوع پر کتاب دیکھ کر یہ سوال عموماً سامنے آتا ہے —— تصوف کی تعریف وتعارف بہت سے حضرات نے بیان کیا ہے۔ یہاں پر عام فہم انداز پر تصوف کے بارے میں رائے اظہار شامل کیا گیا ہے:

(۱)

(۱)

سید علی ہجویری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت مرتعش علیہ الرحمہ نے فرمایا: تصوف اچھے اخلاق کا نام ہے —— اور اچھے اخلاق تین قسم کے ہیں:

- —— اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں کسی قسم کی ریاکاری اور دکھلاوا نہ ہو' اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے فرائض اور حقوق ادا کیے جائیں۔
- —— مخلوقِ خدا سے اچھی طرح پیش آئے —— بڑوں کی عزت کرے —— چھوٹوں پر رحم کرے —— ہر معاملہ میں انصاف پسند ہو اور اُن معاملات میں کسی قسم کا معاوضہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔
- —— اپنے آپ کو ہر قسم کی شیطانی اور نفسانی خواہشات اور حرص سے پاک صاف رکھے۔[۱]

(۲)

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد الآذن (م ۳۰۹ھ) معاصر حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جس نے اپنے اوپر آدابِ شریعت لازم کر لیے' اللہ تعالیٰ اس کے دل کو معرفت کے نور سے منور فرما دے گا' اور حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام' افعال اور اخلاق کی پیروی سے افضل کوئی مقام نہیں ہے''۔[۲]

(۳)

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''باطن' ظاہر کو مکمل کرنے والا ہے —— ان میں بال برابر آپس میں مخالفت نہیں ہے۔ مثلاً

زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے —— اور دل سے جھوٹ کے تصور کی نفی

---

[۱] علی ہجویری' سید امام الاولیاء: کشف المحجوب ترجمہ: علامہ ابوالحسنات' ص ۱۳۶)

[۲] عبدالکریم قشیری' امام ابوالقاسم: رسالہ قشیریہ (طبع مصر) ص ۲۵

کرنا طریقت اور حقیقت ہے ـــــ یہ نفی اگر تکلف اور کوشش سے ہے تو یہ طریقت ہے ـــــ اور اگر تکلیف کے بغیر ہے تو یہ حقیقت ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ باطن یعنی طریقت، ظاہر یعنی شریعت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ہے''۔[1]

وہ مقدس و مبارک علم جو قلب کو زمائم کی نجاست سے پاک بنانے کی ترکیب سکھائے، ـــــ اور صفائے باطن کا طریق بتا کر روح کو اس کی معراج کمال تک پہنچائے، ـــــ اور رفیق اعلیٰ سے وصالِ حقیقی پانے کی طرف دال ہو، تصوف کہلاتا ہے۔

تزکیہ وعروج کے طریقہ کو سلوک ـــــ اور اس راہ کے چلنے والے کو سالک یا متصوف ـــــ اور منتہی کو صوفی کہتے ہیں''۔[2]

(۵)

تصوف کا اصل منبع و مآخذ قرآنِ پاک اور حدیث شریف ہے ـــــ اس کے بعد صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور اہل سنت بزرگانِ دین ہیں جن کے اقوال و اعمال صالحہ، اخلاقِ عالیہ اور اخلاص سے صوفیاء کرام نے رہنمائی حاصل کی ـــــ سب سے پہلے بزرگ جنہیں صوف کا لقب دیا گیا ابو ہاشم کوفی (م ۱۶۰ھ) ہیں۔[3]

(۶)

تصوف کی ایک تعریف یہ ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کی شدید محبت کے ذریعے اپنے آپ کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنا ہے''۔

ـــــ قرآن پاک کے مطابق کائنات اور اپنے اندر غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر اس کے لیے ایک شارٹ کٹ بھی ہے وہ

۱۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول، حصہ دوم ص ۳)

۲۔ عبدالعلیم صدیقی قادری، شاہ: کتاب التصوف، ص ۳۹، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

۳۔ محمد حسن، ڈاکٹر پیر حقیقت تصوف، ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور شمارہ مئی ۱۹۹۰ء ص ۲۳-۵۹)

ہے!

''کسی اہل دل یا کشتۂ محبتِ الٰہی کے پاس بیٹھنا''۔[1]

(۷)

معروف دانشور اشفاق احمد فرماتے ہیں:

(۱) یہ جو زندگی ہے اس میں ایک تو معلوم کی سطح ہے اور دوسری نامعلوم کی سطح ہوتی ہے:

● ـــــ معلوم کی سطح وہ ہوتی ہے جیسے آپ ہیں، میں ہوں، دنیا میں پاکستان ہے اور پاکستان میں ایک شہر لاہور اور ملتان ہے۔

● ـــــ جو تخلیقی عمل ہوتا ہے وہ نامعلوم سے آتا ہے اور مفت میں آتا ہے۔ اس میں ہمیں کچھ سوچنا نہیں پڑتا۔

نامعلوم کی دنیا وہ ہے، جہاں اللہ کا براہ راست عمل کارفرما ہوتا ہے ـــــ جتنی بھی ایجادات ہیں اور اختراعات ہیں، وہ نامعلوم کی دنیا سے آتی ہیں۔

(۲) دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کی نظر میں روپے پیسے کی نسبت اخلاقیات اور انسانیت کی اہمیت ہوتی ہے ـــــ

جو انسانیت کے درجہ اوج پر ہوں، وہ روحانیت میں بھی اونچے درجہ پر ہوتے ہیں ـــــ وہ باتیں جن سے ہم چڑتے ہیں، وہ باتیں جو ہم اپنی ذات اور وجود میں سے نہیں نکال سکتے، جیسے:

نفرتیں، تعصب، لالچ، منافقت ـــــ وہ انہوں نے اپنی زندگی سے بالکل نکالی ہوئی ہوتی ہیں۔

(۳) روحانیت میرے خیال سے محنت سے نہیں ملتی ہے۔ تھوڑا بہت محنت سے ہو جاتا ہوگا ـــــ یہ خدا جس کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے ـــــ

ایک آدمی جو بہت مزے سے عیش و عشرت میں رہتا ہو، خدا اسے بھی دے سکتا ہے۔

---

[1] عبدالرشید میاں: ''اکسیر محبت'' کالم ''نور بصیرت'' روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ جنوری ۲۰۰۳ء

(۴) مومن کی نشانی کیا ہے؟ ـــــ:

''جو پابند صوم وصلوٰۃ ہو اور خدائے واحد کو مانے'' ـــــ

''نہیں! ـــــ مومن کا ٹریڈ مارک ہے:

''اپنی ذات کے لیے صبر اور مخلوق کے لیے بھلائی''۔[1]

◆

زیر نظر کتاب کی زبان ۱۹ ویں صدی عیسوی کی ہے ـــــ مصنف نے کتاب کا آغاز ''تمہید تحمید'' سے کیا ہے ـــــ پھر حمد و نعت کے اشعار شامل کیے ہیں ـــــ ''پیر کامل کے اوصاف'' بیان کرنے کے بعد کتاب کا تعارف کرایا ہے ـــــ پھر کتاب کا مقدمہ پیش کیا ہے۔

مقدمۂ کتاب میں تصوف اور اس کی اصطلاحات کے بارے میں بحث کی ہے ـــــ مقدمہ میں تیرہ بیان پیش کئے گئے ہیں ـــــ ان بیانات کو آسان فہم سادہ الفاظ سے بدل دیا گیا ہے ـــــ مقدمہ کے آخر میں تصوف کے حوالے سے مختلف اشکالات کو سوال و جواب کی صورت میں پیش کیا ہے ـــــ اس کے بعد پہلے باب ''**علم الیقین**'' کا آغاز ہوتا ہے۔

آج کے قاری کے مطالعہ و دلچسپی کے لیے درج ذیل تبدیلیاں لائی گئی ہیں:

- ـــــ نفس مضمون کی تسہیل
- ـــــ پیرابندی
- ـــــ آسان فہم عنوانات

گزشتہ اشاعتوں کی نسبت اس اشاعت میں قاری کے لیے موضوع سے دلچسپی کا سامان موجود ہے ـــــ جدید خطوط پر مرتب کردہ اس کتاب کے شائقین میں بفضلہٖ اضافہ ہوگا۔

آداب زندگی میں یہ کتاب اپنے طرز کی منفرد کتاب ہے۔

---

[1] انٹرویو: مشمولہ سنڈے ایکسپریس' لاہور شمارہ ۶' اپریل ۲۰۰۳ء

ملک شبیر حسین صاحب مالک شبیر برادرز لاہور لائق تحسین و مبارکباد ہیں کہ جو بڑے ذوق وشوق سے تصوف کی یہ خوبصورت کتاب منظر عام پر لا رہے ہیں —— اس سے قبل وہ تصوف پر کئی کتابیں شائع کر چکے ہیں:

- —— کیمیائے سعادت مترجم: علامہ محمد منشاء تابش قصوری
- —— احیاء العلوم فی الدین مترجم: علامہ فیض احمد اویسی
- —— منہاج العابدین امام غزالی علیہ الرحمہ
- —— مکاشفۃ القلوب امام غزالی علیہ الرحمہ
- —— خطباتِ غزالی امام غزالی علیہ الرحمہ
- —— ہشت بہشت
- —— شمس المعارف شیخ ابوالعباس احمد بن علی بونی علیہ الرحمہ
- —— نفحات الانس مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ
- —— سلوک صوفیاء و فقر فخر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اور تصانیف حضرت سلطان باھو علیہ الرحمہ قابل ذکر ہیں —— برادرم ملک شبیر حسین صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ ''تعلیم غوثیہ'' شبیر برادرز کے زیر اہتمام شائع ہو —— ان کی خواہش کے احترام میں احقر حتی المقدور مساعی بروئے کار لایا۔

اس کتاب کے سلسلے میں اوائل فروری میں آغازِ کار کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ ۲۴ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۷ اپریل ۲۰۰۳ء بروز اتوار عصر ساڑھے پانچ بجے تکمیل سے ہمکنار ہوا —— اس دوران احقر کو علالت سے بھی دوچار ہونا پڑا، بینائی بھی متاثر ہوئی اور بعض معمولات کو بھی ترک کرنا پڑا ——

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مرشد کریم مخدوم زماں، مجدد دوراں عالی مرتبت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالی کی نگہ التفات سے یہ سب کچھ ممکن ہو سکا —— ادیب ملت حضرت علامہ محمد منشاء تابش قصوری صاحب زید لطفہ کی محبتیں شفقتیں رہنمائی فرماتی رہیں —— محسن اہلسنّت حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف

قادری صاحب مدظلہ العالی کی دعائیں رفیق سفر رہیں ——— ان کے ساتھ ساتھ برادرم ملک محمد سعید صاحب مجاہد آبادی زید مجدہٗ (ناظم ادارہ مظہر اسلام' لاہور) کا تعاون شامل حال رہا ——— تب ہی اتنے قلیل عرصے میں یہ سب ممکن ہو سکا۔

——— مولیٰ کریم! اپنی اور اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت سے ہمارے دلوں کو روشن و منور فرمائے' اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صدقے خاتمہ بالایمان فرمائے اور ہم سب کو شیطان کے شر سے بچائے' ہم سب کو انسان کے شر سے بچائے' ہم سب کو نفس کی شرارتوں سے بچائے اور اپنے محبوب بندوں کی راہ پر چلنے کی خیر رفیق صدیق عطا فرمائے جسے اس نے اپنی کتاب مستطاب قرآن کریم میں ''صراط مستقیم'' فرمایا ہے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین والحمد للہ رب العالمین

خاک پائے صاحبدلاں

محمد عبدالستار طاہر

E111/A - پیر کالونی - والٹن

لاہور کینٹ - کوڈ 54810

۲۴' صفر المظفر ۱۴۲۴ھ/ ۲۷' اپریل ۲۰۰۳ء

بروز اتوار بوقت عصر سوا پانچ بجے

تعارف:

سید گل حسن شاہ قلندری قادری

از-محمد عبدالستار طاہر مسعودی

حضرت مولانا سید گل حسن شاہ قلندری قادری علیہ الرحمہ اپنے پیرو مرشد سید غوث علی شاہ قلندر قادری پانی پتی علیہ الرحمہ کے چہیتے مرید تھے۔ کتاب "تذکرہ غوثیہ" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ان کے مخصوصین میں سے تھے۔

آپ کی داستانِ حیات اپنے مرشد گرامی کی داستانِ حیات کی مانند نہایت دلچسپ ہے۔ایک عمر سیر و سیاحت میں گزری —— اوائل عمری میں آپ سیر و شکار کے شوقین تھے اور بقول خود کہ لہو و لعب کے سوا کچھ مشغلہ نہ تھا۔

تحصیل علم:

آپ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں۔ تیرہ برس کی عمر تک لکھنے پڑھنے کی طرف مطلق توجہ نہ تھی۔آپ کی لا اُبالی طبیعت کے پیش نظر اصلاحِ احوال اور رائج علوم کی تحصیل و تکمیل کے لیے والد ماجد نے مدرسۃ التعلیم المعلمین، راولپنڈی روانہ فرمایا۔ یہاں ان اساتذۂ کرام سے سال بھر تعلیم پائی:

☆ —— مولوی عبدالغنی صاحب، مدرس اعلیٰ

☆ —— مولوی احمد حسن صاحب، نائب مدرس

سالانہ امتحان میں کامیاب ہو کر سند حاصل کی۔

ملازمت:

راولپنڈی مدرسہ سے سند فراغت پانے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔
سات برس سرکاری نوکری کی۔

دینی تعلیم کی رغبت:

دورانِ ملازمت عمر اکیس سال ہوئی تو ایک روز خیال آیا کہ
دنیا کا علم حاصل کر کے ملازمت اختیار کی۔ مگر دینی علوم سے دامن خالی ہے۔
ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ نامنظوری کے باوجود ملازمت کو خیر باد کہہ دیا۔ پھر مستقبل کی رہنمائی کے لئے حضرت سلطان باھو علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری دی۔
حضرت سلطان باھو علیہ الرحمہ کے مزار کے بارے میں مشہور ہے کہ:
''جو شخص اپنے مطلب کے حل کے لئے سوال کرتا ہے تو اسے کچھ اشارہ ہو جاتا ہے''۔
چودہ روز کے بعد خواب میں ارشاد ہوا کہ ہندوستان جاؤ' تمہارے سب مقاصد وہاں حاصل ہوں گے ——— وہاں سے ملتان کے راستے دہلی پہنچے۔ دہلی سے لاہور کے ارادے سے سفر اختیار کیا۔ مگر پانی پت میں آ کر مولوی فتح محمد صاحب سے میزان و منشعب کا سبق شروع کیا۔
چھ سال کے عرصہ میں طالب علمی کی کیفیت یہ تھی کہ:
☆ ——— منطق میں: ملاحسن
☆ ——— فقہ میں: کنز' شرح وقایہ' ہدایہ
☆ ——— تفسیر میں: تفسیر جلالین' پانچ پارہ بیضاوی' اصول شاشی' نورالانوار'
☆ ——— مشکوٰۃ شریف اور کچھ حصہ بخاری شریف۔

پیرو مرشد سید غوث علی شاہ قلندر سے ملاقات:

دینی تعلیم کے حصول کے بعد جب پانی پت آنا ہوا تو یہاں کے در و دیوار سے

دلکش و دل آویزی جھلکتی پائی۔

گفت از جاہا کدامی خوش تراست
گفت آں شہرے کہ در وے دل براست

شب قلندر صاحب کی خانقاہ میں بسر کی ——— چند دن کے بعد خواب میں سفید داڑھی' نورانی چہرے والے ایک بزرگ ملے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم قلندر صاحب کی درگاہ میں جایا کرو ——— انہوں نے اسے وہم و خیال جانا ——— دو تین دن کے وقفوں میں وہ بزرگ خواب میں پھر دوبار ملے۔ تیسری بار خواب میں انتہائی سختی کا اظہار کیا کہ اگر ہماری بات پر عمل نہ کیا تو یہ نہ ہو کہ ہم تیری گردن توڑ ڈالیں ——— یہ بڑے پریشان اور خوفزدہ ہوئے ——— ناچار عصر کے وقت قلندر صاحب کے مزار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی ——— تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا سید محمد غوث علی شاہ صاحب مسجد مبارز خاں سے تشریف لائے۔ سلام و دعا کے بعد استفسار فرمایا کہ:

''تم کہاں کے رہنے والے ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟''۔

طبیعت میں چونکہ ایک وحشت تھی' اس لیے عرض کیا کہ آپ کیوں پوچھتے ہیں' آپ کو اس سے کیا؟ ——— فرمایا:

''تمہاری صورت مسافرانہ معلوم ہوتی ہے' ہم بھی نووارد ہیں۔ چھ ماہ سے یہاں ہیں ——— قاعدہ ہے کہ مسافر کو دیکھ کر مسافر خوش ہوتا ہے۔ اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہارا حال سنیں' اپنا کہیں تا کہ غم غلط ہو''۔

انہوں نے پہلو تہی کرتے ہوئے عرض کیا:

''حضرت کیا میں ہی مسافر ہوں۔ اس شہر میں اور بہت سے مسافر ہوں گے۔ کسی کو بلا لیجیے اور غم غلط کیجیے۔ میں ہی باتیں کرنے کے لیے یہاں نہیں آیا ہوں''۔

آپ نے ہنس کے فرمایا:

''اب تو ہماری مورچہ بندی ہو گئی۔ جب تک فیصلہ نہ ہو لے گا' ہم تم کو

چھوڑیں گے نہیں۔ چلو حجرے میں بیٹھیں اور خوب لڑیں"۔

چنانچہ حجرے میں بیٹھ کر گفتگو ہونے لگی۔ آخر آپ نے یہ شعر پڑھا :

رات تھوڑی، حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی

میں اپنے دل میں بہت نادم ہوا کہ یہ بزرگ تو بڑے مہربان ہیں اور تو سخت کلامی کرتا ہے۔ ناچار اپنی تمام سرگزشت بیان کردی۔ فرمایا کہ:

"ہم سے ہر روز ایک دفعہ مل جایا کرو تو تمہارا کچھ حرج نہ ہوگا"

تمہارے دل پر گرمی ہے یہ درود شریف پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَابِقًا نُوْرُهٗ وَآخِرًا ظُهُوْرُهٗ وَرَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَجُوْدُهٗ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

پھر اپنی گستاخی کا قصور معاف کرا کے رخصت لی —— اس روز سے یہ معمول ہو گیا کہ ہر روز خدمت میں دو بار حاضر ہوتا —— روز بہ روز محبت زیادہ ہونے لگی۔

ایک روز آپ کے ارشاد کے مطابق راج گڑھ علاقہ بندیل کھنڈ کے نواب صاحب کے روحانی علاج کے لیے جانا ہوا —— مشیتِ ایزدی سے نواب صاحب کو تندرستی ہوئی۔ واپسی پر جناب قبلہ نے اپنے دسترخوان پر شام کا کھانا مقرر فرمایا —— اور کرم یہ فرمایا کہ وصال تک ہمیشہ اپنے ساتھ کھلاتے رہے۔

روز اوّل سے جس ناز و نیاز کے ساتھ حضرت کے دیدار کی دولت حاصل ہوئی، آخر تک وہی طریقہ رہا —— غالباً مہینے میں ایک بار وہی صورت پیش آتی تھی۔ میں خفا ہو کر چلا جاتا تو آپ نہایت شفقت و محبت سے کسی خادم کو بھیج کر بلواتے اور فرماتے کہ:

"میاں ہم بھی مسافر ہیں، تم بھی مسافر ہو —— مسافروں کو لڑنا نہیں چاہئے۔ صلح و سلوک سے رہنا مناسب ہے"۔

غرض کہ مجھے اس با مزہ جنگ اور پر لطف صلح کے بغیر چین نہیں پڑتا تھا۔ اب

سوائے آہ وزاری اور لطف یادگاری کے کچھ باقی نہ رہا۔ اب کس سے لڑیں اور کس سے صلح کریں۔

فیضانِ صحبت و باطنی تربیت:

پیر و مرشد سید غوث علی شاہ علیہ الرحمہ کے فیضانِ صحبت سے پیری مریدی کا نتیجہ اور بیعت و ارادت کی حقیقت منکشف ہوئی۔ کمترین نے بیعت کی درخواست کی۔ بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ ابھی وقت نہیں آیا' ابھی صبر کرو—' البتہ کمال مہربانی سے بیعت سے قبل ہی تعلیم فرمانا شروع کر دیا۔ مثلاً:

(۱) فرمایا: حزب البحر کی زکوۃ دو۔ حسب ارشاد زکوۃ دے دی۔ فرمایا کہ اسے ہمیشہ پڑھا کرو۔

(۲) میں نے درخواست کی کہ حضرت کوئی ورد تعلیم فرمایئے۔ ارشاد کیا کہ میاں تم تو اجاڑ گاؤں میں رہا کرو— میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ:

''آج رات کو قلندر صاحب کے مزار کے دروازے پر بارہ بجے کے بعد پڑھنا۔ کیونکہ دس گیارہ بجے تک تو ہمارے پاس آدمی ہوتے ہیں۔ اس وقت تمہاری خبر نہ ہو سکے گی۔ وہ ورد یہ ہے:

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہُ   مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرُ اللّٰہِ
نُوْرِ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ   لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ

حسب الارشاد رات بارہ بجے قلندر صاحب کے مزار کے دروازے پر بیٹھ کر یہ ورد شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بے ہوشی طاری ہوئی۔ اس حالت میں ایک بڑا کالا سانپ جس کے سر پر بالشت بھر لمبے سیاہ بال اور آنکھیں شمع کی طرح روشن' میرے گرد تین چکر دیئے اور ران پر سر رکھ کر سو گیا۔ لیکن مجھے بالکل خبر نہ ہوئی۔ جب اس کے سر کی گرمی ران کو پہنچی تو میری آنکھ کھلی۔ چراغ روشن تھا۔ اژدھے کی صورت دیکھ کر میرے ہوش اُڑ گئے۔ تسبیح ہاتھ سے گر پڑی۔ سکتے کا عالم ہو گیا۔ اب کیا کروں؟— خیال آیا کہ یہ تو آخر کار اُٹھے گا اور جو ہونا ہے وہ ہو کے رہے گا— میں نے ران کو حرکت

دی تو وہ گھبرا کر اُٹھا اور پھن اُٹھا کر میرے سر کے مقابل کھڑا ہو گیا' اور بالشت بھر کی زبان نکالنے لگا۔ یہ دیکھ کر حواس جاتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد کن اکھیوں سے دیکھا کہ وہ بدستور کھڑا ہے اور بار بار زبان نکالتا ہے۔ پھر میں نے دل کو مضبوط کیا اور سیدھے ہو کر اس سے کہا:

''یہاں میں از خود نہیں آ بیٹھا۔ مجھے تو کسی نے بٹھایا ہے۔ اگر تجھے کاٹنا ہے تو کاٹ کھا' ورنہ چلا جا۔ ناحق ستانے کا کیا فائدہ''!

اتنا کہتے ہی وہ سانپ اپنے چکر کھول کر قلندر صاحب کے روضہ میں چلا گیا —— حاجی سید فریدالدین مرحوم میرے قریب ہی سو رہے تھے۔ آواز سن کر جاگ اُٹھے' پوچھا: کیا ہے؟ —— میں نے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ لکڑی لے کر اُٹھے اور سانپ کو ڈھونڈا لیکن پتہ نہ ملا۔

پھر تسبیح سنبھال کر سیدھا ہو بیٹھا اور ورد شروع کیا۔ صبح کا وقت جب قریب آیا تو تسبیح رکھ کر دوپٹہ باندھنے لگا۔ پھر جو تسبیح اُٹھاتا ہوں تو ایک سانپ میرے ہاتھ کو لپٹ گیا۔ میں نے حاجی صاحب کو پکارا کہ دوڑو مجھے سانپ نے کھالیا —— حاجی صاحب لاٹھی لے کر دوڑے۔ میں نے بمشکل تمام سانپ کے بل پہنچے اور بازو سے کھولے اور ہاتھ جھٹک دیا۔ سانپ گرا' حاجی صاحب نے لاٹھی ماری' وہ تڑپنے لگا۔ جب غور سے دیکھا تو وہی تسبیح ہے اور اس ضرب سے کئی دانے ٹوٹ گئے ہیں۔ حاجی صاحب بھی حیرت میں رہ گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا بھید ہے؟ میں نے کہا کہ میں تو خود حیران ہوں۔ پھر مسجد میں آیا نماز پڑھی۔ کچھ دیر بعد خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ جناب قبلہ دروازہ کھول کر کواڑ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا:

ے با نبی پانی بھر گیو اور سر پر لاگی آگ
باجن لگی بانسری اور نکسن لاگے ناگ

پھر فرمایا: ''ارے میاں! رات یہ کیا شور وغل تھا؟'' —— میں نے تمام ماجرا عرض کیا۔ فرمایا کہ ہاں تم نے بانسری بجائی تو سانپ بھی بھی نکلا —— عرض کیا کہ

حضرت اگر یہی بانسری اور یہی سانپ ہیں تو ایک نہ ایک دن میری روح تحلیل ہو جائے گی۔ آپ ہنسنے لگے"۔ پھر عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات تھی؟ —— فرمایا کہ یہ قلندر صاحب کے بہروپ ہیں —— عرض کیا کہ حضور مجھے تو یہ بہروپ زندہ قلندر صاحب کے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات:

ایک روز پیر و مرشد سے عرض کیا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا بھی کوئی عمل ہے؟ —— فرمایا کہ ہاں بہت عمل ہیں' لیکن ہم کو تو کوئی نہیں آیا —— چند روز بعد مجھے ایک ضخیم کتاب عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ اس کا مطالعہ کرو اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہے؟ —— دورانِ مطالعہ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کے لیے یہ عمل نظر سے گزرا:

"اول دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد:

☆ —— تین بار آیت الکرسی

☆ —— تین بار سورۂ الم نشرح

☆ —— گیارہ بار سورۂ اخلاص

پڑھے۔ پھر سلام کے بعد سات بار یہ دعا پڑھ کر سینے پر دم کرے۔ اور بصورت محمد قبلہ رُخ شمال کو سر کر کے زمین پر سو رہے —— یہ عمل تین دن بدھ' جمعرات و جمعہ کرے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ دعا یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حُبٌ" قُبٌ" طَبَا بِقِیَ طَاعِ طِبٌ" شَافِعٌ" وَشَفِیْعٌ" وَمُجْتَمِعٌ" وَحِرْزٌ" وَحَرِیْزٌ" وَجَنّۃٌ" بِحَقِّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ o

اس ترکیب کے مطابق عمل کیا تو پہلی رات میں خضر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا اور جو کچھ دیکھا گیا بیان میں نہیں آ سکتا۔ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت

قلب مثل آئینہ ہو گیا تھا۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

زیارت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جن دنوں آپ اپنے پیرومرشد سید غوث علی شاہ علیہ الرحمہ کی کمال عنایات سے فیضانِ صحبت و باطنی تربیت سے بہرہ ور ہو رہے تھے‘ اسی دوران مختلف ریاضتوں سے گزرتے ہوئے دولتِ عظمیٰ زیارتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار بار سرفراز ہوئے‘ تین بار مسلسل حالت خواب میں اور ایک بار حالتِ بیداری میں —— اور ہر بار خوانِ کرم سے جھولی بھر بھر کے پایا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے مشرف ہونے کے بعد سید گل حسن صاحب نے اپنے پیرومرشد سے بیعت کے لیے اصرار کیا تو فرمایا گیا کہ قصیدہ بردہ شریف حفظ کر لو۔

جب حفظ کر لیا تو اس کی ترکیب سے آگاہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد کے مطابق رات کو پڑھ کر سو رہا۔ خواب میں دیکھا کہ جناب رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلندر صاحب کی مسجد میں نماز عصر پڑھاتے ہیں۔ میں بھی وضو کر کے جماعت میں شریک ہو گیا۔ سلام کے بعد قدم بوس ہوا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن شریف کا آخری پارہ عنایت فرمایا۔ بیدار ہوا تو یہ کیفیت پیرومرشد سے عرض کی۔ فرمایا کہ: ”آج پھر پڑھو“۔

حسب ارشاد پھر پڑھا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مسجد میں نمازِ فجر پڑھاتے ہیں میں بھی وضو کر کے شامل ہوا۔ سلام کے بعد آپ نے تمام قرآن مجید من اولہٖ الیٰ آخرہٖ عنایت فرمایا۔ بیداری کے بعد یہ خواب بھی حضرت قبلہ سے عرض کیا۔ حکم ہوا کہ پھر پڑھو۔

تیسرے روز حسب الارشاد پھر پڑھ کر سویا۔ دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں دریا وصحرا اور کوہ و بیابان طے کرتا ہوا ایک ریگستان میں پہنچا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا ہوں۔ اور ریت میں پڑا تڑپتا ہوں کہ ناگاہ محبوب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کثیر جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور میرا سر اُٹھا کر اپنے زانوئے مبارک پر رکھا اور اپنی چادر شریف سے میرے چہرے کا گرد و غبار صاف کیا۔ میں ہوش میں آیا تو حضرت کے روئے منور پر نظر پڑی۔ رو کر عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میری دادرسی فرمایئے''!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بیٹا گھبرا مت۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل وکرم کرے گا۔ تیرے سارے مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔ خاطر جمع رکھ۔ بے قراری مت کر' ابھی وقت نہیں آیا۔ تھوڑے عرصے میں منزلِ مقصود کو پہنچ جائے گا''۔

اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اس وقت ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی کہ تحریر میں نہیں آ سکتی ——

صبح کو یہ تمام حال پیر و مرشد کی خدمت میں عرض کیا۔ فرمایا:

''تم کو مبارک ہو' مبارک ہو۔ میاں یہ حال تو ہم پر بھی نہیں گزرا تھا جو تم پر گزرا —— تم کو حج بھی نصیب ہوگا اور مدینہ منورہ کی راہ میں تم اپنی آنکھوں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھو گے۔ خواب کی یہ واردات تم پر بیداری میں بھی گزرے گی' لیکن تم پہچانو گے نہیں''۔

پہلے حج کے دوران مکہ مکرمہ سے فارغ ہونے کے بعد قافلہ مدینۃ الرسول کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ خیال آیا کہ مدینہ شریف کی زیارت کو سوار ہو کر جانا تو بے ادبی ہے' پا پیادہ جانا چاہیے۔ چنانچہ پیدل روانہ ہوا۔ دورانِ سفر پاؤں میں ایک دنبل نکل آیا۔ تمام ٹانگ سوجھ گئی۔ چلنا دوبھر ہو گیا۔ درد کی شدت نے بے تاب کر دیا۔ ناچار

ایک لق ودق ریگستان میں بے ہوش کر گر پڑا۔

؎ تو دستگیر شو اے خضر بے خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہمرہاں سوارا نند

کچھ ہوش آیا تو خیال گزرا کہ بس اب تیری مدتِ حیات پوری ہو چکی۔ اس بے آب ودانہ بیابان میں زندگی معلوم نہیں۔ افسوس کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ کی زیارت بھی نصیب نہ ہوئی۔ اس حسرت واندوہ میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اسی اثناء میں گوشہ بیابان سے ایک غبار بلند ہوا۔ گرد چھٹی تو ترک سواروں کی ایک جماعت نمودار ہوئی۔ وردی پہنے' ہتھیار لگائے' عربی گھوڑوں پر سوار ——— ان کی زرق و برق کو دیکھ کر حیرت میں تھا کہ وہ جماعت میری طرف متوجہ ہوئی۔ سردار خیل نے میرے پاس آ کر فرمایا:

یا شیخ قم قافلہ راح

میں نے جواب دیا:

یا سیدی انا مریض فی مرض شدید وداع'' کثیر

یہ بات سن کر وہ گھوڑے سے اُتر پڑے اور میرے سر کو زانو پر رکھا۔ ایک رومال سے چہرے کی گردوغبار کو صاف کیا اور فرمایا:

فین مرضک

میں نے دنبل کی طرف اشارہ کیا کہ شف ھذا ——— انہوں نے میری ٹانگ پر ہاتھ پھیرا' درد فوراً جاتا رہا۔ اس کے بعد بہت تسلی وتشفی کے الفاظ فرمائے اور ایک ناقہ سوار کو حکم دیا کہ تم اسے قافلے میں پہنچادو اور فلاں شخص کو تاکید کر دو کہ یہ آرام تمام مدینہ تک لے جائے۔ وہ ناقہ سوار صبا رفتار مجھ کو لے کر چلا۔ راہ میں بار بار کہتا کہ:

''یا شیخ میرے لئے دعا کر''۔

آخر کار قافلہ میں جا ملا اور ایک اونٹ پر سوار کرا کے معلوم نہیں کدھر گیا۔ اہل قافلہ نے نہایت خاطر و مدارت کی۔ میں سمجھا کہ یہ سامان و اسباب اسی ترک سردار کا ہے'

جس کے حکم سے میری خاطرداری ہوتی ہے۔ میرے خیال کو اس بات سے اور بھی تقویت ہوئی کہ جب قافلہ منزل پر مقیم ہوا تو ایک عمدہ خیمہ نصب کیا گیا اور سب سامان اپنے اپنے موقع پر لگا دیا گیا۔ میں اس خیمہ کے زیر سایہ منتظر رہا کہ شاید وہ سردار اب آئے گا۔ مگر کوئی نہ آیا اور وہ خیمہ یوں ہی خالی پڑا رہا۔ اس وقت وہاں موجود منتظم سے استفسار کیا مگر اس نے کچھ نہ بتایا۔ اصرار کیا تو کہا کہ تم کو اس سے کیا مطلب!

تیسرے روز قافلہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے مجھے شہر سے باہر اُتار دیا۔ پھر اس کا پتہ نہ لگا کہ کہاں گیا۔ جب مدینہ منورہ میں پہنچ گیا تو مجھے وہ خواب یاد آیا جو حضرت قبلہ کے روبرو بیان کیا تھا۔ کفِ افسوس مل کر رہ گیا کہ اب کیا ہوسکتا ہے!!

حج کی سعادت:

سید گل حسن شاہ صاحب کو حج کی سعادت دو بار حاصل ہوئی ——— لکھتے ہیں کہ حج بیت اللہ کا ارادہ ہوا۔ ایک دن کمر باندھ کر (پیر و مرشد کی) خدمت مبارک میں جا کھڑا ہوا۔ پوچھا کہ خیر ہے! ——— میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، فرمایا کہ ابھی ایک مہینہ اور ٹھہر جاؤ ——— اس روز تو زبردستی ٹھہرا۔ اگلے روز پھر وہی اُمنگ آئی۔ اور کمر باندھ کر پھر اجازت کا طلب گار ہوا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ یہ ٹھہرے گا نہیں۔ اسی وقت یہ شعر ارشاد فرمایا:

تو عزم سفر کر دی و رفتی ز بر ما
بستی کمر خویش شکستی کمر ما

جاؤ، رخصت اللہ حافظ! ——— مگر یہ بات یاد رکھنا!

گفت حق اندر سفر ہر جا روی
باید اوّل طالبِ مردے شوی

یہاں سے روانہ ہو کر بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اتمامِ حج کے بعد چالیس دن تک مدینہ منورہ میں رہا۔ پھر واپس بمبئی پہنچ کر قیام کیا ——— دوسرے

سال پھر حج کیا۔

بیعت وارادت:

مولانا سید گل حسن شاہ صاحب نے مختلف اوقات میں مختلف حضرات سے متعدد سلاسل میں بیعت کی:

(۱)—— دورانِ ملازمت سوات بنیر میں اخوند عبدالغفور صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔

(۲)—— دوسرے سفرِ حج کے دوران حرمِ مکہ میں مولانا ابراہیم رشید صاحب محدث مصری سے خاندانِ خضریہ میں بیعت کی اور اس خاندان کے تمام مراتب و دقائق کی تعلیم پائی۔

(۳)—— دوسرے حج سے واپسی پر سید غوث علی شاہ قلندر صاحب کی خدمت میں مولوی فتح محمد صاحب کی معرفت بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے شرفِ قبولیت فرماتے ہوئے شبِ جمعہ بیعت فرمایا اور جدی خاندانِ قادریہ کی تعلیم فرمائی۔

(۴)—— سفر کابل سے واپسی پر عرصہ چار سال بعد سید غوث علی شاہ صاحب نے خاندانِ نقشبندیہ میں بیعت فرما کر اس خاندان کے مراتب و معمولات تعلیم فرمائے۔

سید صاحب کے احباب:

"تذکرہ غوثیہ" میں آپ کے احباب ورفقاء میں یہ نام ملتے ہیں:

(۱) حاجی سید فریدالدین

(۲) میر نصیرالدین دہلوی ہاشمی بخاری

(۳) منشی ڈپٹی نجم الدین فاروقی

(۴) مولوی عبدالحکیم میرٹھی

(۵) مولوی محمد اسماعیل صدیقی میرٹھی [۱]

(۶) قاضی فتح محمد [۲]

سیر و سیاحت کا شوق:

جیسا کہ شاہ صاحب نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے کہ:

"سیر و شکار کے سوا کسی چیز کی رغبت نہ تھی"۔

چنانچہ اسی شوق کی تکمیل میں زندگی گزری —— آپ کی خودنوشت وغیرہ سے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کا پتہ چلتا ہے:

۱- دورانِ ملازمت سوات جنیر جانے کا اتفاق ہوا۔

۲- ملتان سے شمال مغربی جانب تیس کوس پر واقع خانقاہ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ پر حاضری دی۔

۳- وہاں سے براستہ ملتان، پاک پتن، بنگلہ، فتح آباد، حصار رو ہتک، بہادر گڑھ سے دہلی آنا ہوا۔

۴- دہلی سے لاہور کے لئے نکلے تو پانی پت میں ڈیرا جما لیا۔

۵- حج بیت اللہ شریف کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ آنا جانا ہوا۔

۶- دوسرے حج کے بعد مدینہ طیبہ سے بمبئی واپسی ہوئی۔

۷- بمبئی سے جزیرہ سراندیپ یعنی لنکا کی خوب سیر کی۔

۸- راج گڑھ علاقہ بندیل کھنڈ بھی جانا ہوا۔ [۳]

۹- ۲۲، جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ / ۹، اپریل ۱۸۸۵ء کو بغداد شریف روانگی ہوئی۔ اس سفر میں بصرہ، کاظمین و کربلائے معلی و نجف اشرف کی زیارت کے بعد میرٹھ واپسی ہوئی۔ [۴]

---

۱ بچوں کے معروف شاعر —— ان کے بارے میں سید غوث علی شاہ صاحب نے فرمایا:
"اسماعیل فرشتہ ہے- ہر وقت سکوت کے عالم میں رہتا ہے"۔ (تذکرہ غوثیہ، ص ۲۷۲)

۲ ماخوذ از "تذکرہ غوثیہ" ۳ تذکرہ غوثیہ، مطبوعہ لاہور (خودنوشت) ۴ تعلیم غوثیہ، مطبوعہ لاہور

تصانیف:

آپ کی تصانیف میں دو کتب خواص و عوام میں مقبول و معروف ہیں:

۱- تذکرۂ غوثیہ
۲- تعلیم غوثیہ

(۱) تذکرۂ غوثیہ:

سید گل حسین شاہ صاحب اپنے مرشد گرامی سید غوث علی شاہ کی مجالس میں سب سے زیادہ رہے —— تمام مریدوں میں آپ سب سے بڑھ کر مقرب و محترم تھے۔ صحبتِ مرشد میں مستقل طور پر رہنے سے کئی مخصوص مریدوں سے رابطہ ہوا۔ سب عقیدت مندوں نے پیر و مرشد کا تذکرہ مرتب کرنے کے لیے آپ کو ترغیب و تحریک دی۔ پیر و مرشد کے ملفوظات اور ان کی زبانی سیرت و سوانح اور کرامات کو بڑے دلپذیر انداز میں قلم بند کیا۔

البتہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سرحدی علاقے سے تعلق ہونے کے باعث آپ کو اُردو زبان پر زیادہ قدرت حاصل نہ تھی۔ اس تذکرے کو صاف اور شستہ زبان میں منتقل کرنے کے لیے مولوی اسماعیل میرٹھی صاحب نے تعاون فرمایا —— "تذکرۂ غوثیہ" کی حکایات اور واقعات میں ادبی دلچسپی پیدا کرنے میں مولانا میرٹھی کا بڑا کردار ہے۔ انیسوی صدی کی محررہ یہ کتاب اپنے طرزِ بیان اور اندازِ تحریر سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔

(۲) تعلیم غوثیہ:

یہ کتاب سید غوث علی شاہ صاحب کے ان ارشادات و تعلیمات پر مشتمل ہے جو کہ علم تصوف کے مباحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اپنی انفرادیت کے اعتبار سے خاصی مقبول ہے اور موضوع کے اعتبار سے ایک گراں قدر تحریر ہے۔

اس کتاب کے محرکین میں دو احباب کا خصوصاً ذکر فرمایا ہے:

☆ ——— میرے دلی دوست محبِ قلبی ڈپٹی نجم الدین فاروقی

☆ ——— میر نصیر الدین ہاشمی بخاری

☆ ——— مولوی محمد اسماعیل صدیقی صاحب

کہ راقم کے پیر بھائی اور حضرت معلیٰ کے مرید خاص و نظریافتہ ہیں۔ اس بات کے درپے ہوئے کہ اہل جہان کو اس فیض سے محروم رکھنا مردوں کی ہمت سے بعید ہے"۔[1]

"تعلیم غوثیہ" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے حضرتِ اقدس کا اثر تعلیم اور آپ کے فیضانِ صحبت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میں کہاں اور بحر لاتعین کی غواصی کہاں ——— اور پھر اس میں سے دریائے معارف کا نکالنا اور عرصہ شہود میں لا کر ان کو پیش کرنا میری تاب و طاقت سے باہر ہے۔ یہ تو اسی سحابِ گہربار کے رشحات اور اسی بحر مواج کے قطرات ہیں"۔[2]

اس کتاب کو یکم رجب ۱۳۰۴ھ/ ۲۷ مارچ ۱۸۸۷ء کو شروع کیا اور ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۰۵ھ کو مکمل کیا۔[3]

---

[1] تعلیم غوثیہ، مطبوعہ لاہور ص ۱۷ [2] تعلیم غوثیہ، مطبوعہ لاہور، ص ۱۶۲، [3] تعلیم غوثیہ، ص ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید تحمید

اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

بنام آں کہ اونامے ندارد بہرنامے کہ خوانی سر برآرد

کہ ذات اوست در ہرذات ساری کہ نام اوست در ہر اسم جاری

بہر ذاتے گردانی ذات اوخواں بہر اسمے کہ خوانی اسم او داں

''اس مقدس ہستی کے نام سے جو کہ کوئی نام نہیں رکھتا' اور جس نام سے بھی اسے یاد کرو وہ سن لیتا ہے۔اس کی ذات ہر ایک ذات میں طاری وساری ہے' اوراس کا نام ہر ایک اسم میں جاری ہے۔ ہر اس ذات کو جس کو تو جانتا ہے اسی کی ذات سے جان' اور جس اسم کو بھی تو پڑھے اسی کے نام سے جان۔''

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَo رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْبَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ.

یعنی ''کوئی شاندار کام جو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بغیر شروع کیا جائے' اس میں برکت نہیں ہوتی یعنی وہ مقطوع البرکت ہے۔''

حمد کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی بزرگی یا تعریف یا صفت وثنا بیان کرنا ——— اور یہ دوئی میں بھی ہوسکتا ہے کیونکہ

o——— ایک وصف ہو' ایک موصوف

o——— ایک حامد ہو ایک محمود

لہٰذا شریعت میں اس دوئی کے بغیر چارہ نہیں۔ اسی لئے عبد ومعبود' خدا ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثبات واجب ٹھہرا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔'' (پ۵ ع۱۶) اور

یعنی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہ یقین دل مان لو اور جو ان دونوں کو نہ مانے وہ کافر ہے——ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ (پ۶ ع۱)

''جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ اور رسولوں کے درمیان جدائی ڈالیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں بعض کے ساتھ اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ پکڑیں اس کے درمیان کچھ راہ—— یہ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے لئے ذلت کی مار۔''

یعنی جو اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے اور جدائی ڈالتے ہیں وہ کافر مطلق ہیں۔ غرض کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں پر کوئی فرق کئے بغیر ایمان لانا عین فرض ہے——ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (پ۶ ع۱)

''اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا کسی کو ان میں سے ان کو دے گا اجر و ثواب اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور اسی پر کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ گواہ ہے——مگر طریقت میں دوئی شرک ہے اور شرک سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا

"یعنی کسی شئے کو میرے ساتھ مت شریک کر۔"

اور یہ بھی فرماتا ہے کہ جو شریک کرے گا اس کو کبھی معافی نہ ہوگی —— اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔

"تحقیق اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک لایا جائے اس کے ساتھ اور بخشتا ہے سوا اس کے جس کے لئے چاہے۔ اور جو کوئی شریک لائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پس گمراہ ہوا۔"

گمراہی دور کرنا شریعت میں عبدیت و معبودیت کو ثابت کرنا ہے جب کہ طریقت میں دونوں کو مٹانا —— وہ شریعت کا حکم یہ طریقت کا حکم۔

ع گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

لیکن اہل طریقت وہ لوگ ہیں کہ شرک کی جڑ و بنیاد کو تختہ دل سے اکھاڑ کر توحید کا باغ لگاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مرتبۂ وحدت میں نزول اوّل قرار دیتے ہیں۔ ان کو خدا سے جدا نہیں جانتے بلکہ مرتبہ احدیت میں اسم و مسمّیٰ کا فرق بھی اٹھا دیتے ہیں اور شریعت کو طریقت کے لئے پردہ پوش اور لباس سمجھتے ہیں —— اگرچہ شریعت کا نزول آخر میں ہوا مگر عروج میں مقدم۔ چنانچہ تقدیم شریعت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

شریعت را مقدم دار اکنوں　　طریقت از شریعت نیست بیروں
کسے کو در شریعت راسخ آید　　حقیقت را بروئے خود کشاید

یعنی "تو پہلے شریعتِ حقہ کو لازمی سمجھ۔ طریقت شریعت سے باہر ہرگز نہیں ہے۔ وہ کہ جو شریعت میں پختہ ہوگا، اس پر حقیقت کی راہ خود بخود کشادہ ہو جائے گی۔"

"اَلْکِنَایَۃُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِیْحِ۔"

؎ خوش تر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

''وہ بڑی خوشی کی ہے جس میں محبوب کا راز ہو اور دوسروں کی زبانی بیان ہو۔''

پس میں بھی آدابِ شریعت کے مطابق اوّل حمد میں رطب اللّسان ہوتا ہوں:

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از لطفِ رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش درہمہ آفاق زد

''میں خدا تعالیٰ سے ادب کی توفیق کا طلب گار ہوں۔ کیونکہ بے ادب لطف ربانی سے محروم رہتا ہے—— بے ادب اکیلا اپنی ہی ذات کے لئے خود بدانجام نہیں ہوتا بلکہ اس سے سارے جہاں میں فتنہ وفساد کی آگ پھیل جاتی ہے۔''

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِO

حمد باری تعالیٰ

اَلْحَمْدُ لِمَنْ هُوَ الْاَوَّلُ بِالْبَاطِنِ وَالْاٰخِرُ بِالظَّاهِرِ وَهُوَ وَاحِدُ الْوُجُوْدِ غَيْرُهُ لَيْسَ بِمَوْجُوْدٍ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌO

حمد وثنا کمال و جمال پر نظر کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مرتبہ احدیت میں وحدت وواحدیت اور صفات واسما سب گم ہیں ——

O—— نہ علم ہے نہ خبر'

O—— نہ بے علمی کا علم نہ بے خبری کی خبر'

O—— نہ حمد ہے نہ محمود' نہ خدا نہ رسول'

O—— نہ عبارت نہ اشارت' نہ بیان ہے نہ زبان۔

کیونکہ احدیت حقیقت ہستی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ وہ اور اس کی حقیقت بھی جدا نہیں بلکہ متحد ہے —— نہ کل ہے نہ جز' نہ عام ہے نہ خاص ہے۔ اس کا نام ذات مطلق ہے' بلکہ اطلاق سے بھی پاک —— محال ہے کہ عقل اس کو پا سکے —— نہ اس کا اثبات کر سکتی ہے نہ نفی —— وہ خود شاہد و خود مشہود ہے' خود ظاہر و خود مظہر۔ اپنے ظہور کی شدت میں آپ مخفی و مستور ہے —— کوئی غیر نہیں جو باعث ظہور ہو۔ ماسوا نہیں جو اس کا حجاب ہو سکے۔ وہ اپنا حجاب آپ ہی ہے۔ اس لئے حجابات میں ظاہر تر ہے' اور بے حجابی میں پنہاں تر —— ظہور عین خفا ہے اور خفا میں عین ظہور —— اطلاق میں مخفی' تعینات میں ظاہر —— چنانچہ عقل و فہم' تقریر و تحریر حقیقت ہستی کا نقشہ نہیں کھینچ سکتی' تاوقت کہ حامد کو محمود سے آگاہی نہ ہو' حمد و ثنا ممکن نہیں —— اگر آگاہی اجمالی حاصل ہوئی تو احدیت نہ رہی' مرتبہ وحدت میں نزول

ہوا۔ جہاں سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں—— سب کچھ اس اعتبار سے کہ جمع واجمال محیط کل ہے اور کچھ بھی نہیں' اس لحاظ سے کہ نہ تفرقہ ہے نہ تفصیل۔ حامد ومحمود جدا نہیں—— اس لئے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ اور سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ بھی اس مرتبہ کی حمد ہے—— اور اگر آ گاہی تفصیلی ہے تو مرتبہ وحدت سے واحدیت میں نزول ہوا—— جہاں عابد ومعبود' ساجد ومسجود' حامد ومحمود میں فرق وامتیاز ہے—— اس لئے یہاں کی حمد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔

- —— اگر کمال و جمال محمود کو ملاحظہ کر کے صرف اس کے بیان پر اکتفا کیا اور اس کے اوصاف حمیدہ کے مناسب کوئی عمل نہ کیا تو یہ حمد قولی ہے'
- —— اور اگر ایسے اعمال وافعال بجالایا جو اس کے کمال اوصاف کے شایاں ہوں تو یہ حمد فعلی ہے۔
- —— اور اگر ان اوصاف کاملہ سے جو محمود پاتا ہے' خود بھی متصف ہوگیا اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے رتبہ پر پہنچا تو یہ حمد حالی ہے۔

حمد قولی چیست اقرار زباں
حمد فعلی طاعت و اعمال داں

''زبانی حمد کیا ہے' ایک اقرار زبانی ہے اور حمد فعلی طاعت وعبادت اور اعمال ظاہری ہیں۔''

حمد حالی اتصافِ جان و دل
برصفات پاک و برتر ز آب وگل

''حمد حالی جان ودل کی صفائی ہے۔ جس سے انسان اپنی پاک صفتوں کی وجہ سے پانی اور مٹی کی کثافتوں سے برتر ہو جاتا ہے۔''

درحقیقت حمد آں باشد کہ تو
بودہ باشی در کراں از غیر او

''درحقیقت حمد وہی ہے کہ تو اس کے غیر سے بے نیاز ہو جائے۔''

؎ گفت پیغمبر کہ لا احصی ثنا
حامد تو ہم توئی یا ربنا

''پیغمبر خدا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس کی حمد و ثنا کا حد و احاطہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اے رب تو خود ہی اپنا حقیقی حامد ہے۔''

؎ چوں بہ عالم نیست غیر یار کس
حامد و محمود خود بود و بس

''چونکہ عالم میں سوائے اس یار کے اور کوئی نہیں ہے لہٰذا وہی حامد بھی ہے محمود بھی ہے۔''

؎ جملہ ذراتِ جہاں مرآت اوست
ہرچہ بینی مصحف آیات اوست

''اور تمام جہان کے ذرات اس کے جمالِ ذات کا آئینہ ہیں۔ اس لئے جو کچھ بھی تو دیکھتا ہے' اسی کے مصحف مقدس کی آیات اور اسی کے رخ زیبا کی پرانوار نشانیاں ہیں۔''

خدایا اوّل و آخر بھی تو ہے — خدایا باطن و ظاہر بھی تو ہے
وہ اوّل تو کہ ہے آخر سے آخر — وہ آخر تو کہ ہے اوّل سے فاخر
وہ اوّل تو کہ نامحرم بدایت — وہ آخر تو کہ ناپیدا نہایت
نہیں اوّل کو آخر سے جدائی — ورائے عقل ہے تیری خدائی
جو آخر ہے وہی اوّل بھی تھا تو — وہی جو آج ہے سو کل بھی تھا تو
ہے تیرا اوّل و آخر مطابق — نہ تیرے ساتھ لاحق ہے نہ سابق
جو اوّل ہے تو' پہلے اور تھا کون — جو آخر ہے تو' پیچھے رہ گیا کون
جو باطن ہے تو باطن کا پتہ کیا — جو ظاہر ہے تو ہے تیرے سوا کیا
ہے تو باطن میں ظاہر بلکہ اظہر — بظاہر بن گیا تو عین مظہر
ترا اخفا ہے گویا عین اظہار — ترا اظہار ہے اخفائے اسرار

کھلا جتنا ہوا اُتنا ہی مستور — چھپا جتنا رہا کھلا بدستور
ازل سے تا ابد ہے ایک ہی شان — ترا طغرا ہے اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ
مبرّا قید اور اطلاق سے تو — منزّہ انفس و آفاق سے تو
مگر مطلق میں ہے تو عین مطلق — نہ جامد ہے نہ مصدر ہے نہ مشتق
ہے اصل روح تو روحانیوں میں — ہے قید جسم تو جسمانیوں میں
اگر ناسوت میں ہے موجِ پرجوش — تو ہے لاہوت میں دریائے خاموش
اگر جبروت میں بانگِ انا ہے — صف ارواح میں حمد و ثنا ہے
تو ہی ہے علم و عالم بلکہ معلوم — تو ہی ہے رحم و راحم بلکہ مرحوم
تجھے نسبت ہے لاشئے سے نہ شئے سے — غنی ہے تو، نہیں ہے اور ہے سے
تیری وحدت ہے کثرت میں نمودار — کہ بے کثرت نہیں وحدت کا اظہار
نہ ہو وحدت تو کثرت بھی عدم ہے — حدوثِ آئینہ حسنِ قدم ہے
زمین و آسمان کا نور ہے تو — مگر خود ناظر و منظور ہے تو
سوا تیرے نہیں موجود کوئی — نہ عابد ہے نہ ہے معبود کوئی
ازل سے دائم المعروف ہے تو — ابد تک خودبخود موصوف ہے تو
تری رحمت ہے یہ جلیے دکھاتی — ہے قہاری تری سب کو مٹاتی
مسلم ہے تجھ ہی کو حکمرانی — کہ تیری سلطنت ہے جاودانی
ھو الموجود ہے تجھ سے عبارت — ھو المقصود سے تجھ سے اشارت
احـــد ہے تو نہیں زنہار معدود — صـمـد ہے تو، نہ والد ہے نہ مولود
عیاں دیکھا تو پہنچا غیب ھو میں — نہاں ڈھونڈا تو آیا رنگ و بو میں
نہ پایا ہے نہ پائے گا کبھی تو — کہ ہے معروف عارف آپ ہی تو
تصور قرب کا دوری ہے تجھ سے — خیالِ دوری، مہجوری ہے تجھ سے
نہ دوری ہے نہ نزدیکی نہ مابین — عبادت منقطع لا غیـر و لا عیـن
حقیقت سے نہیں ہے کوئی آگاہ — مشتبہ اور موحد سب ہیں گمراہ

نہ ہو جب فرق ہی تو راہ کیوں ہو — نہ ہو کوئی تو پھر آگاہ کیوں ہو
پتہ لگتا نہیں تنزیہہ میں بھی — خبر ملتی نہیں تشبیہ میں بھی
یہ ہنگامہ اور اس پر بے نشانی — ہوا ہے عقلِ کل کا خون پانی
تیمم کر کہ خاکستر ہے دریا — لگا غوطہ کہ ہے گرداب صحرا
نہ صحرا ہے نہ دریا نہ میں تو
نہ یادو بود باقی ہے نہ ھـــا ھـــو

وحدت و حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

احدیت ذات مرتبۂ لاتعین ہے۔ صفت علم کا جب ظہور ہوا تو اس نے اپنی ذات و صفات کو آپ ہی جانا —— جملہ موجودات کو بر سبیل اجمال اپنے آپ ہی میں پایا —— اس مرتبہ کا نام وحدت حقیقی ہے اور یہ برزخ ہے ——

احدیت و وحدیت کا جہاں ظہور و بطون (ظاہر و باطن) برابر ہے۔ وہ ہر ظاہر میں ظاہر ہے اور ہر باطن میں باطن:

- —— جمادات میں جمادات'
- —— نباتات میں نباتات'
- —— حیوانات میں حیوانات'
- —— انسانوں میں انسان'
- —— فرشتوں میں فرشتہ'
- —— صورت میں صورت'
- —— معنی میں معنیٰ'
- —— روحانی میں وہی روح ہے'
- —— جسمانیوں میں وہی جسم ہے'

کیونکہ وہ ہستی مطلق ہے ــــ جس قید میں چاہے مقید ہو جائے ــــ غرض کہ جملہ صفات وتعینات اجمالی کے ساتھ اپنے آپ کو جاننا وحدت حقیقی ہے۔ مگر اس تعین میں تفصیل نہیں ہے' بلکہ اسماء وصفات' ارواح ومثال سب متحد ہیں بغیر کسی فرق و امتیاز کے۔ مثلاً تخم (بیج) میں اجزائے شجر: یعنی تنا' شاخ' پتے وغیرہ بالا جمال سب موجود ہیں اور وہ سب متحد۔ یہی وحدت وحقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ــــ کیونکہ وہ حقیقت انسانی کی اصل ہے اور حقیقت انسانی اصل ہے شہود عالم کی ــــ یعنی جو ظہور عالم میں بالتفصیل ہے ــــ اس کا خلاصہ حقیقت انسانی میں موجود ہے ــــ اور حقیقت انسانی میں کمال و جمال مندرج ہے وہ سب حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہے اور وہی اصل الاصول ظہور وشہود ہے۔

من یعنی جدِّ جد افتادہ ام
گرچہ در صورت بآخر زادہ ام

یعنی ''معنوی لحاظ سے میں درحقیقت جد اعلیٰ ہوں۔ اگر ظاہری صورت میں سب سے آخر میں آیا ہوں۔''

لہٰذا حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت حقیقی کیا ہے:

اَنَا اَحْمَدُ بَلاَ مِیْمٍ   مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ

اس لئے کہ اس کا اتصاف سے مجرد ہونا احدیت ہے اور متصف بہ صفات ہونا احدیت۔

پیر کامل کے اوصاف (حقیقتِ انسانی)

اے ضیاء الشمس نجم الدین   حسن مشرق الانوار' نورِ ذوالمنن
لب پہ آیا نام شہ غوث علی   بے تکلف کھل گئی دل کی کلی
پھر صبا سبزے کو لہرانے لگی   باغ معنی میں بہار آنے لگی

پھر لگا دی ابر رحمت نے جھڑی ‌ ‌ ‌ پھر وہی باد بہاری چل پڑی

پھر وہی محمل وہی ہے کارواں ‌ ‌ ‌ ناقۂ سرمست وحدی خواں ساربان

پھر اسی منزل میں جا کھولی کمر ‌ ‌ ‌ دشت چٹیل اور ویرانہ نگر

پھر کھلا در حجرۂ انوار کا ‌ ‌ ‌ قفل ٹوٹا قبۂ اسرار کا

پھر وہی صحبت وہی لیل و نہار ‌ ‌ ‌ پھر لگے ہونے درّ معنی نثار

پھر خزانہ غیب کا لٹنے لگا ‌ ‌ ‌ رشک سے حاتم کا دم گھٹنے لگا

پھر لگی سانچے میں ڈھلنے بات بات ‌ ‌ ‌ عارفانہ رمز و مردانہ نکات

پھر الاپے نئے نئے اسرارِ قدم ‌ ‌ ‌ ذرّہ ذرّہ بن گیا منصور دم

پھر وہی ساغر وہی بزمِ سرور ‌ ‌ ‌ پھر لگا بہنے وہی دریائے نور

پھر وہی ساقی وہی دیرینہ خم ‌ ‌ ‌ کفر و ایمان کا ہوا سررشتہ گم

ہوگئے مل جل کے سب ایک شے ‌ ‌ ‌ دور ساغر دست ساقی مست ہے

مدح حاضر میں بھی لکھ اب چند بیت ‌ ‌ ‌ تو ہی لکھ خود مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ

اے تجلی اخیر ذوالجلال ‌ ‌ ‌ تھا کمال بندگی تیرا کمال

ہاں محمد وار تو تام خدا ‌ ‌ ‌ کر گیا ہے بندگی کا حق ادا

ترکِ دُنیا ترک عقبیٰ ترکِ جاں ‌ ‌ ‌ قول وفعل وحال سے تیرے عیاں

خوب توڑا تو نے ہر بندِ کہن ‌ ‌ ‌ تھا مگر تو حیدر خیبر شکن

ہر توسل سے تجھے اعراض تھا ‌ ‌ ‌ شیر خوار مبداء فیاض تھا

داد حق تھی تیری قوت اور قوت ‌ ‌ ‌ تھا خیال غیر بیت عنکبوت

فقر فخری کی صدا بھائی تجھے ‌ ‌ ‌ حق نے بخشی ارث آبائی تجھے

مدتوں کے بعد ایک آدم بنا ‌ ‌ ‌ ہفت خوان فقر کا رستم بنا

شاذو نادر کوئی شہباز جلال ‌ ‌ ‌ کھولتا ہے اس ہوا میں پروبال

شیخ و صوفی پارسا زاہد بہت ‌ ‌ ‌ ہے مگر مردانِ خدا عنقا صفت

غوث اعظم یا جنید و بایزید ‌ ‌ ‌ یا نظام الدین یا بابا فرید

یا معین الدین و عطار و شہاب
اپنے اپنے وقت کے تھے آفتاب

مجمع البحرین تجھ سا بعد ازاں
گردشِ دوراں نے دیکھا تھا کہاں

لاکھ چکر کھائے گا جب چرخ پیر
لائے گا تجھ سا کوئی مہر منیر

اے محیط اولین آخریں
آفریں، صد آفریں، صد آفریں

ذات، کا آئینہ کامل بنا
یہ امانت تھی کہ تو حامل بنا

حامل و محمول میں یاں فرق کیا
شمس ربانی کو غرب و شرق کیا

تھا نہایت معتبر پکا امین
تیرا پیمانہ کبھی چھلکا نہیں

ظرف عالی بس کہ دریا نوش تھا
خم کدے خالی کئے، پر ہوش تھا

اے تیری آواز آوازِ خدا
اور خاموشی تری راز خدا

تھے لب شیریں لب دریائے ذات
اس لئے ہر بات تھی آبِ حیات

جو حکایت جو مثل جو بات تھی
عالم معنی کی اک سوغات تھی

مردہ روحوں کے لئے تھی زندگی
زندگی وہ جس کو ہو پائندگی

تیرے دم سے حشر روحانی ہوا
صاف و صیقل گوہر کانی ہوا

صور پھونکا تو نے جس کی جان میں
جو ہوا سو ہو گیا اک آن میں

جذب حق ہو سعی طالب سے غلط
چشم حق بیں کا اشارا تھا فقط

جس کسی پر تو نے پھونکا ہے فسوں
اک نہ اک دن اس کو ابھرے گا جنوں

رسم و عادت کا گریباں پھاڑ کر
دین تقلیدی سے دامن جھاڑ کر

کفر پر یاروں کے ایماں لائے گا
وار مردوں کو نہ خالی جائے گا

اے مشکک تجھ کو ایماں کی قسم
کافر دیرِ فنا کے لے قدم

جو نہ دے تجھ کو کھلا کافر بنا
تو مری تکفیر کا محضر بنا

فقر کو ہے کفر سے نسبت قوی
ہے مگر وہ کفر کفر معنوی

فقر محتاج خدا ہرگز نہیں
فقر عین ذات حق ہے بالیقیں

ہے یقیں بھی عین یکتائی میں عار
فقر سے بھی چاہئے پھر افتقار

فقر فقر آیا تو کیا باقی رہا — بادہ کش باقی نہ خود ساقی رہا
سر گیا تو دردِ سر جاتا رہا — اٹھ گئی امید ڈر جاتا رہا
اے فنائے فقر تجھ کو مرحبا — عین عریانی ہے بس تیری عبا
مرحبا اے خازنِ اسرارِ غیب — کیا چھپایا ہے ہنر کو مثل عیب
ہاں خزانے کا چھپانا فرض تھا — گرچہ بیرون سماء و ارض تھا
یہ چھپانا کم نہ تھا اظہار سے — آگ بھڑکی گرمی بازار سے
وہ چھپے کیا جو کہ ہو خود پردۂ در — باہمہ بے پردگی ہو مستتر
دیکھ کیا کہنا تھا کیا کہنے لگا — نالہ بل کھا کھا کے کیوں بہنے لگا
کچھ نہ تھا واں کچھ نہ ہونے کے سوا — کچھ نہ ہونا بھی وہاں باقی نہ تھا
تو نہ تھا کچھ عین، عین اللہ تھا — ظاہراً بندہ نہانی شاہ تھا
بندگی کے بھیس میں اے جامہ زیب — دے گیا واللہ تو سب کو فریب
تجھ کو دیکھا پر نہ دیکھا خلق نے — لب نے چکھا پر نہ چکھا حلق نے
تو دھتر بید تھا کھاتے اگر — سب دھتر بید بن جاتے مگر
کس کی طاقت تھی کہ تجھ کو دیکھتا — لاکھ پردوں میں ہیں خاصان خدا
سب گنوں میں تو فرید دہر تھا — جاں فزا امرت سے تیرا زہر تھا
تو قلندر رند تھا کونین سوز — سیف قاطع تھا نہ تھا تو بخیہ دوز
تو بھری محفل میں سب کچھ کہہ گیا — گوش جاں میں کہ جو باقی رہ گیا
مَنْ رَّاٰنِیْ کے معانی صاف صاف — شرح فرما تو ہی اے عنقائے قاف
مَنْ رَّاٰنِیْ منہ زبانی جس کے ہے — ہے اسی کا آئینہ ہر ایک شے
تو ہی خود کہہ یا نہ کہہ سن یا نہ سن — لوٹ ہے جب آسمان برسائے ہُن
نغمۂ لیلیٰ ہے ہر بانگ جرس — ہے چمن کا آئینہ ہر خار و خس
سطح پر جاری ہے ساری لہر بہر — قعر سے چپ رہ کہ ہے دریائے قہر
سطح کیسی، قعر کیا، ساحل کجا — بحر ہے لا ابتداء لا انتہا

تیری مجلس مجلسِ اللہ تھی دونوں عالم کی جہاں گم راہ تھی
اس کے ہوتے ہستی عالم کہاں دن نکل آیا تو پھر شبنم کہاں
آپ غالب ہے وہ اپنے امر پر لیکن اکثر آدمی ہیں بے خبر
تالبِ دریا ہیں آثار و طریق عین دریا میں ہیں سب راہیں غریق
راہ گم ہونا ہے راہ مستقیم حاش للہ ثم باللہ العظیم
آپ کو گم کر کہ تو ہی راہ ہے
راہ کو طے کر حریم شاہ ہے

غزل

ساقئ خم خانہ تھا جو صبح و شام روز آدینہ تھا مسجد میں امام
جس نے چشم مست ساقی دیکھ لی تا قیامت اس پر ہوشیاری حرام
اس لبِ جاں بخش کی باتیں تھیں یا معجزات عیسٰی گردوں مقام
ہو گیا اس کو قیامت کا یقین جس نے دیکھا سرو قامت کا خرام
چشمہ آبِ بقا کی لہر تھی وہ عبادت وہ اشارت وہ کلام
مرحبا عطر گریباں کی شمیم ہے معطر جس سے روحانی مشام
تھی زباں یا قاطع اوہام یار ذوالفقار حیدری تھی بے نیام
جس نے دیکھا نرگس شہلا کا خواب اس نے پایا رمز قلبی لا ینام
قَالَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ہوگئیں سب خوبیاں اس پر تمام
جس نے چاٹی عتبۂ علیا کی خاک تلخی دوراں سے ہو کیوں تلخ کام
اے صبا صحرائے جاں میں کر تلاش کس طرف ہیں وہ سرادق وہ خیام
خلوتِ لیلٰی میں تو گزرے اگر تو یہ کہہ دینا ہمارا بھی پیام
تشنگانِ شوق ہیں گم کردہ راہ تو بھی چل بہر خدا دوچار گام

بحر میں برپا ہوا جوش و خروش حبذا رشحات کاسات الکرام

سونپ دی تھی دست قدرت نے تجھے

ناقۂ لیلائے معنی کی زمام

اگر یہ کتاب سرمایۂ دارین نظر سے گزرے تو سقم عبارت پر غور نہ فرمائیں، مقصود اصلی کو مدنظر رکھیں ـــــ اور کوئی مضمون دُور از قیاس و بعید از فہم ہو تو دیوانہ خودرفتہ کی بڑ سمجھ کر معاف فرمائیں ـــــ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔

ع اَلْعُذْرُ عِنْدَ كِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ

ماحضر اہل نظر کے پیش نظر کر دیا

ع گر قبول افتد زہے عزوشرف

بعد ادائے ماوجب عرض پرداز خاکسار خادم الفقراء

بندہ شاہ گل حسن قلندر قادری

کتاب لکھنے کی وجہ

جب یہ فقیر حقیر ''تذکرہ غوثیہ'' کی تالیف سے فارغ ہوا اور اس کے مطبوعہ نسخے برادران طریقت و اہل محبت اور عقیدت رکھنے والوں کی خدمت میں پیش کر چکا تو فرصت سے طبیعت میں بے چینی ہوئی۔ جی میں آیا کہ یہ وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہنے کا نہیں ہے بلکہ کام کرنے کا ہے —— فارغ رہنے سے زندگی کے دن کاٹنا بہت مشکل ہو جائیں گے۔ عمر کا یہ حصہ ہمت چھوڑ دینے کا نہیں۔

میر نہیں پیر تم' کاہلی! اللہ رے
نام خدا ہو جوان' کچھ تو کیا چاہئے

ہمت کرو اور وقت گزارنے کے لئے کوئی حیلہ کرو' ورنہ پھر وہی پریشانی اور غم نصیب وقت ہو گا۔

شمع و بزم و جام و ساقی گر نہیں باقی' نہ ہو
دل کے بہلانے کو آخر غم ہی کھایا چاہئے

ادھر تو دل نے یہ دہائی دی' ادھر ملہم غیب نے دل کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ گھبراؤ نہیں ابھی تو ''تعلیم غوثیہ'' کی تدوین و تالیف باقی ہے۔ جس کا انصرام سرور دائمی کا سرمایہ اور عیش کا پیرایہ ہے —— جب اس کی ترتیب و تکمیل سے فراغت پاؤ گے تو دامن خالی نہ ہو گا' نہ پھر یہ ماتم ہو گا اور نہ یہ رنج و غم —— فکر دوام و شغل مدام اور جمال حقیقی و جلوہ تحقیقی کا خلعت موجود ہے۔ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍO

غم کے کھانے کا غم نہ کھا اے دل
یہ بھی دو چار دن کا مہماں ہے

جس وقت یہ معاملہ روبکار ہوا تو بھی ہوشیار ہوا اور تعمیل حکم کے لئے فوراً تیار ہوا۔ دل نے کہا کہ اب وقت ہے کہ وہ جواہر معانی اور لآلی روحانی اور نقود حقانی جو ایک نقاد لاثانی و مفتاح کنوز ربانی یعنی جناب قبلہ وکعبہ سیدنا ومولانا حضرت غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہ العزیز کے فیضان صحبت واثر سے تربیت سے سینہ کے خزینہ میں مخزون اور دل گنجینہ میں مکنون ہیں ——— ان کو زبان قلم سے نکال اور سفینہ اوراق پر بار کر کے ساحل اظہار پر لا اتار ——— تاکہ اس ذکر وفکر کے طفیل اور اس جدوجہد کی برکت سے تجھے حبیب حقیقی کی طرف مصروفیت ہو ——— اور طالبان تحقیق و سالکان طریق، رہروان جادۂ تدقیق، حصول صدق و یقین سے تیزگام و فائز المرام و شاد کام ہوں ——— لیکن اس کے ساتھ ہی اس وصیت کی بجا آوری کی دل میں تحریک ہوئی جو حضرت اقدس نے سفر بغداد کے لئے فرمائی تھی ——— چنانچہ کتاب لکھنے کو ملتوی کر کے بتاریخ ۲۲ جمادی الآخر ۱۳۰۲ھ/۹ اپریل ۱۸۵۵ء بغداد شریف روانہ ہوا ——— بصرہ اور بغداد شریف و کاظمین و کربلائے معلّی و نجف اشرف وغیرہ مقامات متبرکہ میں بزرگان دین کی خاک پاک کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر سے پونے دو برس کے بعد پھر میرٹھ واپس آیا ——— وصیت مرشد کی بجا آوری کے بعد واپس آتے ہی دل بے چین اور بے تاب ہو گیا۔ پیر و مرشد کی بارگاہ والا اور آستانہ عالیہ سے بچھڑے ہوئے سات سال ہو گئے۔ آخر اس جدائی کا سبب اور اس محرومی کی کچھ انتہا بھی ہے ——— چنانچہ دوستوں کے ساتھ پانی پت کا سفر اختیار کیا۔ دو ہفتہ وہاں قیام کیا اور مزار مبارک کی زیارت نے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور بخشا۔ پھر میرٹھ روانہ ہوئے۔ اب دل میں یہ ارادہ کیا کہ ایک چلہ بھی کرنا چاہئے۔ ہر چند کہ اپنا مسلک تو یہ ہے۔

چلہ میں بیٹھ گوشہ سے کیا دل لگائیے
میدان کیا برا ہے کشش دل کی چاہئے

لیکن ہوا یہ کہ جب یہ فقیر سفر بغداد شریف سے واپس آیا تو دوستوں نے نہایت خلوص اور محبت کے ساتھ بڑی عمدہ اور پُرتکلف دعوتیں کیں ——— تر نوالے کھانے سے

جسم موٹا ہو گیا' آنکھوں میں چربی آ گئی۔ نفس میں تازگی آئی اور پیٹ پھول کر کپا ہو گیا ——— جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو نفس سے کہا:

''لو جناب! اب تک تم نے خوب عیش کئے اور خوب مزے اڑائے۔ یہاں تک کہ بھوک میں قصور اور ہاضمہ میں فتور واقع ہوا ——— اب مناسب یہی ہے کہ حُبُّ الدُّنْیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ کو خانہ دل سے نکال کر اس کے اہل کو سپرد کرو ——— اور منضج پیو تا کہ معدہ صاف اور ہاضمہ درست ہو ——— یقین ہے کہ چالیس دن میں تم چاق و چوبند ہو جاؤ گے۔''

اس بارے میں منشی نجم الدین صاحب سے جو کہ میرے دلی دوست ہیں' مشورہ کیا ——— انہوں نے فرمایا کہ اس کام کے لئے حضرت قطب الاقطاب جناب قطب جمال الدین صاحب قدس سرہ علی خانقاہ کی مسجد کا حجرہ جو موضع پھلاوَدہ کے علاقہ میں ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک نہایت سرسبز' نہایت دل کشا' درختوں سے معمور اور خوش نما پرندوں' طرح طرح کے جانوروں سے بھرا ہوا جنگل ہے' موزوں معلوم ہوتا ہے ——— اس حجرہ کو جب اس کیفیت کے ساتھ دیکھا تو بہت پسند آیا۔ چنانچہ اسی میں بیٹھ گیا ——— چلہ ختم ہونے کے قریب تھا کہ خیال آیا ''تعلیم غوثیہ'' میں کیا دیر ہے؟ ——— خود ہی جواب عرض کیا:

''کچھ بھی دیر نہیں' البتہ پختہ ارادہ شرط ہے۔''

چنانچہ چند ضروری امور اسی وقت قلم بند کر لئے ———

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب چلہ ختم کر کے باہر آیا تو ناتوانی و کمزوری کی وجہ سے سستی طاری ہونے لگی کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ یار باقی' صحبت باقی' دیکھا جائے گا ——— لیکن میرے دلی دوست و محب قلبی ڈپٹی نجم الدین فاروقی صاحب' میر نصیر الدین ہاشمی و بخاری صاحب اور راقم کے پیر بھائی مولوی محمد اسماعیل صدیقی صاحب جو حضرت معلیٰ کے مرید خاص و نظر یافتہ ہیں' نے تحریک دلائی کہ اہل جہان کو اس فیض سے محروم رکھنا مردوں کے شایان شان نہیں ——— جناب قبلہ و کعبہ سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہ العزیز کے فیضان صحبت و تربیت کا جو سمندر تیرے دل

میں جوش مار رہا ہے' اپنے دل کی بھڑاس نکال کر ابر نوبہار کی طرح تمام کرۂ زمین پر باران رحمت برسا تا کہ اہل جہاں سیراب ہوں اور کوئی شخص ہمارے حضرت کے فیض سے محروم نہ رہے۔ بقول شیخ سعد علیہ الرحمہ:

''آ زرون دل دوستاں جہل ست وکفارہ یمین سہل''

بہ ہمت تمام قلم اٹھایا اور اس رسالہ کی تحریر کا اتفاق ہوا—— یکم رجب ۱۳۰۴ھ/ ۲۷ مارچ ۱۸۸۷ء بروز اتوار شروع کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ۱۴ ربیع الاول ۱۳۰۵ء کو بروز سوموار بوقت دس بجے دن ختم کیا۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

یہ رسالہ:

○—— منبر شریعت ہے' نردبانِ طریقت ہے۔
○—— قنطر ۃ الحقیقت ہے' کمندِ معرفت ہے'
○—— قاصد معبود کی خبر دیتا ہے'
○—— موجود کو بتاتا ہے'
○—— مقصود کو دلاتا ہے'
○—— مطلوب کو ملاتا ہے'
○—— محبوب کا وصل کراتا ہے'
○—— اس فرمان سے اپنی حقیقت کھلتی ہے'
○—— خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے'
○—— مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کا راز رکھتا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ○ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ○ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

جو اس پر عمل کرے گا' بے شک اپنے مقصود اصلی کو پہنچے گا۔

قارئین کو نصیحت

اے مشتاقانِ شریعت وطریقت!ـــــ اے عاشقانِ حقیقت ومعرفت!ـــــ
میں آپ صاحبوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو صاحب:

○ـــــ بے علم وکم حوصلہ اور کوچہ فقر وفنا سے بے بہرہ ہو' یا
○ـــــ علم تصوف ومعرفت سے منکر ہو'

تو وہ اس صحیفہ مقدس کو:

○ـــــ طلسمات بوقلمون' اسرار الٰہی سے معمور'
○ـــــ نیرنجات گونا گوں رازہائے نامتناہی سے بھرپور ہے'

ہرگز نہ دیکھےـــــ ورنہ دین ودنیا سے ہاتھ دھو کر زندقہ اور الحاد کے مغاک میں جا گرے گا اور دنیا وآخرت کے خسارے کے سوا اس کو کچھ حاصل نہ ہوگاـــــ

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پند پیرِ دانا را

یعنی' اے جانِ من! تو میری نصیحت کو سن لے کیونکہ جوانانِ سعادت مند اپنے پیر دانا کی نصیحت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔''

جو شخص کہ

○ـــــ صاحب علم اور بلند حوصلہ' اور
○ـــــ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ کے راز سے آگاہ' اور
○ـــــ اس پر دل دادہ وجانثار' اور
○ـــــ عبدیت کی شان میں ثابت قدم'
○ـــــ شریعت کے لباس سے آراستہ وپیراستہ ہے۔

وہ اگر اس مخزنِ اسرار معرفت کو بنظر غائر وتفکر وتامل ملاحظہ فرمائے گا۔ تو میں کامل یقین رکھتا ہوں کہ وہ بالضرور مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ کے انوار سے منور ہو کر شرک و

طغیان کی خندق سے باہر نکل آئے گا —— اور میدان کفر حقیقی میں ثابت قدم رہ کر شش جہات میں توحید حقیقی کا جلوہ دیکھے گا۔

اگر کافر شوی در آخر کار
براندازی حجاب از خود بیک بار

''اگر کافر ہو جائے تو آخر کار تو اپنے اوپر سے ایک حجاب یکبار اٹھائے گا۔''

حقیقت کافر فقر و فنا شو
تو در وحدت نکل عین بقا شو

''حقیقت میں کافر فقر ہوتا ہے تو فنا ہو جا' اور پھر بحر وحدت میں غرق و فنا ہو کر کل کے ساتھ تو عین بقا ہو جا۔''

عشق رابا کافری نسبت بود
عاشقاں را ایں چنیں قسمت شود

''عشق کی کافری سے ایک نسبت ہوتی ہے اور عاشقوں کی یہی قسمت ہوتی ہے۔''

کافری عین مسلمانی بود
کافری خود نور ایمانی بود

''کافری عین مسلمانی ہے اور کافری خود نور ایمانی بھی ہے۔''

کفر در تسبیح حق باشد حرام
رو مسلمانی بہ جواز کفر تام

''کفر تسبیح حق میں حرام ہوتا ہے' تو مسلمانی کو کفر تام سے تلاش کر۔''

کفر پوشیدن خودی خود بحق
رو بگیر ایں دین و از بر خواں سبق

''اور وہ کفر اپنی خودی کو حق سے پوشیدہ کرنا ہے' تو جا اور یہ دین حاصل کر اور حق پرستی کا یہ سبق بھی سیکھ۔''

ہر کرا کفر حقیقی شد بدست
معنیٔ بت شد ورا خدمت پرست

''جو شخص اپنے ہاتھ میں کفر حقیقی رکھتا ہے' وہ اپنی خدمت پرستی کی وجہ سے بت کے معنی خود ہو جاتا ہے۔''

چند چند از کفر و ایماں چند چند
ہر دو نعلینِ تو باشد پائے بند

''کچھ کچھ کفر اور کچھ کچھ ایمان' تیرے لئے یہ دونوں پابند کرنے والے نعلین ہیں۔''

کفر و ایمان را بہل بالا برآ
معنی صافی بہ خواں از رہنما

''تو کفر و ایمان کو چھوڑ کر اوپر آ جا اور کسی رہنمائے حق سے ''صوفی صافی'' کے معنی پڑھ۔''

کفر کافر راہ و دینِ دین دار را
ذرّۂ دردِ دل عطار را

''کافر کو کفر اور دین دار کو دین مبارک ہو۔ عطار فقیر کو تو صرف ایک ذرہ دردِ دل کافی ہے۔''

والسلام

تعارف: تعلیم غوثیہ ومرأة الوحدت

اس کتاب کا نام ''تعلیم غوثیہ ومرأة الوحدت'' رکھا —— اس کی تقسیم ایک مقدمہ، تین باب اور ایک خاتمہ پر کی گئی:

مقدمۃ الکتاب:

اس میں تیرہ بیان ہیں:

- ——علم تصوف کو علم دین سے نسبت۔
- ——تحقیق تصوف۔ ارکان تصوف، معنی صوفی، معنی متصوف، معنی فقیر، معنی سلوک۔
- ——علم تصوف کی فضیلت۔
- ——فضیلت تصوف، صوفی، صحبت فقراء، علامات فقراء۔
- ——صحبت فقراء کی فضیلت۔
- ——علمائے تصوف اور علمائے ظواہر میں معانی آیات قرآنی میں اختلاف۔
- ——فقر و تصوف کی تعلیم عوام الناس کے لئے نہیں، خواص کے لئے ہے۔
- ——تعلیم تصوف باندازۂ عقل وحوصلہ طالب۔
- ——طریق تحصیل علم تصوف، مقام اقلیم شریعت میں۔
- ——اقلیم طریقت۔
- ——وادی طلب میں پیر کامل کی تلاش اور ہر وادی میں اس کی فرمان برداری۔
- ——سامان سفر کی تیاری وضروریات سفر۔
- ——مسافر طریقت یعنی سالک کی مزید آگاہی کے لئے سوال وجواب۔

باب اول: علم الیقین

فصل اوّل: تنزلات کی تمہید میں۔

فصل دوم: وحدت وجود۔ وحدت شہود۔ مکتوبات ہر دو گروہ۔ فیصلہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ۔

فصل سوم: تنزلات وتعینات خمسہ ذات بحث بالاجمال۔

فصل چہارم: تنزلات بطرز دیگر۔

فصل پنجم: تنزلات بطریق قدمائے سالکین رحمہم اللہ علیہم۔

فصل ششم: تنزلات بطریق دیگر بالتفصیل۔

فصل ہفتم: ہندسہ الہیہ۔

باب دوم: عین الیقین

فصل اول: ثبوت اذکار۔

فصل دوم: طریق اذکار۔

فصل سوم: ذکر صلوٰۃ دائمی۔

فصل چہارم: اشغال۔

فصل پنجم: مراقبات۔

فصل ششم: شغل یا مراقبہ خمسہ وجودات، وتشریح آن، وتعلیم:
مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

باب سوم: حق الیقین واقلیم حقیقت

فصل اول: تفکرات۔

خاتمۃ الکتاب

تصوف کی دین سے کیا نسبت ہے؟

برکلام حضرت مولانا شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ۔

مقدمۃ الکتاب

استفسارات جبرئیل جوابات محبوب رب جلیل:

بخاری ومسلم شریف میں حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو زانو مؤدب بیٹھ کر چند سوال کیے۔

پہلا سوال: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اسلام سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ:

- تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں
- محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا رسول ہے
- نماز اچھی طرح ادا کرو
- اور زکوٰۃ دو

○ —— ماہ رمضان کے روزے رکھو'

○ —— بیت اللہ کا حج کر' اگر سفر خرچ کی استطاعت ہو۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''سچ فرمایا آپ نے۔''

دوسرا سوال: مجھے ایمان کے بارے میں بتلائیں۔

جواب: آپ نے فرمایا: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ —— یعنی ایمان لاؤ:

○ —— اللہ اور اس کے فرشتوں پر'

○ —— اور اس کی کتابوں اور رسولوں پر'

○ —— اور قیامت کے دن پر'

○ —— اور ایمان لاؤ اس کی تقدیر پر' بھلی ہو یا بری۔''

عرض کیا: ''آپ نے سچ فرمایا۔''

تیسرا سوال: مجھے احسان سے مطلع فرمائیے۔ یعنی نیکی کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ

○ —— تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

○ —— اگر ایسا نہ کر سکے تو یوں عبادت کر کہ گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: سچ فرمایا آپ نے۔''

اس کے بعد اجازت لے کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

''یہ جبرئیل تھے' جو تمہیں اسلام کی تعلیم دینے آئے تھے۔''

دین کے بنیادی ارکان:

اس حدیث پاک میں تین سوال ہیں۔ یعنی:

○ —— اسلام کی حقیقت کیا ہے؟

○ —— ایمان کسے کہتے ہیں؟

O——احسان کیا چیز ہے؟

علمائے محققین فرماتے ہیں کہ دین کی بنیاد ان تین ارکان پر ہے:

☆ فقہ ☆ کلام ☆ تصوف

چنانچہ اس حدیث پاک میں ان تینوں ارکان کا بیان ہے یعنی

(۱)

پہلا سوال اسلام کی حقیقت کے بارے میں ہے۔ یہ فقہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں اعمال و افعال' احکام و آداب شرعیہ بیان کئے جاتے ہیں—— اگر انسان فقیہ ہوگا تو حقیقت اسلام سے بے خبر نہ رہے گا۔ اس لئے کہ بغیر فقہ کے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی اور قواعد وشرائط اور آداب واحکام نماز زکوٰۃ' روزہ و حج معلوم نہیں ہو سکتے۔

(۲)

دوسرا سوال ایمان کے متعلق ہے اور یہ عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ عقائد سے متعلقہ مسائل اصول کلام ہیں۔ یعنی اللہ پر ایمان لانا اور بالیقین اعتقاد رکھنا کہ اس کی ذات وصفات برحق ہیں—— اور اس کے فرشتوں پر ایمان لانا کہ وہ نورانی مخلوق اللہ کی فرمانبردار ہے—— اور اس کی کتابوں پر ایمان لانا کہ اس کا کلام قدیم ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا—— قرآن حکیم سب سے افضل ہے اور کل آسمانی کتابیں چار سو ہیں—— اور جمیع رسولوں پر ایمان لانا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ وہ معصوم یعنی گناہوں سے پاک تھے—— اور ایمان لانا کہ قیامت' جنت و دوزخ' ثواب وعذاب سب برحق ہیں۔

(۳)

تیسرا سوال احسان کے بارے میں ہے اور یہ اصول تصوف کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صدق دل سے متوجہ الی اللہ ہے—— یہ بات تصوف کے بغیر حاصل نہیں ہو

سکتی۔

درجاتِ بندگی:

ارشاد ہے: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ـــــ یہ مرتبہ شہود و مقام مشاہدہ ہے ـــــ اور فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ یہ مقام مراقبہ ہے ـــــ مقام مراقبہ پہلے مرتبہ کی نسبت کم درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ مراقبہ میں بندہ نظر الٰہی یا علم الٰہی سے (جو اس کی جانب ہے) یہ آگاہی حاصل کرتا ہے کہ طاعت اور عبادت میں تین درجے ہیں:

○ ـــــ ایک یہ ہے کہ واجبات سے ابرائے ذمہ ہو۔ ایسی عبادت بے سود ہے۔ سوائے اس کے کہ شرعی سزا سے بچ گیا۔ آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

○ ـــــ دوسرا درجہ عبادت میں یہ ہے کہ تمام ارکان و احکام کو شرائط و آداب کے ساتھ بجا لائے تاکہ رضائے خداوندی و ثواب جزیل حاصل ہو اور ذوق و شوق عبادت سے باطن پر ہو جائے۔

○ ـــــ عبادت میں تیسرا درجہ مقام مشاہدہ ہے۔ اس سے اعلیٰ و افضل کوئی مقام نہیں۔ چنانچہ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ فقہ اور اصول کلام اور تصوف ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے کہ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہیں ہوتی۔

صحیح اعتقاد کے بغیر احکام شرعیہ کا جاننا بے سود ہے۔ جب تک پورے طور پر توجہ الی اللہ نہ ہو یہ دونوں بیکار ہیں ـــــ اور تصوف بغیر فقہ کے بے اصل ہے۔ اس لئے کہ احکام الٰہی فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا تصوف کے بغیر فقہ بے سود ہے۔ اس لیے کہ صدق دل کے بغیر عمل کافی نہیں ـــــ ایمان کے بغیر یہ دونوں صحیح اور درست نہیں ہو سکتے۔ جیسے کہ جسم و جاں۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر بے صورت ہیں' کیونکہ لازم و ملزوم ہیں۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا ارشاد:

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
''جو صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا۔ پس وہ زندیق ہوا (یعنی بڑا بددین ہوا) ــــ اور جو فقیہ ہوا' صوفی نہ ہوا' وہ بڑا فاسق ہوا ــــ اور جس نے ان دونوں کو حاصل کیا بس وہ بڑا محقق ہوا۔''
لہٰذا ہر عالم کے لئے ضروری ہے کہ علم دین کے حصول کے بعد تصوف حاصل کرے ــــ ورنہ

ع۔ چار پائے بر و کتابے چند

کا مصداق ہو گا ــــ جس کو شوق تصوف ہو' اس پر فرض ہے کہ پہلے علم دین حاصل کرے ورنہ زندقہ اور گمراہی میں گرفتار ہو گا ــــ یا ہمیشہ علمائے محققین کی صحبت اختیار کرے تا کہ اس کو دونوں باتیں حاصل ہوں۔

ظاہر و باطن کی آرائش:

صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اپنا ظاہر شریعت سے اور باطن طریقت سے آراستہ رکھو ــــ شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

شو بہ باطن ربوبیت پرواز
کن بہ ظاہر عبودیت اقرار

یعنی ''تو اپنے باطن میں ربوبیت اور ظاہری طور پر عبودیت کا اقرار کر'' ــــ کیونکہ:

- ــــ شریعت صفات ہے اور طریقت ذات
- ــــ شریعت جسم ہے' طریقت جان۔
- ــــ شریعت ظاہر ہے' طریقت باطن

چونکہ فی زمانہ ملک میں علم دین کے مدارس جا بجا قائم ہیں۔ ہر شخص علم دین

حاصل کر سکتا ہے ـــــ زیر نظر کتاب میں مسائل شریعت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ضروری مسائل تصوف وطریق تعلیم بیان کئے جائیں گے۔ تاکہ طالبان حق اس سے مستفید ہو کر اپنے دلی مقصد کو پاسکیں ـــــ اللہ بس باقی ہوس ـــــ اول اس بات پر یقین کامل کر لینا چاہئے کہ:

"شریعت بنیاد طریقت ہے اور رہنمائے حقیقت ہے اور پردہ کشائے معرفت ہے ـــــ اتباع شریعت کے بغیر کمال تصوف کا حاصل ہونا بہت ہی مشکل ہے بلکہ زندقہ والحاد ہے۔"

ارکان تصوف کی تحقیق

تصوف کیا ہے؟:

تصوف مصدر ہے جو لفظ صوف بالضم سے بنا لیا ہے ـــــ صوف کے معنی ہیں: ایک قسم کا پشمینہ کا لباس ـــــ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں "خواہش نفسانی سے پاک ہونا اور کل عالم کی اشیاء کو مظہر حق جاننا۔

چونکہ اکثر بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام کو لباس صوف پسند تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ لباس ایسا مرغوب تھا کہ وہ پسندیدۂ خدا ہو گیا۔ آپ کو اسی لباس سے منسوب کر کے پیار سے پکارا:

○ ـــــ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ـــــ "اے کملی اوڑھنے والے"

○ ـــــ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ـــــ

آپ کے صحابہ کرام بالخصوص اصحاب صفہ وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی یہ لباس پسند رہا ـــــ بعد ازاں اولیاء اللہ نے بھی اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ پر خیال کر کے اسی پہناوے کا خیال رکھا۔ صحابہ کبار کے بعد یہ لوگ مخلوق میں چونکہ ممتاز اور حاجت روائے خاص و عام تھے لہٰذا اہل زمانہ ان کو صوفی اور ان کے اعمال و افعال و

اقوال کو تصوف کہنے لگے۔

(۲)

تصوف صوف بالفتح سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں:

''یک سو ہونا' اور ماسوائے اللہ سے روگردانی کرنا''——

واصلان حق چونکہ ماسوائے اللہ سے یکسوئی' خواہشات دنیا اور نفسانی لذتوں سے روگردانی کرتے تھے۔ اس لئے ان کی عادات واحوال وافعال کو تصوف کہا گیا۔

اَلتَّصَوُّفُ تَصْفِيَةُ الْخَيَالَاتِ عَنْ مَا سِوَى اللهِ

یعنی ''اپنے خیالات کو غیر اللہ سے پاک وصاف رکھنا' یہی تصوف ہے۔''

اور یہی لوگ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ کے مصداق ہیں—— یہی لوگ انبیاء علیہم السلام کے علوم ظاہری و باطنی کا جامع ہیں۔

(۳)

اکثر فقرائے متقدمین چونکہ صوف پسند کرتے تھے۔ صوف کے لباس کی وجہ سے انہیں صوفی کہا گیا ہے۔

(۴)

ایک خیال یہ بھی ہے کہ صفائے باطن کی وجہ سے ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔

(۵)

اسلام سے پہلے کچھ لوگ خانہ کعبہ کی صفائی اور جھاڑ پونچھ صوف سے کیا کرتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ صوفی کے نام سے مشہور تھے۔

دورِ رسالت میں صوفیہ کرام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو بیالیس آدمیوں کی ایک جماعت مدینہ منورہ حاضر ہوئی اور آپ کے دست اقدس پر مشرف

باسلام ہوئی۔ دولت اسلام سے دامن بھر کر عرض کیا:

''ہم لوگ دنیا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشینی میں یادالٰہی کرنا چاہتے ہیں۔''

آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اس جماعت نے صحرا میں استقامت اختیار کی اور اپنے گروہ کا نام صوفی رکھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دور خلافت میں اس گروہ کو آپ سے فیوض باطنی حاصل ہوئے۔ اس عہد میں جہاد کم ہو گیا تھا' اس لئے اکثر لوگ ترقی عبادت کا مشغلہ ڈھونڈنے لگے۔ فرائض وسنن کے بعد نوافل کو ترقی ہونے لگی اور شیوخ وعلماء کی محفلیں گرم رہنے لگیں۔

تصوف کا پہلا سلسلہ:

۱۴۹ھ میں حضرت شیخ الوان علیہ الرحمہ نے جدہ میں طریق تصوف کو ایک سلسلہ کی صورت میں مرتب کیا اور اس سلسلہ کا نام ''الوانیہ'' رکھا ——— کئی لاکھ آدمی اس سلسلہ میں داخل ہوئے ——— آپ نے ہر ایک کو حسب مراتب طریق مجاہدہ ومکاشفہ وغیرہ کی تعلیم فرمائی ——— پھر بتدریج اور سلاسل قائم ہوئے۔

علم وحکمت میں تصوف:

تصوف نے خدا کی توحید میں عجیب وغریب پسندیدہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جو کم وبیش ہر ملت و مذہب میں پائے جاتے ہیں اور اپنے اپنے وضع کردہ اصولوں کو دلچسپ بنانے میں بڑے بڑے دقائق حکیمہ سے کام لیا ہے۔

(۱)

جرمنی کے ایک بڑے فلاسفر کا قول ہے کہ خدا کی طرف کتنی ہی آنکھیں کیوں نہ بند کی جائیں' لیکن اس کا اثر ہر جگہ موجود ہے ——— ایک ہی اثر سے جو جمادات میں غیر محسوس نظر آتا ہے اور حیوانات میں ناقص' جب کہ انسان میں کامل حالت کو دکھا رہا ہے ——— یہی مسئلہ کہ خدا سب میں موجود ہے' بڑے بڑے جھگڑوں اور بڑے بڑے

مذہبی تفرقوں کا باعث بنا ہے۔ سب کو اس میں سمجھنا اور اس سے کسی کو خالی نہ جاننا اس وقت بھی بہت سے مذاہب کا عقیدہ ہے۔

(۲)

بدھ مذہب میں شکھیامُنی اسی عقیدہ کی تعلیم پر بہت کچھ زور دیا ہے—— وہ کہتا ہے کہ ہم فنا ہوتے ہیں اور اس میں مل جاتے ہیں اور اسی کا نام غایت عیش ہے، جس میں قربان یعنی توحید وفنا مراد ہے۔

(۳)

یورپ میں ایزوس نامی ایک فلاسفر نے عیسائی مذہب کا مدار بھی اسی مسئلہ پر ثابت کیا ہے—— دسویں صدی عیسوی میں خلیفہ الحاکم ثانی کے عہد میں پطرس بزرگ عیسائی اور میمونیدس یہودی کا مذہب بھی یہی تھا۔ آخر کار ایسے عقائد والوں کو رومن کیتھولک پوپوں نے برباد کر کے نکال باہر کیا۔

(۴)

اسلام میں بھی اکثر عقائد دوسروں کے عقائد سے ملتے جلتے ہیں۔ جیسے اسلام نے غیر مذہب کو چھانا، ویسے ہی اسلام میں تصوف نے بھی غیر مذاہب کے عقائد کی چھان بین کر کے ایک خاص مسلک اختیار کیا ہے——

اسپین کے اقبال مند مسلمانوں نے جہاں اور علوم وفنون میں ترقیاں حاصل کی ہیں وہاں تصوف کی تحقیقات میں بھی سب سے آگے نظر آتے ہیں—— عقائد صوفیہ یعنی:

- ○—— ہمہ اوست
- ○—— ہمہ از وست

وغیرہ کی ترقی اوّل اندلس میں ہوئی ہے یعنی جب علمائے یہود ونصاریٰ واسلام ایک جا جمع ہوئے تو خواہی نخواہی ایک خلط مبحث پیدا ہوا۔ جن کی فلسفہ کی طرف توجہ تھی وہ ارسطو کے عقائد پسند کرنے لگے اور کہنے لگے:

''ہر چیز کا ایک ہی مخرج ہے۔دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں' سب میں ایک ہی اثر کا ظہور ہے ـــــ وہی ہر چیز میں سمایا ہوا ہے اور ہم سب اسی سے نکلے ہیں اور اسی میں جا ملیں گے۔''

فریڈرک ثانی کے زمانہ میں ان عقائد کا زور اول سسلی میں ہوا۔خود بادشاہ بھی ان عقائد کا معتقد ہو گیا۔آخرکار ان کا ایسا عروج ہوا کہ اس کے اثر نے عمومیت حاصل کر لی۔

فلسفہ و تصوف:

فنائیت کے سارے درجے یعنی:

- فنا فی الشیخ
- فنا فی الرسول
- فنا فی اللہ

ان سب کا وجود فلسفہ میں موجود ہے ـــــ فلسفے کا سب سے بڑا عقیدہ یہ ہے کہ:

''تمام عالم کا مخرج ایک ہی ہے اور سب کو اس میں جذب ہونا ہے بلکہ اب بھی ایک ایسا نامعلوم جاذب ہے کہ مفہومات کلی اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔''

چنانچہ علامہ حلی و علامہ نصیر الدین طوسی و صاحب صدرا نے تصوف کی نسبت جن حکیمانہ خیالات کا اظہار کیا ہے' ان کو صاحب ''مجمع البحرین'' نے علی الترتیب نقل کیا ہے۔غرض تخم تصوف خدا کی زمین میں ہزاروں برس سے نمودار نظر آتا ہے۔جیسے دنیا کی آبادی میں فارس کو سب پر تقدم ہے اسی طرح تصوف کی نشوونما بھی سب سے پہلے یہیں پائی جاتی ہے۔مختلف مذاہب کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت طوبی کا بیج حکمائے اشراقین نے بویا اور حکمائے مشائین نے سینچا ـــــ فارس میں اس کی نشوونما ہوئی ـــــ مصر و یونان کی آبیاری نے شاخ و برگ پیدا کئے ـــــ برصغیر کی نسیم نے گل شگفتہ کر کے بو باس پیدا کی ـــــ شریعت اسلام نے خوشبو سونگھی ـــــ متکلمین نے بہار دیکھی ـــــ صوفیوں نے پھل کھائے ـــــ سچ تو یہ ہے کہ تصوف حکیم بن کر

آیا' فقیر ہو کر رہا اور شہنشاہی شان بنا کر گیا۔

تصوف اک بے کنار سمندر:

تصوف کا بے کنار سمندر شریعت کے دریائے ذخار میں بڑی خوش آبی اور صفائی سے موجیں مارتا ہوا نظر آ رہا ہے ــــ شریعت کے درخت میں تصوف کی قلم بڑی کاری گری سے چڑھائی گئی ہے ــــ شریعت کی شاہراہ مستقیم سے طریقت کے راستہ کی داغ بیل نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ قابل قدر فلاسفروں کے ہاتھوں سے لگائی گئی ہے ــــ طوبائے شریعت پر صوفیوں کی نغمہ سرائی' طائران صدرہ کی زمزمہ سنجی سے بالاتر ہے ــــ خودی میں خدائی رعیت میں بادشاہی کے مزے جو صوفیوں نے لوٹے' دوسروں کو خواب میں بھی نصیب نہیں ہوئے ــــ پابندی مذہب کے باوجود جو نکات انہوں نے بیان فرمائے ہیں کسی حکیم کے وہم و خیال میں بھی نہ گزرے ــــ انتہائے شریعت' آغاز تصوف ہے ــــ تصوف کی انتہا میں وجود شریعت فنا فی اللہ نظر آتا ہے ــــ

تصوف کے اصول و ارکان:

تصوف کے اصول پانچ ہیں:

- ○ ــــ گرسنگی
- ○ ــــ خاموشی
- ○ ــــ بیداری
- ○ ــــ تنہائی
- ○ ــــ یادالٰہی

تصوف کے پانچ ارکان ظاہری ہیں اور پانچ باطنی ہیں ــــ ظاہری ارکان میں:

اوّل: پیروں' دینی یاروں اور عاجزوں کی خدمت

دوم: پیروں سے خرقہ ارادت پہننا

سوم: تنہائی میں ذکر وفکر کرنا

چہارم: مرشد کی صحبت میں بغیر اعتراض کئے اور بے اختیار تربیت پانا۔ کَالْمَیِّتِ بِیَدِ الْغَسَّالَ یعنی جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔

پنجم: فتوت یعنی سخاوت و بذل وایثار میں پیش قدمی کرنا۔

باطنی ارکان یہ ہیں:

اول: علم یعنی احکام شریعت وطریقت کا جاننا۔

دوم: اخلاص وصدق دل سے عمل کرنا۔

سوم: اپنے باطن میں حال پیدا کرنا۔

چہارم: دل کے مقام میں پہنچنا۔

پنجم: حق سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا۔

جب تک یہ ارکان ظاہری و باطنی سالک کی ذات میں جمع نہیں ہوتے، وہ صوفی نہیں ہوتا۔

مدارج تصوف:

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

''ابتدائی تصوف علم ہے—— اوسط عمل خالص—— اور آخر بخشش خدا۔

علم تو مرید کی مراد کھولتا ہے اور عمل طلب توفیق پر مدد کرتا ہے، اور بخشش خدا امید کی غایت پر پہنچ دیتی ہے۔

صوفیہ کے گروہ:

صوفی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جگہ نہیں دیتا۔ جس مقام پر پہنچتا ہے اس کی نفی کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے—— بعض کے نزدیک صوفی وہ ہے کہ ہمیشہ بغیر علاقہ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو—— اور بعض کا خیال ہے کہ صوفی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے لذات نفسانی سے فانی اور اپنے مشاہدہ میں باقی کر دے——

حضرت جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جو متواضع اور جفائے خلق کو برداشت کرنے پر ایسا بردبار ہو جیسے زمین۔

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صوفیہ کے تین گروہ ہیں:

۱- مرید —— جو اپنی مراد کو طلب کرتا ہے۔
۲- متوسط —— جو آخرت کی راہ میں چلتا ہے۔
۳- منتہی —— جو اپنے مقصود کو پہنچ گیا ہے۔

(۱)

مرید اپنے وقت کا متوسط اور اپنے حال کا منتہی ہے۔ پاس انفاس میں اپنے سانس کا نگہبان اور اسے سب احوال میں افضل جانتا ہے اور مراد کی طلب میں سختیاں برداشت کرتا ہے —— مرید کا کام ہے:

- مجاہدات میں مقام کرنا'
- ریاضات وعبادات میں تکلیف اٹھانا'
- صبر کی تلخی چکھنا'
- نفسانی لذتوں سے بچنا

(۲)

متوسط سے منازل آداب کا مطالبہ ہے۔ وہ صاحب تکوین ہے کہ ادنیٰ حال سے اعلیٰ کی طرف ترقی پاتا ہے اور ہمیشہ زیادتی میں ہوتا ہے۔ اس کا مقام:

- مرادات کی طلب میں سختیاں اٹھانا'
- اقوال وافعال میں سچا رہنا'
- کمال کے مقامات میں ادب برتنا

(۳)

منتہی درجہ صحو و تمکین میں ہے۔ ظاہر میں مخلوق میں شامل' باطن میں حق سے واصل۔

جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے غار حرا میں تنہا گوشہ نشین رہتے تھے پھر مخلوق میں شامل رہنے لگے۔

صوفیہ کے اصول:

حضرت جنید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صوفیوں کے اصول پانچ ہیں:

- صوم
- قیام شب بہ عبادت
- اخلاص عمل بہ تقرب الی اللہ
- رعایت اعمال اور کسی رکن میں خدا سے غافل نہ ہونا
- توکل

مذہب کے لئے ظاہر و باطن:

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مذہب کے لئے ظاہر و باطن ہے — ظاہر تو یہ ہے کہ خلق خدا سے ادب برتے — اور باطن یہ ہے کہ کل اصول و مقامات میں اللہ کے ساتھ ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو نماز میں لعب یعنی بے ہودہ حرکت کرتے دیکھا تو فرمایا:

''اگر اس کا دل خاشع ہوتا تو نماز میں اس کے اعضاء بھی خاشع ہوتے۔''

صوفی کون ہے؟:

صاحب ''مصباح الہدایہ'' فرماتے ہیں کہ صوفیوں سے مراد اصل و کامل ہے — قرآن مجید میں مقربین اور سابقین انہی لوگوں سے مراد ہے نہ کہ وہ جماعت بہ مجرد اسلم و رسم دوسروں سے ممتاز اور مخصوص ہو — بلکہ اصحاب حقیقت صوفی اس کو کہتے ہیں جو بدرجہ مقربین حضرت قدس و تعالیٰ اور بہ صفت کمال سابقین پہنچا ہو، خواہ مترسم برسم صوفیہ کرام ہو یا نہ ہو — عوام الناس اسے صوفی کہتے ہیں جو مترسم برسم صوفیہ کرام ہو اگرچہ اہل حقیقت سے نہ ہو — البتہ جو گروہ خاص ہے وہ رسمی صوفیوں

کو صوفی نہیں بلکہ مشبہ کہتے ہیں۔

صاحب "مجمع سلوک" فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو —— متصوف وہ ہے کہ اس درجہ کو مجاہدہ سے طلب کرے اور حصول جاہ اور حظ دنیا کے لئے صوفیوں کی سی صورت بنالے لیکن صوفیوں کے کام اور معنی سے خالی ہو۔

تصوف کے درجے:

امام قشیری علیہ الرحمہ حضرت جنید علیہ الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ تصوف وہ ہے کہ اللہ تجھ کو تیرے نفس سے مار دے اور اپنے ساتھ زندہ کرے۔ یعنی بخود فانی و بحق باقی —— ولی کی بھی یہی تعریف ہے۔ چنانچہ صوفی اور ولی' تصوف و ولایت ایک ہی شے ہوئے۔

جمہور اہل اللہ کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ ولایت سے تصوف مرتبہ خاص ہے —— بعض کے نزدیک تصوف یہ ہے کہ غیر سے دل کی حفاظت کرے —— حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سات سو مشائخ طریقت نے تصوف کی ماہیت بیان کی ہے۔ ان سب میں بہتر بات یہ ہے کہ

"وقت کو اس میں صرف کرنا جو اس کے لئے بہتر ہے' تصوف کہلاتا ہے۔"

صوفی و فقیر و زاہد کی تعریف میں مختلف خیال ہیں —— صوفی تارک الاشیاء عیوض موعود کے لئے قائم نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے وقت میں خوش ہوتا ہے —— صوفی اپنے ارادے سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے قائم بہ اشیاء ہوتا ہے —— چنانچہ صورت فقر و غنا میں خوئی فضیلت نہیں دیکھتا۔ فقر و تصوف میں بہت فرق ہے۔ اس لئے کہ فقیر اشیاء میں بخود قائم اور بہ ارادہ خود جانتا ہے۔ برخلاف صوفی کے' کہ وہ بہ مراد خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے —— کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ:

"آپ کیسے رہتے ہیں؟" —— کہا:

"جیسے وہ رکھتا ہے" —— پوچھا:

''کیسے رکھتا ہے؟''——فرمایا:

''وہ جس طرح پر چاہتا ہے۔''پوچھا:

''کس طرح چاہتا ہے؟''فرمایا:

''مجھے اس کی چاہ سے کیا مطلب!''

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک یہی کہتا رہا کہ:

''الٰہی ایسا کر اور ویسا کر۔''

جب معرفت کے مرتبہ اوّل میں پہنچا تو میں نے کہا:

''مولیٰ تو میرا ہو اور جو چاہے کر۔''

فقیر و زاہد کے پاس یہ علم نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کہ زاہد ترک کو افضل جانتا ہے اور اخذ کو قبیح——یہی حال فقیر کا ہے۔

حضرت شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے جنت و دوزخ پر اختیار دیا جائے تو میں دوزخ کو اختیار کروں——کیونکہ جنت میرے نفس کی طلب ہے جب کہ دوزخ دوست کی مراد ہے——

فقیر و زاہد صفت میں تمیز نہیں کرتے بلکہ اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جو ترک کو بڑھائے اور دنیا کے دھندوں سے بچائے——فقر اور زُہد کی حقیقت ایک خاص وصف ہے جو صوفی کی حالت کے لئے لازم ہے۔ مگر زُہد میں صوفی کا مقام زاہد کے مرتبہ سے بہتر ہے کہ لذت نفس سے دور ہے۔ ''اَلدُّنْیَا حَرَامٌ عَلٰی اَھْلُ الْاٰخِرَۃُ حَرَام'' عَلٰی اَھْلِ الدُّنْیَا وَھُمَا حَرَامَانِ عَلٰی اَھْلِ اللہِ۔

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ فقر اور چیز ہے اور تصوف اور چیز——فقر کی نہایت تصوف کی ہدایت ہے——

اسی طرح زُہد اور ہے فقر اور ہے——فقر صرف محتاجگی اور نہ ہونے کو کہتے ہیں بلکہ فقر محمود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کی تقسیم و عطا پر راضی ہو——اسی طرح

صوفی اور ہے ملامتی اور ــــــ صوفی وہ ہے کہ مخلوق میں مشغول نہیں ہوتا اور اس کے رد و قبول کی پرواہ نہیں کرتا ــــــ ملامتی وہ ہے کہ اپنی نیکی کو دکھاتا نہیں اور بدی کو چھپاتا نہیں۔

''مجمع السلوک'' میں ہے کہ اہل شام تصوف اور فقر میں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس آیہ کریمہ سے تمسک کرتے ہیں:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

حالانکہ یہ سب اہل تصوف تھے ــــــ اہل معرفت کے ساتھ اسم صوفی کا اطلاع اس لئے ہے کہ اکثر مشائخ قدما دنیا کے تعطل و زُہد اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کی وجہ سے لباس صوف پہنتے تھے اور ایک دوسرے کو صوفی کہتے تھے ــــــ

فقیر کے معنی محتاج کے ہیں اور فقر بمعنی محتاجگی یا محتاجی ــــــ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے پاس کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دوستی نہیں ــــــ دنیا و آخرت دونوں کو اسی پر قربان کر دیتا ہے۔ اس کی ذات کے سوا کسی سے سروکار نہیں رکھتا ــــــ اس کی ذات کا محتاج اور اسی کی ذات کی محتاجی رکھتا ہے۔

سلطان الاتقیاء تاج الاولیاء سید الاصفیاء ابن المصطفیٰ و المرتضیٰ فرحتِ دل فاطمہ زہرا، جگر گوشۂ حسن المجتبیٰ و حسین شہید کربلا، محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صمدانی، حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

''متصوف وہ ہے جو صوفی بننے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی مشقت سے صوفی بنتا ہے۔ صوفیانہ لباس پہنتا ہے اسی لئے وہ متصوف کہلاتا ہے ــــــ جیسے قمیص پہننے کے لئے لفظ تَـقَـمُّـصْ اور دراعہ پہننے کے لئے لفظ تَـدَرُّعَـهٗ بولتے ہیں ــــــ اسی طرح جو شخص زُہد میں آیا اس کو مُتَـزَهِّدْ کہتے ہیں۔ جب وہ اپنے زُہد میں انتہا کو پہنچا تو سب چیزیں اس کی دشمن ہو گئیں اور وہ ان سے فانی ہوا ــــــ چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے یار کو چھوڑ دیا۔ اس

وقت وہ شخص زاہد کہلاتا ہے—— اس کے لئے ہر چیز بغیر طلب کے موجود ہوتی ہے—— تب اسے نہ ان چیزوں سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت—— بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس میں فعل خدا کا انتظار کرتا ہے—— اس کو متصوف کہتے ہیں اور جب اس معنی سے موصوف ہوتا ہے' تب صوفی ہوتا ہے۔''

لہٰذا لفظ صوفی مصافات سے ماخوذ ہے' بمعنی پاکی۔ یعنی وہ بندہ کہ اللہ تعالیٰ نے جسے اس کو نفس کی آفتوں اور برائیوں سے پاک کر دیا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ تصوف یہ ہے کہ خدا کے ساتھ سچائی اور مخلوق کے ساتھ نیکی کرے—— متصوف اور صوفی یہ فرق ہے کہ

- متصوف مبتدی ہے اور صوفی منتہی۔
- متصوف نے وصال کا راستہ شروع کیا ہے' جب کہ صوفی اس راہ سے گزر چکا ہے۔ جس کی طرف قطع و وصل ہے' اس کے پاس پہنچ گیا ہے۔
- صوفی سب بھاری اور ہلکے بوجھ کو اٹھا چکا ہے' جب کہ متصوف باندھ بوندھ کے اٹھانے والا ہے۔

لیکن جب اس نے بوجھ اٹھا لیا' نفس کو مار دیا' خواہشوں کو مٹا دیا اور امیدوں کا ستیاناس کر دیا تو اس کا نام صوفی رکھا گیا۔

سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مرید متصوف اپنی خواہشات و ہوائے نفس و شیطان وخلق و پروردگار و دنیا و آخرت کو فریب دھندہ ہے۔ شش جہات کی تمام اشیاء سے جدا ہونے کے لئے عبادت خاص طور سے اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے۔

- ان اشیاء سے ترک عمل کرنا'
- ان کی موافقت سے دل کو جدا کرنا'
- دل کو ان کی محبت سے جدا رکھنا'

- دنیا کو ترک کرنا' اور
- شیطان کی مخالفت کرنا ہے'
- حکم الٰہی سے تمام خلقت خدا سے مفارقت کرنا۔

پھر طلب آخرت کے لئے اپنے نفس کو مجاہدہ میں ڈالتا ہے اور آخرت اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں جو کچھ اپنے دوستوں کے لئے آمادہ کیا ہے' سے مفارقت کرتا ہے ——— پھر اکوان سے باہر آتا ہے اور صاف ہوتا ہے احداث سے' اور خاص اللہ کے لئے پاک ہوتا ہے ——— پھر اس سے تمام علائق و اسباب' اولاد اور گھر والے جدا ہو جاتے ہیں ——— اس سے تمام اطراف بند ہو جاتے ہیں اور تمام جہات کی سمتیں اور تمام دروں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ پروردگار کے تقاضے کے مطابق رضا ہے ——— اس کا ماضی و استقبال کا جو دانا ہے' اس میں کام کرتا ہے ——— جو اسرارِ خفیات کی خبر رکھتا ہے ——— پھر اس پر وہ دروازہ کھل جاتا ہے' جس کا نام بابِ قربت ہے۔ یہ دروازہ اس بادشاہ کا ہے جو نیک جزا دینے والا ہے ——— پھر اسے نشست گاہ انس کی طرف بلند کیا جاتا ہے ——— پھر وہ کرسی توحید پر بیٹھتا ہے' اس سے حجاب اٹھائے جاتے ہیں ——— وہ دار فردانیت میں داخل ہوتا ہے' پھر اس پر جلال و عظمت پروردگار منکشف ہوتے ہیں ——— جب جلال و عظمت پر نظر پڑتی ہے تو بے ہستی خود باقی رہتا ہے ——— اپنے نفس و صفات و بازگشت و قوت و حرکت و ارادہ از روئے دنیا و آخرت باز رہتا ہے ——— پھر اس ظرف بلور کی مانند ہو جاتا ہے جو صاف شفاف پانی سے بھرا ہوا اور اس میں ہر چیز صاف نظر آئے ——— چنانچہ اس پر سوائے تقدیر الٰہی کے کوئی حکم نہیں کرتا ——— اور غیر حق اس کو موجود نہیں کرتا ——— لہٰذا وہ از خود از بہر خود فانی ہے اور یہ امر مولائے خود موجود ہے ——— اور خلوت نہیں چاہتا' اس لئے کہ خلوت تو موجود کے لئے ہے خاص خدا کے لئے ——— اب وہ بچے کی مانند ہے کہ:

- اگر کوئی کچھ نہ کھلائے تو کچھ نہیں کھاتا اور
- اگر کوئی کپڑا نہ پہنائے تو نہیں پہنتا۔

پس اس نے اپنے سر کو دے دیا اور سپرد کر دیا ——— اس وقت وہ اس آیہ کریمہ کے مصداق ہو جاتا ہے:

تَقَلُّبَهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ

مگر جسم کی موجودگی کے باوجود آفرینش حق کے درمیان کردار و اعمال و اسرار و ظواہر و پوشیدگیوں اور نیتوں سے جدا ہے ——— لہٰذا اس وقت اس کا نام صوفی اس لئے رکھا جاتا ہے کہ وہ تکدرِ خلائق سے صاف کیا گیا ہے۔ سُبْحَانَ اللهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○

تصوف کے درجے:

تصوف کے چار درجے ہیں:

○ ——— شریعت
○ ——— طریقت
○ ——— حقیقت
○ ——— معرفت

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ نے ان چار مراتب کو اخروٹ سے مثال دی۔ یعنی جیسے اخروٹ کے چار درجے ہیں:

○ ——— پوست (چھلکا)
○ ——— استخوان
○ ——— مغز
○ ——— روغن

اسی طرح تصوف کے بھی چار مراتب ہیں:

○ ——— شریعت پوست ہے۔
○ ——— طریقت استخواں ہے۔
○ ——— حقیقت مغز ہے اور
○ ——— معرفت روغن۔

اگر پوست نہ ہو تو استخواں کا پیدا ہونا محال ہے ——— اور استخواں نہ ہوں تو مغز کہاں ——— اور جب مغز ہی نہیں تو روغن کجا ——— لہٰذا تصوف ایک درخت ہے جس کی

○—— بیج (جڑ) شریعت ہے اور شاخ طریقت'
○—— پھول حقیقت ہے اور پھل معرفت۔

بہر حال شریعت اصل اصول تصوف ہے۔ شریعت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہو سکتا۔

اقسام عالم:

عالم پانچ قسم کے ہیں:

○—— عالم دنیا
○—— عالم شریعت
○—— عالم طریقت
○—— عالم حقیقت
○—— عالم معرفت

(۱)

عالم دنیا وہ ہے کہ سر پر تکبر اور بغض و نفاق کی دستار ہو اور بغل میں کفرا کفرا کا کفر بیگ ہو—— اور علم دین کے ذریعے سے دنیا حاصل کرے—— یہ دنیا کے کتے ہیں۔

اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَ طَالِبُھَا کِلَابٌ

یعنی "دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔"

یعنی وہ دنیا جو غیر شرعی طور پر حاصل کی جائے وہ جیفہ ہے اور اس کے طالب کتے ہیں—— ورنہ جو پاک دنیا ہے وہ مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَہ یعنی آخرت کی کھیتی ہے——

(۲)

عالم شریعت وہ ہے کہ علم دینیات کے حصول کے بعد مسائل یَجُوْزُ وَلَا یَجُوْزَ کے جھگڑے میں گرفتار ہو اور مدعی کو علم کلام کے زور سے پسپا کر دے۔ ان کو علمائے ظواہر کہتے ہیں۔ ان کی مثال اخروٹ کے پوست کی سی ہے۔ یعنی زاہدِ خشک۔

(۳)

عالم طریقت وہ ہے جو ان علماء سے کترا کے الگ ہوا اور لباس تقوی پہن کر مجاہدہ نفس پر کمر باندھی ـــــ وہ صلحاء میں داخل ہوا۔ لیکن ابھی انانیت باقی ہے کہ گنہگاروں سے بھاگتا ہے اور غیر شرع سے نفرت کرتا ہے ـــــ یہ نفرت اس بات کی دلیل ہے کہ اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ طریقت میں پہلا قدم دوئی اور انانیت کا مٹانا ہے ـــــ اس کی مثال استخواں کی ہے۔ اب مغز پیدا ہونے کا یقین ہوا۔

(۴)

عالم حقیقت وہ ہے کہ رہبر کامل کے وسیلہ سے طریقت سے حقیقت میں آئے ـــــ اس وقت جملہ مخلوقات کو اپنے آپ سے بہتر و افضل جانتا ہے ـــــ یہ مرتبہ مغز کا ہے۔ یعنی صلحاء سے ابرار میں پہنچا اور پر مغز ہوا۔

(۵)

عالم معرفت وہ ہے کہ حقیقت سے مقام معرفت میں پہنچے ـــــ یہاں نہ کچھ برا ہے نہ بھلا۔ سب درجہ مساوات میں ہیں۔ یعنی اس مقام میں اسرار مشیت سے واقف ہو کر ابرار سے مقربین میں داخل ہوتا ہے اور مقام قرب حاصل کرتا ہے ـــــ یہ مثال روغن کی ہے۔ اس طریق کو راہ سلوک و تصوف کہتے ہیں اور ایسے عالم کو صوفی و عالم ربانی و وارث انبیاء' خلیفۃ اللہ' قطب مدار و قطب الاقطاب کہتے ہیں۔ جب تک تصوف کے چار مراتب کما حقہ حاصل نہیں کر لیتا' صوفی نہیں کہلاتا ـــــ اور اگر کسی کو مثلاً مغز یا روغن نکلا نکلایا مل گیا ـــــ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

ع ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج

کا مضمون ہو جائے تو وہ لے بھاگو۔ اٹھائی گیرہ رندہ کہلائے گا۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ پتہ نہیں یہ شخص کس کا مال چرا لایا ہے ـــــ اگرچہ اس وقت وہ دولت مند ہو گیا ہے لیکن قابل اعتبار نہیں ـــــ ہاں خود کھاؤ' چین اڑاؤ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نامی نجار'

صاحب وقار و گرامی دکاندار یا عطار نادار ہو کہ جو چاہو سو موجود ہے —— ہر ایک اس کے لائق نہیں ہے۔

سلوک بضمتین راہ رفتن و در تمام امور نیک روی اختیار کردن:

صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اس کے معنی "تقرب حق" ہے —— یہ ایک علم شریف ہے کہ جس کا طالب دل ہے نہ زبان —— یہ وہ صراط پر بیم ہے کہ جس کا سالک قلب ہے نہ پاؤں —— اسی کا نام علم قلب و حکمت اور فقر و علم باطن ہے —— اسی کے مقامات کا نام شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت ہے —— اسی علم کے ابواب کا نام:

○—— طلب و عشق ○—— عرفان و توحید ○—— استغناء
○—— فنا و بقا ہے۔

اسی علم کے حصول کو:

○—— تذکرہ و تصور ○—— تفکر و استغراق ○—— سکر و بیداری
○—— خوشی و محویت ○—— صحویت و حیرت

کہتے ہیں —— اسی علم سے اپنی شناخت اور عرفان الٰہی ہوتا ہے —— اسی علم کے فاضل کو سالک و صوفی اور فقیر و انسان کامل کہتے ہیں —— یہ علم شریف عزیز الوجود ہے۔ حدیث مبارک ہے:

مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ شَیْئًا اَقَلَّ مِنَ الْیَقِیْنِ وَلَا قَسَّمَ بَیْنَ النَّاسِ اَقَلَّ مِنَ الْحِکْمَۃِ.

یعنی "اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز یقین سے کم نہیں اتاری اور نہ کوئی چیز لوگوں میں حکمت یعنی معرفت سے کم تقسیم کی ہے۔"

علم تصوف کی فضیلت

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کی کچھ فضیلت اور صاحب علم کی تعریف اور ان کی صحبت کی بزرگیاں بیان کی جائیں تاکہ اہل دنیا کو اس کے حصول کا شوق پیدا ہو اور نفسانی خواہشات کو ترک کر کے اپنی جان و مال کو محبوب حقیقی کی طلب و تلاش میں صرف کریں اور معشوق ازلی کے شوق و یدار میں مسرور و شاد کام رہیں۔

علم و عالم کی فضیلت:

تصوف و صوفی اور صحبت فقراء کی فضیلت بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ علم و علماء کی فضیلت بیان کی جائے ـــــ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم و علماء کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں مثلاً ارشاد فرمایا:

''عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ پر میری فضیلت ہے۔''

اہل تصوف فرماتے ہیں کہ یہاں عالم علم معرفت مراد ہے نہ محض علم رسمی کا عالم۔ لہٰذا ہر ایک علم کا عالم اس فضیلت کا دعوے دار ہے۔ اس بارے میں ہم کو کوئی ایسا معیار میزان مقرر کرنا چاہئے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل منشاء معلوم ہو جائے کہ وہ کون سا علم و عالم ہے جس کو سب علم و علماء پر فضیلت و بزرگی ہے اور عقل سلیم بھی اسے تسلیم کر لے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے ہم ایک میزان قائم کرتے ہیں جس سے منشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر ہو۔

وہ میزان یہ ہے کہ جمیع علوم میں سے جس علم کا معلوم باقی علوم کی معلومات پر فضیلت رکھتا ہو اسی قدر وہ اس کا عالم باقی اور علوم اور ان کے علماء سے افضل ہو گا ـــــ اس معیار سے پورا پورا معلوم ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس علم و عالم کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ سب سے افضل و برتر ذات باری تعالیٰ عزاسمہ ہے۔ جس علم سے اس ذات کا عرفان ہو وہ علم اور اس کا عالم باقی تمام علوم وعلماء سے افضل ہوگا' وہ علم علم معرفت ذات الٰہی ہے۔ جیسے تصوف وفقر کہتے ہیں اور اس کے عالم کو عارف وفقیر و صوفی —— ثابت یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم معرفت و عارف کی فضیلت بیان فرمائی ہے —— تمام علوم ظاہری میں' جن میں علم دین بھی شامل ہے' صرف معرفت ہی علم باطن ہے —— باطن کو ظاہر پر تقدم ذاتی ہے —— ذات الٰہی بطون سے ظہور میں جلوہ گر ہوئی —— اس سے معلوم ہوا کہ علم معرفت فضیلت میں سب علوم سے اوّل درجہ پر ہے اور علم دین یعنی شریعت دوم درجہ پر —— دیگر باقی علوم اور علماء کی فضیلت اسی میزان کے ذریعے درجہ بدرجہ معلوم ہوسکتی ہے ——

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جمیع علوم معارف علم معرفت ذات الٰہی کے خادم ہیں اور علم معرفت ذات الٰہی سب علوم سے افضل ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں حدیث پاک میں عابد پر عالم کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا علم ایسا ہو جس کا نفع عام ہو —— چنانچہ ایسا علم البتہ کسی خاص عبادت گزار پر افضل ہوگا۔ ورنہ اس کا علم اگر عمل سے قاصر ہے تو یہ عالم محض علم کی وجہ سے افضل نہیں ہوسکتا —— اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذات الٰہی کا عارف جمیع علمائے ظواہر سے افضل ہے —— اور جو علم معرفتِ الٰہی کے جس قدر قریب ہے' اس کی فضیلت اسی قدر باقی دیگر علوم وعلماء پر ہے۔

شیخ ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علم بے عمل بانجھ ہے اور عمل بے علم بیمار —— آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔''

یعنی علم دین ومعرفت۔

عرش الٰہی کی سیڑھیاں:

عرش الٰہی کی چار سیڑھیاں ہیں جو نہایت بلند اور دشوار گزار ہیں:

○—— اوّل شریعت ○—— دوم طریقت

○—— سوم حقیقت ○—— چہارم معرفت

جو پہلی سیڑھی یعنی شریعت سے لغزش کھا کر گرے گا' قعر جہنم میں پہنچے گا—— اس کے محافظ اور طریق موصل الی المطلوب کے رہنما علمائے دین متین ہیں۔ جو باعمل و با اخلاص ہوں—— باقی تین سیڑھیوں کا محافظ پیر کامل ہے جو طالب صادق کو اس خوفناک پل سے بہ حفاظت تمام سلامت لے جا کر عرش بریں عرفان پر پہنچا دیتا ہے۔

انہیں صوفیوں کی شان میں ارشاد فرمایا:

عُلَمَآءِ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ

یعنی ''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔''

علماء کا اختلاف رحمت ہے:

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی ''علماء کا اختلاف رحمت ہے۔''

ایک عارف سے پوچھا گیا:

''وہ کون سے عالم ہیں جن کا اختلاف رحمت ہے؟''—— کہا:

''وہ لوگ ہیں جو:

○—— کتاب اللہ سے سند لیتے ہیں' اور

○—— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کرتے ہیں' اور

○—— آپ کے اصحاب کی پیروی میں کوشش کرتے ہیں۔''

جن کا اختلاف رحمت ہے:

مزید فرمایا کہ ان علماء کے تین گروہ ہیں:

○—— اصحاب حدیث

o——فقہاء

o——علمائے صوفیہ

(۱)

اصحاب حدیث تو وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہر حدیث سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ حدیث شریف دین کی بنیاد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

''جو کچھ رسول تمہیں دے' اسے لے لو اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ دو۔''

اصحاب حدیث' حدیث کے سماع ونقل وتالیف اور صحیح کو موضوع وضعیف سے جدا کرنے میں مشغول ہوئے —— یہ لوگ دین کے نگہبان ہیں۔ راقم کے خیال میں یہ کام تو علمائے سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین پر ختم ہو چکا ہے۔ ہمارے زمانے کے علماء کو سوائے بحث و جھگڑے اور تکفیر ہمد گر کے کوئی مشغلہ باقی نہیں رہا —— اعمال صالح و اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان حضرات کو ضرورت ہی نہیں۔ اسلاف کے قصے ان کے فخر کے لئے کافی ہیں۔

(۲)

فقہاء اگرچہ اصحاب حدیث سے علم کو لیتے ہیں لیکن اس گروہ سے بہتر ہیں کیونکہ یہ لوگ معنی کی سمجھ بوجھ ان سے زیادہ اور اچھی رکھتے ہیں اور مسائل کو حدیث کی دلالت سے استنباط کرتے ہیں —— احکام و حدود کی ترتیب بنظر تعمق اور غور کے ساتھ دیتے ہیں —— ناسخ ومنسوخ' مطلق ومقید' مجمل ومفسر' خاص و عام' محکم و متشابہ میں تمیز کرتے ہیں —— یہ لوگ دین کے حاکم ونشان ہیں —— صوفیہ کرام نے ان لوگوں کا مذہب اختیار کیا ہے جو فقہ و حدیث کے جامع ہیں —— فروع میں علماء کا جو اختلاف ہے' اس کا انکار نہیں کرتے —— وہ دونوں فریق سے ان علوم و رسوم کو لیتے ہیں جو

تعصب سے دور اور کتاب سنت واجماع کے موافق ہوں۔

(۳)

صوفیہ میں سے جو حضرات علم فقہ پر حاوی نہیں ہیں' وہ احکام شرع اور حدود دین میں فقہا کی طرف رجوع کرتے ہیں ـــــ جن احکام پر فقہاء کا اتفاق ہے' یہ بھی ان پر اتفاق کرتے ہیں ـــــ جس بات پر اختلاف ہے' اس میں قول بہتر اور مرجح کو یا جس میں احتیاط زیادہ ہو' اختیار کرتے ہیں ـــــ ان کا مذہب یہ نہیں کہ خواہی نخواہی بعید تاویلیں ڈھونڈیں اور شہوت کو اختیار کریں ـــــ جن علوم کا ذکر ہوا صوفیہ کرام میں ان علوم کے سوا علوم عالیہ واصول شریفہ اور بھی ہیں۔

راہِ راست کیا ہے؟:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ''مرج البحرین'' میں لکھتے ہیں کہ راہ راست وہ ہے کہ عقل کو نقل کے تابع کریں ـــــ عقل پر کلی اعتماد نہ کریں ـــــ حجت سے پیش نہ آئیں بلکہ اس بارے میں غلامی اور انقیاد وتسلیم کو اختیار کریں۔

زباں تازہ کردن باقرار تو
نہ انگیختن علت ازکار تو

یعنی ''تو اقرار وتسلیم سے اپنی زبان کو تازہ کر اور تو کسی کام میں حجت بازی نہ کر۔''

یہ صفت اہل سنت والجماعت کے مذہب میں موجود ہے۔ تمام ائمہ دین و مشائخ طریقت جن کا ذکر صفحات روزگار پر مسطور ہے' اسی مذہب پر مستقل رہے ہیں اور اسی اعتقاد پر گزرے ہیں ـــــ اور کتب مشائخ میں جہاں انہوں نے اپنے عقائد بیان کئے ہیں' وہاں یہ اعتقادات بھی نظر آتے ہیں ـــــ ارباب بدعت و اہل ہوا سے کوئی شخص مقام قرب کو نہیں پہنچتا ـــــ مشائخ فرماتے ہیں کہ ظلمت بدعت کا وجود مانع نور ولایت و ہدایت ہے ـــــ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ طریقہ تصوف مذہب اہل سنت و

جماعت کے خلاف ہے اور فرقۂ صوفیہ اس فرقہ کے سوا ہے' یا دوسرا فرقہ ہے۔ جو کچھ اعمال و اخلاق و احوال و مقامات و مواجید اور ازداق و نکات و اشارات و سائر کمالات سے ان کو حصہ ملا ہے' دوسرے کسی فرقے کو نہیں ملا۔

شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کہ اعاظم علمائے متاخرین حدیث میں سے ہیں' اپنے اپنے اعتقادات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب کا طریق صراط مستقیم ہے۔''

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ ''مالا بدمنہ'' کے آخر میں بعد مسائل شرعیہ کے بیان کے بعد کتاب ''الاحسان والتقرب'' میں لکھتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ سعادت عطا فرمائے۔ تو جان لے کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے' یہ صورت ایمان و اسلام اور شریعت ہے۔ اس کا مغز اور حقیقت درویشوں کی خدمت میں جا کر تلاش کرنا چاہئے ـــــ یہ خیال ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ حقیقت خلاف شریعت ہے کیونکہ یہ بات جہل و کفر ہے بلکہ یہی شریعت ہے جو درویشوں کی خدمت میں دوسرا رنگ پیدا کرتی ہے ـــــ قلب انسانی جب تعلقات جسمانی اور اس علم سے جو کہ ماسوائے الٰہی تھا' پاک و صاف ہوا۔ رذائل نفس سے بچ کر نفس مطمئنہ ہو جائے۔ اسے کامل اخلاص میسر ہو ـــــ اس وقت اس کی دو رکعت نماز دوسروں کی لاکھوں رکعتوں سے برتر اور افضل ہو گی۔ اسی طرح اس کے صدقات اور روزے وغیرہ کا بڑا درجہ ہو گا۔ جیسا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اگر تم کوہ احد کے برابر بھی مال و زر راہ خدا میں خرچ کرو' تو بھی اس ایک سیر یا آدھ سیر جو کے برابر ہرگز نہ ہو گا جو کہ صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم) نے اللہ کی راہ میں پیش کیا تھا۔''

یہ بات ان کی قوت ایمانی کی وجہ سے اور ان کی فضیلت شان و اخلاص کے سبب

سے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور باطن کو درویشوں کے سینہ مبارک میں تلاش کرنا چاہئے۔ اس مقدس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے۔ تاکہ ہر خیر و شر صحیح فراست سے معلوم ہو سکے۔ قرآن پاک میں ولی کو متقی فرمایا گیا ہے اور حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی یہ علامت بیان فرمائی گئی ہے کہ:

''ان کی صحبت سے خدا یاد آئے گا۔''

یعنی دنیا کی محبت ان کی صحبت میں کم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو جائے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

پس گدایاں آئینہ جود حق اند　　　وانکہ باحق اند جود مطلق اند

یعنی ''درویش حق تعالیٰ کے وجود کا آئینہ ہیں جو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں، وجود مطلق ہیں۔''

وانکہ جز ایں است اوخود مردہ است　　　او برین درنیست نقش پردہ است

''اور جو کہ ایسے نہیں ہیں وہ خود مردہ ہیں، وہ اس در تک نہیں پہنچے بلکہ وہ نقش پردہ ہیں۔''

یک درویشے کہ او تشنہ خداست　　　ہست دائم از خدایش کار راست

''لیکن وہ درویش جو خدا کے دیدار کا پیاسا ہے، خدا تعالیٰ سے اس کا تعلق ہمیشہ سچا ہے۔''

لیک درویشے کہ تشنہ غیر شد　　　اوحقیر وابلہ و بے خیر شد

''اور وہ درویش جو غیر کا پیاسا ہے، وہ حقیر و بے وقوف اور بے خیر ہے۔''

امام غزالی راہ سلوک کے مسافر:

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ ''منقذ من الضلال'' میں لکھتے ہیں کہ جب میں علوم مشہورہ کی تحصیل و تکمیل سے فارغ ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہوا اور ہر ایک مذہب کی چھان بین کرتا رہا —— آخر کار تصوف کی طرف متوجہ ہوا اور اس

طریق کی کتابیں دیکھنی شروع کیں اور اسی طریق پر چلنا اختیار کیا اور ترک تعلق کر کے دس سال تک خلوت ومجاہدہ ومشاغلہ کرتا رہا ـــــ تنہائی کے دوران مجھ پر ایسے امور کا انکشاف ہوا جن کو احاطہ وحساب میں لانا ناممکن ہے ـــــ چنانچہ مجھے یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ صرف علمائے صوفیہ ہی سالکانِ راہِ خدا ہیں۔

○ ـــــ ان کی سیرت سب سیرتوں سے عمدہ

○ ـــــ ان کا طریق سب طریقوں سے سیدھا

○ ـــــ ان کے اخلاق سب اخلاقوں سے پاکیزہ تر ہیں۔

اگر تمام عقلا کی عقل اور سارے حکماء کی حکمت اور جملہ علماء کا علم' جو اسرار شرع سے واقف ہیں' جمع کیا جائے کہ علمائے صوفیہ کی سیرت واخلاق کی اصلاح کر سکیں اور موجودہ حالت سے بہتر بنادیں تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ـــــ کیونکہ ان کی تمام حرکات و سکنات' ظاہر و باطن نور شمع نبوت سے منور ہیں ـــــ نور نبوت کے سوا روئے زمین پر کوئی نور ایسا نہیں ہے جس کی روشنی قابل طلب ہو ـــــ مثلاً سالک طریقت کے حالات میں سے ایک حالت طہارت ہے۔ جس کی اوّل شرط یہ ہے کہ قلب کو ماسوائے اللہ سے پورے طور پر پاک کرنا اور فنا فی اللہ ہو جانا۔ درحقیقت یہ اس طریق کا پہلا درجہ ہے۔

علم وحکمت سب سے بڑھ کر:

اکثر آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ علم سے بہتر وافضل کوئی علم نہیں۔ ارشد باری تعالیٰ ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ○ (پ ۳ ع ۴)

یعنی "اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے علم حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت ملی اسے بڑی خیر عطا ہوئی۔"

یہاں حکمت سے مراد علم قلب ہے یعنی توحید ومعرفت الٰہی' جس کو فقر کہتے

ہیں—— یہاں وہ لوگ مخاطب ہیں جنھیں یہ حکمت عطا فرمائی گئی—— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ○ (پ۱۴ ع ۲۴)

یعنی ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے رب کی راہ پر بلا' حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ اور ان سے اس چیز میں—— کہ وہ بہتر ہے۔''

حکمت کے لغوی ''معنی راز'' اور بھید کے ہیں——اس علم سے راز انسانی اور سرِّ سبحانی کھلتا ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس علم کو لفظ حکمت[۱] سے ارشاد فرمایا:

---

[۱] اصطلاح میں دانائی' درست کرداری کو حکمت کہتے ہیں—— حکمت علم کی ایک شاخ بھی ہے' جس میں احوال اشیاء موجوداتِ خارجہ میں بحث کی جاتی ہے۔ جیسا کہ نفس الامر میں بقدر طاقت بشری ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں:

☆——طبعی ☆—— ریاضی ☆—— الٰہی

طبعی وہ علم ہے کہ جس میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے جو کہ تعقل و وجود خارجی میں مادہ کی طرف محتاج ہوں۔ مثلاً آب و ہوا' اور دیگر اجسام بسیط و مرکبہ۔

ریاضی وہ علم ہے کہ جس میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے جو کہ فقط وجود خارجی میں محتاج بسوئے مادہ ہوں۔ چنانچہ مقدار و عدد خاص کہ موجودہ مادیات میں سے ہیں' نہ کہ مطلق عدد۔ کیونکہ بعض مطلق عدد بغیر مادہ کے موجود فی الخارج ہیں۔ جیسے عقول عشرہ۔

علم الٰہی وہ علم ہے کہ جس میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے کہ جو وجود خارجی و تعقل دونوں میں بسوئے مادہ محتاج نہ ہوں۔ مثلاً وجود باری تعالیٰ و عقول

بعض محققین کہتے ہیں کہ حکمت کی دو قسمیں ہیں: ☆——علمی یا نظری ☆—— عملی

علمی حکمت یہ ہے کہ جس میں موجودات کے حقائق کا تصور ہو۔ اسے نظری بھی کہتے ہیں۔

حکمت عملی یہ ہے کہ جس میں ممارست حرکات و مزاولت صناعات ہو۔

حکمتِ نظری کی بھی تین اقسام ہیں

☆—اول علم مابعد الطبیعات ☆—دوم: ریاضی ☆—سوم: طبعی

اصول علم مابعد الطبیعات دو ہیں: ایک علم الٰہی' دوم علم فلاسفہ—اول چند نوع پر ہے۔

☆—معرفت ☆— نبوت ☆— بحث امامت ☆—احوال معاد

اصول ریاضی تین ہیں: ☆—علم ہندسہ ☆— علم عدد ☆—علم موسیقی

تفسیر حسینی اور جواہر التفاسیر و فصوص الحکم میں حکمت کو شرک کی نفی، توحید کی شناخت اور معرفت الٰہی لکھا ہے ——— تفسیر بحر الحقائق میں "نور معرفت" اور فوائد السلوک میں "زوبانِ معرفت" لکھا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ

یعنی "البتہ دی ہم نے لقمان کو حکمت" ——— یعنی نفی شرک و شناخت توحید و معرفت الٰہی۔

ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"اگر آدمی حکمت کا ایک کلمہ سیکھے تو اس کے حق میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"

اور وہ علم توحید اور معرفت الٰہی ہے جس کو علم قلب کہتے ہیں ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

علم دو ہیں: ——— ایک علم زبان پر ہے۔ اولاد آدم پر یہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہے ——— اور ایک علم دل کے اندر ہے۔ یہی علم نافع ہے" ——— اس سے ثابت ہوا کہ ایک علم عام زبانی یعنی شریعت ہے، جسے حجت فرمایا اور ایک علم خاص باطن یعنی طریقت ہے، جسے علم قلب نافع کہا گیا۔

مرتبۂ یقین:

طریقت میں ایک مرتبہ یقین ہے جسے معرفت الٰہی کہتے ہیں ——— حدیث پاک میں ہے:

اس کی فروع ☆ — علم مناظر ☆ — علم مرایا ☆ — علم جر ثقیل ہیں

اصول طبعی آٹھ ہیں۔ ☆ — سماع طبعی ☆ — سماع عالم کون ☆ — علم آثار علوی

☆ — علم معادن ☆ — علم نباتات ☆ — علم حیوانات ☆ — علم نفس

اور اس کے فروع میں ☆ — علم طب ☆ — علم احکام نجوم ☆ — علم فلاحت وغیرہ ہیں۔

علم منطق حکمت نظری کے تحت ہے۔ ———

حکمت نظری کی تین قسمیں ہیں: ☆ — تہذیب اخلاق ☆ — تدبیر منازل ☆ — سیاست مدن

اَلْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ "یعنی یقین ایمان کامل ہے۔"

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصول یقین کے لئے فرمایا ہے:

تَعَلَّمُوْنَ الْیَقِیْنُ "تم یقین کو سیکھو۔"

یعنی توحید اور معرفت الٰہی حاصل کرو یہ مرتبہ خاص الخاص موحدین کا ہے ——— جب تک معرفت الٰہی حاصل نہ ہو یقین حاصل نہیں ہو سکتا ——— یقین کے تین درجے ہیں:

- علم الیقین
- عین الیقین
- حق الیقین

طالب علی قدر مراتب یقین مراتب پائے گا۔

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ کتاب احیاء میں بقول یحییٰ بن معاذ لکھتے ہیں کہ یقین سے مراد نور توحید ہے۔ جس طرح مشرکین کی نیکیاں شرک کی آگ سے جل جاتی ہیں اسی طرح موحدین کی خطائیں نور توحید میں فنا ہو جاتی ہیں ——— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب توحید الٰہی اور معرفت ذات نامتناہی منکشف ہوئی تو آپ کو اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا مژدہ اور عصمت لازوال کی بشارت دی گئی۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ ۝ (پ ۲۶، ع ۵)

یعنی "ہم نے فیصلہ کر دیا ہے تیرے لئے روشن فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔"

گناہوں کی مغفرت کے یہ معنی ہیں کہ آفتاب توحید و معرفت کی درخشانی میں گناہ سائے کی مانند محو اور نابود ہو جاتے ہیں ——— یہاں گناہ سے مراد عوام الناس گناہ صغیرہ و کبیرہ ہرگز نہیں۔ (کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے) بلکہ یہ مراد ہے:

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ

یعنی ''ابراروں کی نیکیاں مقربین کی خطائیں ہیں۔''

جس وقت عارف منزل قرب میں قدم رکھتا ہے تو اپنی نیکیاں بھی گناہ کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد تین بار استغفار پڑھا کرتے تھے کیونکہ آپ کو جس قدر قرب ہوتا تھا' پچھلی عبادت گناہ معلوم ہوتی تھی۔

عاصیاں از گناہ توبہ کنند

عارفاں از عبادت استغفار

یعنی ''گنہگار تو گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور عارف لوگ عبادت سے بھی استغفار کرتے ہیں۔''

چنانچہ یہ علم جمیع علوم پر بدرجہا فضیلت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ تمام علوم اس علم کے لئے خادم ومقدمۃ الجیش اور ملازم وپیش خیمہ ہیں۔

فقراء اور ان کی پہچان

علامات اولیاء:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ

یعنی ''جس کو اللہ چاہے راہ دے' کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو۔''

کسی نے عرض کیا کہ اس کی شرح سے کیا مراد ہے؟ —— آپ نے فرمایا:

''جس وقت دل میں نور ڈالا جاتا ہے تو اس کے لئے سینہ کھل جاتا ہے۔''

پھر عرض کیا گیا کہ اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ —— آپ نے فرمایا: ''ہاں!

O—— دنیا سے علیحدہ رہنا' اور

○——پائیدار کی طرف رجوع کرنا' اور

○——موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کر لینا۔"

یہی علامت اولیاء اللہ کی ہے—— یہاں اسلام سے مراد نور توحید و معرفت الٰہی ہے۔ نہ یہ کہ ظاہر صورت آراستہ اور باطن کور—— کیونکہ جب تک نور توحید و معرفت الٰہی دل میں جلوہ گر نہ ہو' یقین و ایمان کامل محال ہے اور جب یہ نہیں تو پوری اطاعت کہاں!—— پھر دنیا سے جدا رہنا اور موت سے پہلے دار پائیدار کی تیاری کرنا بسا مشکل' البتہ یہ حصہ اولیاء اللہ کا ہے۔ جن کے سینے نور سے معمور ہیں اور یہ لوگ اللہ کی باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔

علمائے معرفت:

ارشاد باری ہے:

وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ.

(سورۂ عنکبوت' پ۲۱ ع ۳)

یعنی" یہ کہاوتیں ہم نے بٹھائی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جن کو علم ہے۔"

یہاں عالموں سے مراد علمائے علم معرفت ہیں نہ کہ وہ علماء جو حصول دنیا کے لئے علم حاصل کرتے ہیں اور دنیا ہی کو سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں۔ ایسے علماء تو اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں:

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ○ (سورۂ جمعہ' پ ۲۷' ع ۱)

یعنی" ان لوگوں کی مثال جن پر لادی توریت' پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے مثال گدھے کی کہ پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں۔"

اور جن کو اللہ تعالیٰ نے علم معرفت عطا فرمایا ہے وہ لوگ خدا و رسول کے حبیب و عزیز ہیں—— حضرت عبد الرحمٰن سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

یعنی "البتہ بعض علم درّ مکنون کی مانند ہیں۔ ان کو عارفانِ خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا —— جب وہ عارف اس علم کو بیان کرتے ہیں تو سوائے ان کے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت دھوکا کھانے والے ہیں اور کوئی اس علم سے جاہل نہیں رہتا۔ لہٰذا جس عالم یعنی عارف کو اللہ تعالیٰ نے اس علم میں سے حصہ دیا ہوا سے حقیر مت جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر نہیں کیا جب کہ اسے علم معرفت سے سرفراز فرمایا ہے۔"

وائے برحال ان لوگوں کے جو فقراء کو حقیر جان کر برائی سے پیش آتے ہیں۔ فقرا کا حال خراب دیکھ کر کفر کا حکم لگاتے ہیں اور سلامت کا نشانہ بناتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے:

ع   بردہ ویران خراج وعشر نیست

عارفوں کی شان:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل یقین کی شان میں فرمایا:

"تمہیں جو چیز کم دی گئی وہ یقین اور عزم صبر ہے —— اور جنہیں ان دونوں میں سے حصہ ملا ہے' اس کو پرواہ نہیں شب بیداری یا دن کے روزے اس سے اگر قضا ہوں۔"[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عارفوں کی شان میں فرمایا:

"وہ لوگ ایسے ہیں جن پر حقیقت امر کا ہجوم کر گیا ہے۔ چنانچہ یقین کی آسائش سے بہرہ مند ہوئے ہیں اور جس کو اہل دنیا نے مشکل جانا ہے' اس کو انہوں نے آسائش سمجھا ہے۔ اس ذات سے انس حاصل کیا ہے جس سے جاہلوں نے وحشت اختیار کی ہے۔ آسائش اجسام کے لئے دنیا کو اختیار کیا۔ ان کی روحیں محل اعلیٰ میں لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے نائب ہیں اور اس کی راہ میں بلانے والے ہیں۔"[2]

---

[1][2] امام غزالی: احیاء العلوم

اللہ کے دوست:

ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ:

''میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے ہوں گے۔ اگر کسی بات پر اللہ کی قسم کھائیں گے تو ان کو سچا کر دے گا۔''[1]

ایک اور حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''بکھرے بال اور غبار آلودہ بہت سے فقیر دروازوں سے دھکیلے گئے ——— وہ ایسے ہیں کہ اگر اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ البتہ ان کو قسم میں سچا کر دے۔''[2]

چنانچہ ظاہری طور پر ابتر و خراب اور پریشان و خستہ حال دیکھ کر فقیر کو حقارت سے رد نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اکثر مردان خدا اور قطب الاقطاب ایسی ہی صورت میں ہوتے ہیں ——— فقیر اللہ کے دوست اور پسندیدۂ بارگاہ کبریا ہیں ——— اپنی استجابت دعا کے لئے ان کو وسیلہ بنائیں کیونکہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول ہے۔

حضرت ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ:

''یا اللہ! اپنے بندگانِ فقراء مہاجرین کے واسطہ سے دشمنوں پر ہماری مدد فرما۔''

سبحان اللہ فقراء کا کیا مرتبہ ہے کہ مہاجرین میں سے بھی انہیں کو قبولیت دعا کے لئے واسطہ بنایا جو فقیر تھے۔ اس حدیث پاک کو ملا علی قاری نے بیان فرمایا ہے۔

امیتہ بن خالد ابن عبد اللہ ابن اسید سے روایت ہے کہ البتہ رسول اکرم صلی اللہ

---

[1] ابن ابی الدنیا، کتاب الاولیاء۔ [2] مسلم شریف

علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بمدد و برکت دعائے فقرائے مہاجرین فتح طلب کرتے تھے۔[۱]

چنانچہ معلوم ہوا کہ اہل توحید و معرفت ظاہری مسکینی و مذلت کی وجہ سے اگرچہ اہل دنیا کے نزدیک بےقدر ہوں' لیکن اللہ و رسول کے نزدیک یہی لوگ عزیز ہیں۔

عمران ابن حصین سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تحقیق اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کو دوست رکھتا ہے کہ فقیر پارسا عیال دار ہو۔''[۲]

ایک اور حدیث پاک ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں کے نزدیک فقیری عیب ہے جب کہ روز قیامت اللہ کے نزدیک زینت ہے۔''

اور فرمایا: ''فقیری میرا فخر ہے اور یہ سبب اس کے میں فخر کرتا ہوں۔''[۳]

خدا کو یاد کرنے والے کی فضیلت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تحقیق اللہ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے۔ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ —— چنانچہ جبرئیل اس کو دوست رکھتے ہیں —— پھر جبرئیل آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو۔ چنانچہ اہل آسمان اس کو دوست رکھتے ہیں۔ بعدازاں اسے زمین میں قبولیت دی ہے۔''[۴]

اب بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جبرئیل علیہ السلام اور آسمان کے فرشتے اور زمین کے آدمی دوست رکھتے ہیں۔ جن و بشر

---

۱ امام بغوی: شرح السنۃ ۲ ابن ماجہ ۳ دیلمی ۴ مسلم شریف

ان کی خدمت میں دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں —— وہ یہی فقراء ہیں جو ہر وقت خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کے نزدیک بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ:

''قیامت کے دن خدا کے نزدیک کون سا بندہ درجے میں بہت بہتر ہے؟''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں۔''

عرض کیا گیا ''یا رسول اللہ! کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بھی افضل ہیں؟''

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اگر کفار و مشرکین میں وہ لڑائی کرے' یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں رنگ جائے' پھر بھی اللہ کو یاد کرنے والا اس میں افضل ہے۔''

ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں خبردار نہ کر دوں تمہارے بہترین عملوں کے ساتھ اور تمہارے بادشاہ کے نزدیک بہت پاکیزہ عملوں کے ساتھ' بہت بلند عملوں کے درمیان تمہارے درجوں کے۔ اور تمہارے لئے سونے اور چاندی کے خرچ کرنے سے بہتر اور تمہارے لئے اس سے بہتر کہ تم دشمنوں سے ملو کہ تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔''

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہاں خبر دیجئے —— آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''یہ درجے فقراء کے ہیں جن کے دل خدا کے ذکر سے صفائی پاتے ہیں۔''

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا:

''ہر چیز کے لئے صفائی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے——
عذاب الٰہی سے نجات دینے والی کوئی چیز اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں۔''

صحابہ کرام نے عرض کیا:

''کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں!''

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''نہیں' چاہے اتنی تلوار مارے کہ ٹوٹ جائے۔''

لہٰذا اللہ کے عذاب سے نجات یافتہ یہی فقراء ہیں جو ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں—— ان اولیاء اللہ کے دل راہ ہدایت کے چراغ ہیں۔ جو ان کا دشمن ہے وہ اللہ و رسول کا دشمن ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اللہ کے کسی دوست کے ساتھ دشمنی رکھے' بے شک اس نے اللہ کے ساتھ لڑائی کو اختیار کیا—— تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے اور ابرار اتقیا سے پوشیدہ حال کو' جو غائب ہوں تو پوچھے نہ جائیں اور جو حاضر ہوں تو بتلائے نہ جائیں نہ پاس بٹھائے جائیں' حالانکہ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔''

اب غور کر لیں کہ اولیاء اللہ کا دشمن اللہ و رسول کا دشمن ہے یا نہیں—— ان آیات و احادیث و روایات سے واضح ہوتا ہے کہ اس فضیلت کے مصداق بھی صوفی ہیں۔ جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور توحید و اسرار معرفت سے بھر دیا ہے۔

صحبتِ فقراء کی فضیلت

جستجوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''مجھ کو اپنے فقیروں میں تلاش کرو انہی کی بدولت تم کو روزی اور نصرت نصیب ہوتی ہے۔''

یعنی فقیر میرے دوست ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں اور وہ ایسے ہیں کہ ان کے طفیل تم کو رزق یا نصرت عطا ہوتی ہے۔

اصحاب صفہ اور غیرت الٰہی:

ایک روز بعض امرائے عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ! ہمارا جی چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں لیکن یہ اصحاب صفہ رذیل وحقیر' فقیر وشکستہ حال ہر وقت آپ کے ہم نشین رہتے ہیں۔ بوجہ عار ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے —— اگر ان کو اس وقت اٹھا دیا تو آپ سے کچھ دینی مسائل حاصل کر لیا کریں۔''

معاً (اسی وقت) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

وَلا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ.

''مت ہانک (اے محمد! ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام' چاہتے ہیں اس کا دیدار۔ تجھے نہیں ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے

حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو ہانک دے پھر تو ہو جائے ظالموں سے۔" (پ ۷ ع ۱۲ سورہ انعام)

غور کا مقام ہے کہ اگر فقرا تھوڑی دیر کے لئے اٹھائے جاتے تو کیا حرج تھا۔ عرب کے بڑے بڑے امراء مسلمان ہو جاتے ـــــ لیکن غیرت الٰہی نے تقاضا نہ کیا کہ ہمارے یہ خاص دوست حقارت سے اٹھائے جائیں ـــــ کوئی دین سیکھے یا نہ سیکھے یہ کسی کے کام میں حارج نہیں ہیں ـــــ نہ یہ کسی کو رنج دیں نہ کوئی ان کو رنج دے۔ اس لئے کہ یہ ہمارے محب خاص ہیں۔ بلکہ اے میرے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہی فقراء کی صحبت کو غنیمت جان ـــــ!

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ فَهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے آپ کو تھام رکھ ان کے ساتھ' جو پکارتے ہیں صبح و شام اپنے رب کو۔ طالب ہیں دیدار کے' اور ان کو چھوڑ کر تیری آنکھیں نہ دوڑیں رونق زندگی کی تلاش میں' اور نہ اس کا کہا مان جس کا دل ہم نے غافل کیا اپنی یاد سے' اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے لگا ہے' اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔" (پ ۱۴ ع ۴' سورۂ کہف)

صاحب "کشاف" نے لکھا ہے کہ ایک قوم نے جو روسائے کفار سے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ:

"ان پشمینہ پوشوں بے قدروں کو جیسے صہیب و بلال و عمار و خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں کہ ان کے لباس و خرقوں کی بدبو ہم کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ دور کر دو تا کہ ہم آپ کے پاس آ کر بیٹھیں۔"

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ـــــ بعض کے نزدیک یہ آیت مدنی ہے۔ اس

کے نزول کا سبب یہ تھا کہ مؤلفۃ القلوب سے ایک گروہ جیسے عینیہ بن حسن' اقراع بن حالس وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ:

"ہم اشراف عرب ہیں——سلمان و ابوذر اور فقیر مسلمانوں کے پاس نہیں بیٹھ سکتے اگر آپ ان لوگوں کو الگ کر دیں تو ہم آ کر احکام شرع کی تعلیم پائیں۔"

اس وقت حکم نازل ہوا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بس درویشوں کی صحبت پر صبر کر۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دعا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"یا اللہ! زندہ رکھ مجھ کو مسکین اور مار مجھ کو مسکین اور حشر کر میرا گروہ مساکین میں۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقرا کا مرتبہ خدا کے نزدیک جب بلند دیکھا تو آپ نے بھی ان میں شامل ہونے کی دعا مانگی——یہاں مساکین وفقیر سے مراد بھکاری' طماع' حریص دنیا اور فقیر بے معرفت نہیں' بلکہ ان فقراء سے مراد ہے جو صاحب معرفت ہیں اور انوار الٰہی سے اپنے سینے معمور رکھتے ہیں۔

کیسے عالم کی صحبت اختیار کی جائے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک عالم کے پاس مت بیٹھو بلکہ اس عالم کے پاس بیٹھو جو پانچ چیزوں سے دوسری پانچ چیزوں کی طرف بلائے:

- ——اوّل شک سے یقین کی طرف'
- ——دوسرے ریاء سے اخلاص کی طرف'
- ——تیسرے دنیا کی خواہش سے زُہد کی طرف'
- ——چوتھے تکبر سے تواضع کی طرف'

[1] بہ روایت بیہقی و ابن ماجہ۔

○——پانچویں عداوت سے خیر خواہی کی طرف۔
اور یہ پانچوں باتیں حاصل نہیں ہو سکتیں مگر فقراء اور اولیاء کی خدمت میں۔[1]
حضرت ابو ہریرہ اور ابی خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جس وقت تم کسی بندے کو دیکھو کہ اس کو دنیا سے بے رغبتی اور کم گوئی عطا ہوئی ہے تو اس کی صحبت اختیار کرو۔ البتہ اس کو حکمت یعنی معرفت سکھائی جاتی ہے۔''[2]

لہٰذا قربت ڈھونڈو اس سے' اس لئے کہ وہ البتہ سکھایا جاتا ہے اور اس کو حکمت یعنی معرفت دی جاتی ہے——غرض فقراء کی شان میں اور بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ جسے شوق ہو' کتب احادیث میں دیکھے——یہاں نقل کی گنجائش نہیں۔ اس دعوے کے ثبوت کو یہ چند احادیث بھی کافی ہیں تاکہ انسان صحبت فقراء کو بہتر اور غنیمت سمجھے اور ان کی ظاہری حالت پر اعتراض نہ کرے اور حقیر نظر سے نہ دیکھے۔

؎ خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی ''تو جہان کے خاکساروں کو ذلت و حقارت سے مت دیکھ' تو کیا جانے کہ اس گرد و غبار میں بھی کوئی شاہسوار چھپا ہوا ہو۔''

اگر فقراء ربانی سے شرع شریف کے خلاف کوئی قول یا فعل نظر آئے بھی تو اہل ظواہر کو اس کا انکار و تحقیر مناسب نہیں کیونکہ وہ لوگ سوختہ آتش عشق و محبت اور غریق بحر فنا ہوتے ہیں۔ عاشق غلبہ عشق و محبت میں ادب کا پابند نہیں رہتا۔

ع نبض عاشق بے ادب برے جہد

اہل فنا چونکہ خودی سے گزر جاتے ہیں وہ خود معذور و مرفوع القلم ہیں۔ ایسے لوگوں کو برا کہنے والا حکم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انحراف کرتا ہے اور خود

---

[1] ابونعیم: حلیہ [2] بخاری شریف

مبتلائے معصیت ہوتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ——— مذکورہ بالا سے فقراء و اہل فقر کی فضیلت ظاہر ہے کیونکہ عام لوگوں کی طرح ان کو صرف احکام شرعیہ کی تعلیم نہیں ہے' بلکہ ان کو علم حکمت و معرفت یعنی اسرار ربانی و رموز حقانی سے بھی حصہ ملا ہے۔ جس سے عام لوگ محروم ہیں۔ چنانچہ ہر شخص کو لازم ہے کہ فقراء کی تعظیم و توقیر بوجہ احسن بجالائے' ورنہ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہوگا۔

اللہ جن سے راضی ہو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد باری ہے کہ جو شخص میرے ولی کو تکلیف دے (یعنی میرے ولی سے دشمنی رکھے) پس تحقیق میں اس کو خبردار کرتا ہوں ساتھ لڑائی کے' اور میرے بندہ نے میری طرف نزدیکی حاصل نہیں کی کسی چیز کے ساتھ کہ بہت محبوب ہو میری طرف اس چیز سے ——— میں نے فرض کیا اس پر اور میرا بندہ ہمیشہ نزدیکی ڈھونڈتا رہتا ہے میری طرف نوافل کی وجہ سے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں ——— اور جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو:

O ——— میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے'

O ——— میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے' اور

O ——— اس کے ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے' اور

O ——— اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے' اور

O ——— یہ بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو البتہ میں اس کو دیتا ہوں' اور

O ——— میں کسی چیز میں توقف و تردد نہیں کرتا کہ میں اس کا فاعل ہوں۔

——— میرا تردد مومن کے نفس سے ہے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ میں اس کی ناخوشی کو ناپسند کرتا ہوں اور اس کو موت سے چارہ نہیں''۔

غور کا مقام ہے کہ جو اللہ کا دوست ہو اور دوست بھی کیسا کہ اللہ اس کے کان' آنکھیں اور ہاتھ پاؤں ہو جائے ——— اس کے ساتھ دشمنی رکھنا اللہ و رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن بنتا نہیں تو اور کیا ہے ـــــ گویا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لڑائی کرتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِہِمْ۔

اے عزیز! خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوستوں سے محبت کرنا اور ان کی خدمت میں حاضر ہونا' ان کی صحبت کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سمجھنا خدا اور رسول کی خوشنودی کا باعث ہے۔

صوفیاء اور علمائے ظواہر میں اختلاف

قرآن پاک کے باطن:

اہل تصوف قرآن پاک کے جو معانی علمائے ظواہر کے متضاد بیان فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اصل میں بات یہ ہے کہ قرآن پاک کے کئی بطن ہیں۔ جس پر جس بطن کے معنی کھلے وہ اسی کو بیان فرماتا ہے ـــــ علماء ظواہر آیات کریمہ کے ظاہری معانی جب کہ اہل باطن' باطنی معنی بیان فرماتے ہیں۔ کسی عقل مند کو اس میں تردد و تعجب نہیں ـــــ "شرح السنہ" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

"قرآن شریف اتارا گیا سات طرح پر ـــــ ہر آیت کے لئے اس میں ظاہر ہے اور باطن ـــــ ہر مقام کے لئے ترقی۔"

"قرآن شریف کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ـــــ اور ایک نہایت و مقام ترقی ہے ـــــ اور بعض مقام ایسے ہیں کہ سوائے خدا کے ان کو کوئی نہیں جانتا۔"

ایک حدیث میں سات بطن تک آئے ہیں ـــــ ایک اور جگہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"تحقیق قرآن شریف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ـــــ اور باطن میں باطن سات بطن تک ہیں۔"

مولانا روم فرماتے ہیں:

؎ حرف قرآن را مداں کہ ظاہر است　　زیر باطن باطنے ہم قاہر است

''تو قرآن پاک کے حروف کو مت جان کہ بس یہ ظاہری معنی رکھتے ہیں بلکہ ان کے باطن میں اور بھی زبردست باطن ہے۔''

؎ زیر آں باطن یکے بطن دگر　　خیرہ گردد اندرو فکر و نظر

''اور اس کے باطن کے اندر بھی ایک دوسرا باطن ہے۔ جس کے اندر فکر و نظر بھی خیرہ ہو کر رہ جائے۔''

؎ زیر آں باطن یکے بطن سوم　　کہ دراں گردد خودہا جملہ گم

''اور پھر اس باطن کے اندر بھی ایک اور تیسرا باطن موجود ہے کہ اس کے اندر سب عقلیں گم ہو جائیں۔''

؎ بطن چارم از بنے خود کس ندید　　جز خدائے بے نظیر و بے ندید

''اور پھر جو اس کے اندر چوتھا باطن ہے۔ اس کو خدائے عالم و دانا کے سوا اور کوئی ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔''

؎ ہم چنیں تا ہفت بطن اے ابوالکرم　　مے شمر تو زین حدیث معتصم

''اور اس طرح سے قرآن پاک کے ساتھ باطن ہیں۔ اے مکرم تو اس حقیقت کو حدیث شریف کے موافق جان لے۔''

؎ تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبین　　دیو آدم را نہ بیند غیر طین

''اے فرزند! تو کلام الٰہی میں صرف ظاہری معنی ہی نہ سمجھ' جیسے کہ شیطان نے ظاہری نظر سے حضرت آدم علیہ السلام میں مٹی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا تھا' اس نے بھی اپنی حماقت سے ان کے اوصاف باطن اور روح پر نظر نہیں کی تھی۔''

؎ ظاہر قرآن چو شخص آدمی است　　کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی ست

''قرآن شریف کا ظاہر اس طرح سے سمجھو' جس طرح کہ آدمی بظاہر جسم

رکھتا ہے اور اس پتلہ خاکی کے نقوش ظاہر ہیں مگر اس کی جان و روح مخفی ہوتی ہے۔"

۔ مرد را صد سال عم و خال او یک سر موئے نہ بیند حال او

"جس طرح کسی آدمی کو اس کے عزیز و اقارب اگر سو سال تک بھی دیکھیں مگر اس کے باطن حال کو ایک بال کے برابر بھی نہیں دیکھ سکتے۔"

۔ آں کہ گویند اولیاء در کہہ روند تاز چشم مردمان پنہان شوند

"اور جو ظاہر بین لوگ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء بھی زمین میں چلے جاتے (دفن ہو) جاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ صرف لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔"

۔ پیش خلق ایشان فراز صد کہ اند گام خود بر چرخ ہفتم می نہند

"وہ مخلوق کے سامنے تو زیر زمین گھاس میں مدفون ہوتے ہیں۔ مگر وہ اپنی دلی مراد اور مقصد حقیقی چرخ ہفتم پر سے حاصل کرتے ہیں۔"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ طلاق کی اس آیت کی تفسیر میں:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ

فرماتے ہیں کہ اگر میں اس آیت کی پوری تفسیر کروں تو تم لوگ مجھ کو کافر بتاؤ اور سنگسار کرو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس معانی کے سوا اور بھی قرآن شریف کے معانی ہیں کہ جن کے بیان کرنے سے ناواقف لوگ سنگسار کریں اور کافر کہیں —— قرآن شریف کے جو باطنی معنی ہیں' اہل ظواہر کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ اولیاء اللہ کا حصہ ہے۔ اگر وہ ظاہر معانی کے خلاف قرآن مجید کے کچھ مطالب بیان کریں تو یہ عجیب بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو علم ظاہر اور علم باطن دونوں عطا فرماتا ہے۔

تصوف کی تعلیم عام نہیں، خاص ہے

تصوف خاص علم کیوں؟:

جو لوگ قرآن پاک اور حدیث شریف سے ناواقف اور علم معرفت سے بے بہرہ ہیں وہ تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کون سا علم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخفی رکھا اور علانیہ بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ خواص کو تعلیم کیا ہے——اس کے ثبوت کے لئے یہ حدیث پاک کافی اور جواب شافی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم جانو جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنسو اور بہت روؤ۔"[1]

اب مقام غور ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے اس کو بیان کیوں نہ فرمایا اس کے سوا کوئی جواب طمانیت بخش نہیں کہ وہ بات عام طور پر بیان کرنے کی نہ تھی ورنہ پوشیدہ نہ فرماتے——اس سے ثابت ہوا کہ

ع سرِ سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

اللہ اور بندے کا حق:

بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایک گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان مگر کاج کی پچھلی لکڑی کا فرق نہ تھا——رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اے معاذ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری و امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہے۔

اللہ پر کیا ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوب جانتے ہیں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

○ —— اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں۔

○ —— بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اللہ اس کو عذاب نہ کرے جو کسی شئے کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتا''۔

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! آیا لوگوں کو اس کی خوش خبری نہ دوں!''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ان کو خوش خبری مت دے کہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔''

اب فرمائیں کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیوں ممانعت فرمائی۔ حالانکہ جمیع انبیاء السلام شرک کی بیخ کنی کے لئے مبعوث ہوئے ہیں' اس سے بہتر اور کیا بات تھی کہ لوگ شرک فی العبادات سے چھوٹ جاتے اور خالص عبادت الٰہی میں مشغول ہوتے —— اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی راز مخفی تھا۔ جو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو تعلیم فرما دیا اور عوام کو اس کا اہل نہیں سمجھا —— یہ تعلیم خاص تھی نہ کہ عام کیونکہ علم توحید و نفی شرک دریائے ناپیدا کنار ہے اور عوام الناس کی عقل ناقص' ورنہ ممانعت کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی —— چونکہ فقر جی اسرار الٰہی میں سے ایک راز ہے اس کی تعلیم بھی خاص ہے نہ کہ عام۔

آں راز کہ در سینہ نہاں ست نہ وعظ است
بردار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

''وہ راز جو میرے سینہ میں پوشیدہ ہے' وہ کوئی قابل بیان وعظ نہیں۔ وہ تو

سولی پر ہی کہنے کے قابل ہے۔ منبر پر نہیں کہا جا سکتا۔"

مرتبۂ نبوت و مرتبۂ ولایت:

چونکہ عبادت بلا شرک پر بھروسہ کرنا بھی شرک میں داخل تھا اور توحید میں نقص لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا —— ارشاد باری ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

یعنی "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔"

(پ ۳، رکوع ۱۲)

اس آیت کریمہ کے حکم سے اہل ایمان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری و باطنی متابعت فرض ہوئی —— ظاہر متابعت مرتبۂ نبوت ہے اور باطنی متابعت مرتبۂ ولایت ہے —— صوفیہ کرام کی اصطلاح میں مرتبۂ نبوت وہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے حق تعالیٰ سے اسرار توحید اخذ کرتے تھے —— لہٰذا وہ ظاہر شریعت ہے، چنانچہ حدیث پاک لِـیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْـتٌ" سے ثابت ہے اور یہ مرتبہ ولایت ہے —— اکثر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری متابعت میں مشغول رہے —— لیکن ان لوگوں کی تعداد کم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی متابعت میں ولایت سے بہرہ مند ہوئے۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ طلب صادق کے بغیر کسی کو مرتبہ ولایت کے اسرار سے مطلع نہ فرمائیں۔ چنانچہ صوفیوں کے فرقہ میں یہ سنت ان تک جاری ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باطنی راز:

"جواہر غیبی" میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فکر میں مغموم تشریف فرما تھے کہ احکام شریعت تو ہر شخص دریافت کرتا ہے مگر اسرار باطن سے کوئی

سوال نہیں کرتا ــــ اس وقت حضرت اسد اللہ الغالب شمس المشارق والمغارب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے دل میں اچانک یہ خیال آیا کہ:

"فرمان الٰہی کے مطابق ظاہر شرع کے احکام میں تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی' لیکن آپ نے اپنے اسرار باطن سے کچھ خبر نہ دی ــــ اگر خبر دیتے تو شائقین متابعت اسرار باطن سے بھی نفع پاتے۔"

چنانچہ کمال صدق و اخلاص سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جی میں جو خیال آیا وہی عرض کیا ــــ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"مجھ کو بھی یہی حکم تھا کہ یہ مخفی راز طالب صادق کے سوا کسی پر ظاہر نہ ہو۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو وہ اسرار تعلیم فرمائے ــــ لہٰذا اسرار ربانی علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے وسیلہ سے فرقہ صوفیہ کرام میں پہنچے اور قیامت تک ان سے یہ فیض جاری رہے گا ــــ اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَــآءُ سے مراد یہی لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہیں۔

دل جلوہ گاہ تجلیات انوار الٰہی:

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ محدث دہلوی "تفسیر عزیزی" میں لکھتے ہیں کہ گناہوں کی ثقل طبعی سے نجات ایسی ہے جیسے کہ کوئی پانی میں غرق ہو' یا دوزخ کے گڑھے میں گرایا گیا ہو ــــ وہ سوائے اس کے وسیلہ و ذریعے سے نکلے' نکل نہیں سکتا ــــ اس لئے مناسب ہے کہ خود کو کسی ذریعہ سے ظرف لطیف الالطف بنائے۔ جیسے کہ لکڑی جب خود کو ہوائے لطیف کا ظرف بنالیتی ہے تو وہ (کشتی کی طرح) نہیں ڈوبتی ــــ چنانچہ ہر طرح سے جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے آپ کو اس ظروف لطیفہ میں جگہ دینی چاہئے۔ تاکہ اس لطیف مظروف کی برکت سے اور اس ظرف کے اتحاد

سے اپنے گناہوں کے ثقل سے نجات ہو جائے۔ مگر ایسے ظروف لطیفہ ہر وقت نادر وکم یاب ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی تلاش وجستجو میں کوشش کرنی لازم ہے۔ اپنی جان ودل سے ان کی محبت ومتابعت میں کوشش کرنی چاہئے تا کہ ان کے مقدس دل میں ہمارے لئے جگہ بن جائے ——— اس امت مرحومہ کے لئے وہ ظروف لطیفہ حضرات اہل بیت مصطفوی علیہ السلام ہیں کہ ان کی محبت ومتابعت واجب ہے، تا کہ ان کے مبارک دل میں کسی کی جگہ پیدا ہو۔ وہ مقدس دل چونکہ اللہ تعالیٰ کے نور لطیف سے معمور ومملو ہیں ——— ان کی مشارکت ظروف اور مجاورت مکانی سے ایسی مناسبت پیدا ہو جائے کہ وہ گناہوں کی کثافت کے دفع ہونے کے لئے تریاق کا حکم رکھے۔

؎ مورے بے چارہ ہوس کرد کہ در کعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

یعنی ''کسی بے چارے چیونٹے نے یہ تمنا کی کہ کسی طرح وہ کعبہ شریف پہنچ جائے۔ آخر اس نے اپنا ہاتھ ایک کبوتر کے پیر میں ڈال دیا اور فوراً پہنچ گیا۔''

اہل بیت سفینہ نجات ہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میرے اہل بیت کی مثال تمہارے لئے ایسی ہے جیسے (حضرت) نوح علیہ السلام کی کشتی ——— کہ جس نے اس میں پناہ لی وہ طوفان سے بچ گیا، اور جس نے اس سے علیحدگی اختیار کی، وہ غرق ہو گیا۔''

اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی خصوصیت کی وجہ ان کی فضیلت اور مرتبہ ہے کیونکہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت کمال عملی تھی ——— حضرات اہل بیت کو بھی حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورتِ کمالِ عملی بنا دیا کہ اس سے مراد طریقت ہے ——— اس لئے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال عمل بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصی مناسبت کے، جو

قوائے روحیہ وعصمت وعفت وحفظ وفتوت وسماحت سے متصف ہو ـــــ متصور نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی میں جلوہ گر ہو سکے۔ اور یہ مناسبت بغیر ولادت وتعلق اصلیت و فروعات کے ممکن الوصول نہیں ہوتی ـــــ چنانچہ یہ کمال تمام شعبوں میں کہ تمام ولایات مختلفہ کا معدن ہے' انہی سے جاری وساری ہوتا ہے اور امامت کے معنی بھی یہی ہیں کہ ایک مرد کامل نے دوسرے کو اپنا وصی بنایا ـــــ اور یہی اس کا راز ہے کہ وہ بزرگان اہل بیت تمام اولیائے امت کے سلسلوں کے مرجع ومنبع ہوئے ہیں ـــــ جو کوئی اللہ کی رسی سے متعلق ہونا چاہئے' چار و ناچار اس کی سند وفیض ان بزرگوں تک منتہی ہوتا ہے ـــــ اور اس کو اپنی نجات کے لئے اسی کشتی مقدس میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال علمی کے بخلاف کہ وہ پہلے صحابہ کرام میں جلوہ گر تھے۔ اس لئے ان کمالات کے حصول کے لئے ان کی پیروی وشادی اور ان کی صحبت استادی مدت دراز تک ضروری تھی ـــــ اور ان کی مرضی ومنشاء کے موافق رہنا اور ان کے طریقہ وآئین کو سمجھنا' جو کہ آنے والی مشکلات واستخراج مجہولات کے لئے ضروری تھا ـــــ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ.

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں' ان کی پیروی میں تمہارے لئے ہدایت ہے۔"

دریائے حقیقت کو عبور کرنا بغیر علم وعمل کی سواری کے ممکن نہیں ہے' لہٰذا مرد مسلمان کو ان دونوں سے تعلق پیدا کرنا چاہئے ـــــ دریا کا سفر بغیر سواری وکشتی اور قطب نما وغیرہ اور ستاروں کی رہنمائی کے ممکن نہیں ہے تاکہ صحیح راہ اور غیر راہ کا امتیاز ہو جائے ـــــ چنانچہ فرمایا ہے: وَتَعِيَهَا یعنی وہ اس کشتی کے قصہ کو یاد رکھیں اور طوفان میں ڈوبنے سے بچنے کے لئے کشتی (اہل بیت) کو ذریعۂ نجات سمجھ کر مومنین یہ تدبیر حاصل کریں۔ "اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ" یعنی وہ کان جو ان امور کو یاد رکھنے والا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت مبارک نازل ہوئی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے دریافت فرمایا:

سَاَلْتُ اللّٰہَ اَنْ یَّجْعَلَھَا اُذُنَکَ یَا عَلِیُّ۔

اور یہ تخصیص حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے اسی شرف ومرتبہ کی وجہ سے ہے—— اور اس میں یہی نکتہ ہے کہ اہل بیت کی کشتی کا مطلب ومعنی ہونا بغیر حضرت علی کے ذریعے متصور نہیں ہوتا۔ اسی لئے اہل بیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ وہ اس طریقہ کی امامت کے قابل ہوتے —— مگر اس وقت وہ کم سن تھے اور ان کی تربیت کسی دوسرے کو سپرد کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کمال کے منافی تھا—— اس وجہ سے امت کے گناہوں سے نجات پانے کے قواعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو القا فرمائے اور پھر ان کو امام بنانا اور اپنے کمال عملی کو ان کو صورت میں تصور کرنا ضروری ہوا کہ ان کو بحکم اَبُـوّت اس کمال کو اپنے صاحبزادوں کو پہنچانا پڑا—— اور اس طرح یہ سلسلہ مقدس تا قیامت ان کے وسیلے سے جاری ہوگیا—— یہی وجہ ہے کہ مولیٰ علی امیر المومنین کو یَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِیْن شاہ امت کا خطاب دیا گیا—— اور اس وجہ سے بھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنار مبارک میں پرورش پائی تھی—— اور علاقۂ دامادی بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھا اور آپ اپنے عہد لڑکپن ہی سے ہر امر خاص میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک و رفیق کار تھے—— آپ کو حکم فرزندی خاص تھا۔ آپ کو قریبی قرابت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قوائے روحانی وغیرہ میں مناسبت کلی حاصل تھی—— چنانچہ جناب انیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظل مبارک اور صورت کمال عملی تھے کہ یہی مراد ومطلب ولایت وطریقت سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے مبارک سے ان کی استعداد ولیاقت طبع اور بھی زیادہ ہوگئی' اور انتہائے مرتبہ کمال کو پہنچ گئے۔ اس کے آثار اب تک ہر طریقہ کے اولیاء اللہ کے ظاہر و باطن میں روشن ہیں۔ والحمد للہ!

ان روایات سے ثابت ہوا کہ طریقت کی تعلیم خاص ہے نہ کہ عام——

تصوف کی عطا دامن کے مطابق

یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع انبیاء کرام علیہم السلام کو نہی شرک و تعلیم توحید کے لئے نوبت بہ نوبت مبعوث و متعین فرمایا ہے——شرک و توحید ہر ایک کی چار چار قسمیں ہیں:

شرک کی اقسام:

O——اول: شرک شریعت
O——دوم: شرک طریقت
O——سوم: شرک حقیقت
O——چہارم: شرک معرفت

(۱)

خدا کی ذات وصفات وافعال میں کسی کو شریک کرنا۔ یہ شرک شریعت ہے—— یہ ایسی بلائے بے درماں اور مرض لا دوا ہے جس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں—— ارشاد باری ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِافْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًاO

یعنی ''اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اس کا شریک ٹھہرائے اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے—— جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا' اس نے بڑا طوفان باندھا۔''

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً بَعِیْدًا یعنی ''گمراہ' گمراہی دور کا۔'' (پ ۵' ع ۱۲)

یعنی ایسے شرک کی بخشش ہرگز نہیں ـــــ حضرت لقمان علیہ السلام نے اسی لحاظ سے اپنے بیٹے کو نفی شرک کی نصیحت فرمائی ہے۔ اس پند دل بند کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا:

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ (سورہ لقمان)
یعنی "اللہ کے ساتھ شریک مت کر بلا شک شرک بڑا ہی ظلم ہے۔"

(۲)

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد و معبود خالق و مخلوق کا ثابت کرنا شرک جلی ہے ـــــ اسے شرک طریقت بھی کہتے ہیں۔

(۳)

صفات الٰہی کو غیر ذات سمجھنا یہ شرک خفی ہے ـــــ اسے شرک حقیقت بھی کہتے ہیں۔

(۴)

اسم و مسمّٰی میں تمیز کرنا یہ شرک اخفی ہے ـــــ اسے شرک معرفت بھی کہتے ہیں۔
چنانچہ ان چاروں قسموں کے شرک کی باز پرس ان چاروں مراتب والوں سے ہوں گی ـــــ

توحید کی اقسام:

جس طرح شرک کی چار اقسام ہیں، اسی طرح توحید کی بھی چار اقسام ہیں:

- ـــــ اول: توحید شریعت
- ـــــ دوم: توحید طریقت
- ـــــ سوم: توحید حقیقت
- ـــــ چہارم: توحید معرفت

۱- شرک شریعت کے متضاد توحید شریعت ہے۔
۲- شرک طریقت کے مقابل توحید طریقت ہے۔
۳- شرک حقیقت کے برعکس توحید حقیقت ہے۔
۴- شرک معرفت کے مقابل توحید حقیقت ہے۔

ہر ایک نبی علیہ السلام نے شرک کے مٹانے اور توحید تنزیہی کی تعلیم میں سعی و کوشش بلیغ فرمائی۔ مگر کسی کافر و مشرک کے خیال میں یہ بات نہ آئی' الٹا مقابلے پر اتر آئے۔ آخر ہلاک و تباہ ہو کر فِی النَّارِ وَالسَّقَرُ ہوئے۔

اسرار جو معراج میں عطا ہوئے:

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر موجودات' رحمت عالمیان' خاتم الانبیاء' احمد مجتبیٰ' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرف بہ معراج ہوئے تو آپ کو تین قسم کے اسرار عطا ہوئے:

- ایک: لائق تعلیم عام
- دوم: قابل تلقین خاص واخص
- سوم: مناسب اخفی

چونکہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اس ستودہ صفات کو انسان کامل بہ لباس وحدت مبعوث فرمایا تھا —— بموجب عقل خداداد کے دیکھا کہ افراد بشر عقل و قیاس و فہم و ادراک میں مختلف الانواع ہیں —— چنانچہ ہر ایک کے حوصلہ و استعداد کے موافق تعلیم میں مشغول ہوئے۔

(۱)

عامہ خلائق کو حکم اول یعنی شریعت عزا کی تعلیم فرمائی۔ بارگاہ کبریائی سے جو حکم صادر ہوا تھا' ہر ایک کو سنا دیا۔ اسی کا نام تبلیغ رسالت تھا۔

(۲)

پھر خواص کو دعوت شریعت کے بعد فیضان سرچشمہ طریقت سے سیراب کر کے اخص کو دریائے فقر وفنا میں غوطہ دیا ـــــ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے جسے ابو داود نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے:

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَآءِ اُمِرْنَا اَنْ نُنَزِّلُ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ وَنُكَلِّمُهُمْ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ○

یعنی ''ہم گروہ انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبوں میں رکھیں اور ان سے ان کی عقلوں کے موافق کلام کریں۔''

اور بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ جن کی عقل زیادہ ہے' ان کے مراتب بھی زیادہ ہیں۔ اس لئے کاملین علی قدر مراتب عقل ہر ایک کو تعلیم فرماتے ہیں ـــــ اور ہر ایک اپنی اپنی عقل کے موافق ثمرہ پاتا ہے ـــــ اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی علی قدر مراتب عقل و ادراک ہر ایک کو تعلیم فرمائی ورنہ کم فہم لوگ خراب و ہلاک ہو جاتے ـــــ حدیث پاک ہے:

مَا حَدَثَ قَوْمًا بِحَدِيْثٍ لَا يَفْقَهُوْنَهُ اِلَّا كَانَ فِتْنَةً عَلَيْهِمْ

یعنی ''جو کوئی تم میں سے کسی قوم سے ایسی بات بیان کرے گا جس کو وہ نہ سمجھیں' تو وہ ان پر ایک مصیبت ہوگی۔''

ایک اور حدیث پاک جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَا اَحَدَ يُحَدِّثُ قَوْمًا بِحَدِيْثٍ لَا تُبَلِّغُهُ عَقُوْلَهُمْ اِلَّا كَانَ فِتْنَةً عَلٰى بَعْضِهِمْ

یعنی ''جب کوئی شخص کسی قوم کے سامنے ایسی بات کہتا ہے کہ جس کو ان کی عقل نہیں پہنچتی' تو ان میں سے بعضوں پر وہ بات فتنہ ہو جاتی ہے۔''

اسی لئے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

تُكَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عَقُوْلِهِمْ

یعنی "سامعین کی عقل کے موافق تم کلام کرو، تا کہ وہ سمجھ جائیں"—— ایسی بات نہ کہو کہ جس سے وہ تشویش میں پڑ کر خراب ہو جائیں۔

(بخاری و مسلم شریف)

(۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسرار معرفت یعنی فقر کو جس سے اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ مراد ہے، عام طور پر نہیں فرمایا—— کیونکہ یہ نہایت باریک اسرار ہیں—— ہر ایک کا فہم و ادراک اس کے کنگرۂ تقدیس تک پہنچ نہیں سکتا۔ لہٰذا خاص خاص صحابہ کرام مثلاً:

- حضرت ابوبکر صدیق
- حضرت عمر فاروق
- حضرت عثمان
- حضرت علی
- حضرت ابوہریرہ
- حضرت سلمان فارسی
- حضرت زید

وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو علی قدر مراتب فہم و ادراک تعلیم فرمایا۔

فخر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حدیث پاک میں ہے:

مَا صَبَّ اللّٰهُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُ فِیْ صَدْرِ اَبُوْبَکْر۔

یعنی "نہیں ڈالا اللہ نے میرے دل میں کوئی علم، مگر ڈالا میں نے ابوبکر کے سینے میں۔" (بخاری و مسلم شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا فَضَّلَکُمْ اَبُوْبَکْرٍ بِکَثْرَتِ صِیَامٍ وَلَا صَلٰوۃٍ وَّلٰکِنْ بِسِرٍّ وُقِرَنِیْ صَدْرِہٖ. (بیہقی)

یعنی ''ابوبکر تم پر روزہ اور نماز کی کثرت سے افضل نہیں ہوا' بلکہ ایک راز اور علم کی وجہ سے جو اس کے سینہ میں ڈالا گیا ہے۔''

اور وہ راز علم فقر ہے جس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فخر ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم باطن:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دو ظرف علم (یعنی ظاہری و باطنی) کے حاصل کئے ہیں۔ ایک تو میں نے بیان کر دیا ہے اور اگر دوسرے کو بیان کروں تو میرے گلے کی مری کٹ جائے''۔

اب فرمایئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کون سا علم بیان کیا اور کس علم کے بیان کرنے سے گلا کٹتا تھا —— سوائے اس کے اور کوئی جواب نہیں کہ علم ظاہر یعنی شریعت کو تو بر ملا علی الاعلان بیان کر دیا اور علم باطن یعنی فقر کو بیان نہ کر سکے ورنہ نادان لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے قتل کر ڈالتے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم باطن:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسی ہی ایک حدیث کے راوی ہیں' فرماتے ہیں:

''اگر میں تم سے وہ حدیثیں بیان کروں جو میں جانتا ہوں تو البتہ تم تین متفرق گروہ بن جاؤ —— ایک گروہ تو میرے قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے گا اور ایک مجھ کو جھٹلائے گا''۔[1]

آپ اصحاب صفہ کے ایک بڑے آزاد قلندر ممبر تھے —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر اوقات فرصت اور تنہائی کے وقت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسرارات الٰہی اور رموزات باطن کی تعلیم فرمایا کرتے تھے —— اسی لئے آپ کا

---

[1] شرح کنز الاعمال' جلد ۶ ص ۵۵

خطاب "صاحب السر رسول اللہ ﷺ" قرار پایا ہے—— امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ نے مسجد نبوی میں طالبین ومشتاقین کو بڑے زور وشور سے باطنی اسرارات کی تلقین شروع کر دی۔

قدغن ہے کہ کوچہ میں ترے آنے نہ پائے
گر بے خبر آ جائے تو پھر جانے نہ پائے

یہاں تک نوبت پہنچی کہ عشاق امور دنیاوی سے دست کش ہو کر صحرا نشینی اختیار کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس امر کی شکایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی—— آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا:

"کیا تم لوگوں کو دنیا خراب کرتے ہو؟ یہاں سے چلے جاؤ۔"

آخر کار بامر مجبوری مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کے مدائن میں جا کر قیام فرمایا' جہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عامل تھے—— وہیں آپ کا مزار پرانوار زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ جس کی زیارت سے راقم الحروف بھی مشرف ہو چکا ہے۔

علمائے ظواہر سے چند سوال:

علمائے ظواہر دونوں احادیث مذکورہ بالا کی نسبت یہ فرماتے ہیں کہ ان حدیثوں میں چونکہ حالات ومناقشات ومجادلات بنی امیہ مندرج تھے۔ جن کا ظہور بعد میں ہوا' اس خوف کے مارے کہ کہیں یہ لوگ ہماری گلو تراشی نہ کر ڈالیں' ان احادیث کو بیان نہیں کر سکے—— استغفر اللہ! بزرگان دین پر ایسا سخت بے سروپا حملہ کرنا علماء کی شان سے بہت بعید ہے۔

اب میں علمائے ظواہر سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں:

○—— اوّل تو یہ کہ اس دوسرے ظرف میں بنی امیہ کے حالات کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

○—— دوم یہ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "صاحب السر رسول اللہ" کا جو خطاب دیا گیا ہے' یہ کیوں؟—— آیا اس لحاظ سے کہ انہوں نے احادیث

کو بنی امیہ کے خوف سے افشا نہیں کیا اور پوشیدہ رکھا ـــــ اس خطاب کی اگر یہی وجہ ہے تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خطاب کیوں نہیں ملا۔ حالانکہ گلو تراشی والی اس حدیث میں آپ بھی شریک ہیں اور اس ظرف حدیث کو آپ نے بھی افشا نہیں کیا۔

o ـــــ **سوم** یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں صاحبوں کو اپنا امین سمجھ کر اسرارات سے اس لئے آگاہ فرمایا تھا کہ ان احادیث کا فیضان دوسروں کو پہنچائیں ـــــ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کئے بغیر وہ فیض کیوں مخفی رکھا' ظاہر کیوں نہیں کیا تھا ـــــ کیا اپنی جان کے خوف سے! ـــــ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ ـــــ ہمارے نزدیک تو ان حضرات نے اس فیض باطن کو ہرگز بند نہیں رکھا ـــــ اہل ظواہر کی یہ ایک من گھڑت بات ہے۔

ان احادیث میں چونکہ اسرارات باطن پوشیدہ تھے' لہٰذا عوام الناس ناقص العقل و کم فہم کے سامنے برملا ظاہر کر دینے میں اپنی ہلاکت کا باعث سمجھے اور خواص کو خفیہ طور پر تنہائی میں جیسا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ کار تھا' فیض یاب فرمایا۔

چنانچہ وہ اسرارات الٰہی و رموزات باطن جن کو فقر تصوف و علم باطن کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے ذرائع سے سینہ بسینہ آج تک چلے آ رہے ہیں اور تا قیام قیامت یہ فیضان حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاری و ساری رہے گا۔ البتہ عوام الناس کو تاہ اندیشوں کے سامنے علم باطن کا اظہار کرنا اب بھی موجب ہلاکت ہے' اور قابل دار ـــــ جیسے حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ سمجھے گئے' سچ ہے:

آں راز کہ در سینہ نہاں ست نہ وعظ است
بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

یعنی ''وہ راز جو میرے سینہ میں پوشیدہ ہے وہ کوئی وعظ نہیں ہے' وہ راز تو سولی پر ہی کہا جا سکتا ہے' منبر پر نہیں کہا جا سکتا۔''

اللہ کے رازوں کے خزانے (اسرار الٰہی کے مخزن):

ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"یہاں بہت سے علوم ہیں' اگر میں ان کے متحمل پاتا —— اولیاء اللہ کے سینے اسرار الٰہی کی قبریں ہیں۔"

یعنی عام لوگ ان کے متحمل نہیں۔ اس لئے آپ نے بھی خاص خاص کو مثلاً:

- حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ
- حضرت کمیل ابن زیاد علیہ الرحمہ

وغیرہم کو تعلیم فرمایا —— جو چیز بیش بہا (قیمتی) ہوتی ہے وہ عام طور پر نہیں بکتی۔ بلکہ خاص طور پر خاص خاص ہی کو ملتی ہے۔ اس دُرِ مکنون کے لئے سرمایہ عقل و فراخیٔ حوصلہ و ہمت درکار ہے۔

علم کشف:

اس علم (باطن) میں ایک شعبہ کشف ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

- کشف کونی
- کشف ذاتی

کشف کونی وہ ہے کہ سالک کو احوال عالم سے روز اطلاع ہو جائے —— اور ذاتی کشف وہ ہے کہ عارف کو ذات حق و حقیقت اشیاء عالم کا انکشاف ہو۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرف اشارہ فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ۔ یعنی "اے اللہ! مجھے حقیقت اشیاء ہو بہو دکھا۔"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کشف کونی معلوم ہوا تو ایک روز جوش میں آ

کر کہنے لگے:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر حکم ہو تو بہشتیوں اور دوزخیوں کو جدا جدا اور حشر ونشر کا حال بالتفصیل بیان کر دوں!''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بس تیرا گھوڑا بہت گرم ہو گیا ہے' اسے ذرا ٹھنڈا کر۔''

اس حدیث کو شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''ارشاد المریدین'' میں نقل فرمایا ہے۔

سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال مولانا روم کی زبانی:

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کشف کونی کا حال مولانا روم نے بیان فرمایا ہے:

؎ گفت پیغمبر صباحے زید را　　کَیْفَ اَصْبَحْتَ اے رفیق باصفا

''ایک دن صبح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے رفیق باصفا! تیری صبح کیسی ہے' تیرا کیا حال ہے۔''

؎ گفت عَبْدًا مُؤْمِنًا باز وش گفت　　کو نشاں از باغ ایماں گر شگفت

''انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو ایک بندۂ مومن ہوں ——— پھر ان سے فرمایا: اگر تجھ پر ایمان کے باغ کا کوئی نشان ظاہر ہوا تو بتا!''

؎ گفت تشنہ بودہ ام من روزہا　　شب نمی خفتم زعشق و سوزہا

''انہوں نے عرض کیا: میں بہت دنوں سے پیاسا تھا اور رات کو بھی عشق و سوز کے مارے ہرگز نہیں سوتا تھا۔''

؎ تاز روز و شب جدا گشتم چناں　　کہ ز اسپر بہ گذرد نوک سناں

''جب میں روز و شب اس طرح جدا رہا کہ جیسے ڈھال میں سے تیر کی نوک پار ہو جاتی ہے۔''

ے کہ ازاں سو جملہ ملت ہا یکے است　صد ہزاراں سال ویک ساعت یکی است

''تو پھر معلوم ہوا کہ اس طرف تو تمام مذہب وملت ایک ہی ہیں ــــ سو ہزار سال اور ایک ساعت سب برابر ہے۔''

ے ہست ازل را وا بدرا اتحاد　عقل را رہ نیست سوئے اعتقاد

''ازل وابد کا ایسا اتحاد ہے کہ وہاں عقل کو یقین کی راہ نہیں ملتی۔''

ے گفت ازیں رہ کورہ آوردی بیار　درخور فہم و عقول ایں دیار

''فرمایا! اس راہ پر آنکھیں بند کر کے دوست کے ساتھ چل، یہ بات عقل و فہم میں آنے کے لائق نہیں ہے۔''

ے گفت خلقاں چوں نہ بینند آسماں　من بہ بینم عرش را با عرشیاں

''غرض کیا: لوگوں کو تو آسماں بھی اچھی طرح نظر نہیں آتا جب کہ میں عرش معلیٰ کو عرش والوں کے ساتھ دیکھتا ہوں۔''

ے ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من　ہست پیدا ہم چو بت پیش شمن

''آٹھوں جنتیں اور ساتوں دوزخ میری نظر کے سامنے ہیں۔ جس طرح کہ برہمن کے سامنے بت ظاہر ہوتے ہیں۔''

ے یک بیک درمے شناسم خلق را　ہم چو گندم من زجو در آسیا

''میں مخلوق میں سے فوراً پہچان لیتا ہوں بلکہ ویسے جس طرح کہ جو میں گندم چکی میں سے نظر آجاتا ہے۔''

ے کہ بہشتی کیست بیگانہ کیست　پیش من پیدا چو مور و ماہی است

''اور مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے بہشتی کون ہے اور دوزخی کون ہے ــــ یہ سب اسی طرح میرے سامنے ظاہر ہے جیسے مور اور مچھلی ہوں۔''

ے ایں زماں پیدا شدہ برایں گروہ　''یَوْمَ تَبْیَضُّ وَ تَسْوَدُّ'' وُجُوْہٌ''

''ان گروہوں کی پیدائش دنیا پر اس وقت ہوئی جس دن چہرے سیاہ اور

سفید کئے گئے۔"

؎ جملہ را چوں روز رستا خیز من　　　فاش می بینم عیاں از مرد و زن

"پیدائش کے دن سے ہی جس طرح وہ ہیں میں ان سب مردوں اور عورتوں کو ظاہر دیکھتا ہوں۔"

؎ یا رسول اللہ! بگویم سرِّ حشر　　　درجہاں پیدا کنم امروز نشر

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر حکم ہو تو میں حشر کا راز بھی بیان کر دوں! اور اگر حکم ہو آج ہی روز قیامت پیدا کر دوں!"

؎ ہل مرا تا پردہ ہارا بردرم　　　تا چو خورشیدے بہ تا ابد گوہرم

"آپ اگر اجازت دیں تو میں پردہ فاش کر دوں تا کہ میرا چمکتا ہوا موتی سورج کی طرح چمکنے لگے۔"

؎ تا کسوف آید زمن خورشید را　　　تا نمایم نخل را و بیدار

"چمک دمک سے سورج کو بھی گرہن لگ جائے اور میں نخل اور بید کو بھی (یعنی ہر اچھے برے کو) ظاہر کر دوں!"

؎ وانمایم روز رستا خیز را　　　نقد را و نقد قلب آمیز را

"روز پیدائش کو بھی ظاہر کر دوں نقد کو بھی اور کھوٹے کھرے ملے جلے کو بھی۔"

؎ دست ھابہ بریدہ اصحاب شمال　　　وانمائم رنگ کفر و رنگ آل

"شمال والوں کے کٹے ہوئے ہاتھ اور کفر و اسلام کے رنگ کو بھی ظاہر کر دوں!"

؎ وا کشائم ہفت سوراخ نفاق　　　درضیائے ماہ بے خسف و محاق

"میں نفاق کے سات سوراخ بھی ظاہر کر دوں چاند کی روشنی میں بغیر کسی پردہ پوشی کے۔"

؎ وا نمایم من پلاس اشقیا　　　بہ شنوانم طبل و کوس انبیاء

"میں ظالموں اور پتھر دلوں کے لباس دکھا دوں۔ انبیاء کرام کے طبل وکوس کی آواز بھی سنا دوں کہ انہوں نے کس طرح بے باکی سے حق کا اعلان کیا ہے۔"

ے دوزخ و جنات و برزخ درمیاں　　پیش چشم کافراں آرم عیاں

"دوزخ اور جنت اور برزخ بھی درمیان میں موجود ہیں۔ میں کافروں کی نگاہوں کے سامنے ان کو لے آؤں۔"

ے وانمایم حوض کوثر را بہ جوش　　کاب براوشاں زند بانگش بہ گوش

"حوض کوثر کے جوش مارتے ہوئے پانی کو بھی ظاہر کر دوں اور اہل ایمان کے لئے اس کا پانی کس طرح سے اچھلتا ہے اس کی آواز سناؤں!"

ے واں کہ تشنہ گرد کوثے مے دوند　　یک بیک را وا نمایم تا کیند

"جو بھی پیاسے حوض کوثر کی طرف دوڑتے ہیں، میں ایک دم ظاہر کر دوں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کے طالب کون ہیں۔"

ے می بسایند دوش شاں بردوش من　　نعرہ ہاشاں میرسد در گوش من

"اہل ایمان کے کندھے میرے کندھوں سے ٹکراتے ہیں۔ ان کے شوق کے نعرے میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔"

ے اہل جنت پیش چشم انتظار　　درکشیدہ یک بیک را درکنار

"اہل جنت میری نظروں کے سامنے منتظر ہیں اور خوشی کے عالم میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں۔"

ے دست یک دیگر زیارت می کنند　　و ز لباں ہم بوسہ غارت می کنند

"ایک دوسرے سے مصافحہ کر کے ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا منہ چومتے ہیں۔"

ے کرشد ایں گوشم زبانگ آہ آہ !　　از حنین و نعرہ ہا "واحسرتا"

"اس آہ آہ کی آواز سے میرے کان بہرے ہوئے جاتے ہیں جو کہ حنین

کے میدان جنگ سے "ہائے حسرت" کے نعرہ کی صورت بلند ہوتی ہے۔"

۔ایں اشارت ہاست گویم از نغل   لیک می ترسم ز آزار رسول

"میں نے یہ جو اشارے بیان کئے ہیں اس (راز کھولنے کے سبب) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضی سے ڈرتا ہوں۔"

۔ہم چنیں ے گفت سرمست و خراب   داد پیغمبر گریبانش بہ تاب

"جب اس قسم کے چھپے رازوں کی باتیں اس سرمست عشق و سوز نے بیان کیں، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گریبان مبارک کو پکڑ کر ہلایا اور فرمایا:"

۔ہین بہ گویم یا فرو بندم نفس   لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس

"خبردار! میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنا سانس بند کر لو اور راز کے بارے میں بات چیت ختم کرو اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بات ختم کر دی۔"

۔گفت دم درکش کہ اسپت گرم شد   عکس حق لا یَسْتَحْیِی زد شرم شد

"پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی گفتگو کو روک لو تمہارا گھوڑا بہت گرم ہو گیا ہے۔ عکس حق نے لا یَسْتَحْیِی فرمایا تو وہ شرم سار ہو گئے۔"

۔آئینہ تو جست بیروں از غلاف   آئینہ و میزاں نے گوید خلاف

"تیرا آئینہ اپنے غلاف سے باہر آ گیا جب کہ آئینہ و میزاں کبھی خلاف نہیں کیا کرتا۔"

رازِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کنواں:

بھلا وہ کون سی بات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرنا ـــــ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت ضبط کیا آخر جب ضبط کو یارانہ رہا تو مدینہ منورہ سے باہر

جنگل میں تشریف لے گئے۔ جنگل میں ایک کوئیں کے کنارے بیٹھ کر اس راز کو بیان کیا۔ اس کوئیں کا پانی خون ہو گیا —— آج بھی مدینہ منورہ میں "بیر علیؓ" مشہور ہے۔ آخر وہ کون سا علم تھا جس کی وجہ سے حضرت زید اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جوش آیا تھا۔

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال شیخ عطار کی زبانی:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا جبہ مبارک کیوں عنایت فرمایا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کو حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک دینار کے بدلے میں کیوں فروخت کرتے تھے —— اس قصے کو شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ نے یوں بیان کیا ہے:

؎ چوں عمر پیش اویس آمد بہ جوش گفت افگندم خلافت راز دوش

"جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جوش میں آئے تو فرمایا کہ میں بار خلافت کو اپنے شانوں سے اتار دیتا ہوں۔"

؎ گر خلافت را خریدارے بود می فروشم گرید ینارے بود

"اس خلافت کا اگر کوئی خریدار ہو تو میں اسے ایک دینار میں بھی فروخت کرنے کو تیار ہوں۔"

؎ چوں اویس ایں حرف بہ شنید از عمر گفت روبہ گزار فارغ در گزر

"جب حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بات سنی تو فرمایا: تم ظاہرداری کو چھوڑ دو اور فارغ ہو جاؤ۔"

؎ تو بیفگن ہر کہ مے خواہد ز راہ بار بر گیرد رود تا پیش گاہ

"تو غیر چیزوں کو چھوڑ دے اور جو ضروری زادِ راہ چاہیے لے کر روانہ ہو تاکہ آگے پہنچ جائے۔"

- چوں خلافت خواست افگندش امیر   آں زماں برخواست ازیاراں نفیر

''حضرت امیر المؤمنین نے جب خلافت کو چھوڑ دینا چاہا تو اس وقت ان کے دوست احباب نے شور فریاد بلند کیا۔''

- جملہ گفتندش مکن اے پیشوا   خلق را سرگشتہ از بہر خدا

''سب نے مل کر ان سے عرض کیا'' اے ہمارے پیشوا ـــــ خدا کے لئے آپ ایسا ہرگز نہ کیجئے۔ اس طرح تو خلق خدا گمراہ و پریشان ہو جائے گی۔''

- عہدہ در گردنت صدیق کرد   آں نہ عمداً کہ بر تحقیق کرد

''یہ عہدہ جلیلہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے سپرد کیا ہے انہوں نے یہ کام جان بوجھ کر نہیں کیا بلکہ حق اور مناسب سمجھتے ہوئے کیا ہے۔''

- گر تو مے پیچی سر از فرمان او   ایں زماں از تو برنجد جان او

''آپ اگر ان کے فرمان مبارک سے سر پھیرتے ہیں تو اس طرح آپ ان کی روح مبارک کو دکھ پہنچاتے ہیں۔''

- چوں شنید ایں حجت محکم عمر   کار ازیں حجت بروشد سخت تر

''پھر جب یہ مضبوط دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنی تو پھر اس دلیل کی وجہ سے ان پر یہ کام سخت دشوار ہو گیا اور یوں وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔''

ربوبیت ایک راز ہے:

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ'' احیاء العلوم'' میں لکھتے ہیں کہ بعض عارفوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ ربوبیت کا ایک راز ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو نبوت بیکار ہو جائے اور نبوت کا ایک بھید ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو علم نکما ہو جائے ــــ عارفوں کا بھی ایک راز ہے، اگر وہ اس کو افشاء کریں تو احکام شرع بے کار ہو جائیں۔

عرفاء کے علوم:

حضرت سہیل تستری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ عالم یعنی عارف کو تین علم عنایت ہوتے ہیں:

- ٥ ــــــ علم ظاہر یعنی شریعت
- ٥ ــــــ علم باطن یعنی طریقت
- ٥ ــــــ علم معرفت یعنی فقر وفنا

(۱)

عارف علم ظاہر یعنی شریعت جمیع جن وانس کو تعلیم فرماتا ہے ــــــ

(۲)

علم باطن یعنی طریقت سوائے اس کے اہل کے عام کو تعلیم نہیں کرسکتا۔

(۳)

علم معرفت یعنی فقر وفنا کہ تصوف میں اس سے افضل واعلیٰ مرتبہ نہیں اور یہ راز الٰہی ہے کہ اس کو بغیر علم خاص کے تلقین نہیں کرسکتا۔ جیسے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جو مامور بہ حکم خدا ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بحکم خداوندی راز مخفی سے مطلع کیا۔ چنانچہ یہ قصہ قرآن شریف میں ہے۔ اگر ایسا علم عام طور پر تعلیم کیا جاتا تو احکام شرع درہم برہم ہو جاتے اور عوام الناس ہلاک وتباہ ــــــ اسی لئے فقر کی تعلیم سینہ بہ سینہ ہوتی ہے ــــــ یہ امانت اسی کو سپرد کی جاتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کی قابلیت عطا فرمائی ہو ــــــ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا کرے۔

اسرارِ فقر:

اگر کوئی کہے کہ جب علم فقر ومعرفت راز الٰہی ہے تو پھر تم نے اسے کیوں لکھا

ہے۔۔۔۔اس کا جواب یہ ہے کہ اسرار فقر نہ کبھی تحریر میں آئے اور نہ آ سکتے ہیں بلکہ جو کچھ تحریر میں آیا ہے وہ عبارت واشارت ہے۔ حصول اسرار کی تشویق کے لئے نہ کہ عین اسرار کے لئے۔۔۔۔ بالفرض اگر اس تحریر کو بھی علم اسرار کہا جائے تو ہم نے خواص کے لئے لکھا ہے نہ کہ عوام کے لئے۔ عامی جہلا سوائے بطور وحروف کے اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔۔۔۔ اگر پڑھ بھی لیں تو مقصود کا سمجھنا محال ہاں جو شخص صاحب عقل سلیم اور صحبت فقراء کا فیض یافتہ ہوگا اس کو ان مضامین میں کسی طرح کا شک وتردد پیدا نہ ہوگا بلکہ خاطر خواہ اپنا مطلب اس میں سے اخذ کرے گا۔

اسرار القرآن والحدیث:

ہم نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے اس سے کروڑوں حصے زیادہ قرآن شریف و احادیث میں کھلم کھلا اسرار درج ہیں۔۔۔۔ اگر ہم نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی تو کیا گناہ کیا۔۔۔۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں چند آیات واحادیث بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتا ہوں۔ ارشاد باری ہے:

اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا.

''اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو راہ پر لا دے سب آدمیوں کو۔'' (پ ۱۳ ع ۱۰)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ.

''اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی فرقہ بنا دیتا لیکن گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔'' (پ ۱۴ ع ۹)

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ.

''اگر ہم چاہتے ہیں تو البتہ ہم دیتے ہر ایک جی کو ہدایت' لیکن ثابت ہوا ہے میری طرف سے یہ حکم کہ ضرور پر کروں دوزخ کو جن اور انسان میں سے۔'' (پ ۲۱ ع ۱۵)

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوٰهَا.

''یعنی اس کے جی میں ڈالی بدکاری اس کی اور پرہیزگاری اس کی۔''

(پ ۳۰' ع ۱' سورۂ شمس)

اب چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ''اے ابوہریرہ! خشک ہو گیا قلم ساتھ اس چیز کے کہ تو ملنے والا ہے۔''

(۲) ''مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس برس پہلے لوگوں کی تقدیر لکھی گئی ہے۔''

(۳) ''بخاری اور مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بحکم خدا فرشتہ بچے کا عمل واجل ورزق وشقی وسعید اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے۔''

(۴) ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کام کرتا ہے دوزخیوں کے اور تحقیق وہ اہل بہشت سے ہوتا ہے' اور کرتا ہے کام بہشتیوں کے اور ہوتا ہے اہل نار سے ـــــ اور نہیں اعتبار اعمال کا مگر خاتمہ پر۔''

اب فرمایئے کہ یہ اسرار نہیں تو کیا ہیں ـــــ

ع گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اور اگر سچ پوچھتے ہو تو تمام کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اولہ الی آخرہ اسرارات سے معمور اور بھرپور ہیں۔ مگر ان میں سے بھی خاص لوگ ہی دقائق سے واقف ہیں۔ ورنہ عام لوگ سوائے تلاوت قرآن کریم کے اور کچھ نہیں جانتے ـــــ غرض کہ اسرار تصوف علم کتابی نہیں اور نہ کتابوں کے دیکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں' اور نہ سمجھ میں آ سکتے ہیں' نہ ہی کسی صاحب مذہب نے کوئی ایسی کتاب لکھی ہے کہ جس کے مطالعہ سے اسرار تصوف منکشف ہو جائیں۔

بو حنیفہ ز عشق درس نگفت شافعی را درو روایت نیست
حنبل زعشق نیز بے خبراست مالکی را درو حکایت نیست

یعنی ’’حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے عشق کا درس نہیں دیا—— حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے بھی اس کے متعلق کوئی روایت نہیں آئی ہے—— حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ بھی اس عشق سے بے خبر ہیں—— حضرت امام مالک علیہ الرحمہ سے بھی اس کی کوئی حکایت نہیں سنی ہے۔‘‘

جیسی عقل ویسا علم:

ان احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی امر میں تم سے سوال کرے تو تم اس کی عقل کے موافق ایسا جواب دو کہ وہ سمجھ جائے اور اسے دوبارہ دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے—— ایسا پیچیدہ جواب نہ دو کہ وہ خرابی میں پڑے اور اسی تردّد میں تباہ و ہلاک ہو جائے—— یعنی جہاں تک اس کی عقل کی رسائی ہو وہاں تک سمجھا دو تا کہ وہ تردّد سے محفوظ رہے—— یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے دل کی کوئی بات کتاب میں نہ لکھو۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی شخص قلم نہ اٹھاتا اور کاغذ سیاہ نہ کرتا اور دین و دنیا کے تمام علومِ اسرار صفحۂ جہان سے یک قلم مفقود ہو جاتے‘ کسی علم کا نام ونشان باقی نہ رہتا—— بزرگانِ سلف نے اپنے اپنے رسائل وکتب میں ہر قسم کے نکات و اسرارات بیان فرمائے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ انہی بزرگان دین سے جو حصہ ملا ہے اور انہی اولیاء اللہ کا فیض و اسرار جو دل نشین ہوا ہے‘ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اسی سمندر میں سے ایک نہر صحرائے عالم میں ہم نے بھی جاری کی ہے۔ تا کہ طالبان تشنہ دل سیراب ہوں اور پیاس بجھائیں—— چنانچہ جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے یا لکھا جائے گا‘ یہ سب اس علم اسرار وفقر وتصوف کے آداب و ارکان و آثار و اطوار و منازل و مقامات وقواعد و آلات و اسباب و وسائل ہیں تا کہ طالب کو شوق زیادہ پیدا ہو۔

؎ نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کایں دولت از گفتار خیزد

یعنی ''عشق صرف دیدار و نظارہ ہی سے نہیں پیدا ہوتا' بلکہ یہ دولت اکثر میٹھی میٹھی باتوں سے بھی حاصل ہوتی ہے۔''

فقر ایک راز ہے:

بوقت تحصیل زیادہ وقت نہ اٹھائے اور آسانی سے مراحل فقر کو طے کر کے اپنے مقصود اصلی کو پہنچ جائے۔ ورنہ یہ نوشت کچھ فقر نہیں ہے' نہ نوشت میں آ سکتا ہے—— کیونکہ فقر ایک راز ہے جو تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ وہ ایک روحی اثر ہے جو پیر کامل مرید کے دل میں ڈالتا ہے اور اس کو سیر الی اللہ و سیر مع اللہ و سیر فی اللہ کرا کے خدا کے سپرد کر دیتا ہے—— اس کے بعد جو راز و نیاز اس کے اور خدا کے درمیان پیش آتا ہے اس کو فقر کہتے ہیں۔ یہ حد تحریز و تقریر سے باہر ہے۔ جیسے کیفیت سرور' جیسے صحبت عاشق و معشوق۔

لہٰذا یہ علم فقر' فقراء و انبیاء کا علم سینہ ہے نہ کہ علم سفینہ—— کسی عاقل و صاحب فہم سلیم کو کچھ تردد و شک اس میں نہیں ہوتا—— پس جہاں تک ممکن ہے' میں بھی اس میں قلم فرسائی کرتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِيقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

بندوں کی اقسام:

حدیث پاک میں ہے کہ بندے تین قسم کے ہیں:

- —— بعض بہائم کی مانند ہیں کہ سوائے کھانے پینے سونے اور شہوت رانی کے کوئی اور کام نہیں رکھتے۔
- —— بعض فرشتوں کی مانند ہیں کہ ان کی ہمت تسبیح و تہلیل اور نماز و روزہ وغیرہ صفات ملائکہ کے حصول میں مصروف رہتی ہے۔
- —— بعض مثل انبیاء کے ہیں کہ ان کی ہمت عشق و محبت و رضا و تسلیم میں مصروف ہے۔

دنیا کے مسافر:

حدیث پاک میں ہے کہ مسافر تین قسم کے ہیں:

- طالبِ دنیا
- طالبِ عقبیٰ
- طالبِ مولیٰ

(۱)

بعض دنیا میں سفر کرتے ہیں اور ان کا راس المال دنیا ہے اور اس کا سود گناہ و ندامت ——— یہ لوگ بہائم و انعام کے مثال ہیں کہ سوائے حرص و ہوا و نفس پرستی کے اور مشغلہ نہیں رکھتے ——— گویا ان کا سفر و مجاہدہ دنیا کے لئے ہیں۔ وہ مخنث ہیں اور اکثر ایسے ہی ہیں۔

(۲)

بعض آخرت کا سفر کرتے ہیں۔ ان کا راس المال طاعت و عبادت ہے اور اس کا سود جنت ——— یہ لوگ حصول صفات ملائکہ میں کوشش کرتے رہتے ہیں ——— یہ طالبِ عقبیٰ ہیں جو آخرت کے لئے دوڑتے ہیں' یہ مونث ہیں۔

(۳)

بعض لوگ خدا کی طرف سفر کرتے ہیں۔ ان کا راس المال معرفت ہے اور اس کا سود دیدار الٰہی ہے ——— یہ لوگ انبیاء کی مانند ہیں کہ رضا و تسلیم کا لباس اپنے تن پر آراستہ کر کے عشق و محبت کی ریل گاڑی میں سوار ہو کر گنج مخفی کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا کے حصول کے لئے جو طلسمات بوقلموں سے معمور ہے۔ امداد الٰہی کا توشتہ لے کر بہ ہمت تمام اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ کی دعا مانگتے ہوئے خدا کی طرف سفر کرتے ہیں ——— یہ طالبِ مولیٰ ہیں جو معرفت الٰہی کے حصول کے لئے سفر کرتے ہیں۔ وہ بہت ہی تھوڑے بلکہ شاذ و نادر ہیں۔ ان کو مذکر کہتے ہیں۔ کسی کامل کا کہنا ہے:

طَالِبُ الدُّنْيَا مُخَنَّثٌ وَطَالِبُ الْعُقْبٰى مُؤَنَّثٌ وَطَالِبُ الْمَوْلٰى مُذَكَّرٌ

ہر مسافر علی قدرِ استعداد و مراتب مجاہدہ اپنے مطلوب کو حاصل کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو کوئی چاہے دنیا کی جزا ہم دیں گے اس کو اس میں سے ـــــ اور جو کوئی چاہے جزا آخرت کی دیں گے ہم اس کو اس میں سے ـــــ اور شتاب بدلا دیں گے ہم شکر کرنے والوں کو ـــــ''

یعنی جو لوگ ہماری بانٹ پر شکر کرتے ہیں اور ہمارے سوا کسی کی طلب و تلاش میں نہیں دوڑتے بلکہ ہماری ہی جانب سفر کرتے ہیں۔ ہم ان کو بہت جلد بدلہ دیں گے کہ وہ علم معرفت و دیدار الٰہی ہے ـــــ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ سے مراد یہ تیسرا گروہ ہے۔ جس کو طالب مولیٰ کہتے ہیں۔

بے نظیر بدلہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ.

''اور جن لوگوں نے محنت اور مجاہدہ کیا ہماری راہ میں (راہ معرفت میں) تو البتہ دکھا دیں گے ہم ان کو اپنی راہ (راہ توحید و معرفت) اور تحقیق اللہ تعالیٰ البتہ ساتھ احسان کرنے والوں کے ہے۔'' (پ ۲۱ ع ۳)

یہاں احسان کے معنی ہیں: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ یعنی جس کی عبادت بخلوص دل اس شان و شوکت کی ہوگی تو بالضرور ہم اس کو بالعلم والعین بمرتبہ حق الیقین دکھا دیں گے کہ ہم اس کے ساتھ ہیں ـــــ پس اسی معرفت کا نام بدلہ ہے اور کیا ہی بہتر و بے نظیر بدلہ ہے یعنی دیدار الٰہی۔

مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِیْ اَنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَ اَنَا

یعنی ''جن اشخاص نے حصولِ انا میں محنت ومجاہدہ کیا تو البتہ ان کو دکھا دیں گے راہ حصول۔''

انا فافہم۔ لیکن یہ سعادت ابدی اس وقت نصیب ہوسکتی ہے کہ حصول معرفت الٰہی میں کما حقہٗ مجاہدہ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَاجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (پ۱۷ ع۱۷)

یعنی ''اور محنت کرو راہِ خدا میں یعنی (حصولِ معرفتِ الٰہی میں) جو اس کے مجاہدہ کا حق ہے' اس نے برگزیدہ کیا تم کو (یعنی وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ کے خطاب سے سرفراز فرمایا) اور نہیں کی اوپر تمہارے بیچ دین کے کچھ تنگی''۔

یعنی ''یہ دین اسلام تم کو نہایت کشادہ وآسان راستہ دیا گیا ہے مگر حصول معرفت الٰہی میں جہاد اکبر یعنی مخالفت نفس وریاضت سخت کی ضرورت ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:

''ہم واپس ہوئے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف۔''

یعنی کہ وہ جہاد مخالفت نفس ہے۔ یعنی نفس کو حیوانی وشہوانی خواہشات سے روکنا لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عبادت وریاضت ومجاہدہ بلا شرکت غیرے ہو——— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا

''پس جو کوئی امید رکھتا ہے اپنے پروردگار کی ملاقات کی۔ چاہئے کہ عمل کرے نیک' اور شریک نہ کرے اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی ایک کو۔'' (پ۱۶ ع۳)

یعنی جنت کی امید رکھتے ہوئے اور دوزخ کے خوف سے عبادت نہ کرے بلکہ خالصاً لوجہ اللہ عبادت کی جائے۔

نفسِ مطمئن:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى.

یعنی ''جو اپنے نفس کو حیوانی و شہوانی خواہشات سے روکتا ہے' پس تحقیق جنت اس کی آرام گاہ ہے۔''

یہ وہ لوگ ہیں جن کا نفس مجاہدہ ومحنت شاقہ میں معرفت الٰہی حسب استعداد حاصل کر کے مطمئنہ ہو چکا ہے یعنی بعد موت ارادی یعنی مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْ ——— اور ارشاد باری ہے:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ.

''اے نفس (معرفت الٰہی میں) آرام پکڑنے والے چل اپنے پروردگار کی جانب راضی خوشی۔ پس داخل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔'' (پ۳۰' ع۱۵' سورۂ فجر)

خاص بندے' خاص جنت:

خاص بندگان الٰہی وہ ہیں جن کی شان میں آیا ہے:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۝ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (پ۱۱' ع۱۲)

یعنی ''جو میرے بندے ہیں تجھ کو ان پر زور نہیں سن رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔''

اور خاص جنت الٰہی وہ ہے جس کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

اشارہ فرمایا ہے:

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ جَنَّةً ''لَیْسَ فِیْهَا حُوْرٌ'' وَلَا قُصُوْرٌ'' یَتَجَلّٰی فِیْهَا رَبُّنَا ضَاحِكًا.

''جنت میں ایک جنت ہے نہ اس میں کوئی حور ہے اور نہ قصور —— اس میں تجلی فرمائے گا ہمارا پروردگار خوشنود اور رضا مند ہو کر۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو جو حیات دُنیا میں اپنے رب کی معرفت حاصل کر چکے ہیں، اسی جنت میں خوش اور رضا مند ہو کر اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرمائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رَبُّنَا فرمایا ہے اِلٰهُنَا نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ دیدار الٰہی بالتنز یہہ محال ہے۔ البتہ دیدار انوار اسماء وصفات وذات الٰہی بالتشبیہ ضرور ہو گا —— کلمات رب، رَبُّهٗ اور رَبَّنَا شاہد حال ہیں۔ ہر مقام پر ان الفاظ سے خود معلوم ہو جائے گا کہ یہاں ذات الٰہی مراد ہے یا اسماء الٰہی جو ارباب ہیں —— احدیتِ ذات اس مرتبہ میں ذات صمد غنی عن العالمین ہے —— حیات وعلم، ارادہ وقدرت، سمع وبصر اور جمیع صفات اور ان کے اضداد سے من کل الوجوہ مبرا ومنزہ ہے —— چونکہ ذات کو بذات خود عالم کا ایجاد کرنا شانِ احدیتِ ذاتی کے خلاف تھا۔ چنانچہ احدیتِ ذات نے مرتبۂ وحدت میں صفاتی تجلی فرمائی —— اور ذات موصوف بہ صفات اسماء مختلفہ ہو کر انہیں صفات کے ذرائع سے کارفرمائے عالم ہوئی —— ذات نے اپنے اسماء حسنیٰ صفاتیہ سے کام لیا۔ مخلوقات کو مربوب اور اسماء کو ارباب بنانا، تاکہ ہر ایک اپنے رب کی طرف متوجہ رہے —— اپنی ذات کو اسی طرح اپنے مرتبۂ صمدیت وغنائیت میں قائم و برقرار رکھا —— واہ سبحان اللہ! کریں خود اور نام دوسروں کا —— مگر دانا داند و بینا بیند کہ پردہائے اسماء صفات وشیونات میں صِبْغَةَ اللہ یعنی اللہ ہی رنگ جلوہ افروز ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ در پوش
من انداز قدرت رامی شناسم

یعنی "تو چاہے جس رنگ کا لباس زیبِ تن کرلے مگر میں تیرے قد کے انداز کی پہچان رکھتا ہوں"۔

اپنے نفس کی شناخت:

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اسماء الٰہی احاطۂ حد و حصر سے باہر ہیں اور ہر ایک اسم الٰہی ہر ایک شے اور ہر ایک شخص کا ربّ و مدبر و تربیت و پرورش کنندہ ہے —— یعنی جملہ صفاتی اسماء الٰہی عالم امر اور عالم خلق کے ارباب ہیں۔ جمیع اشیاء عالم امر اور عالم خلق مربوب اور اللہ کہ اسم احدیت ذات ہے، ربّ الارباب کہلاتا ہے —— جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رب ہے —— حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا رب عَلِّی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا:

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا. (پ۱۶ ع۷)

یعنی "وہ تھا اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ کہ اپنے رب کے خلاف کوئی عمل نہ کرتا تھا۔"

لہٰذا ہر شخص اپنے رب کی مرضی کے موافق عمل کرتا ہے، بال برابر اس کے خلاف نہیں کرسکتا —— چنانچہ جس شخص نے اپنی حالت کے اعتبار سے اپنے نفس کو شناخت کرلیا ہے کہ میں کس رب کا مربوب ہوں یعنی میں اسماء حسنیٰ کے کون سے اسم سے تعلق رکھتا ہوں ——:

- —— اگر حالت ہدایت پر ہے تو اسم ھادی اس کا رب ہے،
- —— اگر گمراہی پر ہے تو اسم مضل اس کا رب ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جبار و قہار و منتقم و رحیم و کریم وغیرہ —— اسی لئے ہر شخص اپنی حالت کے اعتبار سے اپنے رب کا عرفان اپنی استعداد کے مطابق حاصل کر سکتا ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے یہی معنی ہیں۔ قیامت کے دن بھی ہر شخص اپنے رب کے دیدار سے حسبِ حیثیت عرفانِ مشرف ہوگا۔ اسی لحاظ سے بہشتی بہ

میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے ـــــ اولیاء کرام بھی دنیا و آخرت میں اپنے اپنے رب کے دیدار سے حسب استعداد مشرف ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ یعنی صفاتی انوار کا جلوہ پائیں گے نہ کہ ذاتی جلوہ ـــــ اس لئے کہ قدرت انسانی سے برتر اور حواس ظاہری اور حواس باطنی کے احاطہ و ادراک سے پاک و منزہ ہے۔

جلوہ طور کا نظارہ:

اسی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لَنْ تَرَانِیْ کا حکم ہوا تھا بلکہ اپنے رب کا جلوہ بھی برداشت نہ کر سکے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

> ''جب آیا موسیٰ ہمارے وعدہ کے لئے اور کلام کیا اس سے رب اس کے نے ـــــ کہا: اے رب میرے دکھلا دے مجھ کو دیکھوں میں تیری طرف ـــــ اللہ نے فرمایا: نہ دیکھ سکے گا تو مجھ کو مگر نظر کر پہاڑ کی طرف' اگر قائم رہے اپنی جگہ پر ـــــ پس البتہ دیکھ سکے گا تو مجھ کو ـــــ چنانچہ جب تجلی کی اس کے پروردگار نے پہاڑ کی طرف' کیا اس کو ریزہ ریزہ اور موسیٰ بے ہوش گر پڑا۔''

چہ جائیکہ ذاتی جلوہ! ـــــ اس لئے کہ وہاں فنائے کلی ہے۔ ''نہ تو مانی اور نہ من'' کے مضمون میں دیدار کہاں ـــــ ہاں الہامات و اتصال و اکرام و انعام الٰہی درجۂ غایت ہوں گے۔

جلوہ معراج کی بات ہی کچھ اور ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذاتی قرب رکھتے ہیں اور معراج شریف میں ذاتی جلوہ پا چکے ہیں اور پاتے تھے اور پائیں گے ـــــ ''لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ'' شاہد حال ہے اور اولیاء اللہ مکملین' جو دنیا میں اپنے رب کے جلوۂ دیدار کے متحمل ہو چکے ہیں ـــــ قیامت کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل اپنی اپنی استعداد کے مطابق ذاتی جلوہ سے مشرف ہوں گے۔ انبیاء کرام علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے کرم

سے اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق ذاتی جلوہ سے ہمکنار ہوں گے۔

امہات اسماء الٰہی:

امہات اسماء چار ہیں:

o—— اوّل   o—— آخر

o—— ظاہر   o—— باطن

اور اسم اللہ اور اسم رحمٰن جامع' جمیع امہات ہیں—— اور یہ چاروں اسم جمیع اسماء کو شامل ہیں—— اس لئے کہ جس اسم کا مظہر اس کا ازلی و ابدی ہے' اس اسم کی ازلیت اسم اوّل سے ہوگی اور اس کی ابدیت اسم آخر سے' اس کا ظہور اسم ظاہر سے ہوگا جب کہ اس کا بطون اسم باطن سے ہوگا—— اور

o—— جو اسماء کہ بامداد ایجاد متعلق ہیں' وہ اسم اوّل کے تحت میں داخل ہیں۔

o—— اور جو جزا و معاذ کے متعلق ہیں' وہ اسم آخر کے تحت میں داخل ہیں۔

o—— جن اسماء کا تعلق ظہور و بطون سے ہے' وہ اسم ظاہر اور باطن کے تحت میں داخل ہیں۔

دنیا میں کوئی چیز اولیت و آخر اور ظہور و بطون سے خالی نہیں—— یہ چاروں اسماء امہات مذکورہ اسم اللہ اور اسم رحمٰن کے تحت میں ہیں۔ کیونکہ جیسے اسم اللہ جامع جمیع اسماء الٰہی و کونی ہے۔ اسی طرح اسم رحمٰن بھی جامع جمیع اسماء الٰہی و کونی ہے—— اسم رحمٰن اسم اللہ کے تابع ہے اور اسم رحیم وغیرہ اسم رحمٰن کے تابع ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ثابت ہوتا ہے کہ اسم الرحمٰن اسم اللہ اور اسم الرحیم وغیرہ کے درمیان برزخ ہے—— اسم اللہ مجازی طور پر اسم احدیت ذات ہے—— اسم الرحمٰن وغیرہ اسماء حسنیٰ مجازاً صفات احدیت ذات ہیں۔ الرحمٰن صفت رحمان رکھتا ہے اور عرش تا تحت الثریٰ عالم خلق پر حکومت رکھتا ہے—— اسم اللہ سے فیض لیتا ہے اور عالم امر اور عالم خلق کو جو اسم رحیم وغیرہ اس سے متعلق ہیں' فیض پہنچاتا ہے—— آخر خاتمہ رحیم کی رحمت پر موقوف ہے۔

غرض کہ اسم اللہ کے سوا جمیع اسماء حسنیٰ اسم الرحمٰن کے ماتحت کارفرمائے عالم ہیں اور اللہ کی ذات غنی عن العالمین ہے۔

دائرہ بسم اللہ:

اب تھوڑی دیر اس دائرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو غور سے دیکھیں تا کہ آپ پر اس آیہ کریمہ کے معنی واضح ہو جائیں ـــــ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى. (پ۱۶ ع۱۰)

سب سے پہلے بات ذہن میں رکھیں کہ تحت الثریٰ سے لے کر عرش تک عالم شہادت ہے ـــــ بالائے عرش عالم امر یعنی عالم مثال اور اس کے محیط عالم ارواح اور اس پر مرتبہ ربوبیت ہے۔ جسے عالم الوہیت وحقیقت انسانیہ واعیانِ ثابتہ واحدیت بھی کہتے ہیں ـــــ اس سے برتر وحدت ہے یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ـــــ اور اس سے اعلیٰ تر احدیت صرف وہویت محضہ وجود مطلق ذات بحت اور وراء الوراء ہے ـــــ ذاتِ حق کا نام واحدیت میں اللہ قرار پایا ہے ـــــ اسم الرحمٰن اسم اللہ کے تابع ہے جیسے کہ باقی کل اسماء حسنیٰ اسم الرحمٰن کے تابع ہیں۔

ایت مذکورہ بالا کے جو معنی علمائے ظواہر نے ارشاد فرمائے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ بذات خود عرش پر تکیہ لگائے ہوئے جلوس فرماتا ہے۔''

یہ معنی ہرگز نہیں' بلکہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم رحمٰن کو (جو صفت رحمانی رکھتا ہے) عرش پر حکمران قرار دیا ہے اور باقی کل اسمائے حسنیٰ اسی اسم کے متعلق کر دیئے ہیں۔"

طالب مولیٰ کے لئے راہ مستقیم:

تیسری قسم کے مسافر یعنی طالب مولیٰ کے لئے راہ مستقیم اور اس کے منازل و مقامات اور وادیات و عقبات جو اس راہ سلوک میں پیش آتے ہیں' عرض کرتے ہیں۔ تاکہ صادق الارادہ سالک اسے ملاحظہ کر کے راہ راست میں منزل و مقام کرتے ہوئے اور عقبات کی دشواری اور راہزنوں کے خوف سے بچتے ہوئے اپنے مطلوب تک پہنچ جائے۔

راز کی بات یہ ہے کہ راہ سلوک میں چار مقام اور سات خوں خوار وادیاں ہیں —— پہلا مقام شریعت ہے —— طالب صادق پر فرض ہے کہ اس مقام میں حواس ظاہری کی طہارت حاصل کرے کیونکہ اس کے بغیر حواس باطنی کا روشن ہونا محال ہے۔ حواس ظاہری کی طہارت احکام شرع کی پابندی سے حاصل ہوتی ہے —— چنانچہ ہر صاحب مذہب کو اپنی شریعت کی فرمانبرداری اور اطاعت ضروری ہے تاکہ حواس ظاہری صاف ہوں اور ان کے سبب سے حواس باطنی منور ہوں' اور حواس باطنی کے منو رہونے سے طلب صادق پیدا ہو۔ پھر اس سفر کی تیاری کرے —— کیونکہ یہ سفر یہ منزلیں حواس سے طے ہوتی ہیں نہ کہ پاؤں سے چلنے سے —— اگر حواس ظاہری و باطنی میں کچھ بھی میل و کدورت باقی رہے گی تو منزلوں کے طے کرنے میں بہت مشکل پیش آئے گی —— بہر حال شریعت کو اپنا معاون و مددگار جانے' تاکہ مرحلے طے کرنے میں کوئی رکاوٹ واقع نہ ہو۔

تصوف کی تعلیم کیسے حاصل کی جائے

شریعت کیا ہے؟:

شریعت کے لغوی معنی "آب رواں' جاری نہر' پانی یا گھاٹ" (جہاں مخلوق پانی پیئے) ـــــ اصطلاح میں اس قانون کا نام ہے جس میں امر و نواہی' قواعد سیاست مدن' مالی و ملکی حفاظت' طریقہ عبادات' تزکیہ حواس ظاہری و باطنی اور مکارم اخلاق ہوں ـــــ اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ (نبی) کی معرفت انتظام خلائق اور اعتدالِ کائنات انام کے لئے جاری و نافذ فرمایا ہو۔

طریقت کیا ہے؟:

طریقت' شریعت کا باطن ہے اور شریعت' طریقت کا ظاہر ـــــ طریقت کا باطن حقیقت ہے اور حقیقت کا ظاہر طریقت ہے ـــــ حقیقت کا باطن معرفت ہے اور معرفت کا ظاہر حقیقت!

ملک شریعت:

جس وقت انسان بطون سے ظہور میں اور عدم سے وجود میں آتا ہے اور پھر اپنے وطن کا ارادہ ہے تو طلسمات صوری میں گرفتار ہو کر اول اقلیم شریعت (یعنی ملک شریعت) میں قدم رکھتا ہے ـــــ اقلیم طریقت میں سفر کے قابل ہونے کے لئے حاکم وقت کے حکم کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے ـــــ

حدیث پاک اَلْعُلَمَاءُ وَرِثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کے مطابق ملک شریعت کا حاکم نائب رسول ہے ـــــ منور صورت' پاک طینت' خوش اخلاق' منصف مزاج' عادل و رحم دل' غریب پرور اور مسافر نواز ـــــ اس کے نزدیک امیر و غریب سب برابر ہیں ـــــ اس ملک کے رہنے والے عموماً پاک وصاف' خلیق و مہربان' مہمان نواز' صاحب محبت و الفت اور "کُلُّ مُؤمِنٍ اِخْوَۃٌ" کا مصداق ہیں ـــــ اس ولایت کا ہر در و دیوار پاکیزگی

و صفائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ـــــ سبحان اللہ! جس شئے کو دیکھو نورٌ علیٰ نور ہے ـــــ یہاں نفس اور شیطان کے سوا نہ کوئی چور ہے نہ رہزن ـــــ

یہ اوّل منزل ہے۔ اس منزل میں اس لئے قیام ہوتا ہے کہ جس کو دیدار سلطانی کا شوق ہو تو اس مقام پر اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق ظاہری و باطنی پاکیزگی حاصل کرے ـــــ لباس و سواری اور سفر خرچ (زادِ راہ) کا انتظام کر کے حاضری کا ارادہ کرے ـــــ ظاہری و باطنی طہارت (پاکیزگی) ایک ہی چیز ہے جو بشرط استقامت حاصل ہوسکتی ہے۔ یعنی توحید کے اختیار کرنے میں یا شرک کے ترک کرنے میں ـــــ جہاں توحید ہے، وہاں شرک نہیں اور جہاں شرک ہوگا وہاں توحید نہیں ـــــ غرض ایک دوسرے کی ضد نہیں ـــــ ہر اقلیم (ملک) میں اوّل توحید ہے۔

توحید شریعت:

توحید شریعت یہ ہے کہ خدا کی ذات و صفات اور افعال میں کسی کو شریک نہ کرنا اور شرع شریف کے حکم کے مطابق زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کرتے ہوئے لَآ اِلٰـــــهَ اِلَّا اللّٰه کہنا۔ یعنی ذات الٰہی کے سوا کوئی معبود و مقصود و مطلوب و محبوب نہیں ـــــ پھر اسی پر قائم ہو جانا اور اس سے بالکل پیچھے نہ ہٹنا کیونکہ استقامت شرط ہے۔

حضرت سفیان ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے کوئی امر ارشاد فرمائیں کہ جس پر میں عمل کروں اور پھر مجھے کسی بات کی ضرورت نہ رہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قُلْ رَبِّیَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ ''یعنی تو کہہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم اور مضبوط ہو جا۔'' (ترمذی و ابن ماجہ)

یعنی جب سچے دل سے مان لیا کہ میرا معبود اللہ ہے تو اس کے احکام پر بھی قائم

رہنا چاہیے۔ ورنہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہوگا —— چنانچہ وہ ہر بلا سے محفوظ اور اپنے ارادہ میں کامیاب ہوگا اور دیدار سے مشرف ہوکر مراتب اعلیٰ میں پہنچ جائے گا اور نعمت عظمیٰ سے کثیر لطف اٹھائے گا —— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○

''جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر اسی پر ثابت قدم رہے۔ ان پر اترتے ہیں فرشتے (اور کہتے ہیں) تم نہ ڈرو نہ غم کھاؤ اور خوشی کی بات سنو اس بہشت کی جس کا تم سے وعدہ تھا۔ دنیا و آخرت میں ہم تمہارے رفیق ہیں اور تم کو وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا اور تم کو وہاں ہے جو چاہو منگواؤ۔ مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان سے۔'' (۲۴'ع ۱۷)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (پ ۲۶'ع ۲)

''جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے۔ پھر اسی پر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر نہ وہ غم کھائیں گے۔ وہ ہیں بہشت کے لوگ۔ سدا رہیں گے اس میں (یہی ہے) بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔''

توحید شریعت میں یہ فائدہ ہے کہ

○ —— اگر منافق ہے تو مجاہدین کی تلوار سے بچ جائے گا'

○ —— اگر دل تصدیق و احکام الٰہی پر مستقل ہے تو بہشت کی نعمتوں کا مستحق ہوگا اور

o—— اگر مرتبۂ یقین کو پہنچے گا تو سبحان اللہ! علی قدر مرتبہ دیدار الٰہی سے مشرف ہوگا۔

اس ملک (اقلیم) کے مسافر کو چاہئے کہ ہوا و ہوس' خواہش ولذاتِ نفسانی اور دنیا کی محبت کو ترک کرے —— کیونکہ جس شئے کی خواہش ومحبت ہوتی ہے' وہی اس کا معبود ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ. (پ۱۹'ع۲)

"کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا تو نے دیکھا' جس نے پوجنا پکڑا اپنی چاؤ کو۔"

یعنی خواہش نفس اور دنیا کی محبت کو اپنا خدا بنایا —— طالب صادق پر فرض ہے کہ ترک غیر وتجرید ماسویٰ اللہ اختیار کرے' ورنہ طلب میں ناقص ہے —— طبرانی میں ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا معبود زمین میں جس کی پرستش کی جاتی ہے' وہ خواہش نفس ہی ہے۔"

(۱) اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص خواہش نفسانی اور دنیا کی محبت یا جس کی محبت میں گرفتار ہے' پس وہی اس کا معبود ہے۔

اصل مقصود کیا ہے؟:

سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تیرا مقصود وہ ہے جو تجھ کو رنج میں ڈالے —— تو اسی کا بندہ ہے جس کے ہاتھ میں تیری مہار ہے۔ اگر:

o—— دنیا کے ہاتھ میں تیری مہار ہے تو تو دنیا کا بندہ ہے' اور

o—— نفس کے ہاتھ ہے تو تو نفس کا بندہ ہے'

o—— ہوا کے ہاتھ ہے تو تو ہوا کا بندہ ہے'

o—— خلق کے ہاتھ ہے تو تو خلق کا بندہ ہے'

o—— آخرت کے ہاتھ ہے تو تو آخرت کا بندہ ہے'

o—— خدا کے ہاتھ ہے تو تو خدا کا بندہ ہے۔

اب تو دیکھ لے کہ تیری مہار کس کے ہاتھ میں ہے — معرفت الٰہی کا ذریعہ حصول محبت و عشق الٰہی ہے۔ یہ اس وقت جلوہ افروز ہوتا ہے کہ ہوا و ہوس اور دنیا کی محبت دل سے بالکل مٹ جائے بلکہ غیر اللہ کی بو بھی باقی نہ رہے — کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو دو دل نہیں دیئے کہ ایک میں خدا کی محبت رکھے اور دوسرے میں غیر کی الفت بھرے — اب رہا ایک دل اس میں جو چاہو سو بھر لو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ.

''اللہ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں رکھے —'' (پ ۲۱ ع ۱۷)

غرض غیر اللہ کے ساتھ جس قدر مشغول رہو گے' اللہ سے اسی قدر دوری ہو گی — اور محبت الٰہی کا تو کہاں پتہ — کیونکہ محبوب معبود ہوتا ہے اور عاشق بھی اپنے معشوق کا مقید ہوتا ہے — تو معشوق معبود ہوا۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کے یہی معنی ہیں کہ ''ذات الٰہی کے سوا کوئی محبوب و معشوق و مقصود و معبود نہ ہو۔''

مسلم شریف میں ابوبکر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

یعنی ''جس نے خلوص دل سے کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ داخل ہوا جنت میں۔''

اخلاص کے معنی ہیں:

اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ دل کو اللہ کے لئے خالص کر لے کہ اس میں دوسرے کی شرکت نہ ہو — دل کا محبوب و معبود و مقصود اللہ ہی کی ذات پاک ہو — جب ایسا ہو گیا تو اس وقت اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ — یعنی ''پاکی نصف ایمان ہے'' — طہارت سے مراد یہ نہیں کہ منہ ہاتھ دھو کے پاک ہو گئے — بلکہ جب تک کفر و نفاق و شرک وغیرہ غیر مشروع سے حواس اندرونی و بیرونی' ظاہر و باطن کو پاک و صاف نہ

کرے گا' وہ نصف ایمان بھی مشکل ہے۔ دل کو جس وقت غیر اللہ سے طہارت نصیب ہوئی تو نصف ملا اور معرفت الٰہی کے قابل ہوا ـــــ دل کی زمین جھاڑ جھنکاڑ سے پاک وصاف اور تخم ریزی کے لائق ہوگئی ـــــ اب محبت کا بیج ڈالو۔ تاکہ معرفت کا درخت پیدا ہو اور فقر کا پھل لگے ـــــ شجر معرفت سے مراد کلمہ طیبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ. (پ۱۳' ع۱۶)

''کیا تو نے نہ دیکھا (اے محمد!) کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک بات ستھری جیسے ایک ستھرا درخت' اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں۔''

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ. (پ۲۲' ع۱۴)

یعنی ''اس کی طرف چڑھتا ہے کلام پاک' اور عمل نیک اس کو اٹھا لیتا ہے۔''

کلمہ طیبہ سے مراد ہے:

کلمہ طیبہ سے مراد ہے معرفت الٰہی ـــــ عمل صالح اس معرفت کے لئے سواری اور خادم و پیش خیمہ ہے ـــــ سب کے سب صالح اعمال اسی لئے ہیں کہ پہلے دل کو آلائش دنیا اور کل غیر مشروع چیزوں سے ظاہری اور باطنی طور پر پاک وصاف کر لے ـــــ اس طہارت کو قائم رکھنے کے لئے ہر روز محاسبہ نفس کرتا رہے یعنی اپنے نفس میں افعال و صفات کا ذکر کرتا کہ پسندیدہ کی تشریح ہوتی رہے۔

محبوب و مکروہ افعال:

اس کی تشریح میں امام محمد غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو افعال محبوب یا مکروہ ہیں' ان کی دو قسمیں ہیں:

O —— ایک ظاہری، جیسے طاعات و معاصی۔

O —— دوسرے باطنی، جیسے صفات و مہلکات و منجیات جن کا محل دل ہے۔

لہٰذا یہ چار نوع ہوئیں یعنی:

(۱) طاعات۔ (۲) معاصی۔ (۳) مہلکات۔ (۴) منجیات

ان چاروں میں محاسبہ کا طریقہ ایک مثال میں بیان کرتا ہوں تا کہ ہمیشہ اپنے حال کو آئینہ ومحاسبہ سے مقابلہ کر کے روئے —— حال سے داغ عیب کو دور کرتا رہے۔ باقی سب کو اسی پر قیاس کر لے:

(۱)

طاعات میں فکر کرنا چاہئے کہ کس عضو نے کس وجہ سے قصور کیا —— اس کا تدارک اور امور مافات کا بدلہ چند در چند پورا کرے۔

(۲)

معاصی میں انسان کو لازم ہے کہ ہر صبح کو اپنے ساتوں اعضاء میں تفصیل وار اور سارے بدن میں مجملاً فکر کرے کہ میں معصیت کا مرتکب کسی عضو سے ہوا ہوں یا نہیں —— اگر اسی وقت مرتکب ہوا تو اس کی اسی وقت توبہ کرے —— اور اگر گزشتہ زمانہ میں مرتکب ہوا تو اس سے توبہ کرے اور ندامت سے اس کا تدارک کرے —— اور اگر اسی دن کرنے کو ہو تو اس سے باز رہے۔ مثلاً

زبان میں فکر کرے کہ اگر غیبت و کذب و خودستائی و تمسخر و دخل در معقولات و غیر معقولات و ناشائستہ باتیں کی ہیں تو:

O —— اوّل اپنے دل میں جما لے کہ یہ سب باتیں خدا کے نزدیک بری ہیں۔

O —— پھر آیات و احادیث میں فکر کرے کہ جو ان امور کی قباحتیں ظاہر کرتی ہیں۔

O —— پھر یہ سوچے کہ ان امور میں کس وجہ سے دخل دیا۔

o—— پھر یہ سوچے کہ ان باتوں سے کیوں کر بچ سکتا ہوں۔
سب معاصی سے بچنے کا علاج گوشہ تنہائی سے بہتر کوئی نہیں —— یا کسی نیک بخت کی صحبت ہوتا کہ اس کو ہر معاصی سے روکتا رہے۔ اسی طرح اور اعضاء پر قیاس کرے۔

(۳)

تیسری قسم مہلکات ہے جن کا محل دل ہے۔ ان سے بچنا از بس ضروری ہے ورنہ ہلاک ہو جائے گا اور وہ دس اصول ہیں:

(۱) غلبہ شہوت (۲) غضب (۳) بخل (۴) کبر (۵) عجب (۶) ریا
(۷) حسد (۸) حرص غذا (۹) محبت کثرت مال (۱۰) حب جاہ۔

اگر ان دس سے بچ گیا تو بچا رہے گا' ورنہ ہلاکت کا اندیشہ ہے —— ان میں بھی اسی طرح فکر کرے اور اس کی وجہ دریافت کر کے اس کا تدارک کرے اور نفس کی آزمائش کرے کہ ان اوصاف ذمیمہ سے آزاد ہوا یا نہیں۔

(۴)

چوتھی قسم منجیات ہیں۔ ان میں سے اگر ان دس اصولوں پر ندامت کرے گا تو سب پر حاوی ہو جائے گا:

(۱) گناہ پر ندامت (۲) مصیبت پر صبر (۳) قضا پر راضی ہونا
(۴) نعمت پر شکر (۵) خوف ورجا پر اعتدال (۶) دنیا میں زہد
(۷) اعمال میں اخلاص (۸) حسن خلق (۹) خدا سے محبت (۱۰) خدا کے سامنے خشوع۔

ہمیشہ اسی فکر میں رہے کہ مجھ کو وہ بات اور عمل کرنا چاہئے جو قرب الٰہی کا باعث ہو —— اور جس بات کی ضرورت ہو اس میں کوشش کرے —— مبتدی کو لازم ہے کہ ان افکار میں ڈوبا رہے تا کہ اوصاف ذمیمہ دور ہوں اور اوصاف حمیدہ حاصل

ہوں —— اپنے ظاہر و باطن کو مکروھات سے پاک وصاف رکھے —— جب یہ بات حاصل ہو جائے تو آگے قدم بڑھائے کہ اصل مقصود کچھ اور ہی ہے نہ کہ یہ

ع ہرچہ دردے میرسی بردے مایست

اگر ہمیشہ اسی میں رہے گا تو حصول مطلب بہت مشکل ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان امور میں فکر کرنا اگرچہ تمام عبادات سے افضل ہے۔ لیکن اصل مطلب یہ نہیں بلکہ جو ان فکروں میں ہمیشہ رہے گا' صدیقوں کے مقصود سے محجوب اور محروم رہے گا —— صدیقوں کا فکر خدا کی عظمت و جلال و جمال اور اسمائے حسنیٰ میں ہوتا ہے۔ وہ اس سے بے اندازہ لذت پاتے ہیں۔ ان کے دل اس لذت میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ان کو اپنے نفس و حالات و مقامات و صفات کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ سب کچھ بھول جاتے ہیں —— انہیں اتنا ہوش کہاں کہ اپنے حالات کی طرف متوجہ ہوں اور یہ کمال درجہ کی بات ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ محاسبۂ باطن کی آبادی کے لئے ہے تاکہ قرب و وصال کی صلاحیت پیدا ہو جائے —— اگر تمام عمر اسی صلاحیت میں کھوئے گا تو وصال کی لذت کب پائے گا۔ جیسے حضرت خواص علیہ الرحمہ اپنی صلاحیت کے لئے ہمیشہ جنگلوں میں پھرا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ سے جنگل میں ملاقات ہو گئی۔ آپ نے پوچھا:

''تم کس حال میں ہو؟'' —— عرض کیا:

''میں جنگلوں میں پھرتا ہوں تاکہ اپنا حال توکل درست کر سکوں۔''

حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''تمام عمر تو باطن کی درستی میں صرف کر دی' پھر فنا در توحید کس وقت ہو گی؟''

اس سے معلوم ہوا کہ واحد حقیقی میں فنا ہونا طالبوں کا عمدہ مطلب اور صدیقوں کے لئے انتہا درجہ کی لذت ہے —— صفات مہلکات سے بچنا ایسا ہے جیسے نکاح میں

عدت سے نکلنا ـــــ اور مخیات کی صفات اور جمیع طاعات کا اختیار کرنا ایسا ہے جیسے عورت خاوند کے لئے تیاری کرے۔ منہ ہاتھ دھوئے اور سرمہ کاجل وغیرہ لگائے شانہ کرے اور اپنے آپ کو آراستہ کر کے بن ٹھن کے بیٹھے تاکہ خاوند کے ملنے کی لیاقت پیدا ہو جائے۔ اگر عورت اپنا تمام وقت اپنے جسم کی صفائی اور آرائش ہی میں ضائع کر دے گی تو اپنے خاوند کی ملاقات سے محروم رہے گی۔

اسی طرح دین کے طریق کو بھی سمجھنا چاہئے بشرطیکہ ہم نشینی کا اہل ہو ـــــ اگر شوہر غلام کی طرح ہو کہ مارنے پیٹنے اور اجرت کی طمع کے علاوہ ہلانہیں کرتا' تو اپنے بدن کو اعمال ظاہری کی مشقت میں رہنے دو۔ اس لئے کہ تمہارے اور تمہارے دل کے درمیان بڑا حجاب ہے ـــــ ہاں اگر اعمال اچھی طرح ادا کرو گے تو اہل جنت میں سے ہو جاؤ گے۔ مگر ہم نشینی کے لئے اور ہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت عطا فرمائی ہے۔ وہ اللہ کے سوا کسی شئے کو نہیں چاہتے۔

اقلیم طریقت میں قیام

طریقت ایک بادشاہی:

دوسری بادشاہی طریقت ہے۔ اس ملک میں مسافر کو اپنے باطن کا تصفیہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ ورنہ طے منازل سے رہ جاتا ہے اور تصفیہ باطن کے لئے چندے قیام کرنا پڑتا ہے اس ملک کا حاکم شفیق و مددگار و مہربان پیر کامل ہے ـــــ اسی کا نام نامی خلیفۃ اللہ ہے ـــــ انہیں کی شان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِکَ خُلَفَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ.

یعنی "یہی لوگ اللہ کے خلیفہ ہیں اس کی زمین میں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلفاء کو اختیار دیا ہے کہ آن واحد میں اپنے مرید کو اپنی ہمت کی ریل میں بٹھا کر ملک معرفت میں پہنچا دیں۔ لیکن پیران عظام کا سلف سے یہ طریقہ

چلا آتا ہے کہ طالب صادق و مرید واثق سے مجاہدات کراتے ہیں اور اذکار و اشغال و مراقبات و تفکرات کی تعلیم کرتے ہوئے درجہ بدرجہ منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔

دل جب شریعت سے آباد و شاد اور حواس ظاہری کے تزکیہ سے فارغ ہو گیا تو پھر سفر کا ارادہ کرے اور قدم آگے بڑھائے۔ یعنی طریقت میں حواس باطنی کا تصفیہ کرے اور بستر خواب (یعنی نیند) ترک کر کے کمر بند مجاہدہ باندھ کر خنجر خاموشی و شمشیر گرسنگی و نیزہ تنہائی و سپر رضا و تسلیم تن پر آراستہ و پیراستہ کر کے توشۂ صبر و قناعت بغل میں دابے اور رکاب توکل میں قدم ثبات ڈال کر خنگ شوق پر سوار ہو کر محبت الٰہی کی رفاقت و عقل کی رہنمائی سے بقوت صدق و یقین وادی طلب میں بہ توحید طریقت مردانہ وار قدم رکھے اور رہزنان تخیلات فاسدہ کو قتل کرتا ہوا ملک بے زوال معرفت کا راستہ لے —— یہاں کی توحید یہ ہے کہ صفات کو غیر ذات نہ سمجھے۔ جیسے کہ سورج اور کرن ایک دوسرے کے غیر نہیں۔

شاعر کہتا ہے:

ہر کرا ہست از ہوسہا جانِ پاک　　زود بیند حضرت و ایوانِ پاک

''وہ شخص جو کہ ہوا و ہوس سے اپنی جان کو پاک رکھتا ہے' وہ جلد ہی حضرت رب العزت اور اس کی تجلی گاہ کا مشاہدہ کر لے گا۔''

چوں محمد پاک شد از نار ودود　　ہر کجا رو کرد وجہ اللہ نمود

''تو بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح آگ اور دھوئیں سے پاک ہو جا تاکہ جہاں بھی تو جائے تجھ کو جمال الٰہی کا نظارہ ہو۔''

چوں رفیق وسوسہ بد خواہ را　　کے بہ بینی ثم وجہ اللہ را

''مگر جب کہ تیرا وہم و وسوسہ رفیق ہو جو کہ تیرا بدخواہ ہے تو پھر تو کیسے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔''

ہر کرا باشد زسینہ فتح باب　　اوز ہر ذرہ بہ بیند آفتاب

"ہر وہ شخص جس کا سینہ کھلا ہوا ہو' وہ ہر ذرّہ میں آفتاب حقیقت کا جلوہ دیکھ سکتا ہے۔"

؎ چوں پدیداست ازمیان دیگراں ہم چومہ اندر میان اختراں

"جب کہ وہ اس طرح دوسروں کے درمیان ظاہر وعیاں ہے' جس طرح کہ ستاروں کے ہجوم میں بھی چاند صاف چمکتا نظر آتا ہے۔"

؎ دوسر انگشت بر دو چشم نہ ہیچ بینی از جہاں انصاف دہ

"تو اپنی انگلیوں کے دونوں سرے اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ لے پھر تو ہی انصاف کر کہ تو دنیا میں کیا دیکھ سکتا ہے؟"

؎ ورنہ بینی ایں جہاں معدوم نیست عیب جز انگشت نفس شوم نیست

"اگر تو اپنی آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں دیکھ سکتا تو یہ جہان حقیقت میں غائب ومعدوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی صرف تیرے نفس شوم کے عیب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

؎ تو زچشم انگشت را بردار دبین وانگہانے ہرچہ ے خواہی بہ بین

"تو اپنی آنکھوں سے انگلی ہٹا لے اور چہرۂ حقیقت کو دیکھ لے۔ جب تیرے دل کی آنکھوں پر انگلیاں نہ ہوں گی تو پھر جو تیرا جی چاہے مشاہدہ کر۔"

سات ہولناک وادیاں:

اس راہ میں سات ہولناک وادیاں پیش آتی ہیں۔ جن میں سے گزرنا جانباز مردوں کا کام ہے —— حضرت عطار علیہ الرحمہ نے ان سات وادیوں کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

؎ ہست وادیٔ طلب آغاز کار وادیٔ عشق ہست زاں پس بے کنار

"منزل محبت میں قدم رکھنے کے بعد شروع میں ایک وادیٔ طلب آتی ہے' اس کے بعد عشق کی بے کراں و وسیع وادی ہے۔"

؎ پس سوم وادی است آں معرفت ہست چارم وادی استغنا صفت

''پھر تیسری وادی معرفت کی ہے اور چوتھی وادی استغنا صفت ہوتی ہے۔''

؎ ہست پنجم وادی توحید پاک پس ششم وادی حیرت صعب ناک

''پانچویں وادی توحید پاک کی ہے' پھر چھٹی وادی بڑی مشکل اور حیرت کی ہے۔''

؎ ہفتمی وادی فقر است و غنا کے بود آن جا سخن گفتن را

''ساتویں وادی فقر وغنا کی ہے۔اس کے متعلق کچھ بیان کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔'' یوں بالترتیب سات وادیاں یہ ہیں:

(۱) وادی طلب۔(۲) وادی عشق۔(۳) وادی معرفت۔

(۴) وادی استغنا۔(۵) وادی توحید۔(۶) وادی حیرت۔(۷) وادی فقر وغنا۔

وادی طلب میں آنے والے:

حضرت عطار علیہ الرحمہ وادیٔ طلب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

؎ چوں فرود آئی بہ وادی طلب پیشت آید ہر زمانے صدتعب

''جب تو وادی طلب میں داخل ہوگا تو تیرے سامنے ہر وقت سینکڑوں غم و غصے آئیں گے۔''

؎ صد بلا در ہر نفس ایں جا بود طوطیٔ گردوں مگس ایں جا بود

''اس مقام پر سینکڑوں مصیبتیں ہر سانس میں ظاہر ہوں گی۔عظیم آسمان کا طوطی رنگ پرندہ بھی یہاں مکھی بن جاتا ہے۔''

؎ جدوجہد ایں جا بباید سالہا زاں کہ ایں جا قلب گردد حالہا

''اس جگہ برسوں کی جدوجہد چاہیے جس کی وجہ سے یہاں قلب حالات ہو جائے۔''

؎ مال ایں جا بایدت انداختن ملک ایں جا بایدت پر واختن

''یہاں تجھ کو اپنا مال و دولت لٹانا چاہیے' اس مقام پر تجھے ملک کی غور

دپرواخت کرنی چاہیے۔"

؎ درمیان خونت باید آمدن ۔۔۔ وز ہمہ بیرونت باید آمدن

"یہ سب تیرے خون کے درمیان آنا چاہیے اور یہ سب تیرے سے باہر آنا چاہیے۔ یعنی تو ہر شئے سے بے پرواہ ہو جائے۔"

؎ چوں نماند ہیچ معلومت بدست ۔۔۔ دل بباید پاک کردن ہر چہ مست

"اور جب کہ کچھ باقی نہ رہے گا تو تیرے لئے کچھ معلوم نہ ہوگا' غرض تجھ کو ہر مستِ دیود سے (ماسوائے اللہ) اپنا دل پاک وصاف کرنا چاہیے۔"

؎ چو دلِ تو پاک گردد از صفات ۔۔۔ تافتن گردد بحضرت نور ذات

"اور جب تیرا دل سب صفات سے پاک ہو جائے گا تو پھر اس میں نور ذاتِ الٰہی چمکے گا۔"

؎ چوں شود آن بر دلِ تو آشکار ۔۔۔ درِ دل تو یک طلب گردد ہزار

"جب وہ تیرے دل پر ظاہر ہو جائے گا تو تیرے دل میں ہزاروں طلب ایک ہو جائیں گی۔"

؎ گر شود ز راہ تو آتش پدید ۔۔۔ در شود صد وادی ناخوش پدید

"اگر تیری راہ میں آگ بھی پیدا ہو جائے اور سینکڑوں خطرناک و پر صعوبت وادیاں بھی تیری راہ میں حائل ہو جائیں۔"

؎ خویش را از ذوق او دیوانہ وار ۔۔۔ برسر آتش زنی پروانہ وار

"تو اپنے آپ کو اس کے ذوق وشوق میں دیوانہ وار رکھ اور پروانے کی طرح اس آگ پر اپنے آپ کو قربان کر دے۔"

؎ جرعہ زاں بادہ چوں نوشت فتد ۔۔۔ ہر دو عالم کل فراموشت فتد

"اس کی شراب محبت ایسی ہے کہ اگر اس کا ایک گھونٹ بھی تو پی لے تو دونوں عالم تجھ کو بالکل فراموش ہو جائیں۔"

؎ غرقۂ دریا بہ مانی خشک لب ۔۔۔ سرِ جاناں ے کنی از جاں طلب

''تو دریا میں غرق ہو کر بھی خشک لب رہ اور راز جاناں کو اپنی جان دے کر طلب کر۔''

ے زآرزوئے آں کہ سر بہ شناسد او　　　داژدھائے جاں ستاں نہراسد او

''اگر مجھے آرزو ہے کہ تو اس کا راز جان لے تو تو جان لیوا اژدھوں سے بھی نہ ڈر۔''

ے کفر ولعنت گو بہم پیش آیدت　　　در پذیری تا درے بہ کشایدت

''اگر کفر ولعنت بھی اکٹھے تیرے سامنے آئیں تو ان کو قبول کر لے تا کہ تجھ پر ایک راز کا دروازہ کھل جائے۔''

ے چوں درت بکشود چہ کفر و چہ دیں　　　در طلب باشی نباشی جز ازیں

''اور جب مجھ پر باب اسرار کھل گیا تو پھر تیرے لئے کفر و دین کیا ہے، تو بس اپنی طلب مقصود میں رہ اور اس کے علاوہ کچھ نہ کر۔''

سات وادیاں اور پیر کامل کی جستجو

فلاح کی جستجو:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور کوشش و محنت کرو اس کی راہ میں تا کہ فلاح کو پہنچو۔'' (پ ٦، ع ١٠)

اس آیت کریمہ میں:

o——کلمہ اٰمَنُوْا کے متعلق قرآن و حدیث ہیں۔

o——اِتَّقُو اللّٰہَ میں جملہ اوامر و نواہی شامل ہیں۔

○—— وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ سے بیعت یا پیر کامل مراد ہے۔
○—— جَاهِدُوْا سے ریاضت ومجاہدہ نفس اور
○—— سَبِیْلِهٖ سے مراد راہ معرفت الٰہی ہے۔

یعنی پیر کامل سے بیعت کر کے مرشد کے ارشاد کے مطابق معرفت الٰہی کے حصول کے لئے ریاضت ومشاہدہ میں مشغول رہے۔ تا کہ دیدار الٰہی سے (جو فلاح ابدی ہے) مشرف ہو سکے۔

بے مرشدے کا حال:

جو شخص بیعت مرشد کا منکر ہے' وہ سنت اور نص قطعی کا منکر ہے —— نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ نَفْسِهٖ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں وسیلہ از بس ضرور ہے۔ یہ پر خطر سفر رہبر کامل کے بغیر طے نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اَلرَّفِیْقُ ثُمَّ الطَّرِیْقُ۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَنْ مَاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ مَاتَ مَیْتَةً جَاهِلِیَّةً وَمَنْ خَلَعَ یَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِیَ اللّٰهَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهٗ ○

یعنی ''جو شخص مر گیا اور اس کی گردن میں بیعت نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مر گیا —— اور جس نے اپنے ہاتھ اللہ کی طاعت سے اٹھائے' وہ روز قیامت اللہ سے ملے گا اور اس کے پاس کوئی حجت نہ ہو گی۔''

لہٰذا اس راہ میں پیر کامل کی دستگیری لازمی ہے۔ رہبر کامل کو تلاش کرے ورنہ محرومی کا سامنا کرنا پڑے گا اور منازل طے کرنے سے رہ جائے گا —— کانٹوں بھرے اس خونخوار جنگل میں بہت سے پیرزادوں اور مشائخ کرام کی جھونپڑیاں' قلندروں کے تکیئے' درویشوں اور فقیروں کی خانقاہیں اور مولویوں کی مسجدیں ملیں گی' وہاں جستجو کرے —— خدانخواستہ کسی ناقص پیرزادے یا شیخ زادے یا قلندر کی صورت والے یا فراڈ درویش وفقیر یا بے سیرت مولوی کے جال میں پھنس گیا تو ساری عمر یہیں سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گا اور مقصود اصلی کا نشان تک بھی نہ پائے گا۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

؎ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

''اے لوگو! بہت سے شیطان انسان کی شکل بنائے پھرتے ہیں۔اس لئے بغیر سوچے سمجھے ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔''

؎ بہر ایں گفتند دانایانِ فن میہمان محسناں باید شدن

''اس وجہ سے عقل مندعوں نے کہا کہ محسنوں (نیک) لوگوں کا مہمان بنا چاہئے۔''

؎ تو مرید و میہمان آں کسے کوستاند حاصلت از خسے

''تو اس کا مرید ومہمان بنتا ہے کہ جو ایک تنکے کے بدلے تیرا سارا سرمایہ چھین لینا چاہتا ہے۔''

؎ نیست چیزہ چوں ترا چیرہ کند نور ندھد مر ترا تیرہ کند

''جو کہ خود ہی اچھا اور نیک نہیں ہے وہ تجھے کیا درست کرے گا۔وہ تجھے نور تو کیا دے گا بلکہ اور زیادہ سیہ دل بنا دے گا۔''

شیخ عطار فرماتے ہیں:

؎ کردہ است اعمٰی تر خود پیر راہ لاجرم ہرگز ندانی رہ ز چاہ

''تو نے اپنے راستے کا رہبر ایک اندھے کو بنایا ہے اس لئے وہ راستے میں آنے والے گڑھے اور کنوئیں نہیں دیکھ سکے گا۔وہ خود بھی گرے گا اور اپنے ساتھ تجھے بھی گرائے گا۔''

؎ غول را کردی تصور رہنمائے تا نہ گشتی منکر اہل خدائے

''تو نے ایک آوارہ بھوت کو رہنما سمجھ لیا ہے پھر کیوں نہ تو اہل اللہ کا منکر ہوگا۔''

؎ ساختی دجال را مہدی و پیر خر ز عیسٰی را ندانی اے فقیر

''تو نے تو دجال لعنتی کو اپنا مہدی و پیر بنایا ہے تو پھر اے فقیر! تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے گدھے کو کیا جانے گا تو تو دجال کے گدھے کے ہی

پیچھے جائے گا' یعنی گمراہ ہوگا۔''

۔ خودنہ پیرست اوکہ شیطان رست از طریق رہرواں کے آگہست
''وہ خود پیر نہیں ہے کیونکہ وہ گمراہ کرنے والا راستے کا شیطان ہے' وہ رہنمائی کے طریقے سے واقف نہیں ہے۔''

۔ از کمال اہل معنے رہ نہ برد بخش داد از جام صورت بود درد
''اس نے اہل معانی کے کمال سے راہ نہیں طے کی ہے۔ وہ جو ظاہری جام بخش رہا ہے دراصل وہ تلچھٹ اور گار ہی ہے۔''

۔ آں کہ رہ ہرگز نداند اے رفیق رہنمائی چوں کند اندر طریق
''وہ کہ اے رفیق جو خود راستہ ہرگز نہیں جانتا' وہ بھلا راستے میں رہنمائی کیسے کرے گا۔''

۔ اہل بدعت شیخ سنت کے بود رہ ندید او چوں ترا رہبر بود
''اہل بدعت بھلا شیخ سنت کب ہو سکتا ہے' جب کہ اس نے وہ راہ دیکھی ہی نہیں۔ پھر وہ تیری راہنمائی کس طرح کرے گا۔''

۔ آں کہ بازد عشق با روئے بتاں رہنما نہ بود بود از رہزناں
''وہ کہ جو روئے بتاں سے عشق بازی کرے' وہ رہزنوں سے بچا کر کیسے رہنمائی کر سکتا ہے۔''

۔ آں کہ باشد دائما صورت پرست دامن معنی کجا گیرد بدست
''اور وہ کہ جو ہمیشہ صورت پرست رہا ہے' وہ دامن معنی کب ہاتھ میں لے سکتا ہے''۔

۔ ہر کہ حیرانِ جمالِ صورت است اہلِ معنی نیست صاحبِ شہوت است
''وہ کہ جو حسنِ صورت پر ہی حیران ہو کر رہ گیا ہے' وہ ہرگز اہل معنی نہیں ہے بلکہ شہوت پرست ہے۔''

۔ آں کہ میلش سوئے لہوست وسماع وجد و حالتش نباشد جز خداع

''وہ کہ جس کو لہو ولعب اور راگ سے رغبت ہے' اس کا وجد و حال سوائے مکروفریب کے اور کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔''

؎ لاف فقر اندر جہاں انداختہ — رہبر و رہزن ز ہم نشناختہ

''اس نے تو اپنی پیری فقیری کی سارے جہان میں شیخی اور دھوم مچا رکھی ہے۔ اس وجہ سے رہبر ورہزن کا کوئی فرق نہیں جانتا۔''

؎ صد فسوں و مکر دارد درد رُوں — مخلص و صادق نماید از بروں

''وہ شخص سینکڑوں مکروفریب اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے جب کہ ظاہری طور پر مخلص اور سچا نظر آتا ہے۔''

؎ رہزنے چوں نام خود رہ بیں کند — عامیاں را در ہلاکت افگند

''کوئی رہزن جب اپنا نام ''رہ بیں'' یعنی راستہ دیکھنے والا رکھ لے تو پھر عام لوگ ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں۔''

؎ گوید اومن آھن و مس زر کنم — و ز منازل ھائے ایں راہِ آگہم

''پھر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں لوہے اور فولاد کو خالص سونا بنا دیتا ہوں اور اس راستے کی تمام رسموں اور منزلوں سے خوب واقف ہوں۔''

؎ ہر کہ باور کرد آں مکر و دروغ — ماند از نور ولایت بے فرغ

''اور جو اس کے فریب اور جھوٹ کا یقین کر لیتا ہے' وہ نور ولایت سے خالی ہاتھ اور محروم رہ جاتا ہے۔''

؎ وائے آں طالب کہ در دامش فتاد — ہرچہ بودش نقد او برباد داد

''اس طالب پر افسوس ہے کہ جو اس کے جال میں پھنس گیا۔ پھر خواہ کچھ بھی ہو' اس کا نقد مال و دولت سب برباد ہو جاتا ہے۔''

ولی کون ہے؟:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ ''مالا بدمنہ'' کے آخر میں لکھتے ہیں:

''ولی قرآن شریف میں متقی کو کہتے ہیں —— حدیث شریف میں اولیاء

اللہ کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کی صحبت میں خدا یاد آئے اور اس کی صحبت سے دنیا کی محبت کم ہو اور اللہ کی محبت زیادہ ہو۔"

۔ باہر کہ نشستی و نشد جمع دلت ... وز تو نہ رمید صحبت آب گلت
زنہار صحبتش گریزاں مے باش ... ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

یعنی "جس شخص کے ساتھ تو بیٹھے اور تیری دلجمعی نہ ہو اور اس کے پاس بیٹھنے سے آب و گل کی صحبت دور نہ ہو۔ یعنی خواہشات اور حرص و ہوائے دنیا سے چھٹکارا نہ ہو ــــ تو خبردار! تو اس کی صحبت سے دور بھاگ (یعنی دامن کو بچالے) ورنہ روحِ عزیزاں (اہلِ کمال) تجھ سے خوش نہ ہوگی۔"

بیعت کی اہمیت:

شرح عقائد نسفی اور صحیح مسلم میں حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ یُدْرِکْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مَیْتَةً جَاهِلِیَّةً۔

یعنی "جس نے اپنے زمانے کے امام کو ادراکِ قلبی سے دریافت نہیں کیا' وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔"

گویا اپنے زمانے کے امام کو جو خلیفۃ اللہ اور رہبر کامل ہے' پورے طور پر ادراک قلبی سے شناخت کر کے بیعت میں داخل ہو ــــ تاکہ معرفت کے حصول کی راہ کھلے اور اجر عظیم کی فلاح میسر آئے ــــ ورنہ معرفت الٰہی سے محروم ہو کر جاہلیت کی موت مر جائے گا ــــ بفضلہٖ تعالیٰ خوبی قسمت سے بہ ہمہ صفت موصوف پیر کامل مل گیا تو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِهٖ اس کے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ جانے اور بیعت کر کے کمر ہمت باندھے۔ اس کی فرمانبرداری میں بال بھر فرق نہ کرے۔ امید ہے کہ منزل مقصود کو پہنچ جائے گا۔

اللہ سے بیعت کرنے والے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ○

یعنی ''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں' وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے —— پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنی جان پر۔ اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے' وہ دے گا اس کو نیک بڑا اجر۔''

ملا حسین کاشفی فرماتے ہیں:

؎ حقا کہ ترا دریں رہ تنگ — از محبت تست پائے بر سنگ

''حقیقت میں تجھ کو اس تنگ راہ میں' تیری محبت ہی کی وجہ سے سنگ بر پا ہے یعنی تیرا قدم بھاری ہے اور تجھ کو راہ روی دشوار ہے۔''

؎ اول بہ طلب رہ طلب را — وا نگاہ دشوار شرائط ادب را

''پہلے تو سچی راہ طلب کی آرزو کر' اس کے بعد ادب کی شرطیں بجالا۔''

؎ بہ شتاب کہ ایں ہمہ سعادت — اوّل طلب است وپس ارادت

''جلدی کر کہ یہی سعادت ہے' پہلے طلب و تلاش ہے' اس کے بعد یقین و بیعت ہے۔''

؎ چو پائے طلب بروں نہاری — ہاں تا نزدی بنا مرادی

''جب تو نے اپنی طلب کا قدم باہر رکھا ہے' تو جب تک تو نہ جائے گا نامراد ہی رہے گا۔''

؎ زیرا کہ دریں سفر مراحل — بے توشہ و رہبر است مشکل

''اس وجہ سے کہ اس راہ میں بہت سے دشوار گزار مرحلے ہیں' رہبر کامل اور زادِ سفر کے بغیر اس پر چلنا مشکل ہے۔''

؎ بے رہبر اگر بروں نہی گام — در بادیہ گم شوی سر انجام

''اگر تو رہبر کے بغیر اپنے قدم باہر نکالے گا تو آخر کار اس صحرائے بے کراں میں گم ہو جائے گا۔''

؎ در راہ نخیزد از تو گردے تا سر نہ نہی بپائے مردے

''اس راہ طلب میں تجھ سے گرد سفر بھی نہیں اڑے گی' جب تک تو راہ طلب میں مردانہ وار اپنا سر نہیں دے گا۔''

؎ چوں طالب رہ شدی بہ تدبیر دریاب نخست صحبتِ پیر

''جب تو تدبیر کے ساتھ طالب راہ ہو تو سب سے پہلے پیر کامل کی صحبت اختیار کر۔''

؎ از علم و عمل مباش مغرور میداں ہمہ را بنائے منشور

''اپنے علم و عمل پر تو ہرگز غرور نہ کر' ان سب کو ایک کمزور بنیاد سمجھ۔''

؎ پندار عمل بہ مشت بہ شکن بنیاد غرور را بر افگن

''تو اپنے عمل کے زعم کو مٹھی (گھونسے) سے توڑ دے اور اس غرور کی بنیاد کو ڈھا دے۔''

؎ علمت ہمہ رخصت است و حیلہ ایں حیلہ شود ترا عقیلہ

''یہ سب علم عارضی ہے اور ایک حیلہ ہے۔ یہ دراصل تجھے عقل مند بنانے کے لئے ہے۔''

؎ پیرے طلب اے پسر کہ در راہ از بار خر تو باشد آگاہ

''اے فرزند! تو شیخ کامل کی تلاش کر کہ راہِ طلب میں وہ تیرے گدھے کے اس بھاری بوجھ سے آگاہ ہو گا۔''

؎ چوں بدرقۂ تو ہمت اوست اکسیر وجودِ صحبت اوست

''جب کہ تیرا بدرقہ اس کی ہمت ہو گی' اس کے مبارک وجود کی پر تاثیر صحبت تیرے لئے اکسیر ہو گی۔''

؎ تو ذرہ و پیر آفتاب است مفتاح فتوح فتح باب است

''تیری مثال ایک ذرّہ ناچیز کی سی ہے۔ جب کہ پیر کامل آفتاب کی مثال ہے۔ وہ فتح کے دروازہ کی فتوحات کے کھولنے والا ہے۔''

؎ پیرے کہ نہ چرخ سازدش پیر — خود را طلب ذر راہ تدبیر

''ایسا پیر جسے صرف آسمان نے پیر نہ بنایا ہے یعنی وہ صرف عمر دراز بوڑھا ہی نہ ہو بلکہ کمالِ باطنی رکھنے والا پیر ہو۔ تو اُسے تدبیر اور کوشش سے تلاش کر۔''

؎ پیر کہ نہ قال غالب اوست — آں پیر کہ حالِ طالب اوست

''وہ ایسا پیر ہوا کہ اس پر صرف قال ہی غالب نہ ہو' بلکہ وہ پیر صاحبِ حال اہلِ کمال ہو۔''

؎ پیرے نہ کہ آب و خاک بیند — آں پیر کہ جان پاک بیند

''وہ پیر نہ ہو جو آب و خاک ہی کو دیکھے' بلکہ ایسا پیر ہو کہ جو جان پاک کا مشاہدہ کرنے والا ہو۔''

؎ پیرے نہ کہ در خیال باشد — پیرے کہ بہ وجد و حال باشد

''وہ پیر بھی نہ ہو جو صرف اپنی خام خیالی میں مگن ہو' بلکہ وجد و حال کا جوہر رکھتا ہو۔''

؎ پیرے نہ کہ مبتلائے جاہ است — آں پیر کہ مقتدائے راہ است

''ایسا پیر نہ ہو کہ جو جاہ و مال میں مبتلا ہو بلکہ پیر وہ ہو کہ جو مقتدائے راہ طریقت ہو۔''

؎ پیرے نہ کہ پائے بستہ باشد — پیرے کہ زخویش رستہ باشد

''وہ پیر بھی نہ ہو کہ جو اپنی حرص و ہوا سے پابستہ ہو' بلکہ وہ جو اپنی خودی کو چھوڑ کر مستغنی اور ماسوائے اللہ سے بے نیاز ہو۔''

؎ پیرے نہ کہ ہم چو سایہ پست است — پیرے کہ ز نورِ عشق مست است

''وہ پیر نہیں کہ جو سایہ کی مثال پست و پوچ ہو پیر ایسا ہو کہ بس نورِ عشقِ الٰہی

سے مست ہو۔"

ے پیرے نہ کہ غائب ست و دوراست پیرے کہ ہمیشہ در حضور است

"تیرا مرشد وہ نہ ہو جو تجھ سے غائب اور دور ہو بلکہ پیر وہ ہونا چاہئے جو ہر وقت مقام حضور میں ہو۔"

ے پیرے کہ محقق است و کامل پیرے کہ مقرب است و واصل

"ایسا پیر جو کامل اور محقق ہے' وہ ایسا پیر ہے کہ جو قرب رکھنے والا اور وصل سے ہم کنار ہے۔"

ے آں پیر کہ از کمالِ تمکیں میراث رسیدہ باشدش دیں

"وہ پیر جو کہ اپنی تمکنت کے کمال کی وجہ سے دینِ متین کی میراث کا وارث ہو۔"

ے آں پیر کہ کشف او عیاں است تحقیق بقاش جاوداں است

"وہ پیر جس کا کشف و کمال ظاہر ہے' تحقیق اس کی بقا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔"

ے پیرے کہ نہد اساس و نیت پیرے کہ برد رہ یقینت

"وہ پیر جو کہ نیک اساس اور پاک نیت ہو' اور وہ پیر جو کہ راہِ یقین پر مستقل کرے۔"

ے پیرے کہ باوج قاب قوسین ہر گوشہ چشم اوست کونین

"وہ پیر جو قاب قوسین کی بلندی پر فائز ہو' اس کی عارفانہ آنکھ کا ہر گوشہ ایک جہان ہے۔"

ے پیرے کہ چو در دلت نشیند حال ازل و ابد بہ بیند

"وہ پیر جو تیرا دل نشین ہو جائے' اور وہ ازل و ابد کے احوال مشاہدہ کرتا ہے۔"

ے در صحبت او چو یافتی راہ پرہیز کن از فضول آ نگاہ

''جب تو اس کی پاک صحبت میں جگہ پائے تو اس جگہ تو ہر فضول بات اور بے ادبی وغیرہ سے پرہیز کر۔''

ے باید کہ ز خوش مردہ باشی تا راہ طلب سپردہ باشی

''بلکہ تجھ کو چاہئے کہ اپنے آپ کو مردے کی طرح بنا لے تاکہ وہ تجھے راہ طلب سپرد کر دے۔''

ے زاں روئے کہ چشم تست احول معبود تو پیر تست اول

''اس وجہ سے کہ تیری نگاہ دوبین ابھی احول ہے' تو تیرا معبود تیرا پیر ہی پہلے ہے۔''

ے از پرتو نور باطن پیر چوں چشم درست شد بہ تدبیر

''اپنے پیر کے نور باطن کے پرتو سے جب تیری آنکھ درست تدبیر کے ساتھ ہو جائے گی۔''

ے آنگر تو خدا پرست گردی کہ جرعہ پیر مست گردی

''جب تو صحیح معنوں میں خدا پرست ہو گا اور پیر کے جرعہ معرفت سے مست الست ہو جائے گا۔''

ے در حالت او مکن تصرّف در خدمتِ او مکن تکلف

''تو اس کے کام میں بالکل تصرّف و مداخلت نہ کر اور اس کی خدمت میں کسی قسم کا تکلف بھی نہ کر۔''

ے تاسر نہ کشی بہ خود نمائی گردست شود بسر در آئی

''تو خودنمائی سے اپنا سر نہ کھینچ اور اگر وہ اپنا ہاتھ بڑھائے تو تو اپنا سر جھکا دے۔''

ے ابلیس کہ دشمنِ قدیم ست بر گوشہ راہ مستقیم است

''تو یہ بھی جان لے کہ ابلیس لعین جو قدیمی دشمن ہے' وہ راہ طریقت کے موڑ پر تاک میں بیٹھا ہوا ہے۔''

۔ از رفتن و پس بہ پرہیز در دامن رہبر خود آویز
"تو اپنی راہِ راست سے ہٹ کر اِدھر اُدھر جانے سے پرہیز کر۔ اپنے رہبر کامل کے دامن میں چھپ جا اور قدم بہ قدم چلتا جا۔"

۔ تاہمت او ترا سلامت بیروں برو از رہ ملامت
"تا کہ اس کی بلندی ہمت تجھ کو سلامت رکھے اور تجھ کو راہ خطر و ملامت سے باہر نکال لے۔"

۔ کیں بادیہ را بسے گزر ہا در ہر گزرے ترا خطر ہا
"اس صحرائے خار زار کی بہت سی راہیں ہیں' اس کی ہر رہ گزر میں تیرے لئے بہت سے خطرات چھپے ہوئے ہیں۔"

۔ ہر واقعہ کہ مشکل تست ہر بیش و کے کہ حاصل تست
"ہر وہ واقعہ جو تیرے لئے مشکل ہے اور وہ تھوڑا بہت جو تیرا حاصل و مقصد ہے۔"

۔ با پیر بگو کہ پیر داناست پوشیدہ مدار ازو کہ بیناست
"تو اپنے پیر سے کہہ کہ وہ دانا ہے تو اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہ رکھ' اس لئے کہ وہ صاحب نظر ہے۔"

۔ تحقیق بداں کہ پیر عارف ہر نیک و بد توہست واقف
"تحقیق یہ بات سمجھ لے کہ جو پیر عارف کامل ہو گیا' وہ تیرے ہر نیک و بد سے واقف اور باخبر ہو گا۔"

۔ لیکن تو طریق صدق میپوئی عیب و ہنرے کہ ہست مے گوئی
"لیکن تو سچائی کی راہ پر گامزن رہ' اور جو بھی عیب و ہنر ہو صاف بیان کر دے۔"

۔ نقدے کہ ترا دہد امانت بر دادۂ او مکن خیانت
"جو کوئی تجھ کو نقد و جنس بطور امانت دے تو اس سے کچھ بھی خیانت نہ کر۔"

۔ بسیار بہ کوش و اند کے داں　　صد کار بکن کم از یکے دان
''تو بہت زیادہ کوشش کر اور اس کو کم جان' تو سو کام کر اور ان سو کاموں کو ایک سے بھی کم سمجھ۔''

۔ چوں پیر نہاد اساس کارت　　بہ گزار زمام اختیارت
''جب تیرا پیر تیرے کام کی بنیاد رکھ دے تو پھر تو ہاتھ سے قبضہ و اختیار کی لگام چھوڑ دے۔''

۔ از پیر نکو ز خویشِ بد بیں　　ہر بد کہ رسد گناہ خود بیں
''پیر سے جو بھی ہو اسے اچھا اور خود کو برا سمجھ' جو برائی پیش آئے اسے اپنا گناہ خیال کر۔''

۔ الہام شمر ہر آں چہ فرمود　　تحقیق شناس ہرچہ بہ نمود
''پیر طریقت جو کچھ ارشاد فرمائے تو اسے الہامِ ربانی سمجھ۔ اور جو کچھ بھی وہ ظاہر کرے تو اسے صحیح اور تحقیق جان لے۔''

۔ خود را بہ ازد مخواہ زنہار　　میداں بہ طفیل او ہمہ کار
''تو اپنے آپ کو اسے بہتر ہرگز نہ خیال کر' بلکہ اپنے سب کام اس کے ذریعے سے تکمیل پانے کا یقین رکھ۔''

۔ کز جنبش او ترا حیات است　　و ز کوشش او ترا نجات است
''کیونکہ اس کی جنبش و حرکت ہی تیری حیات عزیز ہے۔ اس کی مبارک کوشش میں ہی تیری نجات ہے۔''

۔ اے طالب اگر دریں مقامی　　در عالم فقر نیک نامی
''اے طالب! اگر تو اس مقام پر پہنچ گیا ہے تو عالم فقر میں نیک نامی حاصل کرے گا۔''

۔ ایں مرتبہ را چو در خود آئی　　میداں کہ تو نیز مقتدائی
''جب تو اس مرتبہ پر فائز ہو جائے تو سمجھ لے کہ اب تو بھی مقتدائے زمانہ

ہو گیا ہے۔"

؎ ایں ہست نہایت مریدی ایں جا بہ کمال خود رسیدی

"انتہائے مریدی یہی ہے اس مقام پر تو اپنے کمال عروج کو پہنچ جائے گا۔"

؎ ایں جا کہ کمال تو یقین است تخمے کہ درخت کرد ایں است

"اس جگہ پر پہنچنا تیرا یقینی کمال ہے، یہی وہ مقام ہے کہ جب بیج درخت بن جاتا ہے۔"

عقل کی شان:

اس راہ میں عقل سے بھی مشورہ کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ ایک عجیب جوہر بے بہا عنایت فرمایا ہے ـــــ حکیم ترمذی نے نوادر میں ایک حدیث شریف بیان کی ہے:

مَا خَلَقَ اللّٰہُ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیْہِ مِنَ الْعَقْلِ.

"اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو عقل سے زیادہ افضل و بہتر پیدا نہیں کیا۔"

اس لئے عقل کو معطل و بے کار نہ رکھے بلکہ اس سے کام لے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو وصیت فرمائی:

یَا عَلِیُّ اِذَا تَقَرَّبَ النَّاسُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِاَنْوَاعِ الْبِرِّ فَتَقَرَّبْ اَنْتَ بِعَقْلِکَ.

"اے علی! جب لوگ اپنی مختلف نیکیوں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں تو تو اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر۔"

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ گفت پیغمبر علی را کاے علی شیر حقی پہلوانی پر دلی

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے علی! تو شیر حق (اسد اللہ الغالب) دلیر اور بہادر پہلوان

ہے۔"

۔ لیک ،شیری مکن ہم اعتمید　　اندر آدر سایۂ نخلِ امید

"لیکن تو اپنی اس دلیری پر اعتماد نہ کر بلکہ تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے شجر امید کے سائے میں آ جا۔"

۔ ہر کسے گر طاعتے پیش آورند　　بہر قرب حضرت بے چون و چند

"ہر کوئی طاعت وعبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ "بے چون و چند" کے قرب کے لئے آگے بڑھتا ہے۔"

۔ تو تقرب جو بہ عقل و سر خویش　　نے چو ایشاں بر کمال و بر خویش

"تو قربِ الٰہی کو اپنی عقل اور سرِّ ذاتی سے تلاش کر ان لوگوں کی طرح نہیں جو اپنے کمال اور سرمائے کے بھروسے پر آگے بڑھتے ہیں۔"

۔ اندر آدر سایہ آں عاقلے　　کس نتاند بر داز رہ ناقلے

"تو ایسے عاقل شیخ کامل کے سایہ میں آ جا کیونکہ کسی نے صرف نقل وگفتگو سے ہی راہ راست نہیں پائی' جب تک کہ عمل پیرا نہ ہوا ہو۔"

۔ پس تقرب جو بدو سوئے آلہ　　سر پیچ از طاعت او ہیچ گاہ

"پھر تو باری تعالیٰ کا قریب تلاش کر اور اس کی طاعت سے ہرگز سرکشی نہ کر۔"

۔ زاں کہ او ہر خار را گلشن کند　　دیدۂ ہر کور را روشن کند

"اس وجہ سے کہ وہ ہر کانٹے کو گلشن کر دے گا اور اپنے باطنی فیض سے ہر اندھی آنکھ کو بھی بینا (دیکھنے والی) اور صاحبِ نظر کر دے گا۔"

۔ ظل او اندر زمیں چوں کوہ قاف　　روحِ او سیمرغ بس عالی طواف

"اس کا سایہ روئے زمین پر کوہ قاف کی طرح عظیم ہے۔ اس کی روح سیمرغ کی طرح پرواز کرتی ہے اور مرکزِ عشقِ حقیقی کا طواف کرتی ہے۔"

۔ دست گیرد بندۂ خاص آلہ　　طالبان رامی برد تا پیش گاہ

”تو اللہ تعالیٰ کے اس خاص بندے کا دست حق پرست تھام لے تا کہ وہ اپنے طالبوں کو پیش گاہ حق میں باریاب کر دے۔“

ے گر بگویم تا قیامت نعت او — ہیچ آں را غایت و مقطع مجو

”اگر ہم قیامت تک اس کی تعریف و توصیف بیان کرتے رہیں، پھر بھی اس کی انتہا اور اس کا اخیر معلوم نہ کر سکیں گے۔“

ے آفتاب روح نے آں فلک — کہ زنورش زندہ اند انس و ملک

”وہ تو آفتاب روحانی ہے بلکہ آسمانِ اعظم کی آن شان ہے، کہ اس کے مقدس نور سے ہر انسان ہر فرشتہ زندہ و پائندہ ہے۔“

ے در بشر روپوش آمد آفتاب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب

”حقیقت میں پردۂ بشری میں آفتابِ حقیقت نے پردہ پوشی اختیار کی ہے تو اس کی کنہ کو سمجھ۔ باقی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔“

ے یا علی از جملہ طاعات راہ — برگزیں تو سایہ خاص الہ

”اے علی! راہ طریقت کی تمام طاعات و عبادات تجھے اللہ تعالیٰ کے سایہ خاص میں پہنچا دیں گی۔“

ے ہر کسے در طاعتے بگریختند — خویشتن را مخلصے انگیختند

”جس کسی نے بھی آپ کو طاعت میں کھینچ لیا، اس نے اپنے لئے راہ نجات حاصل کر لی۔“

ے تو برو در سایۂ عاقل گریز — تار ہی زاں دشمنِ پنہاں ستیز

”ایں لئے تو جا اور کسی عاقل مرشد کا سایہ تلاش کر تا کہ اپنے چھپے ہوئے دشمن (شیطان و نفس) سے محفوظ رہے۔“

ے از ہمہ طاعات لہٰذا لائق است — سبق یابی بر ہر آں کو سابق است

”تمام طاعت میں تیرے لئے یہی لائق ہے کہ تو اس سے سبق حاصل کر، جو سب سے اوّل اور سابق ہے۔“

ے چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو　　ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو

''جب تو ایسا پیر و شیخ پالے تو اس کے آگے سر تسلیم خم کر دے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح جو خضر علیہ السلام کے حکم کے تحت چلے' تو بھی منزل طریقت پر گامزن ہو۔''

ے صبر کن بر کار او اے بے نفاق　　تا نگوید خضر رو ھذا فراق

''اے بے نفاق! تو اس کے ہر کام پر صبر و تحمل کرتا کہ وہ خضر طریقت تجھے یہ نہ کہہ دے کہ جاؤ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہو سکتا۔''

ے گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن　　گرچہ طفلے راکشد تو مو مکن

''اگر وہ خضر طریقت کشتی کو توڑ دے تو تو دم مت مار اور اگر وہ کوئی بچہ مار ڈالے تو پھر بھی تو بدظن نہ ہو۔''

ے دست او را حق چو دست خویش خواند　　یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ براند

''اپنے ہاتھ جیسے اس کے ہاتھ کو تو اللہ کا ہاتھ سمجھ۔ اس لئے کہ ''اللہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ پر ہے'' کا حکم موافق ہو جائے۔''

ے دست حق میرا ندش زندہ اش کند　　زندہ چہ کند جان پائندہ اش کند

''جب اس کا ہاتھ رواں ہو گا تو مردے کو زندہ کر دے گا زندہ کیا بلکہ غیر فانی و پائندہ و دائم بنا دے گا۔''

ے یار باید راہ را تنہا مرد　　از سر خود اندریں صحرا مرد

''تجھ کو رفیق سفر دوست کی ضرورت ہے تو ایسی پر خطر راہ پر اکیلا ہرگز نہ چل' بلکہ صرف اکیلے اپنا سر لے کر اس سخت صحرا میں نہ جا۔''

ے ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید　　ہم بہ عونِ ہمتِ مرداں رسید

''یہ راہ کسی نے بھی تنہا طے نہیں کی ہے بلکہ وہ اہل ہمت رہبر طریقت کی مدد اور تعاون سے گامزن ہوا ہے۔''

ے دستِ پیراز غائباں کوتاہ نیست　　دست او جز قبضہ اللہ نیست

''پیر حق پرست کا ہاتھ اپنے سامنے سے غائب لوگوں کے لئے بھی کوتاہ نہیں ہے۔ اس کا ہاتھ سوائے اللہ کے قبضہ و قدرت کے اور کچھ نہیں ہے۔''

؎ غائباں راچوں چنیں خلعت دہند حاضراں از غائباں لاشک بہ اند

''جو کہ غیر موجود لوگوں کو ایسے انعامات وخلعت فاخرہ عطا کرتے ہیں تو جو ان کے سامنے حاضر وموجود رہتے ہیں وہ تو یقیناً غائبوں سے بہتر ہیں۔''

؎ غائباں راچوں نوالہ می دہند پیش مہماں تاچہ نعمت ہا نہند

''وہ سخی اور عالی حوصلہ جو غیر موجودوں کو ایسے طعام اور نوالے عطا کرتے ہیں' وہ اپنے مہمانوں کو خدا جانے کیسے خوانِ نعمت مہیا کرتے ہوں گے۔''

؎ گو کسے کو پیش شہ بند و کمر یا کسے کو ہست بیروں سوئے در

''خواہ کوئی بادشاہ وقت کے سامنے زرین کمر باندھنے والا ہو اور خواہ کوئی بے گھر اور بے وطن فقیر بے نوا ہی ہو۔''

؎ فرق بسیار ست ناید درحساب آں زاھل کشف ویں زاہل حجاب

''مگر ان کے حساب میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ صرف یہ کہ وہ ظاہری طور پر حاضر خدمت ہیں اور دوسرے اہل حجاب یعنی نظر سے اوجھل ہیں۔''

؎ جہد میکن تا رہے یابی دروں ورنہ مانی حلقہ دار از اندروں

''تو بھی سعی وکوشش کرتا کہ اس اعلیٰ مقام میں تجھ کو رسائی حاصل ہو' ورنہ تو حلقۂ بیرون در کی طرح باہر رہے گا۔''

؎ چوں گزیدی پیر نازک دل مباش سست وریزیدہ چو آب وگل مباش

''جب تو پیر کامل کو پالے تو صبر و برداشت اختیار کر نازک دل اور زود رنج مت بن اور پانی اور مٹی کی طرح سست و خستہ حال ہرگز نہ ہو۔''

؎ دربہر زخمے چو پر کینہ شوی پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

''اگر تو ہر زخم و درد سے رنجیدہ و پر کینہ ہوگا' تو پھر صفائی وصیقل کے بغیر تیرا

دل آئینے کی طرح ہوگا۔"

ے یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
"یہ حقیقت بھی تیرے سامنے ہونی چاہئے کہ اللہ کے دوستوں کی بابرکت صحبت میں تھوڑی دیر بھی رہنا' سو سال کی بے ریا عبادت سے بڑھ کر ہے۔"

ے گر تو سنگ خارہ و مرمر بوئی چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی
"اگر تو سنگ خارا کی طرح سخت اور مرمر جیسا بھی ہو تو کسی صاحب دل بزرگ کی نگاہ فیض اثر سے مشرف ہوگا' تو چمکتے ہوئے موتی کی طرح بن جائے گا۔"

ے مہر چاکاں درمیانِ دل نشاں دل مدہ الاّ بمہر دل خوشاں
"تو ایسے پاک طینت لوگوں کی محبت و الفت کو اپنے دل میں جگہ دے' مگر اپنے دل کو سوائے دل خوش کرنے والوں کے اور کسی کو نہ دے۔"

ے دل ترا در کوئے اہلِ دل کشد تن ترا در جسِ آب و گل کشد
"تیرے دل کو اہل دل کے کوچے میں کشش ہونی چاہئے جب کہ تیرے جسم کو مٹی اور پانی کے جس میں کشش ہونی چاہئے۔"

ے ہیں غذائے دل بدہ از ہم دلے روبہ جو اقبال را از مقبلے
"اس کے باوجود تو اپنے دل کی غذا حاصل کر اور اپنے اقبال و سر بلندی کو کسی مقبول بارگاہ ہستی سے طلب کر۔"

ے دست زن در ذیل صاحب دولتے تاز افضالش بہ یابی رفعتے
"کسی صاحب دولت سرمدی کے سامنے ہاتھ پھیلا تا کہ اس کے فضل و کرم سے تو بلندی اور عروج پر پہنچ جائے۔"

ے گفت حق اندر سفر ہر جا روی باید اوّل طالب مردے شوی
"کسی مرد بزرگ نے یہ بات سچ کہی ہے کہ تو سفر کے دوران جہاں کہیں

بھی جائے' وہاں پہلے کسی مردِ کامل کی تلاش کر۔"

؎ کوئے نومیدی مرد کا میدہاست — سوئے تاریکی مرو خورشید ھاست

"تو نا امیدی کے کوچے میں مت جا کیونکہ امیدیں بہت ہیں (اگر تو حوصلے سے کام لے) اور تاریکی کی طرف ہرگز نہ جا کہ رہبری کے لئے بہت سے آفتاب روشن ہیں۔"

؎ صحبت صالح ترا صالح کند — صحبت طالح ترا طالح کند

"نیک لوگوں کی صحبت تجھے بھی نیک بنا دے گی' برے لوگوں کی صحبت تجھے بھی خراب اور برا کر دے گی۔"

؎ سایہ یزداں جو باشد دایہ اش — وارھا ندا زخیال سایہ اش

"جب سایہ یزدانی دایہ مشفق کی طرح نگران ہوگا تو پھر وہ تجھے ہر برے خیال اور اثر بد سے محفوظ کر دے گا۔"

؎ سایہ یزداں جو باشد دایہ اش — وارھا ندا زخیال سایہ اش

"جب سایہ یزدانی دایہ مشفق کی طرح نگران ہوگا۔ تو پھر وہ تجھے ہر برے خیال اور اثر سے محفوظ کر دے گا۔"

؎ سایہ یزداں بود بندۂ خدا — مردۂ ایں عالم و زندۂ خدا

"سایۂ یزداں خدا کے خاص بندے ہیں۔ یہ سارا عالم مردہ اور خدا زندہ و پائندہ ہے۔"

؎ دامن او گیر زد تر بیگماں — تا رہی از آفت آخر زماں

"تو اس کا دامن بہت جلدی بے فکری سے پکڑ لے تا کہ ہر مصیبت و آفت سے نجات پائے۔"

؎ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَ نقش اولیاست — کو دلیل سایۂ نور خدا ست

"اولیاء کرام کا نفسِ قدسیہ کیسا بلند مرتبہ سایہ ہے' جس کی دلیل نورِ حق کا سایہ ہے۔"

؎ اندریں وادی مرو بے ایں دلیل　　لا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ گوچوں خلیل

''اس دشوارگزار وادی میں اس دلیل کے بغیر داخل نہ ہو۔ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی طرح تو بھی لا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (میں غروب ہونے والوں کو نہیں چاہتا) کہے جا۔''

؎ پیر را بگزیں کہ بے پیراں سفر　　ہست بس پرآفت وخوف وخطر

''تو کوئی پیر طریقت تلاش کر کیونکہ بے پیر کے سفر کرنا بڑا پرآفت اور بہت خوف وخطر کا باعث ہے۔''

؎ آں رہے کہ بارہا تو رفتہ　　بے قلا ز اندریں آشفتہ

''اس راہ پر کہ جس پر تو نے بارہا سفر کیا ہے تو بغیر رہبر ورفیق سفر کے نہیں چل سکتا۔''

؎ پس رہے را کہ ندیدستی تو ہیچ　　ہیں مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ

''تو پھر جس راہ کو تو نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی طے کیا ہے' بغیر رہبر کے تو اس پر ہرگز گامزن نہ ہو۔''

؎ ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد　　او ز غولاں گمرہ و درچاہ شد

''جو بغیر مرشد کے سفر اختیار کرتا ہے' وہ بھوتوں سے خوف زدہ ہو کر گمراہ ہو کر اندھے کنوئیں میں گر پڑتا ہے۔''

؎ گر نہ باشد سایۂ پیر اے فضول　　پس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول

''اے فضول آدمی اگر تو اس راہ میں پیر کا سایہ نہیں رکھتا تو پھر تجھے بھوتوں کی ہولناک آوازوں سے سرگشتہ و پریشان ہونا پڑے گا۔''

؎ غولت از رہ افگند اندر گزند　　از تو داہی تر دریں رہ بس بدند

''راستے کے بھوت پریت راہزنی کر کے تجھے نقصان پہنچائیں گے' پھر تجھ سے بڑھ کر اس راہ میں شاید کوئی واہی اور خراب نہ ہوگا۔''

؎ شیخ نورانی ترا آگہ کند　　باسخن ہم نور را ہمرہ کند

''شیخ نورانی تجھے ہر بات سے آگاہ اور خبردار کر دے گا۔ وہ اپنی باتوں سے اپنے نورولایت کو بھی تیرے ساتھ کر دے گا۔''

؎ ناتوانی ز اولیا رو برمتاب جہد کن واللہ اعلم بالصواب

''جہاں تک ہو سکے تو اولیاء اللہ سے اپنا چہرہ نہ چھپا' جہاں تک ہو سکے تو کوشش کر' بس اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔''

؎ چوں شدی دور از حضور اولیاء درحقیقت گشتہ دور از خدا

''جب تو اولیاء اللہ کی خدمت سے دور رہے گا تو حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی سے دور ہو جائے گا۔

پیر کامل مل جائے تو:

جب پیر کامل مل جائے تو طالب خدا پر فرض ہے کہ:

- O—— اپنا مال واسباب جسم وجان پیر پر نثار کر دے'
- O—— اس کے حکم کا فرمانبردار رہے'
- O—— اس پر پورا بھروسہ اور تمسک کامل رکھے'

جیسا کہ اندھا اپنی لاٹھی یا ساتھ والے کا ہر امر میں تابع رہتا ہے' اور کوئی حیل و حجت نہیں کرتا۔ اسی طرح مرید کو بھی کَالْمَیِّتِ بِیَدِ الْغَسَّالِ (غسل دینے والے کے ہاتھوں میں جیسے مردہ) مرشد کے ساتھ ہونا چاہئے—— اور دل میں اس بات کا یقین کامل رکھے کہ اگر مرشد غلطی بھی کرے گا تو اس کی غلطی میں بھی مجھ کو زیادہ نفع ہوگا' بہ نسبت اس کے کہ میں راہ ثواب پر تنہا جاؤں—— مرید کو چاہئے کہ ہمیشہ شیخ کے باطن میں خدا کو دیکھے کیونکہ شیخ آئینہ خدا ہے—— جو مرید اپنی ارادت و مراد کی راہ پر چلے وہ اپنی مراد کا مرید ہے نہ کہ پیر کا—— مریدی تو پیر پرستی ہے' اور خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں زناری۔ جیسا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ چونکہ ذات پیر را کر دی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

''جب تو نے پیر کامل کی ذات کو قبول کر لیا تو اس کی ذات والا صفات میں

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کا جلوہ مشاہدہ کرے گا۔"

؎ دو مدان و دو مبین و دو مخواں ۔۔۔ خواجہ را در خواجہ محو داں

"تو دوئی نہ جان، دوئی نہ دیکھ اور دوئی کا طلب گار نہ ہو۔ تو آقائے عالم کو اپنے آقا میں محو جان۔"

؎ گر جدا بینی ز حق ایں خواجہ را ۔۔۔ گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را

"اگر تو اس خواجہ کو حق سے جدا دیکھے گا تو کتابِ حقیقت کا اصل اور دیباچہ گم کر دے گا۔"

؎ پیر حق راز احولی ہر کہ دو دید ۔۔۔ او مرید است درحقیقت نے مرید

"پیر حق کو جس نے احولی (دوبینی) سے دو دیکھا، وہ گمراہ ہو گیا۔ حقیقت میں مرید نہیں ہوا۔"

؎ چوں دیدۂ عقل آمد احول ۔۔۔ معبود تو پیر تست اول

"بھلا جب کہ دیدۂ عقل میں ہی فتور اور بھینگا پن آ جائے تو تیرے بھینگے پن (دوبینی) کی اصلاح کے لئے تیرا پیر ہی تیرا مقصود اول ہے۔"

پیر سے توقعات:

یہ توقع نہ رکھے کہ پیر معصوم اور بڑا عابد ہو ۔۔۔۔ نہ اپنے سر کی آنکھوں سے پیر کی صورت کو طاعت وعبادت میں دیکھے۔ بلکہ دل کی بصیرت سے اس کے علم و معرفت و حقیقت کو دیکھے۔ جیسے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تھے۔ نہ کہ اس طرح جیسے کفار یعنی ابوجہل و ابولہب وغیرہ دیکھتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ. (پ۹، ع۱۴)

"اور تو دیکھتا ہے ان کو آنکھیں کر رہے ہیں تیری طرف، مگر وہ نہیں دیکھتے۔"

پیر کے گوشت پوست اور سرخ وسفید و سیاہ رنگ اور فربہی ولاغری پر نہ جائے کہ یہ صفات جسمانی ہیں۔ پیران سب سے پاک وجدا ہے۔

؎ کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف
دل کے لگنے کے ڈھنگ اور ہی ہیں

صورت حجاب ہے اور حقیقت بے حجابی ــــ لہٰذا صورت کو چھوڑ اور حقیقت کی طرف دوڑ۔ پیر کے حکم کو حکم خدا جان، اس کے اتباع کو لازم سمجھ۔ کہ اس مقام پر پیر بمنزلہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ۵ع)

یعنی ''جس نے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی فرماں برداری کی، تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (پ۱۷ع۵)

''اور ہم نے ان کو امام کیا ہے، ہدایت کرتے ہیں ہمارے حکم کی۔''

؎ شیخ کہ بود کیمیائے بے خلل ــــ شیخ کو بود عین دریائے ازل
مکسل از پیغمبر ایام خویش ــــ تکیہ کم کن برفن و برکام خویش

''شیخ کامل کیمیائے خالص کی مثل ہوتا ہے، شیخ بالکل دریائے ازل کی مانند ہے۔ تو پیغمبر وقت سے اپنے معاملات کے متعلق حجت نہ کر۔ تو ان کے سامنے عاجزی کر، اپنے ہنر وفن اور کارکردگی پر بھروسہ نہ کر۔''

اہل طریقت کا مذہب:

اپنے تمام حالات بے کم وکاست شیخ کی خدمت میں بیان کرتا رہے۔ تاکہ پیر اس کی تربیت میں کوشش کرے اور خطرات سے محفوظ رکھے۔ شیخ کے سوا کسی سے نہ کہے۔ ــــ مرید مبتدی پیر کے حضور میں ادب سے رہے، اور غیر موجودگی میں بصورت مراقبہ حاضر جانے، گویا حضوری میں ہے ــــ مرید منتہی حاضر و غائب یکساں رہے۔ ــــ مرید کو لازم ہے کہ پیر سے ہمیشہ طالب حقیقت رہے۔ تمام مذہبوں اور

قوموں کو ایک جانے۔ ورنہ راہ سلوک میں طالب کی بجائے فرق ڈالنے والا ہوگا۔
طالب کو مذہب کا فرق اس کی راہ میں حجاب کی طرح ہے —— ابتدائی حالت میں تو اپنا مذہب ترک عادت رکھے، آخر میں خود بخود کوئی مذہب نہیں رہتا۔
حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس مذہب پر ہیں؟"
آپ نے فرمایا:"

"اَنَا عَلٰی مَذْھَبِ رَبِّیْ یعنی" میں اپنے رب کے مذہب پر ہوں۔"

کیونکہ جو شخص کسی مذہب پر ہوتا ہے، وہ صاحب مذہب کا پیرو ہوتا ہے۔ مخلط اور اہل طریقت خدا کے مذہب پر ہوتے ہیں۔ اور مخلص۔ وہی ان کا رہنما اور پیر ہے۔
چنانچہ اہل معرفت خود خدا ہی کے مذہب پر ہوتے ہیں۔ اور مخلص نہ مخلط اختلاط توقف ہے۔ ترقی اور طلب میں اخلاص شرط ہے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے چالیس صبح محبت رکھے، تو اس کے قلب سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر ظاہر ہو جائیں گے۔

لہٰذا ہر امر میں اخلاص کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ وہ کام خوبی پیدا نہیں کرتا۔
جو شخص اپنے آپ میں مریدی کی یہ صفات دیکھ لے، اور طالب خدا بننا چاہئے تو آئندہ سطور میں جو ضروری باتیں بیان ہوں گی، ان پر عمل کا عزم کرلے —— یہاں سے پیر کامل جو کہ وقت کا حاکم ہے، اس کی مدد سے سفر کے اسباب مہیا کر کے سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔

راہِ طریقت کے مسافر اور ان کی ضروریات

سچے طالب کی ضرورتیں:

راہ طریقت میں طالب صادق کو دس چیزوں کی ضرورت ہے:

۱-زہد	۲-توبہ	۳-توکل	۴-قناعت
۵-تنہائی (عزلت)	۶-صبر	۷-رضا	۸-توحید

۹-مراقبہ وتوجہ الی اللہ ۱۰-ذکر الٰہی

اس سفر کے ان اسباب کو مرحلہ وار بیان کیا جاتا ہے:

(۱)——زہد:

بزرگان دین نے زُہد کو بہترین اعمال سے لکھا ہے۔ اگر چہ تَفَقُّهُ فِي الدِّيْنِ یعنی آیات کریمہ جن کا تمام عالم میں ظہور ہو رہا ہے، تفکر کرنا درجات فقر میں افضل ترین ہے۔—— جو صاحب بصیرت ہیں، خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں وہ جب تفکر کرتے ہیں، اور صنعت سے صانع (بنانے والے) کی طرف جاتے ہیں۔ تو ان پر حقیقت اشیاء کا علم منکشف ہو جاتا ہے۔ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً

حتیٰ کہ تفکر میں محو و مستغرق ہو جاتے ہیں—— ان کی نظروں میں صنعت معدوم ہو جاتی ہے، ان کی عقل و گمان و قیاس و وہم و ادراک میں سوائے ایک ذات واحد کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ آخر الامر ذات و صفات و علم و ادراک بھی نیست و نابود ہو جاتا ہے—— اگر چہ یہ صراط مستقیم اور قریب تر راہ ہے لیکن چونکہ اکثر بندوں کی عقل توحید و کلمہ طیب کے مضامین عالی کی تفہیم سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان کا عنقائے ادراک تعلیم حقیقی کی طرف پرواز نہیں کرتا۔ بلکہ اضافات و تعینات کے پنجرے (قفس) میں قید رہتا ہے، تو کاملین اس مرید کو زُہد کی تعلیم فرماتے ہیں۔ تا کہ صفاتِ ملکوتی حاصل کر کے حور و قصور اور بہشتی نعمتوں کا مستحق ہو جائے۔ یا رفتہ رفتہ منزل بہ منزل اپنے مقصود و مقام حقیقی میں پہنچ جائے—— بہر حال زُہد عمدہ چیز ہے۔ عام و خاص و اخص اس میں شامل رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ عبودیت کی دلیل ہے اور عبودیت کا ثبوت مرتبہ خلافت ہے۔

زہد کے قواعد ضروری:

یہاں زُہد کے قواعد مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں، تا کہ سالک راہ اس راہ میں پریشانی اور مشکل نہ پائے، اور آرام کے ساتھ اپنے مقصود اصلی کو پہنچ جائے——

طالب خدا کو لازم ہے کہ ان امور کی مداومت رکھے اور ان تین حجابات کے اٹھانے کی سعی کرے:

☆——**اوّل** حجاب مال،

☆——**دوئم** حجاب جاہ،

☆——**سوئم** حجاب تقلید۔

حجاب اٹھانے کی تدبیر یہ ہے کہ حجاب مال، مال تقسیم کرنے سے دور ہوتا ہے—— اور حجاب جاہ تنہائی و گوشہ نشینی سے—— حجاب تقلید، مذہبی تعصب دور کرنے سے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ نے ''احیاء العلوم'' میں فرمایا کہ مرید کو لازم ہے کہ مذہبوں کا تعصب چھوڑ دے۔ اگر اس پر تعصب کا غلبہ ایسا ہو کہ سوائے اعتقاد تقلیدی کے نفس میں اور کی گنجائش ہی نہ ہو، تو ہمیشہ اس میں مبتلا رہے گا—— اور یہی امر اس کے لیے باعث حجاب ہوگا۔ کیونکہ مرید میں یہ شرط نہیں کہ کسی خاص مذہب کا ہو—— اس سے ثابت ہوا کہ متعصب کو دیدار خدا ہرگز نہ ہوگا۔

(۲)——توبہ:

جمیع لذات و خواہشات نفسانی دنیا و آخرت سے باہر ہونا، اور جو چیز خدا سے باز رکھے، اس سے منہ پھیرنا، اور پچھلے گناہوں سے شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر خطا کر کے معافی مانگنا، یہی توبہ ہے—— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پ۱۸ع۱۰)

''اور توبہ کرو اللہ کی طرف تم سب اے ایمان والو تا کہ تم بہتری پاؤ۔''

مزید فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (پ۲۸ع۲)

''اے ایمان والو! اللہ کی طرف توبہ کرو یعنی خالص توبہ۔''

یعنی ایسی توبہ کرو کہ پھر کبھی اس کا خیال بھی نہ آئے۔

سب گناہوں کی جڑ دُنیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"دُنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، اور دُنیا ومافیہا سے تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں۔"

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت"

ترمذی وابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"دُنیا ملعون ہے، اور جو چیزیں اس میں ہیں وہ بھی ملعون ہیں، سوائے ان چیزوں کے جو خدا کے لیے ہوں۔"

ابی موسیٰ سے حدیث پاک روایت ہے:

"جو دُنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے، اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ دُنیا کا نقصان کرتا ہے۔"

چنانچہ باقی (رہنے والے) کو فانی پر ترجیح دیتے ہوئے اختیار کرو۔

۔ درعوض فانی خوار و حقیر ۔۔۔ دولت پائندہ باقی گیر

یعنی "اس فانی دولت اور حقیر و ذلیل سرمائے کے بدلے ہمیشہ اور باقی رہنے والی دولت حاصل کر۔"

آخرت کے مقابل دُنیا فانی ہے اور آخرت بہ نسبت خدا کے۔ کیونکہ وہ بھی مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ میں داخل ہے ـــــ راقم کے نزدیک تو یہ دونوں فانی ہیں۔ ان دونوں کو دل سے دور کرے ـــــ سب سے بہتر سب سے بڑھ کر خدا کی محبت ہے۔ اتباع و اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر جس کا حصول ناممکن ہے ـــــ کسی کامل کا کہنا ہے:

☆ ـــــ دُنیا حرام ہے صاحبان آخرت پر،

☆ ـــــ آخرت حرام ہے دُنیا والوں پر،

☆ ـــــ یہ دونوں حرام ہیں طالبان خدا پر۔

چنانچہ سوائے خدا کے کسی سے محبت والفت نہ رکھے کہ سب کو فنا ہے۔

(۳)——توکل:

یعنی وسائل واختیار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھنا اپنے وسائل اور اختیار پر بھروسہ نہ رکھنا۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ

(۴)——قناعت:

جو کچھ میسر ہو اگرچہ اس سے ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، اسی پر اکتفا کرنا۔—— تمام غیر اشیاء سے دامن بچانا جو یار سے باز کرنے والی ہوں—— دوسرے لفظوں میں موجود اشیاء پر قناعت و بے نیازی کرنا اور جو چیز موجود نہ ہو اس کی طلب نہ کرنا۔

(۵)——عزلت یعنی تنہائی:

اسے محفل میں تنہائی بھی کہتے ہیں یعنی خلوت در انجمن—— دل میں ہر وقت خدا کے سوا کسی دوسرے کی جگہ نہ ہو۔ اسی کو تَطْھِیْرُ الْقَلْبِ عَنْ مَا سِوَی اللّٰہِ کہتے ہیں—— مبتدی کے لیے عزلت یعنی تنہائی بہتر ہے۔ لوگوں کی آمیزش اور صحبت سے گریز کرے بلکہ نفرت کرے۔

(۶)——صبر:

صرف پروردگار کی ذات پر بھروسہ کرنا، اسی کی امید رکھتے ہوئے دُنیا اور اہل دُنیا سے کوئی امید نہ رکھنا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

(۷)——رضا:

اپنی خوشی پر دوست کی خوشی کو ترجیح [illegible] دوست کی رضا کو اپنی رضا پر اوّلیت دینا، مقدم سمجھنا—— جو کچھ محبوب سے پہنچے اسے [illegible]لیم کرنا۔

(۸)——توحید:

خالق کائنات اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا—— اعتقاد وحدانیت کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ پر

ایمان رکھنا ——— توحید کی چار اقسام ہیں:

☆ ——— توحید اسمائی:

یعنی تمام موجودات کے اسماء کو اسمائے الٰہی جاننا۔

☆ ——— توحید افعالی:

جمیع افعال جملہ موجودات کو اللہ کی طرف منسوب کرنا۔

☆ ——— توحید صفاتی:

جملہ صفات موجودات کو صفات خدا جاننا۔

☆ ——— توحید ذاتی:

جملہ موجودات میں جلوۂ ذاتِ خدا دکھائی دے، جملہ موجودات میں ذاتِ واحد کے سوا کچھ نظر نہ آئے ——— تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

(۹) ——— مراقبہ وتوجہ الی اللہ:

ظاہری و باطنی آنکھ کو محبوب کے حضور متوجہ رکھنا ——— اس کی بہت اقسام ہیں۔ آئندہ بیان ہوں گی۔

(۱۰) ——— ذکر:

ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہنا ——— اس کی بہت اقسام ہیں یعنی: اذکار و اشغال، مراقبات وتفکرات وغیرہ ——— ان کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

فقر و فقیر:

یہ بھی ضرور ہے کہ ہمیشہ اپنے نقد حال کو معیارِ حقیقت فقر، نقیر پر جانچتا رہے۔ کیونکہ کھوٹے مال کا سفر وحضر میں کوئی خریدار نہیں بلکہ قابل سزا ہے اور مجرم سرکار۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حاجت کی چیز نہ ہونے کا نام فقر ہے اور جو

حاجت مند ہے وہ فقیر ہے۔۔۔۔ جو محتاج نہیں وہ غنی مطلق ہے۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب محتاج وفقیر ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

یہ معنی فقر مطلق کے ہیں۔

مال کا فقیر:

بندے کی حاجات کو اس کی ضروریات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بے شمار ہیں۔ مال کے متعلق اس کی جو حاجات ہیں اس وقت انہیں بیان کیا جاتا ہے۔ جو شخص مال نہیں رکھتا اسے مال کا فقیر کہیں گے، جو اس کے پاس نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس شخص کو اس مال کی حاجت بھی ہو۔

مال کے فقیر کی اقسام:

مال کے فقیر کی چھ حالتیں ہیں:

۱۔۔ مضطر	۲۔۔ حریص	۳۔۔ قانع
۴۔۔ راضی	۵۔۔ زاہد	۶۔۔ مستغنی

(۱)۔۔۔۔ مضطر:

جو مال اس کے پاس نہیں اس کی ضرورت میں مضطر ہو۔۔۔۔ مثلاً بھوکے کو روٹی اور ننگے کے پاس کپڑا نہ ہو۔ ایسی حالت والے کا نام مضطر ہے۔ اس کی رغبت طلب کے باب میں کسی طرح کی ہو ضعیف یا قوی' اس کی طلب حالتِ رغبت سے بہت کم جدا ہوتی ہے۔

(۲)۔۔۔۔ حریص:

مال کی طلب عاجزی کی وجہ سے نہ ہو۔ ورنہ رغبت اتنی ہے کہ اگر کوئی سبیل اس کے حصول کی ملے گو وہ محنت ہی سے ہو، اس کو ضرور طلب کرے یا طلب میں مشغول رہے۔ ایسی حالت والے کا نام حریص ہے۔

(۳)—— قانع:

مال کا ہونا اس کے نزدیک نہ ہونے سے بہتر ہو، اس وجہ سے کہ کچھ مال کی رغبت رکھتا ہے۔ مگر نہ اتنی کہ اس کی طلب میں سرگرم ہو بلکہ ایسی رغبت کہ بلا محنت و کدورت مل جائے، تو لے کر خوش ہو۔ اور اگر طلب میں کچھ مشقت کی احتیاج ہو تو اس میں مشغول نہ ہو، اس کو قانع کہتے ہیں۔

(۴)—— راضی:

مال کی رغبت اتنی نہ ہو کہ اس کے حصول سے ہو، اور نہ اتنی نفرت کہ اس سے ایذا پائے—— یا اگر ملے تو اس کو چھوڑ دے۔ ایسے شخص کو راضی کہتے ہیں۔

(۶)—— زاہد:

اگر مال آئے تو برا معلوم ہو بلکہ ایذا ہو، اس کے قبول سے نفرت کرے اور مشغولی سے اجتناب اور اس کے شر سے احتراز رہے۔ ایسے شخص کو زاہد کہتے ہیں۔

ان پانچ حالتوں میں اعلیٰ و افضل زُہد ہے—— اگر یہ اضطرار کے ساتھ ہے تو یہ اقصائے درجات میں سے ہے—— طالب کو ان پانچ حالتوں میں نظر کر کے دیکھنا چاہئے کہ میں کونسی حالت میں ہوں۔ پھر اس سے ترقی کر کے چھٹی حالت میں جو زُہد سے بھی افضل ہے، پہنچ جائے:

(۶)—— مستغنی:

چھٹی حالت استغناء ہے۔ یعنی آدمی کے پاس مال کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوں تو آئے کی خوشی نہ گئے کا غم۔ ایسے آدمی کو ہم مستغنی کہتے ہیں۔ اسی سبب سے ایسا شخص اس غنیٰ سے جو صفت خداوندی ہے، قریب تر ہے۔

بندے کا اللہ سے قرب:

بندے کا قرب اللہ تعالیٰ سے اس طرح پر ہے کہ صفات الٰہی میں قریب ہو نہ قرب مکانی۔ ایسی حالت والے کو ہم مستغنی کہیں گے تاکہ لفظ غنی اس ذات پر بول

سکیں۔ جس کو غناء مطلق ہے ـــــ مخفی نہ رہے کہ زاہد ابرار کے درجہ کا کمال ہے، اور اس حالت والا یعنی مستغنی مقربین میں سے ہے تو ضرور ہوا کہ زاہد اس کے لیے درجہ نقصان ہو۔ کیونکہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ یعنی

''ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیاں ہیں۔''

دُنیا کا برا جاننے والا بھی دُنیا میں ایسا ہی مشغول ہے جیسا اس کی رغبت کرنے والا۔ شغل ماسوا اللہ خدائے تعالیٰ کے لیے حجاب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کچھ فاصلہ پر تو ہے ہی نہیں جو دوری اس کا حجاب ہو بلکہ وہ تو نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ یعنی ''آدمی کی رگ گردن سے بھی قریب تر ہے۔''

اور نہ خدا تعالیٰ کسی مکان میں ہے تاکہ آسمان و زمین اور جو اس میں ہیں وہ حجاب ہو جائیں۔ تو اب ثابت ہوا کہ حجاب اس میں اور آدمی میں سوائے مشغولی غیر اللہ اور کوئی نہیں ـــــ جو شخص مشغول غیر اللہ ہے وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے محجوب رہتا ہے اور خدا سے منحرف ـــــ جو شخص اپنے نفس کے بغض میں لگا ہوا ہے وہ بھی خدا سے محجوب ہے۔ مثلاً جس مجلس میں عاشق و معشوق ہوں اس میں اگر رقیب آجائے اور عاشق کا دل رقیب کے بغض میں متوجہ ہو جائے تو لذت مشاہدہ معشوق سے محروم رہ جائے گا ـــــ اور اگر عاشق معشوق میں مستغرق ہے تو سوائے دیدار کسی کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔

اشکالات مع جوابات

اس سے پہلے کہ مقصود اصلی کو بیان کیا جائے چند اشکالات مع جوابات برائے طالب و مسافر راہ طریقت کی آگاہی کے لیے تحریر کرتا ہوں۔ تاکہ طالب ہر طرح سے چست و چالاک ہو کر اس راہ میں قدم رکھے، اور کہیں خطا نہ کھائے کہ یہاں سے یہ راہ بہت خطرناک ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ!

شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت کیا ہیں:

☆ ـــــ شریعت لباس ہے اور طریقت جسم ـــــ حقیقت روح ہے اور معرفت ذات

حق۔

☆ — شریعت اتباع ہے اور طریقت انقطاع —— حقیقت اطلاع ہے اور معرفت متاع۔

☆ — شریعت بندگی ہے اور طریقت ترک خودی —— حقیقت وصال ہے اور معرفت کمال۔

☆ — شریعت فرماں برداری اور طریقت غیر سے بیزاری —— حقیقت دوست سے برخورداری —— معرفت اپنے آپ سے ہوشیاری۔

☆ — شریعت غنا ہے اور طریقت فنا —— حقیقت بقا ہے اور معرفت غنا۔

☆ — شریعت اقوال و افعال ہے اور طریقت اخلاق و احوال —— حقیقت صفات و ذات ہے اور معرفت علم و یقین۔

چنانچہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اَلشَّرِیْعَتُ اَقْوَالِیْ، وَالطَّرِیْقَتُ اَفْعَالِیْ، وَالْحَقِیْقَتُ اَحْوَالِیْ وَالْمَعْرِفَتُ اَسْرَارِیْ۔

سلوک کیا ہے، سالک کون ہے؟

لغت میں سلوک کے معنی ہیں ''رستہ چلنا''۔ اصطلاح صوفیہ کرام میں ''ایک حال و مقام سے دوسرے حال و مقام میں انتقال حسی ہے'' —— اسے سیر الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی معشوق کی طرف عاشق کی سیر۔ یہاں انتقال سے مراد معنوی انتقال ہے نہ کہ ظاہری۔ سالک راہ کو روکتے ہیں —— ابتدا میں حال احسن، وسط میں عقل معاد اور آخر میں نور اللہ۔

تزکیہ نفس کیا ہے؟

سلوک میں تزکیۂ نفس یہ ہے کہ نفس کو اوصاف ذمیمہ حیوانی سے پاک کرے، اوصاف حمیدہ ملکی سے آراستہ اور نفس امارہ کو لوامہ اور مطمئنہ کے اوصاف سے موصوف

کرے۔ چنانچہ حقیقت سلوک یہ ہے کہ تَخَلِقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ

تصفیہ قلب کیا ہے؟

سلوک دل کا نام تصفیہ ہے۔ یعنی آئینہ دل کو زنگِ ہموم وغموم وحرصِ دُنیا وحبِ دُنیا واندیشۂ دُنیا سے مصفا کرے۔

تخلیۂ سر کیا ہے؟

تخلیۂ سر یہ ہے کہ سر کو اندیشۂ ماسویٰ اللہ وغوغائے غیر حق سے خالی رکھے۔ یعنی اندیشۂ غیر حق کو اپنے سر میں راہ نہ دے اور اگر آئے تو نفی کرے۔

تجلیہ روح کیا ہے؟

تجلیۂ روح یہ ہے کہ بہ نور مشاہدۂ حق وذوق وشوق ومحبت واسرار وانوارِ روح کو متجلی ومتحلی کرے۔

مقصد کسے کہتے ہیں:

وحدت حقیقی میں پہنچنا اور پندار اور خودی ودوئی سے باہر آنا۔

جذبہ کسے کہتے ہیں:

رحمتِ خاص وفیضِ خاص کا نام جذبہ ہے۔

وصول بہ حق کیا ہے:

پندار خودی ودوئی سے انقطاع وتبریٔ اور وجود مطلق میں جہل وعلم کا رفع ہو جانا۔

فکر کیا ہے:

؎ فکر چہ اسرارِ کلی حل شدن کوہ کندن در دل خود دل شدن

''فکر وتفکر کیا ہے؟ —— اسرار کلی کا حاصل ہو جانا اور اپنے دل میں سے حرص و ہوس کے پہاڑ کو کھود کر پھینک دینا اور خود مجسم پاک وصاف دل بن جانا''۔

؎ کار فکرت لاجرم یک ساعت است   بہتر از ہفتاد سالہ طاعت است

''تیرے فکر کا کام بلاشبہ ایک ساعت کا ہے، مگر یہ ایسا مشکل اور اہم کام ہے کہ ستر سالہ طاعت وعبادت سے بہتر ہے''۔

صحو کیا ہے؟

؎ صحو چہ از خود بخود رہ یافتن   پس زخود خود را منزّہ ساختن

''صحو کیا ہے؟ —— خود بخود راہ ہدایت پالینا اور اپنے آپ اپنی خودی سے پاک ہو جانا''۔

محو ومحویت کیا ہے؟

؎ محو چہ از خویش ہم خویش آمدن   پس زہردو نیز درویش آمدن

محو ومحویت کیا ہے؟ —— اپنے آپ سے اپنے آپ میں آنا، اور ان دونوں حالتوں میں فقیر ودرویش بن کر آنا۔

سکر کیا ہے؟

؎ سکر چہ از خارگل انگاشتن   جزو را نادیدہ کل پندا شتن

''سکر کیا ہے؟ —— کانٹوں میں سے پھول اکٹھے کرنا، اور بے دیکھے جزو کو کل سمجھ لینا''۔

بسط کیا ہے؟

؎ بسط چہ از ہر دو عالم بر زدن   خویش برصد عالمے دیگر زدن

''بسط کیا ہے؟ —— ہر دو عالم سے فارغ وآزاد ہو جانا، اور اپنے آپ کو سینکڑوں عالموں کے مقابل جدا بنانا''۔

قبض کیا ہے؟

؎ قبض چہ از جان ودل تن ساختن   خانہ در سوراخ سوزن ساختن

''قبض کیا ہے؟ —— جان و دل سے جسم و تن بنالینا، اور اپنا گھر سوئی کے باریک سوراخ کے اندر بنالینا''۔

وحدت سے کثرت میں آمد کیوں؟

؎ خود را بہ تکلف دگرے ساختہ ام تاشاد کنم آن دگرے را کہ منم

''میں نے بڑے تکلف اور شان سے اپنے آپ کو دوسرا بنایا ہے۔ تاکہ میں اس دوسرے کو شاد و بشاش کروں، جو کہ درحقیقت میں خود ہی ہوں''۔

نہ وحدت سے کچھ نقصان تھا نہ کثرت سے کچھ فائدہ حاصل ہوا۔

؎ حق ز ایجاد جہاں افزوں نشد آں چہ اول آن نہ بود اکنوں نشد

''جہان و کائنات کی ایجاد سے حق کچھ زیادہ نہیں ہوگیا ہے۔ جو کچھ وہ پہلے نہیں تھا اب بھی وہ نہیں ہوا ہے۔ یعنی جیسا پہلے تھا اب بھی ویسا ہی ہے''۔

؎ پرشور السـت کی ندا ہے اب بھی جو تھی وہی آن اور ادا ہے اب بھی
ہوتی نہیں سنتِ الٰہی تبدیل جس شان میں تھا وہی خدا ہے اب بھی

لیکن کثرت وحدت کے لیے لازم ہے اور وحدت کثرت کے لیے واجب —— یعنی کثرت وحدت کے ساتھ رہتی ہے۔ اگر وحدت نہ ہو تو کثرت ہو ہی نہیں سکتی۔

حدیث قدسی ہے:

کُنْتُ کَنْزًا مُخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

یعنی ''میں پوشیدہ خزانہ تھا، پس چاہا میں نے یہ کہ پہچانا جاؤں —— پیدا کیا میں نے خلقت کو''۔

؎ چوں بغرد بحر غرش کف شود جوش اَحْبَبْتُ لِاَنْ اُعْرِفَ شود

''جب بحر مواج جوش و خروش میں آیا تو اس کا جوش کف و جھاگ ہوگیا —— اور اس کا وہ جوش اَحْبَبْتُ لِاَنْ اُعْرِفَ (میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں) بن گیا۔

؎ ز دریا موج گوناگوں برآمد زبے چونی بہ رنگ چوں برآمد
گہے در کسوتِ لیلیٰ فروشد گہے برصورت مجنوں برآمد

دریائے وحدت سے رنگ برنگ کی بے شمار موجیں نکلیں اور ''بے چونی'' سے ''چون'' کے رنگ میں ظاہر ہوا ـــــ کبھی تو وہ لیلیٰ کے پردہ ولباس میں چھپ گیا اور کبھی قیس ومجنوں کی شکل میں آشکارا ہوا۔

فقر وفقیر کیا ہیں؟

اَلْفَقْرُ لَا یَحْتَاجُ اِلَی اللّٰہِ

؎ فقر حق است ونہ حق از وے جدا   فقر لایحتـــاج باشد از خدا

''فقر حق ہے، اور حق اس سے جدا نہیں ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کے سوا فقر سب سے بے نیاز ہے''۔

فقر تحریر وتقریر سے باہر ایک راز ہے ـــــ مثلاً دولہا دلہن کی شادی اگرچہ والدین کی مرضی سے ہوتی ہے۔ تمام رسوم ان کے وسیلے اور ذریعے سے انجام پاتی ہیں، لیکن وقت وصال کسی کو دخل نہیں ہوتا۔ شب زفاف کی کیفیت دولہا دولہن کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن لطف ومذاق وصل یہ دونوں بھی بیان نہیں کر سکتے۔

ع حال خلوت شاہ و اند یا عروس

اسی طرح مرشد کامل مرید طالب کو سیر الی اللہ اور سیر مع اللہ اور سیر فی اللہ کرا کے سپرد خدا کر دیتا ہے ـــــ اس کے بعد جو راز و نیاز اس کے اور خدا کے درمیان ہوتے ہوتے ہیں، اس کو فقر کہتے ہیں ـــــ ایسے فقیر کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حدیث قدسی ہے:

اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ

یعنی ''میرے دوست میری قبا میں ہیں، میرے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا''۔

؎ حاصل اندر وصل چوں افتاد مرد   گشت دلالہ بہ پیش مرد سرد

''بنگام وصل و وصال میں جو مشکلات مرد کو درپیش آئیں، ان کو دیکھ کر مرد کے سامنے دلالہ بھی افسردہ وخاموش ہوگئی''۔

صوفی اور ہمہ اوست:

صوفی ہمہ اوست کو صحیح و درست سمجھتا ہے۔ کیونکہ صوفی جب منزل توحید میں پہنچتا ہے اور اس پر توحید کا انکشاف ہوتا ہے تو اسے ہر شے میں ذاتِ واحد کا نظارہ نظر آتا ہے۔ ہر شے میں ذات واحد کی جلوہ گری دیکھ کر نعرۂ ہمہ اوست لگاتا ہے۔

ہمسایہ وہم نشیں و ہمراہ ہمہ اوست　　در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرو نہاں خانہ جمع　　باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

''درحقیقت ہمسایہ وہم نشین اور رفیق سفر سب وہی ہے ـــــ فقیر اور گدائے بے نوا کی پھٹی ہوئی گدڑی میں بھی وہی ہے ـــــ اطلس پوش بادشاہ کے لباس میں بھی وہی پوشیدہ ہے ـــــ گوشہ تنہائی میں بھی وہی ہے ـــــ سب کے بھرے پرے گھروں میں کیا' محفل کیا' تنہائی بخدا سب کچھ وہی ہے اور سب کچھ وہی ہے۔''

عبادت کس لیے؟

عبادت اپنی شناخت کا ذریعہ ہے، کیونکہ آئینۂ دل کو جب تک مصقلہ عبادت سے صاف نہ کرو گے۔ معرفت نفس محال ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَّصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔

''اپنے نفس کی شناخت خدا کی شناخت ہے۔ جس طرح آئینہ صیقل کرنے سے ہر ایک چیز اس کے اندر نظر آتی ہے۔ اسی طرح عبادت و مجاہدہ سے انسان پر اپنے اوصاف و کمالات ظاہر ہو جاتے ہیں۔

بہ طاعت کوش گر عشق بلا انگیز ے خواہی
متاعے جمع کن شاید کہ غارت گر شود پیدا

''تو طاعت و عبادت میں سخت کوشش کر۔ اگر عشق بلا انگیز چاہتا ہے تو کچھ اور متاع و دولت پیدا کر لے، شاید کوئی لوٹنے اور تباہ کرنے والا بھی

آجائے۔"

جب تک معرفت تامہ حاصل نہ ہو عبادت نہایت ضروری ہے۔ حضرت منصور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"میں اپنی عبادت آپ کرتا ہوں، کیونکہ ہر شخص اپنے کام کو آپ ہی خوب کرسکتا ہے۔"

یعنی خاص لوگ ماسوئی اللہ کو نفی کر کے اپنی عبادت آپ کرتے ہیں۔ اسی کا نام مشاہدہ ہے یعنی "اپنے آپ کو دیکھنا۔"

معرفتِ تامہ کے بعد عبادت:

معرفت تامہ کے بعد عبادت شرک ہے۔ محبوب سبحانی غوث صمدانی قطب الاقطاب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وَمَنْ اَرَادَلِلْعِبَادَتِ بَعْدَ الْوُصُوْلِ فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

"جس نے ارادہ کیا عبادت کا بعد وصول کے، پس تحقیق اس نے شرک کیا خدائے عظیم کے ساتھ"۔

وصول سے مراد سیر فی اللہ ہے۔ یعنی "معشوق میں عاشق کی سیر"۔ یہ سعادت فنائے صفاتِ بشریت اور حقیقی بے اختیاری کے ظہور کے بعد میسر آتی ہے۔ اس مقام میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ عبادت کا شعور دوئی میں ہوتا ہے۔ عارفوں کے نزدیک دوئی شرک ہے —— جبکہ یکتائی ہوگئی تو دوئی چہ معنی دارد!

شاعر کہتا ہے:

؎ جز برائے یاری و تعلیم غیر — سرد باشد راہ خیر از بعد خیر

"سوائے دوستی و یاری اور تعلیم کے لیے اور کسی بات کے لیے نہیں، کیونکہ نیکی کے بعد نیکی کی راہ ٹھنڈی ہوتی ہے۔"

؎ آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی — جہل باشد بر نہادن صیقلی

"وہ آئینہ جو خود ہی صاف و شفاف اور چمکدار ہو، اس پر صیقل کرنا جہالت کی بات

ہے۔“

؎ پیش سلطاں خوش نشستہ در قبول　　جہل باشد جستن نامہ ورسول

”بادشاہ کے سامنے جبکہ روبرو تو خوش وخرم بیٹھا ہوا ہو، اس وقت نامہ و نامہ بر کو ڈھونڈنا بے وقوفی ہے“۔

؎ آں مریدے پیش شیخ نامدار　　نام حق مے گفت بیروں ازشمار

”جیسے کہ ایک مرید نے اپنے شیخ کامل کے سامنے بے شمار بار نام حق لیا تو۔

؎ شیخ گفت او را کہ اے بس نا تمام　　در حقیقت نیست حق را ہیچ نام

شیخ نے اس سے کہا:

”اے ناقص و ناتمام! ایسا نہ کر کہ حقیقت میں حق کا کوئی نام ہی نہیں ہے“۔

مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ لَا یَقُوْلُ اللّٰہَ یعنی جس نے خدا کو پہچان لیا، وہ خدا نہیں کہتا۔

ع آں راکہ خبر شد خبرش باز نیاید

اور جس کو حقیقت کی کچھ خبر ہوگئی، پھر اس کی کچھ خبر ہی نہیں آئی، وہ خود ہی کھو گیا۔

؎ دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا ہرگز　　ڈھونڈا تو کہیں پتہ نہ پایا ہرگز
کھونا پانا ہے سب فضولی اپنی　　یہ خبط نہ ہو مجھے خدایا ہرگز

وَمَنْ عَرَفَ رَبَّہٗ فَکَلَّ لِسَانُہٗ یعنی جس نے (اپنی دانست میں) اپنے رب کو پہچان لیا، پس گونگی ہوگئی زبان اس کی۔

ع جب کہ مہر علی ایہہ جائیں بولن دی

وَمَنْ یَقُوْلُ اللّٰہَ لَا عَرَفَ اللّٰہَ یعنی ”جو اللہ کہتا ہے اس نے اللہ کو نہیں پہچانا۔

؎ ایں مدعیان و طلبش بے خبر انند

یعنی ”یہ (جھوٹے) دعویٰ کرنے والے اس کی طلب وتلاش میں حیران ہیں۔“

؎ جو چاہئے وہ تو، ہے ازل سے موجود　　حاصل ہے مراد اور مہیا مقصود
کیا بات ہے اہتمام جہد و طاعات　　کیا چیز ہے اعتبار عبد و معبود

لیکن جب تک معرفت میں یقین کا مرتبہ کما حقہ حاصل نہ ہو جائے عبادت واجب

ہے، بلکہ فرض عین ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ

یعنی "اللہ کی یہاں تک عبادت کر کہ تجھے یقین آ جائے۔"

یعنی موت ارادی یا غیر ارادی —— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا عَرَفْنٰکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ

یعنی "ہم نے تجھے نہیں پہچانا، جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ معرفتِ تامہ محال ہے۔ لہٰذا ترک عبادت گناہ کبیرہ و نادرست ہے، بلکہ فقیر پر فرض عین ہے کہ عبادت میں کوئی عذر و دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔

اُمیدِ جنت اور خوفِ دوزخ میں عبادت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا

"اور شریک نہ کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو۔"

یوں امید جنت اور خوفِ دوزخ میں عبادت کرنا شرک ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا گزر ایک عابد و زاہد قوم سے ہوا —— آپ نے دریافت فرمایا:

"تم کس کے لیے عبادت کرتے ہو؟" —— کہا:

"امید جنت اور خوف دوزخ میں۔"

آپ نے فرمایا:

"مخلوق سے امید وخوف رکھتے ہو، میں تم سے نہیں ہوں۔"

پھر دوسری عابد وزاہد قوم سے گزرے اور وہی سوال کیا۔ انہوں نے کہا:

"ہم بغیر مزد خدا کو یاد کرتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"میں تم سے ہوں۔"

پس کی امید وخوف سے عبادت کرنا شرک ہے۔

خواص کی عبادت:

خواص کی عبادت برویت حق ہوتی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معراج شریف میں تشریف فرما ہوئے تو رویت حق (کہ نعمائے عظمیٰ الٰہی سے ہے) آپ کو نصیب ہوئی۔ امام احمد سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

رَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ

بعض محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ مگر معراج سے مراد ہی دیدار ہے ورنہ معراج بے کار — چنانچہ معلوم ہوا کہ نتیجہ معراج رویت حق ہے۔ یہ حدیث پاک بھی ہے:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ

یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے، "یعنی رویت" — پھر ارشاد فرمایا:

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ

یعنی "بغیر مشاہدہ کے نماز مردود ہے۔"

اس نماز سے افضل کوئی عبادت نہیں، جو حضور قلب سے ہو۔ اسی لیے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

یعنی "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ یعنی رویت حق۔"

اور یہ رویت حاصل نہیں ہوتی مگر موت کے بعد۔ حدیث پاک میں ہے:

اِنَّ اَحَدَکُمْ لَمْ یَرٰی رَبَّہٗ حَتّٰی لَا یَمُوْتُ

یہاں موت سے ظاہری مرگ مراد نہیں بلکہ مرگِ ارادی مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا مراد ہے۔

نے چناں مرگے کہ در گورے روی ۔۔۔ بلکہ از ظلمت سوئے نورے روی

"وہ موت اس طرح سے نہیں کہ تو مر کر قبر میں جائے بلکہ تو ظلمت وحجاب سے نور

وظہور کی طرف جائے۔"

اور یہ موت مرشد کامل کی مدد سے ملتی ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ـــــ خاصان حق کی عبادت برویت حق ہوتی ہے ـــــ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الہامات میں سے ہے:

مَنْ لاَ مِعْرَاجَ لَہٗ لاَ صَلوٰۃَ لَہٗ

یعنی "جس کو معراج نہیں اس کی نماز نہیں۔" ـــــ نماز میں اگر دیدار الٰہی نہیں تو وہ نماز بھی نہیں۔

؎ نماز زاہداں سجدہ سجود است نماز عاشقاں ترک وجود است

"زاہدوں کی نماز تو سجدہ سجود اور عبادت ظاہری ہے، مگر عاشقان الٰہی کی نماز اپنے وجود و خودی ہی کو ترک کر دینا ہے۔"

عوام کی عبادت:

عوام کی عبادت شرک سے خالی نہیں۔ آدمی تین قسم کے ہیں:

☆ ـــــ خاص یعنی صاحب مشاہدہ ☆ ـــــ مقلد یعنی صاحب مراقبہ

☆ ـــــ عامی

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

یعنی "اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے، اگر ایسا نہ ہو کہ تو اسے دیکھ سکے، تو وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے۔"

اس حدیث پاک میں دو شخصوں کا حال بیان ہوا ہے:

☆ ـــــ خاص الخاص ☆ ـــــ خاص

☆ ـــــ خاص الخاص یعنی صاحب مشاہدہ:

کیونکہ انسان دو حال سے خالی نہیں یا تو عبادت میں خدا کو دیکھتا ہے۔ یا نہیں!

—— اگر دیکھتا ہے تو معراج سے مشرف ہوا۔اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔اور صاحب معراج صاحب مشاہدہ ہوا اور خاص الخاص ہے۔

☆ ——مقلد یعنی صاحب مراقبہ:

وہ شخص کہ عبادت میں خدا کو نہیں دیکھتا مگر یہ ضرور جانتا ہے کہ خدا میرے دل کو، میری حرکات وسکنات کو، میرے حال واطوار کو دیکھتا ہے—— اور یہ تصور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔اور صاحبِ تصور کو صاحب مراقبہ کہتے ہیں۔

☆ ——عامی:

وہ نہ خدا کو دیکھتا ہے نہ عبادت میں اس کا یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ ناظر ہے اور میں منظور ہوں۔تو وہ یقینی طور پر تقلیدی طور پر ایک سنا سنایا یا مصنوعی خدا بنائے گا۔اور اسی کو اپنا قبلہ بنا کر نماز وعبادت کرے گا۔گویا اس مصنوعی خدا کو عبد نے پیدا کیا۔اس صورت میں عبد خالق اور مصنوعی خدا مخلوق ہوا—— اور مخلوق کی عبادت کرنا شرک ہے۔لہٰذا وہ مشرک ہوا—— بعض کو تو نماز میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میں کیا کرتا ہوں۔اسے تو بس ٹکریں مارنے سے کام ہے۔

؎ بتے می گفت روزے با برہمن	خدائے من توئی اے بندۂ من
مرا بر صورت خود آفریدی	ولیکن خویشتن را خود ندیدی

''ایک دفعہ ایک بت نے ایک برہمن سے کہا: اے میرے بندے میرا خدا تو ہی ہے۔کیونکہ تو نے مجھے اپنی شکل وصورت جیسا بنایا ہے۔مگر سخت افسوس ہے کہ تو نے اپنے آپ کو خود نہیں دیکھا اور اپنی حقیقت ہرگز نہیں پہچانی۔''

گو شریعت نے ایسے مشرک کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا، لیکن اس کی عبادت کا نتیجہ سوائے زبانی بکواس کے کچھ نہیں۔ہاں نیت کا پھل ضرور پائے گا، اور وہ مردہ دل ہے۔جیسا کہ ارشاد ہوا:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ حَاضِرَۃٌ مِّنْ ذِکْرِ الْخَفِیْ فَھُوَ حَیٌّ وَ قَلْبُ الْمُسْلِمِ غَافِلَۃٌ مِّنْ ذِکْرِ الْخَفِیْ فَھُوَ مَیِّتٌ

یعنی ''مومن کا دل تو مشاہدہ سے آگاہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ زندہ ہے ـــــ اور مسلم کا دل مشاہدہ سے غافل ہے، لہٰذا وہ مردہ ہے۔''

بود معلوم ہر آزاد بندہ ۔۔۔ کہ ناداں مردہ و داناست زندہ

''یہ بات کہ ہر آزاد بندے کو معلوم ہو جائے کہ جو نادان ہے وہ مردہ ہے، اور جو عاقل و دانا ہے، وہی زندہ ہے۔''

ذکر خفی ''معائنہ'' ہے ـــــ ذکر روح ''مشاہدہ'' ـــــ ذکر قلب ''وسوسہ'' ـــــ ذکر زبان ''تعلقہ'' ـــــ عوام کو سوائے زبانی بکواس کے کچھ حاصل نہیں۔

اسلام و ایمان کیا ہے، مسلم و مومن کون ہے؟

زبان سے اقرار اسلام ہے ـــــ دل کا یقین ایمان ہے ـــــ زاہد خشک مسلم ہے اور عارف کامل مومن ہے۔ بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ:

''اسلام کی ظاہری بنا پانچ چیزوں پر ہے، اور ایمان کی ظاہری بنا بھی پانچ چیزوں پر ـــــ مسلم اپنا ظاہر آراستہ کرتا ہے اور مومن اپنا باطن۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو کچھ عطا کیا، اور دوسرے کو وہ نہ دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ مومن ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مومن ہے یا مسلم۔''

انہوں نے دوبارہ پھر وہی عرض کیا۔ آپ نے دوبارہ وہی فرمایا ـــــ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا:

''کون سے اعمال بہتر ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام

سائل نے پھر عرض کیا:

''کون سا اسلام افضل ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایمان''

چنانچہ معلوم ہوا کہ اسلام ظاہری فرماں برداری ہے اور ایمان دلی اطاعت۔
اس لیے کہ مومن کو تو مسلم اسلام کہہ سکتے ہیں لیکن مسلم اسلام کو مومن ایمان نہیں کہہ سکتے —— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (پ ۲۶ ع ۱۴)

''گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ تو کہہ دے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم ایمان نہیں لائے، مگر تم کہو کہ ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں بیٹھا ایمان تمہارے دلوں میں۔''

ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ اَفْضَلُ مِنَ الْكَعْبَةِ

یعنی ''مومن کعبہ سے افضل ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ملائکہ سے بہتر ہے۔''

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ از ملائک جان خدا وندان دل باشد افزوں تو تحیر را بہل

''خداوند تعالیٰ کے نزدیک مومن صاحب دل ملائکہ سے بھی زیادہ بزرگ ہیں۔ چاہے تجھے اس میں حیرت وتعجب ہی کیوں نہ ہو، تو تعجب چھوڑ دے۔''

ـ زاں سبب آدم بود مسجود شاں جان او افزوں تر است از بودشاں

''اسی وجہ سے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام مسجود ملائک ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کی جان پاک ان سے برتر تھی۔''

ـ ورنہ بہتر را سجود دوں بری امر کردن ہیچ نہ بود درخوری

''ورنہ بہتر ہستی کم تر ہستی کو سجدہ کرنے سے بری ہے۔ اس معاملہ میں ان کو حکم دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ (حضرت آدم علیہ السلام کی فضلیت ہی کی وجہ سے فرشتوں کو حکم سجدہ دیا گیا تھا۔''

ـ کے پسند د عدل و لطف کردگار کے گلے سجدہ کند در پیش خار

''اگر ایسا نہ ہوتا تو کب اللہ تعالیٰ کردگار کا عدل و انصاف اور لطف و کرم اس کو پسند کرتا۔ اور بھلا کب پھول کانٹوں کے سامنے سجدہ کرتے۔''

یادرہے کہ ایمان کامل علم معرفت پر موقوف ہے۔ جب تک کہ عرفان کامل نہ ہو ایمان کامل نہیں ——— حدیث پاک میں ہے کہ ایک روز صحابہ کرام نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''خدائے پاک کا علم''

صحابہ نے عرض کیا:

''ہم اعمال کو پوچھتے ہیں، اور آپ علم ارشاد فرماتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل کارآمد ہوتا ہے، اور جہالت کے ساتھ بہت سا عمل بھی بے سود ہوتا ہے۔''

یعنی معرفت الٰہی کے بغیر عمل کچھ کام نہیں آتا۔ وَلَیْسَ بِمُؤْمِنٍ اَنْ یَجْمَعُوْن فِی الْمَسَاجِدِ وَیَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ رَسْمِی''

یعنی ''رسمی کلمہ کہنے والے حقیقت سے بے خبر ہیں اور وہ مومن نہیں۔ کیونکہ نہ کلمہ کی

مراد سے واقف نہ مقصود سے آگاہ۔"؟

چنانچہ ایسے کلمہ گو عارفوں کے نزدیک مشرک ہیں۔ اس لیے کہ زبانی تعلقہ کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ کس کی نفی ہے اور کس کا ثبات —— اس سے معلوم ہوا کہ مسلم قالی ہے اور مومن حالی —— بعض علماء کے نزدیک مومن اور مسلم ایک ہی ہے۔ قرآن کریم میں چند مقام پر مسلم بمعنی مومن آیا ہے۔

کس کی نفی کس کا اثبات:

معروف ہے کہ اَلْوُجُوْدُ وَاحِدٌ غَیْرَہٗ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ تو پھر کس کی نفی کس کا اثبات —— بات یہ ہے کہ نفی تو انانیت و غیریت کی ہے۔ جس کا وہم وسوسہ دل میں سما گیا ہے اور یہی شرک ہے —— اور اثبات وجود مطلق کا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہے۔

؎ برہان و دلیل عین گمراہی ہے نفی و اثبات محض جان کاہی ہے

اس راہ میں عبارت و اشارت ہے گم یہاں ترک خودی اصول آ گاہی ہے

جنت و دوزخ کس کے لیے:

یہ بات مسلم ہے کہ اَلْوُجُوْدُ وَاحِدٌ غَیْرُہٗ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ تو جنت و دوزخ کس کے لیے ہے —— یہ دونوں انا کے لیے ہیں۔ یعنی جس نے نیکی و بدی کو اپنی طرف منسوب کیا، وہ بہشت و دوزخ کا مستحق ہے۔

؎ تا نمردی و نہ گشتی زندہ رو باغنی باشی بہ شرکت ملک جو

یعنی "جب تک تو مرے گا نہیں، زندہ رو نہیں ہوگا۔ تو غنی کے ساتھ ہو اور فرشتوں کی شرکت تلاش کرے۔"

؎ ور شدی زندہ بوے آن خود ویست وحدت محض است آن شرکت کی است

"اور اگر تو اس کے تحت زندہ ہوا تو یہ بھی خود دوئی ہے۔ وحدت تو محض ہی ہے، اس میں شرکت کب ہے!"

حدیث پاک میں ہے کہ رب العزت نے فرمایا:

انا عند ظن عبدی فلیظن بی ما شاء

یعنی "میں اپنے بندے کے گمان میں ہوں، جو چاہے مجھ سے گمان کرے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ

"یہ وہی تمہارا گمان ہے جو رکھتے تھے اللہ کے ساتھ۔ اس نے تم کو کھپایا۔ پس ہوگئے تم آج ٹوٹے میں (نقصان اٹھانے والوں میں۔" پ۲۴ ع ۱۷)

جنت دوزخ ہیں کیا!:

عوام کے لیے جنت و دوزخ وہی ہیں جو شریعت میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے ـــــ خواص کے لیے طریقت میں وصال یعنی قرب اور حجاب کا مرتفع ہونا بہشت ہے، اور فراق یعنی حجاب وغفلت دوزخ ہے۔

؎ دوزخ و جنت ہمی دانی کہ چیست   جز فراق و جز وصال یار نیست

"تو جانتا بھی ہے کہ دوزخ و جنت کیا ہے ـــــ سوائے وصال وفراق یار کے اور کچھ نہیں ہے۔"

؎ وہ دوزخ فراق جہاں میں ہوں تو نہ ہو

وہ جنت وصال جہاں تو ہو میں نہ ہوں

تقدیر کیا ہے؟

تقدیر کے لغوی معنی ہیں "اندازہ کرنا" ـــــ مراد یہ ہے کہ ازل سے ابد تک جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یا ہوگا، ہر ایک شے کا ٹھیک ٹھیک اندازہ علم الٰہی میں موجود ہے ـــــ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (پ ۲۷ ع ۱۰)

یعنی "ہم نے پیدا کیا ہر شے کو پہلے اندازہ کرکے۔"

کیونکہ اس کا علم قدیم اور زمان و مکان کو محیط اور تمام ذرّاتِ موجودات پر حاوی ہے ـــــ جو کچھ ظہور ہوتا ہے۔ اسی اندازہ کے مطابق ہوتا ہے، سرمو فرق ممکن نہیں۔

اس لیے کہ اس کا علم کامل ہے ناقص نہیں ـــــ جس طرح ایک استاد معمار یا انجینئر کا مکان سے پہلے اپنے قوائے عقلی وذہنی سے اس مکان کا پورا نقشہ تجویز کر لیتا ہے جس کی تعمیر مقصود ہوتی ہے۔ ـــــ چنانچہ وقت کا ظہور کہ جس نے یہ نقشہ ثبت کیا، نقشہ پر مقدم ہے۔ شرع کی زبان میں اسے لفظ ''قلم'' سے تعبیر کرتے ہیں ـــــ ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے خلقت میں سے اوّل قلم کو پیدا کیا ـــــ چنانچہ فرمایا: ''لکھ:''

ـــــ کہا: ''کیا لکھوں؟'' ـــــ فرمایا: ''لکھ تقدیر کو۔''

ـــــ چنانچہ لکھا کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔''

وہ قوت کہ جس پر یہ نقشہ ثبت ہوا ''لوح محفوظ'' سے تعبیر کی جاتی ہے۔ جیسا کہ سورہ بروج میں ارشاد ہوا: فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

پھر جو کچھ استاد کامل نے در و دیوار و سقف و بام کا اندازہ نقشہ میں لکھ دیا ہے، اس کے موافق تعمیر شروع ہوتی ہے۔ یعنی جو کچھ تقدیر الٰہی میں ہے اسی کے موافق ظہور پکڑتا ہے، ایک ذرہ بھر تبدیل نہیں ہوسکتا ـــــ اگر کوئی کچا اناڑی استاد ہوتا تو بگاڑتا بناتا محو اثبات کرتا۔ یہاں عیب ونقصان کی گنجائش ہی نہیں۔ چنانچہ تقدیر الٰہی میں تغیر وتبدل ہو تو کیونکر ہو۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اے ابو ہریرہ! سوکھ گیا قلم اس چیز پر کہ تو ملنے والا ہے ـــــ اور خشک ہوا قلم اللہ کے علم پر (یعنی اس کی تقدیر میں تغیر وتبدل نہیں۔''

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

میں نے دس برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی ہے۔

☆ ـــــ اگر میں نے کوئی کام کیا تو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ ''تو نے کیوں کیا۔''

☆ ـــــ اور اگر نہ کیا تو یہ نہ فرمایا کہ: ''تو نے کیوں نہ کیا۔''

☆ ـــــ اور جو چیز ہوگئی تو اس کو یہ نہ فرمایا کہ: کاش نہ ہوتی۔''

☆ ــــاور اگر نہ ہوئی تو یہ نہ فرمایا کہ: کاش ہوتی۔"

اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی مجھ سے جھگڑتا تو آپ فرماتے:

"اسے چھوڑ دو۔ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے وہی ہوگا۔"

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ہر شے تقدیر میں ہے یہاں تک کہ نادانی و دانائی۔"

ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سوال کیا:

"علی مجھے خبر دو تقدیر سے۔"

آپ نے فرمایا:

"یہ راہ بہت دور دراز ہے، اس میں نہ پڑ۔"

اس نے پھر وہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا:

"یہ دریا ناپیدا کنار ہے، اس میں مت گر۔"

اس نے پھر وہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا:

"یہ راز الٰہی ہے، اس کی تفتیش مت کر۔"

غرض کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بخوف شرع شریف یا سائل کی قابلیت پر نظر کر کے اس قابل نہ پایا اور جواب نہ دیا ــــ فی الحقیقت اس دریا کا غواص ہر کس و ناکس نہیں ہوسکتا۔

؎ اسرار حقیقت را ہر دل نبود قابلیں   در نیست بہر دریا زر نیست بہر کانے

"اسرار حقیقت سے واقف ہونے کے لیے ہر دل لائق و قابل نہیں ہوتا۔
کیونکہ ہر دریا میں موتی نہیں ہوتے اور ہر کان میں سونا نہیں ہوتا۔"

تدبیر کیا ہے؟

تدبیر کے معنی ہیں:

☆ ——کسی کام کے پیچھے پڑنا، یا
☆ ——کام کے انجام پر نظر کرنا۔
☆ ——عرف میں تدبیر کو غیر تقدیر کہتے ہیں۔

معاشرے میں ایک باریک مغالطہ ہے، وہ یہ کہ ہم تدبیر کے انجام و نتیجہ کو تقدیر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ من اولہ الیٰ آخرہ ہماری جملہ حرکات ہمارے جمیع کاروبار عین تقدیر ہیں۔—— غرض کوئی خیال، کوئی تصور، کوئی قول، کوئی فعل خارج از تقدیر نہیں۔ کیونکہ علم الٰہی میں ہر چیز کا اندازہ ازل سے ابد تک موجود ہے—— اگر کوئی

☆ ——کوئی پیاسا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے کہ تقدیر میں ہوگا تو مل ہی جائے گا، کوشش سے کیا حاصل۔

☆ ——یا یہ خیال کر کے اپنی سعی و کوشش سے پانی بہم نہ پہنچاؤں گا تو بالضرور مر جاؤں گا۔ طلب و تلاش میں مشغول ہوا۔

تو یہ دونوں صورتیں عین تقدیر ہیں—— مسند احمد و ابن ماجہ و ترمذی شریف میں یہ حدیث پاک ہے کہ ابی خزاعہ سے اس کے باپ نے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! مجھ کو خبر دیجئے منتروں کی کہ پڑھواتے ہیں اور دوا کی ہم دوا کرتے ہیں، اور بچاؤ کی چیز کی یعنی سپر وغیرہ کہ ہم اس کے سبب بچتے ہیں—— کیا اللہ کی تقدیر سے کچھ شے پھیر دیتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر سے ہیں۔''

یعنی یہ تدبیریں بھی خلاف تقدیر نہیں۔

کیا انسان مختار ہے؟

انسان کو مطلق اختیار نہیں محض معذور و مجبور ہے۔ انسان کی نیکی بدی، ہدایت و گمراہی، حرکات و سکنات تمام قبضہ قدرت میں ہیں جیسا کہ ارشادات باری ہیں:

☆ ــــ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ــــ یعنی "تو کہہ سب اللہ کی طرف سے ہے"۔
(پ۵، ع۷)

☆ ــــ وَلَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (پ۲۰، ع۹)
یعنی "بغیر حکم الٰہی ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جابجا فرمایا:
☆ ــــ ہم نے کسی کو کچھ اختیار نہیں دیا۔
☆ ــــ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔
☆ ــــ کسی کو طاقت نہیں جو بغیر ہمارے حکم کے کوئی کچھ کر سکے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ارشاد باری ہے:
اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ
"تحقیق تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے۔"

امام مسلم سے روایت ہے کہ عمران ابن حصین نے روایت بیان کی کہ ایک شخص نے عرض کیا:
"کیا بہشتی دوزخیوں سے شناخت کیے گئے۔"
یعنی کیا پہلے سے جدا ہو چکے ہیں ــــ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا: "ہاں!"
پھر عرض کیا:
"پھر لوگ عمل کیوں کرتے ہیں؟ ــــ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"ہر شخص اسی کو کرتا ہے جو چیز اس کے لیے پیدا کی گئی ہے یا اس کے لیے آسان کی گئی ہے۔"

ایک اور حدیث پاک امام مسلم نے بیان کی ہے۔ عمران ابن حصین سے روایت ہے کہ مزینہ کے دو افراد نے عرض کیا:
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہ ہمیں اس چیز کی خبر دیجئے کہ لوگ کرتے

ہیں آج کے دن، اور محنت کرتے ہیں ــــ اس میں:

☆ ــــ ایک چیز ہے کہ مقدر کی گئی ان پر اور گزر ا ان میں تقدیر سے کہ ہو چکی ہے،

☆ ــــ یا اس چیز میں آئندہ ہونے والا ہے اس چیز سے کہ لایا ان کے پاس ان کا نبی اور ثابت ہوئی دلیل ان پر۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں بلکہ ایک چیز ہے کہ مقدر ہو چکی ان پر یا گزر گئی ان پر ــــ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے:

''قسم ہے جان کی کہ ٹھیک بنایا اس کو، پھر اس کے دل میں ڈالی بدکاری اور پرہیز گاری۔''

یعنی کیا قضا و قدر پہلے سے نہیں ہے۔ اب پیغمبر علیہ السلام لے کر آئے ہیں اور لوگ اپنے اختیار سے افعال کرتے ہیں ــــ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں نیکی و بدی سب خدا کی طرف سے ہے۔''

غرض کہ اکثر آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ بندہ بالکل بے اختیار ہے ــــ لیکن شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''بندہ کچھ مجبور ہے اور کچھ مختار ہے۔''

عقائد نسفی میں لکھا ہے: ''اَللّٰہُ خَالِقٌ وَالْعَبْدُ کَاسِبٌ''

یعنی ''اللہ تعالیٰ خالق افعال ہے اور بندے کے سب افعال اور اسی پر جزا و سزا مقرر ہے۔''

؎ گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

یعنی ''اگر میں کچھ کہوں تو مشکل ہے، اور اگر کچھ نہ کہوں تو بھی مشکل ہے۔''

؎ درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

''تو نے مجھ کو دریا کے بھنور اور گڑھے میں قید کر دیا ہے اور مجھ کو تختہ سے باندھ کر پھر مجھے کہتا ہے کہ خبردار ہوشیار رہ اپنا دامن ہرگز نہ تر کرنا۔''

جب ہر بات طے ہے تو پھر:...........

جب یہ بات کارخانہ قدرت میں پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے تو پھر ثواب و جزا کی امید اور عذاب و سزا کی وعید (دھمکی) کیوں دی جاتی ہے ـــــ امام محمد غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اپنے غلام کو، جو دور تھا، سواری و خلعت و زادِ راہ بھجوایا کہ دربارِ سلطانی میں حاضر ہو ـــــ اب اس میں دو صورتیں ہیں:

☆ ـــــ یا تو بادشاہ کو اس کی ذات سے کچھ فائدہ مقصود ہے، یا

☆ ـــــ یہ کہ وہ قربِ سلطانی سے عزت پائے۔

چنانچہ پہلی صورت شانِ الٰہی کے خلاف ہے جبکہ دوسری صورت ممکن ہے۔ لیکن اس غلام نے بھجوائے گئے انعام کو اسی خدمت میں صرف کیا تو وہ شاکر ہے ورنہ کافر ـــــ اور اگر انعام لے کر دور بھاگ گیا تو سب سے زیادہ کافر ہوا ـــــ اسی طرح اللہ کریم نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ہر طرح کے انعامات سے مشرف کیا تا کہ قرب حاصل کرے نہ کہ دوری ـــــ ارشادِ باری ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ، ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ

(پ۳۰، سورہ والتین)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایسے آلات ہیں جن سے بندہ اسفل السافلین سے ترقی کر کے درجہ سعادت قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے ـــــ اس میں بندے کا فائدہ ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا، خواہ بندہ قریب ہو یا دور۔ اگر اس کی نعمتیں اطاعت میں استعمال کرے گا تو شاکر کہلائے گا ورنہ کافر ـــــ اگر بے کار رکھے گا تو یہ بھی کفرانِ نعمت ہے ـــــ دُنیا میں جو چیز مخلوق ہوئی ہے وہ اسی لیے ہے کہ بندہ اس کے سبب سے سعادتِ اخروی تک پہنچے اور قربِ الٰہی حاصل کرے۔

اس سے واضح ہوا کہ ہر ایک اطاعت گزار اپنی اطاعت کے باعث ان انعاماتِ الٰہی کا شکر گزار ہے جنہیں اطاعت میں استعمال کیا ہے ـــــ اور جو کسل مند ہے، وہ

سرے سے استعمال ہی نہیں کرتا، وہ یا تو نافرمان ہے کہ ان کو طریق بعید میں صرف کرتا ہے تو وہ کافر ہے کہ مرضی مولیٰ کے موافق عمل میں نہ لایا—— غرض کہ طاعت و معصیت دونوں کو مشیت ایزدی شامل حال ہے، لیکن اچھا برا معلوم ہونا یہ مشیت کے علاوہ ہے۔ اس لیے کہ بعض خواہش کی چیز محبوب ہوتی ہے اور بعض مکروہ۔ چنانچہ نعمت الٰہی کو اس کی مرضی کے موافق استعمال کرنا بھی شکر ہے۔

شکر سے مراد یہ ہے کہ نعمت الٰہی کو جس طرح اس کو محبوب ہو، صرف کرے—— جو نعمت الٰہی اسی کے فعل سے ایسی جگہ صرف ہوئی ہو جو اس کو محبوب تھی تو یہ بھی شکر ہے، اور آدمی کا فعل اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے—— مگر چونکہ اس فعل کا محل انسان ہے، اس لیے انسان کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور تعریف کا ہونا یہ انسان پر دوسری نعمت الٰہی ہے۔ کیونکہ وہی دیتا ہے، وہی تعریف کراتا ہے—— اسی کے کاموں میں سے ایک کام ایک بات کا باعث ہوا کہ دوسرا فعل وجہ محبت میں صرف کیا جائے تو بہرحال اسی کا شکر چاہیے——

انسان کو شاکر اس غرض سے کہتے ہیں کہ انسان عارف یا عالم ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ عرفان و علم کا موجد ہے، بلکہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ عرفان و علم کا محل ہے۔ حالانکہ ان کا وجود آدمی میں قدرت ازلیہ سے ہے، وہ خود ایجاد نہیں کرسکتا۔ پھر اس کو شاکر کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ بھی کوئی چیز ہے۔ اور کچھ شے اس لیے ہے کہ اسی نے شے بنایا ہے، اور اگر اس کے بنانے کا لحاظ اٹھا دیا جائے تو لاشے محض ہے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا:

''جب سب چیزوں کا پہلے سے ہی طے ہے تو عمل سے کیا فائدہ!''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِعۡمَلُوۡا کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ (بخاری ومسلم)

یعنی ''عمل کرو اس لیے کہ ہر ایک شخص کو وہی میسر آئے گا جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔''

اس سے ظاہر ہوا کہ خدا کی مخلوق قدرت کے جاری ہوتے اور اس کے فعل کا محل ہے۔ گو خلق خود بھی اس کے افعال میں سے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا بعض فعل بعض کا سبب ہوتا ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں لفظ اِعْمَلُوْا ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلا ہے۔ مگر وہ بھی افعال الٰہی میں سے ایک فعل ہے۔ اس بات کا سبب یہ ہے کہ خلق کو معلوم ہو جائے کہ عمل کرنا مفید ہے۔ لوگوں کا جاننا بھی خدا کا ایک فعل ہے، اور وہ بھی ایک اور بات کا سبب ہے۔ یعنی علم ہی کے باعث حرکات وطاعات کا ارادہ پختہ ہوتا ہے۔ پھر ارادہ وشوق بھی فعل الٰہی ہے۔ جبکہ حرکت اعضاء کا سبب ہے، اور حرکت اعضاء بھی اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ہے —— اسی طرح سب باتیں اس کے افعال میں سے ہیں، مگر ایک دوسرے کا سبب ہوتے ہیں۔ یعنی ایک فعل دوسرے فعل کی شرط ہوتی ہے۔ جیسے جسم کا پیدا ہونا عرض کے لیے شرط ہے۔ اور حیات کا ہونا علم کی پیدائش کے لیے شرط ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں، اور اسی اعتبار سے ایک دوسرے کے لیے سبب ہیں۔ ان کے سبب ہونے سے یہ مقصود نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے موجد ہیں۔ بلکہ یہ غرض ہے کہ غیر کے حاصل ہونے کے لیے شرط ہیں کہ

''اوّل ہو چکے تو دوسرا ہو''

جیسے کہ اوّل جوہر ہو چکے تو زندگی ہو —— جب زندگی ہو چکے تو علم پیدا ہو —— پھر علم ہولے تو ارادہ پیدا ہو —— اسی طرح آدمی تحقیق کرے گا تو ذات الٰہی تک ترقی کر جائے گا۔

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے:

یہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ جب ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ واختیار میں ہے تو پھر ہم کو یوں کیوں حکم ہوا ہے کہ:

''عمل کرو، جو نافرمانی کرو گے تو عتاب وعذاب ہوگا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم الٰہی ہم میں ایک اعتقاد کے آنے کا سبب ہوتا ہے —— اعتقاد سبب ہے پیدائش خوف کا —— اور جوشِ خوف باعث ہے ترک

شہوات کا اور دُنیا سے اعراض کا، جس سے اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ یہی ترتیب اسباب ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ:

☆ —— جو شخص ازل میں سعید لکھا گیا ہے اس کے لیے یہ اسباب ایسی ترتیب سے میسر ہوتے ہیں کہ مرحلہ وار اس کو جنت میں پہنچا دیتے ہیں۔

☆ —— اور جس کو ازل میں شقی لکھ دیا ہے وہ کلام خدا و حدیث مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشائخ و علماء کرام سے دور بھاگتا ہے، کان نہیں دھرتا اور نہ سننے کی وجہ سے جانتا نہیں، اور نہ جاننے کے باعث خوف نہیں کرتا، اور جب خوف نہیں کرتا تو دُنیا کی محبت کیسے چھوڑے گا —— اور جب تک دُنیا کی رغبت نہ ترک کرے گا، زمرہ شیاطین میں رہے گا۔ جن کی قرارگاہ دوزخ ہے۔

اس گفتگو کو اگر غور سے دیکھو تو ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک قوم جنت میں زنجیروں سے کھنچی چلی جاتی ہے، اور دوسرا گروہ دوزخ میں زنجیروں سے گھسیٹا جاتا ہے۔ یعنی جس کو جنت ملے گی وہ بھی اس کے اسباب کی زنجیروں میں پابند ہے کہ علم و خوف اس پر مسلط ہیں —— اور جو دوزخی ہے وہ بھی اسباب کی زنجیروں میں پابند ہے کہ اس پر غفلت طاری ہے۔ اور خدا کے عذاب سے بے خوف اور مغرور رہتا ہے —— غرض کہ متقی تو جنت میں بزور کھینچے جاتے ہیں اور مجرم دوزخ میں زبردستی گھسیٹے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ مشیت اسی واحد القہار کی ہے جہاں دم مارنے کی جگہ نہیں۔

ایک سربستہ راز ہے کہ جو کھلتا نہیں:

بے شک حکم حاکم میں دم مارنے کی جگہ نہیں۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک سالک نے جو مشعل راہِ نورِ الٰہی رکھتا تھا، سفید کاغذ کو سیاہ دیکھ کر دریافت کیا کہ:

''تو نے اپنا منہ کیوں کالا کیا ہے؟'' —— اس نے کہا:
''بھلا کوئی اپنا منہ آپ بھی کالا کرتا ہے۔ یہ قصور سیاہی کا ہے۔''

پھر سیاہی سے پوچھا تو اس نے کہا:
''میں تو چپ چاپ گوشہ میں بیٹھی تھی، یہ ظلم قلم کا ہے۔''
جب قلم سے پوچھا تو اس نے جواب دیا:
''آپ ہاتھ سے دریافت کریں، میں جس کے قبضہ میں ہوں۔''
پھر ہاتھ سے دریافت کیا تو اس نے کہا:
''میں تو فقط گوشت پوست اور ہڈیوں کی ایک سواری ہوں کہ قدرت نام کا سوار مجھ پر سوار ہوکر اپنے حسب منشاء کام لیتا ہے۔''
پھر اس کی وجہ قدرت سے پوچھی تو اس نے کہا:
''تم مجھے ناحق بدنام کرتے ہو۔ میں تو ہمیشہ اس پر سوار رہتی ہوں۔ کبھی اس کو نہیں ہلاتی۔ لیکن ایک مؤکل ہے (ارادہ) وہ آ کر مجھ سے زبردستی یہ کام لیتا ہے۔''
پھر ارادہ سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا:
''میں ایک انجمن کا ملازم ہوں جس کے ممبر علم و عقل ہیں۔ صدر انجمن حضرت دل ہیں۔ ان کے حکم کا فرماں بردار ہوں۔''
پھر سالک نے انجمن سے دریافت کیا کہ:
''ارادہ کو قدرت کے اٹھانے پر کیوں مجبور کرتے ہو'' —— عقل نے کہا:
''میں تو ایک چراغ ہوں کسی اور نے مجھے روشن کر رکھا ہے۔''
اور دل نے کہا:
''میں لوح بے نقش ہوں، کسی اور نے مجھے پھیلا رکھا ہے۔''
اور علم نے کہا:
''میں ایک نقش ہوں کہ چراغ عقل کی روشنی کے بعد لوح دل پر منقش ہو جاتا ہوں۔ مگر میں خود منقوش نہیں ہوتا بلکہ قلم ہی اس سادہ تختی پر مجھے نقش کر دیتی ہے تو اس قلم سے دریافت کر جو مجھ کو اس تختی پر لکھتی ہے۔''
سالک نے حیران ہو کر کہا:

''ہم نے تو قلم نے وغیرہ دیکھا ہے اور تختی لوہے لکڑی کی —— اور چراغ آگ سے روشن ہوتا ہے —— اور نقش سیاہی سرخی وغیرہ کا —— اور ان میں سے کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی۔ میں دریافت کروں تو کس سے کروں۔

اور عجیب تر یہ ہے کہ صریر قلم سنتا ہوں اور قلم نہیں دیکھتا۔''

علم نے کہا:

''میاں صاحب! پست حوصلہ مت بنو —— گھبراؤ مت! —— کمر ہمت مضبوط باندھو اور مردانہ وار اس منزل مقصود کی راہ لو۔ اور اس تمام راستے کا حال مجھ سے سنو —— تمہارے اس راستے کے تین عالم ہیں:

۱ —— عالم ملک وشہادت ۲ —— عالم ملکوت ۳ —— عالم جبروت

اوّل عالم ملک و شہادت کہ جس میں کاغذ وقلم وسیاہی اور ہاتھ وغیرہ تھے۔ اس عالم کو تم بتدریج طے کر چکے۔

دوسرا عالم ملکوت جو میرے بعد ہے۔ جب مجھ سے آگے بڑھو گے تو اس میں پہنچو گے۔ وہ نہایت دشوار گزار ہے۔ عالم ملکوت جو کہ عالم ملک و عالم جبروت کے درمیان واسطہ ہے، اس میں تم منزلیں طے کر چکے ہو —— یعنی اس کے شروع میں منزل قدرت و ارادہ ہے۔ اس عالم کو ان دونوں عالموں کے درمیان ایسا سمجھو کہ جیسے زمین اور پانی کے درمیان کشتی کی چال ہے۔ یعنی نہ تو وہ پانی کی طرح بے قرار ہے نہ زمین کی مانند ساکن۔

تیسرا عالم جبروت ہے جو اس سے زیادہ سخت مشکل ہے۔ جو شخص زمین پر چلتا ہے وہ عالم شہادت پر چلتا ہے —— اگر اس کی قوت زیادہ ہوئی اور وہ کشتی میں سوار ہو گیا تو گویا وہ عالم ملکوت کی سیر کرتا ہے —— اور اگر اس سے زیادہ قوی ہوا اور پانی پر بغیر کشتی چلنے لگا تو بلا تردد عالم جبروت کی سیر کرے گا —— چنانچہ اگر تم پانی پر نہیں چل سکتے تو خیر پھر جاؤ کہ زمین سے تجاوز کر چکے اور کشتی پیچھے چھوڑی۔ اب تو صرف پانی ہی ہے۔

عالم جبروت کا آغاز یہ ہے کہ جس قلم سے لوح دل پر علم لکھا جاتا ہے وہ دکھائی دے ــــــ اور جس یقین سے پانی پر چل سکتے ہیں، وہ حاصل ہو۔"

سالک نے کہا:

"پانی پر بھی کوئی چل سکتا ہے؟" ــــــ عقل نے کہا:

"وہ حدیث تم نے نہیں سنی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے ــــــ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ اَزْدَادُ یَقِیْنًا لَمَشِیَ عَلَی الْھَوَآءِ

یعنی "اگر ان کو یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا پر چلتے۔"

پھر سالک نے کہا: "اچھا اب راہ کا کچھ نشان تو بتاؤ۔"

علم نے کہا:

"تم میری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھو۔ اگر تم کو وہ قلم جو مجھ کو لوگوں کے دلوں پر منقوش کرتا ہے۔ نظر آجائے تو یقین ہے کہ تم اپنے مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔

کیونکہ جو شخص عالم ملکوت سے بڑھ کر عالم جبروت کے دروازے پر دستک دیتا ہے تو اس کو وہ قلم نظر آنے لگتا ہے۔"

سالک نے کہا:

"میں خوب غور سے دیکھ رہا ہوں لیکن مجھ کو تو وہ قلم نظر نہیں آتا۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سا قلم ہے۔"

علم نے کہا:

"تم نے قرآن شریف میں نہیں پڑھا: اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (پ۳۰، سورہ علق)

یہاں اسی قلم کا ذکر ہے۔ اور تم یہ خوب جانتے ہو کہ گھر کا سامان صاحب مکان کے مناسب ہوتا ہے اور وہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ہے ــــــ تو اس کا قلم و لوح و روشنائی وغیرہ بھی ویسی ہی بے مثل ہونی چاہئے۔ اگر تم کو یہ چیزیں ایسی نہیں سوجھتی ہیں تو تم

مخنث ہو——یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کو پاک و منزہ سمجھتے ہیں، وہ مرد ہیں——اور جو کسی سے تشبیہہ دیتے ہیں وہ مونث۔——اور تم مخنث ہو، نہ ادھر نہ ادھر——چنانچہ اگر تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کے معنی سمجھتے ہو کہ جیسے آدم علیہ السلام کی صورت حواس ظاہری سے محسوس ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی بھی ایسی صورت ہے تو تمہارے تشبیہی ہونے میں کیا کلام ہے——اگر تم سر قلبی سے باطنی صورت کو جانتے ہو تو تم میدان تنزیہہ میں ہو۔ جو وادی مقدس طوئی ہے——اب جاؤ منزل طے کرو۔ کیا تعجب کہ تم کو بھی فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ کا مضمون پیش آئے اور تجلی پر راہ ملے۔''

جب سالک نے علم کی یہ باتیں سنیں تو اپنے قصور سے آگاہ ہو کر معلوم کیا کہ حقیقت میں تشبیہہ و تنزیہہ کے درمیان مخنث ہوں۔ شرمندگی کے مارے اس کا دل پگھل کر تیل بنا۔ اور شوق کی بتی کو علم کی دیا سلائی نے روشن کر دیا۔ اس کا دل نُوْرٌ عَلٰی نُوْر بن گیا۔——

علم نے کہا:

''لو اب غور سے دیکھو۔ شاید تم کو تجلی کی راہ ملے۔''

جب سالک نے بہ تامل دیکھا تو وہ قلم الٰہی نظر آیا۔ قلم سے دریافت کیا:

''تو لوگوں کے دلوں پر ایسا علم کیوں لکھ دیتا ہے جو ارادۂ و قدرت کو اٹھا دیتا ہے۔''——قلم نے کہا:

''یہ بادشاہ کے دائیں ہاتھ سے پوچھ۔'' سالک نے کہا:

''بادشاہ کا دایاں ہاتھ کون سا ہے؟'' قلم نے کہا:

''جس کا ذکر اس آیت میں ہے: وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ پھر دائیں ہاتھ سے سوال کیا۔ اس نے قدرت پر حوالہ کیا۔ قدرت نے کہا:

''میں تو ایک صفت ہوں تو قادر سے دریافت کر۔''

قریب تھا کہ سالک قادر سے سوال کر بیٹھے لیکن استقلال عنایت ہوا اور سراوقات

عظمت وجلال سے یہ ندا آئی:

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ

اس امر کو سن کر سالک ہیبت کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو جناب الٰہی میں توبہ واستغفار کر کے عرض کی:

''یا الٰہی! میں نے نادانی سے قلم وغیرہ کو ناحق مطعون کیا۔ تو مالک ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ مجھ کو توفیق عنایت کر کہ میں تیری ثناء کروں۔''——حکم ہوا:

''تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادتی چاہتا ہے۔ جبکہ وہ لَا اُحْصِی ثَنَا کہہ چکے''——پھر عرض کیا:

''یا الٰہی مجھ کو اپنی معرفت عطا فرما''——حکم ہوا:

''تو صدیق اکبر پر سبقت چاہتا ہے۔ جن کا قول ہے: اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ''——لہٰذا اب یہاں سے جاؤ۔ اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بات کا امر کرے وہ کرو، جس سے منع کرے اس سے باز رہو، اور دم نہ مارو۔''

واہ! سبحان اللہ! زبردست کے بسوے بیس۔

ع نیست کس را زہرہ تا گوید کہ چوں

کوئی ایسا نہیں ہے جو ہر ایک راز کو بیان کرے کہ کیا ہے!

کیا خلق کو فنا ہے؟

اہل تحقیق کے نزدیک وجود خلق اصلی وحقیقی نہیں بلکہ عارضی واعتباری ہے۔ مثلاً قطروں، موجوں اور بلبلوں کا وجود دریا کی ہستی سے جداگانہ نہیں۔ بلکہ دریا ان سب کے ساتھ دریا ہے——لہٰذا دریا کے مقابلے میں اور بالنفس بھی فانی ہیں، ختم ہو جانے والے ہیں، نیست و نابود ہیں——ان کی ہستی، ان کا ہونا صرف اس خیال پر قائم ہے کہ ان کے درمیان باہمی اوصاف کا جو اختلاف ہے، یہ اختلاف ہی ایک کو دوسرے سے منفرد وممتاز کرتا ہے، پہچان دیتا ہے۔

☆ —— قطرے کی شکل وشباہت اور اس کا طرز وانداز موج سے الگ ہے، اور
☆ —— موج کی صورت ووضع اور اس کی چال ڈھال بلبلے سے جدا ہے،
☆ —— بلبلے کا رنگ ڈھنگ اور اس کی آن وادا دونوں سے نرالی ہے۔

جب اجزا کو باہم مقابلہ کرتے ہیں تو ایک خیالی ہستی ان کی قائم ہو جاتی ہے —— ورنہ محیط کل کے مقابلہ میں جزو کی ہستی کا خیال ہی محض فنا ہو جانے والا اور ختم ہو جانے والا، مٹ جانے والا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ

یعنی ''تحقیق تو اور وہ سب میت ومعدوم ہیں۔''

حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اَلْحَقُّ مَحْسُوْسٌ وَّالْخَلْقُ مَعْقُوْلٌ

یعنی ''اصل وجود تو حق ہے، جبکہ خلق حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔''

صرف سمجھ کا پھیر ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی	ہمہ عیستند آنچہ ہستی توئی
زتعظیم تو پیش تو ہست و نیست	اگر باشد وگر نباشد یکے است

''ہر بلند و پست کی بس تو ہی پناہ ہے۔ سب کے سب ہیچ ہیں یعنی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہستی و موجود تو بس تو ہی ہے —— تیری عظمت کے لیے سب تیرے سامنے ہیں بھی اور نہیں بھی۔ اگر یہ سب ہوں تو اور نہ ہوں، سب برابر ہے۔''

یعنی وجود حق اصلی ہے۔ اسی کے ذریعے سے خلق کا وجود قائم معلوم ہوتا ہے۔ جو محض خیالی اور تعین عدمی ہے —— جب اس محیط کل کا وجود قائم ودائم ہے تو خلق کی ہستی یا نیستی (ہونا یا نہ ہونا) دونوں برابر ہیں —— یعنی خلق کا خیال ہی اس کے مقابلے میں نہیں جم سکتا۔ چنانچہ خلق وہ ہے جو حقیقت میں موجود نہیں۔ اس لیے اس کی بقاء کیا اور فنا کیا! —— اگر خلق کو موجود حقیقی مانا جائے تو دو حال سے خالی نہیں:

☆ —— یا عین حق ہے،

☆ —— یا غیر حق ہے! ——

☆ —— اگر عین حق ہے تو خلق ایک بے وجود لفظ ہے۔

☆ —— اگر غیر حق ہے تو یہ کھلا شرک اور محال عقلی ہے۔

؎ شرک زد مملکتش دست سائے ۔ خود نتواں بود بشرکت خدائے

یعنی ''اس کی مملکت میں شرک کی دسترس و گنجائش ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود بخود شرکت ممکن ہی نہیں ہے۔''

کیونکہ موجود حقیقی ایک کے سوا ہو ہی نہیں سکتا —— اگر دو یا زیادہ ہوں تو ہر ایک ناقص ہوگا۔ اور ناقص بذات خود موجود و قائم نہیں رہ سکتا —— لہٰذا وہ موجود حقیقی نہ ہوا بلکہ اس کی ہستی کسی دوسرے کے ذریعے قائم ہوگی —— اور وہ جس کے ذریعے سے ہستی قائم ہے، اس کے مقابلے میں موجود عارضی محض فانی و معدوم ہے۔ اس لیے خلق کی ہستی ایک معدوم ہستی ہے جس کو بالفعل بھی فانی سمجھنا چاہیے نہ یہ کہ اب موجود ہے، اور آئندہ اس پر فنا طاری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (پ۲۰ ع ۱۲)

یعنی ''اور مت پکار اللہ کے سوا اور حاکم۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔ ہر چیز کو فنا ہے مگر وہ آپ —— اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف جاؤ گے۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''هَالِكٌ'' وارد ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فی الحال ہر شے کو فنا ہے —— اگر فنا آئندہ مراد ہوتی تو ''يُهْلِكُ'' فرماتا نہ کہ ''هَالِكٌ'' —— اور غیر اللہ کو پکارنے سے منع فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذات پاک خداوندی کے سوا کوئی موجود حقیقی نہیں ہے —— اور جو بذات خود موجود نہیں وہ فانی ہے۔ چنانچہ دوسرے فانی کو پکارنے سے کیا فائدہ —— یا یہ کہ اس ذات پاک کے ہوتے ہوئے دوسرے کو موجود سمجھ کر نہ پکارو —— کیونکہ جو موجود ہے وہ تو عین ذاتِ واحد ہے نہ کہ دوسرا۔

یعنی موجود حقیقی میں دوئی ممکن ہی نہیں۔

ع یکے دو کے شود ار نام گر ہزار کنم

یعنی "جو حقیقت میں ایک ہے وہ کب دو ہو سکتا ہے اگر میں ہزار نام بھی لوں۔"
جن کو تم اشیاء خیال کرتے ہو اور صفات و حالات و اطوار و اشکال کے اختلاف کے باعث ہر ایک کی حقیقت جدا گانہ سمجھتے ہو، درحقیقت ان کا یہ وجود اعتباری ہے ——— جب تعین اور اعتبار کا حجاب دور ہوا تو سب اشیاء ھَالِک "یعنی بالفعل فانی و معدوم ہیں یعنی فنا ہو جانے والی، مٹ جانے والی ہیں ——— اور جو باقی و موجود ہے وہ وجھہ اللہ یعنی ذات خداوندی ہے، اسی کا حکم ہے ——— یعنی یہ فراق و امتیاز احوال و افعال گونا گوں، اور اوصاف و اطوار بوقلموں اسی کی مرضی اور اسی کے ارادہ اور اسی کے حکم سے ہیں ——— وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ اور تصورات و توہمات (وہم و خیال) درمیان سے اٹھ گئے تو بازگشت اسی ذات پاک کی جانب ہے۔ یعنی عین وہی ذات باقی و موجود ہے۔

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر سویٰ اللہ واللہ مافی الوجود

"کہاں غیر اور کون غیر اور کب غیر کا نقش ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے' خدا کی قسم! کوئی وجود موجود ہی نہیں ہے۔"

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا (پ۱۹' ع۳)

"کیا تو اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا! ——— کیسے دراز کیا سائے کو ——— اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا رکھتا ——— چنانچہ کیا ہم نے آفتاب کو سائے کی شناخت پر راہنما ——— پھر پکڑا ہم نے سائے کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ کر۔"

یعنی اپنے رب کی طرف دیکھ، اپنے ذاتی وصف کو کیسے ظاہر کیا کہ وہ ظہور خلق و وجود اشیاء ہے (یعنی اشیاء کو وجود عطا کرنے والا اور خلق کو ظاہر فرمانے والا ہے۔ اگر

چاہتا تو ظاہر نہ کرتا —— پھر آفتاب ذاتِ پاک کو سایہ یعنی اشیاء کی تمیز وشناخت کے لیے دلیل بنا دیا۔ جس طرح آفتاب عالم تاب طلوع ہو کر آہستہ آہستہ عروج کرتا ہے (یعنی بلند ہوتا ہے) سائے کی درازی (لمبائی) اس کے مقابلے میں کم ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کا ظہور وخفی اور وجود وعدم معلوم ومحسوس ہوتا ہے —— اسی طرح آفتاب ذات کا وجود باجود جب منکشف ہوتا ہے (یعنی ذات انسان جب ظاہر ہوتی ہے) تو کائنات کی اشیاء کا وجود بے جود جو سائے کی طرح کالمعدوم ہے (مٹ جانے والا ہے) نیست ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب سمت الراس پر سایہ فگن ہوتا ہے تو سایہ بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے، اور اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ سایہ معدوم وفنا ہو کر اپنی اصل سے واصل ہو گیا۔

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ اس آیت کریمہ کے فائدے میں لکھتے ہیں:

''ہر ایک شے کی اصل اللہ تعالیٰ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر شے وصل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ انتہیٰ۔''

لہٰذا شمس عبارت ہے ذاتِ حق سے اور مدّ الظل مراد ہے ظہور عالم سے —— اور طرز کلام بر سبیل تشبیہ واقع ہوا ہے۔

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ او چو خورشید است و ما چوں سایہ ایم   ہم چو نور و سایہ ما ہمسایہ ایم

''وہ خورشید عالم تاب کی مانند ہے اور ہم سائے کی طرح ہیں، جبکہ ہم سب سائے کی طرح ہمسائے ہیں۔''

؎ تابع نور است سایہ روز و شب   نور خواہی گو بیا سایہ طلب

''اور دن رات کا سایہ نور کا تابع ہے۔ اگر تو نور کو چاہتا ہے تو پھر آ تو سائے کو طلب کر۔''

؎ ہستیٔ سایہ یقیں از نور داں   سایہ را بے شک دلیل نور خواں

"تو سائے کی ہستی کو نور کی وجہ سے یقین کر۔ اور سائے کو بے شک نور کی دلیل سمجھ۔"

؎ نے نماید سالہا از عکس نور ۔۔۔ سایہ را از نور نتواں کرد دور

"برسوں سے یہ نور کے عکس کی وجہ سے نظر آتا ہے۔ اور سائے کو نور سے جدا نہیں کر سکتے۔"

؎ گر نہاں گردد زمانے نور خور ۔۔۔ سایہ ہم ناچیز گردد سربسر

"اگر کچھ عرصے تک سورج کا نور چھپ جائے تو پھر خود سایہ بھی سربسر ناچیز ہو جائے۔"

؎ سایہ ہاچوں محو نور خور شود ۔۔۔ وصل اور ادر زماں در خور شود

"چنانچہ جب سایہ نور خورشید میں محو ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کا وصال لازم ہوتا ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جس طرح بقائے خلق کہ ایک اعتباری امر ہے نہ کہ حقیقی، اسی طرح اس کی فنا بھی خیالی ہے نہ کہ اصلی ـــــ جس کا وجود ثابت نہیں اس کی فنا کیا اور بقا کیا۔

؎ من کہ ہمہ ہستی من نیستی است ۔۔۔ ہستی بے نیست ندانم کہ چیست

"میں کہ جس کی سب ہی ہستی نیستی ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ ہستی بے نیست کیا ہے۔"

تصوف میں فنا کی اقسام:

تصوف میں فنا تین قسم کی ہے:

☆ ـــــ فنا وجودی ☆ ـــــ فنا عدمی ☆ ـــــ فنا الفنا (فناءِ اتم)

(۱)

فناءِ وجودی: یہ ہے کہ کل اشیاء کا وجود عارف کی نظر میں نیست و نابود ہو جائے، اور ہر فرد میں ذات خدا جدا گانہ جلوہ گر ہو ـــــ لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ کے یہی معنی ہیں۔ لیکن اس میں شرک خفی ہے کہ ناظر و منظور مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ بدستور موجود ہے ـــــ

اسی کو فناء وجودی کہتے ہیں۔

(۲)

فنا عدمی یہ ہے کہ عارف کو وجود اشیاء کی بجائے وجود حق جو ادراک ہوا ہے، وہ بھی فنا ہو جائے۔ اور ایک ذات خارج از شے ولا شے ہو اور ماوراء وجود و عدم جلوہ گر ہو۔ اس وقت وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کے معنی منکشف ہوتے ہیں —— لیکن اس میں شرک اخفیٰ ہے۔ کیونکہ ابھی وقوف وادراک باقی ہے جو مستلزم دوئی ہے۔

(۳)

فناء الفناء یعنی فناء اتم یہ ہے کہ وقوف وشعور اور حس وادراک، وجود وعدم کا عین وغیرہ کا، خودی وخدائی کا، یاد و بود کا، ذکر وفکر کا، ہست ونیست کا کچھ اثر باقی نہ رہے —— نہ واحد نہ اثنین، نہ یکی نہ دوئی، نہ خود نہ خدا، نہ فنا نہ بقا سب محو در محو ہو جائیں۔

نہ انکار نہ اقرار نہ تصدیق نہ ایجاب ۔۔ اعمال نہ افعال نہ سنت نہ کتاب

خود ہے نہ خدا ہے نہ خودی ہے نہ خدائی ۔۔ توحید کے دریا میں ہیں سب نقش بر آب

فنا کے جو معنی اوپر بیان کئے گئے ہر کس و ناکس کے فہم و قیاس میں نہیں آ سکتے۔ مگر ہاں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ مخفی راز منکشف کر دے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ —— اور کچھ ضرور نہیں ہے کہ فنا کے جو اطوار و احوال ایک پر منکشف ہوں، اسی طرح ہر سالک پر ہوں۔ بلکہ اس دریائے بے پایاں و بحر ناپیدا کنار میں ہر دم نیا مدوجذر —— اور ہر آن تازہ بتازہ اوج موج ہے —— کسی کو کچھ دکھلایا، کسی کو کچھ سمجھایا —— اس باہمی اختلاف کے باوجود ہر ایک کا علم وانکشاف ہر ایک کا عرفان و ادراک، ہر ایک کی حالت و کیفیت بجائے خود صحیح و درست ہے۔ —— چنانچہ حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ العزیز کے منازل سلوک دیگر اکابر سے جداگانہ ہیں —— لیکن ایک مقام پر خود حضرت عطار نے ایک دوسرے طور پر ذکر سلوک فرمایا ہے:

؎ رہے بے ابتدا و انتہا یست درین رہ جملگی عین صفا یست

''یہ ایک ایسی عجیب راہ ہے، جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اس راہ میں سب کچھ عین صفائی ہے۔''

؎ یقین کن زاد رہ عجزاست اوّل کہ خودبیں گردد اند رہ مبدل

''یقین کر اس میں پہلا زادراہ عجز ہی ہے، کیونکہ اس راستے میں خود بین مبدل و پریشان ہو جاتا ہے۔''

؎ دوم فقراست و نقد جملہ این است کہ نقد رفقر کل عین الیقین است

؎ سوم تسلیم بودن در فنائش چہارم نوش کردن ہر بلائش

''تیسری بات یہ ہے کہ اس کی فنا میں تسلیم کرنا۔ اور چوتھے اس کی ہر بلا کو نوش کر لینا۔''

؎ یقین پنجم فنائے بود اللہ ششم دید یقین مرحضرت شاہ

''پانچویں یہ یقین کرنا کہ ماسوائے اللہ سب فنا ہے۔ چھٹے حضرت شاہ کے دیدار کا خاص یقین رکھنا۔''

؎ عیاں ہفتم نمود نور ذات است ہمہ شاہاں یقین این جائے مات است

''ساتویں نور ذات کی نمود کا عیاں ہونا۔ اس جگہ پر تمام یقین کے بادشاہ فنا ہو جاتے ہیں۔''

؎ ہمہ یک ذات داں ایں جا حقیقت نہ کفراست و نہ دین و نے طریقت

''اس جگہ حقیقت میں سب کو ایک ذات ہی جان۔ یہاں نہ کفر ہے نہ دُنیا ہے اور نہ کچھ طریقت ہے۔''

توحید کیا ہے؟

اَلتَّوْحِیْدُ اِسْقَاطُ الْاِضَافَاتِ مَاسِوَی اللّٰہِ ــــــ یعنی توحید، اضافات کی نفی کرنا ہے جو غیر اللہ ہوں۔

؎ چیست توحید آں کہ از غیر خدا فرد آئی در خلا و در ملا

"توحید کیا ہے یہ کہ تو غیر خدا سے ظاہر و باطن میں یکتا و فارغ ہو جائے۔"

امام غزالی علیہ الرحمہ نے اخروٹ کی مثل توحید کے چار درجے قرار دیئے ہیں۔ اور توحید کا چوتھا مرتبہ روغن کی مانند فرمایا ہے۔ جو سب سے بہتر ہے، اور یہ مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔۔۔۔ جس سے سینے کی کشادگی و نورِ حق مراد ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

☆۔۔۔۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ (پ۸' ع۲)

"سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ کھول دے اس کا سینہ اسلام کے لیے۔"

☆۔۔۔۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ

"بھلا سینہ کھول دیا اللہ نے اسلام پر، چنانچہ وہ نور ہیں اپنے رب کی طرف سے۔" (پ۲۳' ع۱۷)

اس توحید میں دو اعتبار ہیں:

ایک اعتبار تو صرف توحید و وحدت وجود کا ہے۔۔۔۔ جس سے یقینی معلوم ہوتا ہے کہ شاکر و مشکور، محبّ و محبوب ایک ہی چیز ہے۔ یہ توحید ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو موجود نہیں جانتے، اور اس بات کو ہر حال و ہر زمان میں ازلاً و ابداً سچ جانتے ہیں۔ حقیقت میں ہونا بھی یہی چاہئے۔ اس لیے کہ غیر وہ ہوسکتا ہے جس کو بذات خود قیام ہو۔ اس طرح کا غیر کوئی موجود نہیں بلکہ محال ہے۔۔۔۔ کیونکہ موجود حقیقی وہ ہے جو اپنی ذات سے ہو۔ جس کو بذات خود قیام نہیں، وہ بذات خود موجود بھی نہیں۔ جب اس کا قیام غیر سے ہے تو اس کا وجود بھی غیر سے ہوگا۔۔۔۔ لہٰذا اگر ہم صرف اسی کی ذات کا لحاظ کریں اور دوسری جانب نہ دیکھیں تو اس کا وجود یقیناً نہ ہوگا۔۔۔۔ کیونکہ موجود تو وہی ہے جس کو اپنی ذات سے قیام ہے۔۔۔۔ قائم بالذات اس کو کہتے ہیں کہ اگر اس کے غیر کو معدوم فرض کیا جائے تو وہ بغیر کسی نقصان کے بدستور قائم رہے۔۔۔۔

جو اس طرح کا قائم بالذات ہے کہ وہ اپنے وجود کو اور اپنے غیر کے وجود کو قائم رکھتا ہے، اسے قیوم کہتے ہیں —— قیوم سوائے ذات یکتا کے نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے —— اس سے واضح ہوا کہ سوائے ذات حیی و قیوم کے اور کوئی موجود حقیقی نہیں۔ چنانچہ جب اس اعتبار سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مصدر و مرجع وہی ذات واحد ہے —— اسی لیے:

☆ —— وہی شاکر ہے، وہی مشکور،

☆ —— وہی محب ہے، وہی محبوب!

مثلاً اگر کوئی اپنے فعل یا صنعت کی تعریف کرے تو وہ گویا اپنی ہی تعریف کرتا ہے —— یا اپنے فعل و صنعت کو محبوب جانتا ہے تو وہ آپ ہی اپنا محبوب ہے۔ یہ دید چشم توحید کی ہے۔ صوفیاء کرام اس دید کو فنائے نفس کہتے ہیں۔ کہ سالک غیر اللہ سے فنا ہو کر سوائے خدا کے کچھ نہیں دیکھتا۔

دوسرا اعتبار یہ ہے کہ "موجود کو بہ نظر توحید نہ دیکھا جائے" —— یعنی اس کو مقام فناء نفس حاصل نہ ہوا ہو —— ایسے لوگ دو قسم ہیں:

☆ —— ایک تو وہ ہیں کہ موجودات کے سوا اور کو موجود ہی نہیں جانتے، اور اس بات کو برا جانتے ہیں کہ کوئی ان کا معبود ہے۔ جیسے فرقہ دہریہ۔

—— یہ گروہ عقل سے عاری اور آنکھوں سے اندھا ہے۔ کیونکہ جب تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ مخلوقات کو ہمیشہ زوال اور ذات حیی و قیوم قائم بالذات و برقرار ہے۔ یہ لوگ کافر ہیں۔

☆ —— دوسری قسم کے دو گروہ ہیں:

ا —— ایک گروہ وہ ہے جن کی ایک آنکھ کانی بالکل چوپٹ ہے۔ یعنی خدا کو بھی مانتے ہیں، اور دوسری موجودات کو موجود ہ ثابت کر کے پرستش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں:

مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى

یعنی ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے پاس پہنچا دیں۔''——قریب کے درجے میں یہ لوگ مشرک ہیں۔

۲——دوسرا گروہ وہ ہے کہ ان کی آنکھ پھوٹی تو نہیں مگر اس میں دھندلا اور چندھا پن آ گیا ہے۔ کہ ایک کو رب اور دوسرے کو بندہ کہتے ہیں—— یہ گروہ موجود کے ناقص سمجھنے سے حدِ ابتدائے توحید میں داخل ہو جاتے ہیں، گو پورے موحد نہیں ہوتے۔ پھر آنکھ میں اگر سرمہ لگایا جائے اور دھندلا پن کھو دیا جائے تو آنکھ کا جتنا نور بڑھتا جائے گا، ماسویٰ اللہ کا وجود اتنا ہی کم ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ دوسرا وجود بالکل محو ہو کر ذات الٰہی کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ یہ مرتبہ توحید کامل کا ہے۔ انتہیٰ۔

ان دونوں کے درمیان بے انتہا مدارج ہیں۔ اسی سبب سے موحدّین کے درجات مختلف ہوتے ہیں—— جس سرمہ سے آنکھ کا نور زیادہ ہوتا ہے، وہ سرمہ احکام الٰہی ہیں۔ جو رسولوں کی معرفت پہنچے ہیں۔ رسول اس سرمہ کے لگانے والے ہیں کہ سب کو توحید محض کی طرف بلاتے ہیں۔ جس کا مضمون لا الہ الا اللہ ہے یعنی خدائے برحق کے سوا کوئی معبود اصلی نہیں۔

فناء نفس کلی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کا حکم آیا تو آپ نے فوراً ہی سجدہ کیا۔ ذات الٰہی کو افعال میں دیکھا تو عرض کیا:

اَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ یعنی ''میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کی تیرے عذاب سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے فعل کی مدد سے اسی کے فعل سے پناہ مانگی۔ پھر یہاں سے ترقی پا کر ان افعال کے مصادر کو مشاہدہ فرمایا۔ یعنی ذات کو صفات میں دیکھا تو عرض کیا:

وَاَعُوْذُ بِرِضَائِکَ مِنْ سَخَطِکَ یعنی

یعنی ''میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کی تیرے غضب سے۔''

رضا اور سخط دونوں صفت ہیں—— پھر اس سے بھی ترقی پا کر برائے مشاہدہ

ذات وحدت میں پہنچے تو عرض کیا:

وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ یعنی میں تیری پناہ مانگتا ہوں تجھ سے۔"

چونکہ اس مقام میں ایک قسم کا توحید کا نقص تھا، یعنی ایک مادح ایک ممدوح ——— تو اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ میں قرب ذاتی عنایت فرمایا، کہ جس میں دوئی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ تو آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات ادا ہوئے:

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

یعنی "میں پورا نہیں کرسکتا تیری تعریف کو، تو ایسا ہے کہ جیسا خود ہی اپنی تعریف کرے۔" یعنی میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ تو مادح ہے اور تو ہی ممدوح ——— یہ مرتبہ فناء نفس کلی کا ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ ھٰذَا الْمَقَامِ بِجَاہِ نَبِیِّکَ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

معرفت کیا ہے؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکَ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ"

"یعنی عاجز ہونا معرفت کے ادراک سے بھی ادراک ہے۔ یعنی یہی معرفت ہے"۔

کیا منزل توحید میں سیر ہے؟

حضرت غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ منزل توحید میں کچھ نہیں۔ یعنی نہ بہشت نہ دوزخ، نہ عابد نہ معبود نہ عبادت، نہ عاشق نہ معشوق نہ عشق، نہ عارف نہ معروف نہ عرفان، نہ خدا نہ رسول نہ مرسل، نہ مومن نہ کافر، نہ دین نہ ایمان، نہ کفر نہ اسلام، نہ واحد نہ توحید نہ وحدت، نہ طالب نہ مطلوب نہ مطلب، نہ من نہ ما نہ شما۔

نے اشارت گنجد ایں جانے بیاں عارف ایں جا می شود کل اللسان

اس جگہ نہ اشارہ و کنایہ ہی کیا جاسکتا ہے نہ ہی بیان کی گنجائش ہے۔ یہ تو وہ مقام ہے کہ جہاں عارف کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔

؎ توحید کی راہ میں ہے ویرانہ سخت — آزادی و بے تعلقی ہے یک لخت
؎ دُنیا ہے نہ دیں ہے نہ دوزخ نہ بہشت — تکیہ نہ سرائے ہے نہ چشمہ نہ درخت

غرض کہ توحید منزل نامرادی ہے۔

؎ نامرادی راکنی گر پیشہ — فارغ آئی از غم و اندیشہ

"اگر نامرادی کو اپنا پیشہ بنالے، تو تو ہر غم و اندیشہ سے فارغ ہو جائے گا۔"

جناب قبلہ و کعبہ مرشدی و مولائی سید غوث علی شاہ قلندر قدس سرہٗ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ طالب مبتدی کے لیے منزل توحید زہر قاتل ہے ——یعنی دیگر منازل کے طے کرنے سے رہ جاتا ہے۔ کیونکہ طلب دوئی میں ہوتی ہے نہ کہ توحید میں —— اسی لیے منزل توحید کا نام ویران یا اجاڑ گاؤں رکھا گیا ہے —— اجاڑ اس کو کہتے ہیں جو پہلے آباد پھر ویران ہو جائے —— لیکن جو آباد نہیں ہوا تو اجاڑ کیسا —— اس کے ساتھ ہی یوں بھی فرمایا کرتے تھے کہ میاں جب اصل مقصود توحید ہے تو پھر کیا ضرور ہے کہ اصل کو چھوڑ کر آدمی فرع کی طرف دوڑے اور آبادی و بربادی کے جھگڑے میں پڑے۔ بہتر یہ ہے کہ سب کو دھتا بتائے۔

تصوف میں قرب نوافل:

انسان کو لباس و تجلی خیرہ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِيْ کی شان ہے۔ اور اَلْاِنْسَانُ سِرِّيْ وَاَنَا سِرُّهٗ کی آن ہے۔

؎ آیا ہوں میں جانب عدم ہستی — پیدا ہے بلند پائیگی پستی سے
عجز اپنا بروز کر رہا ہوں ثابت — مجبور ہوا ہوں میں زبردستی سے

جب انسان اپنی اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مجاہدہ کر کے منازل طے کرتا ہے۔ اس میں دو قسم کے کمال پیدا ہوتے ہیں:

☆—— اوّل قرب نوافل

☆——**دوئم** قرب فرائض

قرب نوافل یہ ہے کہ صفات بشریہ زائل ہو جاتے ہیں اور اوصاف الٰہیہ حاصل۔ یعنی زندہ کرنا، مارنا اور سننا دیکھنا بغیر کان اور آنکھ کے—— اس مرتبہ میں بندہ فاعل اور خدا اس کا آلہ ہوتا ہے۔

؎ علم حق در علم صوفی گم شود ایں سخن کے باور مردم شود

یعنی "علم حق صوفی کے علم کے اندر گم ہو، یہ بات بھلا کب لوگوں کو یقین آئے۔"

؎ علم حق در بحر علم صوفیاں گم شود نے نام ماند نے نشاں

یعنی "علم حق صوفیوں کے علم کے سمندر میں اس طرح گم ہو جائے کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔"

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد باری ہے کہ میرا بندہ مجھ سے ہمیشہ نوافل کے ذریعے مجھ سے نزدیکی چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو اپنا پیارا جانتا ہوں اور جب میں اس کو پیار کرتا ہوں تو میں:

☆——اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے،

☆——اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے،

☆——اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے،

☆——اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے،

☆——اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے،

چنانچہ وہ میرے ہی ذریعہ سے سنتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے دیکھتا ہے، اور میرے ذریعہ سے پکڑتا ہے، اور میرے ہی ذریعہ سے بولتا ہے، اور میرے ہی ذریعہ سے چلتا ہے۔

ایک بار جناب قبلہ و کعبہ نے حدیث مذکورہ پر ارشاد فرمایا کہ یہ قرب تو جب ہوگا تب ہوگا، نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ لیکن یہ بتاؤ کہ یہ جسم اور ہاتھ پاؤں آنکھ

ناک کان وغیرہ اب کس کے ہیں۔ اگر کہو کہ انسان کے ہیں تو اس کے قبضہ میں نہیں ــــ اور اگر کہو کہ انسان کے نہیں تو پھر کس کے ہیں؟ ــــ سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ اللہ ہی کا ہے، دوسرے کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ جبکہ اللہ کے سوا کچھ موجود ہی نہیں تو پھر شرکت کیسی۔

نقش او کرداست نقاش من اوست   غیر اگر دعویٰ کند او ظلم جوست

''یہ نقش وتصویر اس نے بنائی ہے اور وہی میرا نقاش ہے۔ اور اگر کوئی غیر اس بات کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ محض ظلم جو ہے''۔

اے پردہ برگرفتہ بہ بازار آمدہ   خلقے دریں طلسم گرفتار آمدہ

''اے وہ کہ جو اپنے رخ روشن پر نقاب ڈالے ہوئے بھرے بازار میں آیا ہے، تیرے اس طلسم میں ایک عالم گرفتار ہو گیا ہے۔''

''تفسیری مظہری'' میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لشکر اسلام کا سردار بنا کر بہت دور ملک کفار پر بھیجا۔ مقابلہ کے دوران لشکر اسلام ان کفار سے جو پہاڑ میں پوشیدہ تھے، غافل تھا۔ اور قریب تھا کہ لشکر اسلام کو تہ تیغ کر ڈالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مدینہ منورہ میں منبر پر خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ لشکر اسلام کفار سے غافل ہے۔ خطبہ کے دوران ہی فرمایا:

يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ يَا سَارِيَةَ الْجَبَل

یہ آواز تمام لشکر اسلام نے سنی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز ہے۔ فوراً ہوشیار ہو گئے۔ اور پہاڑ کی طرف کفار پر حملہ کر کے فتح پائی۔ کیا یہ آدمی کا کام تھا۔ نہیں نہیں۔

انسان کی ذات میں یہ خدا ہی کے کھیل ہیں   بازی کہاں بساط میں جو شاہ ہی نہیں

تصوف میں قرب فرائض:

قرب فرائض یہ ہے کہ انسان ذات پروردگار میں ایسا فنا ہو جاتا ہے کہ سوائے

ذات پاک کے اس کی نظر میں کچھ باقی نہیں رہتا۔اس مرتبہ میں خدا فاعل اور بندہ اس کا آلہ ہوتا ہے۔ارشاد باری ہے:

☆——فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (پ۹ غ ۱۲)

یعنی ''پس نہیں قتل کیا تم لوگوں نے کفار کو (اے صحابہ رسول بقوت خود) یعنی قتل کیا کفار کو اللہ تعالیٰ نے۔''

☆——وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

یعنی ''نہیں پھینکا تو نے (اے محمد خاک کو) جبکہ تو نے پھینکا ولیکن اللہ نے پھینکا۔'' یعنی اللہ ہی نے کفار کی آنکھوں میں خاک ڈالی۔

؎ آپ کے ہاتھوں میں سارا کام ہے　　آپ کرتے ہیں جہاں کا نام ہے

طہارت و فرائض اور اہل طریقت:

وضو و غسل و نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و تجرید و تفرید و توبہ وغیرہ شریعت میں جس طرح یہ اعمال بتائے گئے ہیں، وہ ان کی صورت ہے۔طریقت میں ان اعمال کی حقیقت مقصود ہوتی ہے۔مثلاً

☆——وضو ظاہر میں حدث اصغر سے پاک ہونا ہے، اور باطن میں تطہیر القلب عن ماسویٰ اللہ ہے۔یعنی دل کو ہستی غیر اللہ کے خیال سے پاک و صاف کرنا حقیقت وضو ہے۔

☆——اسی طرح غسل بظاہر حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنا ہے۔اور باطن میں شرک و دوئی حدث اکبر ہے۔پس دریائے توحید میں غوطہ لگانا اس حدث سے غسل کرنا ہے——جب سالک بحرِ فنا میں غرق ہوتا ہے تو یہ غسل آخر ہے پھر کبھی نجس نہیں ہوتا۔

؎ در بحر فنا چو غوطہ خوردی　　پس بار دگر نجس نہ گردی

''اگر تو بحر فنا میں غوطہ کھائے تو پھر تو کبھی دوبارہ نجس و ناپاک نہیں ہوگا۔''

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ شو بہر فعل و قول تبع سلف غیر باطن بظاہرت نسپار

"تو اپنے ہر قول وفعل میں پہلے بزرگان دین کی پیروی کر اور اپنے باطن کے خلاف اپنے ظاہر کو نہ بنا۔"

؎ شو بباطن ربوبیت پرواز کن بظاہر عبودیت اقرار

"اگرچہ تو اپنے باطن میں ربوبیت پرواز ہی کیوں نہ ہو، مگر تو بظاہر عبودیت ہی کا اقرار کر۔"

؎ ظاہر خویش پاک کن بہ وضو باطن خویش را نماز گزار

"تو اپنے ظاہر کو وضو سے پاک وصاف کر اور اپنے باطن کی نماز ادا کر۔"

؎ پس وضو چیست پاک کردن دل صافی دل چہ شستن از اغیار

"اور باطنی وضو کیا ہے دل کو پاک وصاف کرنا ہے، اور دل کی صفائی کیا ہے، اغیار سے (ماسوٰی اللہ سے) اپنے قلب کو مصفا کرنا ہے۔"

؎ مسجد تو مقام تسلیم است قبلہ گاہ تو طاق ابروئے یار

"تیری مسجد مقام تسلیم ہے اور تیری قبلہ گاہ طاق ابروئے یار ہے۔"

؎ در عبادت کسے شریک مکن زانکہ لایشرک است حکم نگار

"تو اپنی طاعت وعبادت میں کسی کو شریک نہ کر کیونکہ محبوب حقیقی کا حکم ہی یہ ہے کہ کسی کو شریک مت کرو۔"

؎ روزہ حفظ دل است از خطرات پس بود از مشاہدۂ افطار

"روزہ خطرات واندیشہ سے دل کی حفاظت کرتا ہے۔ تاکہ پھر مشاہدہ حق سے افطار ہو۔"

؎ ہستیٔ خویش را زکوٰۃ بدہ بر سر دوستی جلن بے ار

"تو اپنی ہستی کو زکوٰۃ بھی دے، اور اس کو اپنے دوست کے سر پر سے نثار کردے۔"

؎ حج چہ باشد زخود سفر کردن   بہ کجا جانب ہدایت کار

''حج کیا ہے، اپنے آپ سے سفر کرنا، اور خود فراموشی ہے۔ اور کہاں سفر کرنا اپنے کام کی ابتداء کی طرف۔''

؎ ہست قربانیت پس از حجت   قطع احکام طبع یک بار

''اور تیری قربانی یہ ہے کہ تو حج کے بعد ایک دفعہ اپنی طبیعت کے سارے احکام قطع کردے۔''

؎ شد جنابت تمام شرک دوئی   غسل فرض است زاں بہر دیندار

''اور جنابت ونجاست تمام شرک اور دوئی ہے۔ اس کے لیے ہر دیندار کو غسل فرض ہے۔''

؎ غسل چہ بود بہ ورطۂ توحید   غوطہ خوردن نیا مدن بہ کنار

''اور اس کا غسل کیا ہے، بحر توحید کے گرداب میں غوطہ لگا کر باہر نہ نکلنا۔''

؎ چیست تجرید گشتن آزاد   از ہزاراں ہزار یار و دیار

''ترک تجرید کیا ہے، بالکل فارغ اور سب سے آزاد ہو جانا۔ تمام عزیز واحباب اور ہزاروں یار و دیار کو بھول جانا۔''

؎ بعد تجرید بایدت تفرید   یعنے از آخرت شدن بیزار

''اس تجرید کے بعد تجھ کو تفرید لازم ہے۔ یعنی تجھ کو پھر آخرت سے بھی بے نیاز ہو جانا چاہئے۔''

؎ تو اگر مراد ایں خجستہ رہی   دامن از کائنات خود بہ فشار

''تو اگر مبارک راہ کا راہی ہے تو تجھ کو اپنی تمام کائنات سے دامن جھاڑ دینا چاہئے۔''

؎ در طریقت گذشتن از لذات   درحقیقت گذشتن از افکار

''طریقت میں لذت سے گزرنے کے یہ معنی ہیں کہ درحقیقت تمام تخلیل و افکار ہی سے گزر جانا، اور ان کو بالکل فراموش کر دینا۔''

؎ چیست تو بہ گزشتن از جملہ چہ خدا و رسول و جنت و نار

"توبہ کیا ہے تمام سے گزر جانا۔ کیا خدا و رسول اور کیا جنت و دوزخ سب "بحر وحدت" میں مستغرق ہو کر فراموش کر دینا۔"

مراتب کے لحاظ سے اقسام آدمی:

گزشتہ صفحات میں یہ موضوع مختصر طور پر پیش کیا گیا تھا، یہاں اسے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنی عقل و عمل کے مطابق درجہ پاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس کی عقل زیادہ ہے، اس کے مدارج بھی زیادہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ

"اور ہر کسی کو درجہ ہیں ان کے عمل سے، اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کے کام سے۔" (پ ۸ ع ۳)

چنانچہ اس قیاس آدمی کی چار اقسام ہیں:

۱۔۔۔۔۔ اعم ۲۔۔۔۔۔ عام ۳۔۔۔۔۔ خاص ۴۔۔۔۔۔ اخص

اعم آدمی:

یہ وہ لوگ ہیں وحشی جو جنگل میں رہتے ہیں۔ اور انسانی صورت کے سوا نہ کچھ عقل رکھتے ہیں نہ شعور، نہ حق و باطل میں تمیز، نہ کسی مذہب و ملت سے سروکار۔ وہ گھاس پھوس یا زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کی طرح ہیں۔ کسی شمار و قطار میں نہیں، شاید ان سے توحید کا سوال ہو۔

عام آدمی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (پ ۶ ع ۱)

یعنی "تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ۔"

یعنی کافرین و منافقین و مشرکین جو عقل و شعور رکھتے ہیں، حق و باطل میں تمیز

کر سکتے ہیں۔لیکن اپنے آباء واجداد کے باطل مذہب وملت پر چلتے ہیں،اور ہمیشہ کفرو نفاق وشرک میں مبتلا رہتے ہیں۔اور خواب وخوار وخواہشات نفسانی کے سوا نہ خدا اور رسول کو جانتے ہیں نہ ان کے کلام کو سنتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں، نہ حق کی جستجو کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ــــــ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُوْلٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

''ان کے دل ہیں ان سے سنتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ ڈھوروں (جانوروں) کی مانند ہیں۔ بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔اور یہی لوگ عذاب الیم کے سزاوار ہیں۔'' (پ۲،ع۹)

☆ــــــ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (پ۶،ع۹)

''اور ہم نے تیار کی ہے منکروں کے لیے ذلت کی آگ۔''

☆ــــــ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ (پ۲۲،ع۶)

''تا کہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔''

خاص آدمی:

یہ لوگ صاحب عقل وفہم ہیں، کتاب کے وارث ہیں اور مذہب وملت حقہ رکھتے ہیں۔اس میں بھی دو گروہ ہیں:

(۱) ـــــ ناقص (۲) ـــــ کامل

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ (پ۲۲-ع۱۶)

''پھر وارث کیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو، جن کو برگزیدہ کیا ہم نے اپنے

بندوں سے۔ پس ان میں سے کوئی ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ہے۔''

یعنی گناہگار، عامۃ المسلمین، مقلد کہ خدا اور رسول کو تقلیداً جانتے ہیں، ان کی رستگاری بعنایت پروردگار ہیں ـــــ یہ ناقص ہیں!

اور بعض ان میں سے متوسط و درمیانہ رو ہیں ـــــ یعنی جو مخلوق کو دیکھتے ہیں اور خدا کو برھان و دلائل سے جانتے ہیں۔ ان کی رستگاری بشفاعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ان کو کامل کہتے ہیں ـــــ یہ گروہ غیر محقق کہلاتا ہے۔ ان کو شہود میں وحدت نہیں ہوتی۔ ان کی نظر اول اشیاء پر پڑتی ہے۔ ان کی وحدت اعتقاد عملی میں ہے یعنی خدا کو دیکھتے ہیں اور خدا کو بہ دلائل و براہین جانتے ہیں۔ اور خلق کے سبب سے خدا سے محجوب رہتے ہیں۔ اس وحدت کو وحدت ذوالعقل والعلم کہتے ہیں۔ اور یہ مرتبہ علم الیقین کا ہے۔

اخص آدمی:

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عرفان میں ترقی کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ دَرَجَات'' وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ'' (پ۲۸-ع۲)

یعنی ''اللہ بلند کرے گا درجے ان لوگوں کے کہ ایمان لائے تم میں سے اور ان لوگوں کے کہ دیئے گئے علم اور اللہ ساتھ اس چیز کے کہ تم کرتے ہو خبردار۔''

وارثان کتاب میں سے یہ وہ لوگ ہیں جو علم الیقین سے عین الیقین اور حق الیقین کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْھُمْ سَابِقٌ'' بِالْخَیْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْکَبِیْرُ''

''اور کوئی ان میں (یعنی وارثان کتاب میں سے) جو آگے بڑھ گیا لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی بڑی بزرگی ہے۔''

ان کو محققین کہتے ہیں۔ یہ لوگ صاحب بقا ہوتے ہیں اور سایۂ قرب الٰہی میں تمام آسائش پاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَھَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ۔

''متقی بیچ بہشتوں کے ہیں اور نہروں کے مقام صدق میں نزدیک بادشاہ قدرت والے کے۔'' (پ ۲۷' ع ۱۰)

یہ خاص بندگان خدا میں سے اخص موحدین ہیں کہ ان پر کسی کا غلبہ وحکم نہیں۔ نفس وشیطان کے دھوکے میں نہیں آسکتے۔ ارشاد باری ہے:

☆ ــــــ وَاِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ (پ ۱۵' ع ۱۰)

''وہ جو میرے بندے ہیں نہیں ان پر تیرا حکم وغلبہ (اے نفس وشیطان)''

☆ ــــــ اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ (پ ۹۔ ع ۱۵)

''یہ لوگ ہیں سچے ایمان والے اپنے رب کے پاس، ان کے درجے ہیں اور بخشش ہے، اور رزق کریم (یعنی علم وعرفان کی رو سے مدارج)۔''

اخص آدمیوں کے گروہ:

ان میں بھی دو گروہ ہیں: یعنی اکملین ومکملین ــــــ گروہ اوّل یعنی اکملین کو وحدت شہود میں ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کی نظر بھی اوّل اشیاء کے وجود ہی پر پڑتی ہے لیکن ان کا شہودِ حق کے سوا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو شہود خلق میں تمام شہودِ حق یعنی منظور نظر حق ہوتا ہے۔ اس کو وحدت ذوالعین و العیان کہتے ہیں کہ شہودِ حق کے سبب سے ان کی نظروں سے خلقت محجوب ہو جاتی ہے۔ کسی محقق کا شعر ہے:

محقق را کہ وحدت در شہود است ۔۔۔ نخستیں دیدبر نور وجود است

''اس محقق کے لیے جس کے مشاہدہ میں وحدت ہے، اس کی نظر پہلے نور وجود ہی پر پڑتی ہے۔''

یعنی محقق وہ ہے جس کی اوّل نظر حقیقت اشیاء کے نور وجود پر ہو۔ اور اشیاء کی حقیقت اس پر کماحقہٗ ظاہر ومنکشف ہوگئی ہو۔ اور یہ اس وقت حاصل ہوسکتی ہے کہ بمرتبہ کشف الٰہی پہنچ گیا ہو، اور بہ عین عیان مشاہدہ کرلیا ہو۔ اس کو تحقیق ہوگئی ہو کہ وجود

واحد مطلق کے سوا دوسرا کوئی موجود نہیں۔ اگر کچھ ہے تو موجود اضافی ہے نہ کہ حقیقی۔ بلکہ جمیع اشیاء کی حقیقت کو مطلق حق جاننا ہو——— چنانچہ وحدت سے مراد یگانگی حق ہے۔ جس نے اس کثرت وہمی کی جلوہ گاہوں میں جلوہ گر ہو کر جمیع اشیاء کو نورِ ہستی سے منور کیا ہے۔ اور شہود عبارت رویت حق تجلی ہے۔ یعنی وہ محقق کہ مراتب کثرات موہومہ صوری و معنوی سے عبور کر کے بمقام توحید عیانی پہنچ گیا ہے، اور بحکم بَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ جمیع اشیاء کی صورت میں بہ دیدہ حق، حق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لاجرم غیریت واثنینیت اس کی نظر سے مرتفع (اوجھل) ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حق کے سوا نہ کچھ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے۔ یہ مرتبہ عین الیقین کا ہے یعنی صاحب عین الیقین، جبکہ اس کی نظر میں غیر حق نہیں رہتا۔ لہٰذا اوّل و آخر جو کچھ معقول و محسوس سے پیش آتا ہے، غیر حق نہیں ہوتا، نہ ظاہر نہ باطن——— سچ ہے:

؎ چشم حق بیں بجز از حق نتواند دیدن —— باطل اندر نظر مردم باطل بین است

''چشم حق بین حق کے سوا اور کچھ نہیں دیکھ سکتی، اور باطل صرف باطن بین لوگوں کی نظروں میں نظر آتا ہے۔''

جو کچھ جانتا ہے حق کو جانتا ہے، اور جو کچھ دیکھتا ہے حق کو دیکھتا ہے——— اس کی دانش و بینش میں غیر حق نہیں رہتا۔ برہمہ و باہمہ حق ہی حق ہوتا ہے۔ خواہ جانے خواہ نہ جانے، مدرِک و مدرَک حق ہی حق ہوتا ہے۔

؎ بردانش و نادانی او حرفی نیست —— داند و ریا وگرند اند دریاست

''اس کے جاننے اور نہ جاننے سے اس پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اگر جانے تو بھی دریا ہے اور نہ جانے تو بھی دریا ہی ہے۔''

اس لیے کہ جو منظور ہوتا ہے وہی مشہود ہوتا ہے۔ لیکن ہر ایک کی نظر لیاقت اور درجۂ عرفان جدا جدا ہے——— اس دید کے لیے کئی مراتب ہیں جو آئندہ بیان ہوں گے۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کو جمیع اشیاء کے مشاہدہ میں محقق کی اوّل نظر وجود واحدِ مطلق کے نور پر ہوتی ہے۔ اس شہود والے کو ذوالعین کہتے ہیں۔ اس لیے کہ حق کو ظاہر اور خلق کو باطن دیکھتا ہے۔ اس کے نزدیک خلق مرآت (آئینہ) حق ہے اور

حق اسی میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ آئینے میں صورت مخفی رہتی ہے۔ جبکہ ظہور میں (صورعکسیہ) صورتیں عکس بن کر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ لیکن نظر میں صورتوں کے اس عکس (صور عکسیہ) کے سوا کچھ نہیں سماتا۔ یعنی جو صورتیں آئینے میں ہیں، انہیں کا ظہور ہے ـــــ لہٰذا اسی کا نام ظہور باطن ہے ـــــ چنانچہ عارف جس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، اوّل خدا ہی کو دیکھتا ہے۔

ولی کر بہ معرفت نور خدا دید   ہر چیزے کہ دید اوّل خدا دید

''وہ ولی جس نے معرفت سے نور خدا دیکھا تو پھر اس نے جو چیز بھی دیکھی، اس میں خدا ہی کے جلوہ کو مشاہدہ کیا۔''

یہ مرتبہ ذوالعین و عین الیقین کا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ حق کو ظاہر دیکھتا ہے اور خلق کو باطن۔ کیونکہ حق کی ہستی آفتاب کی طرح ظاہر ہے۔ جو خود بخود ظاہر ہے اور عالم کا ظہور بہرحال اسی کے ذریعے سے ہے۔ اور جو کچھ مدرک ہوتا ہے فی الحقیقت وہ وجود ہی ہے۔ اس لیے کہ غیر اس کا عدم ہے، اور عدم کوئی شے نہیں۔ بقول شیخ اکبر ـــــ ''اَلْحَقُّ مَحْسُوْسٌ وَالْخَلْقُ مَعْقُوْلٌ'' درست ہے۔ اس کا غیر نہ عیاں ہے نہ نہاں ـــــ اگر عیاں کہو تو نہاں کیا ہے۔ اور نہاں کہتے ہو تو عیاں کون ہے؟ ـــــ چنانچہ معلوم ہوا کہ ذات واحد کے سوا نہ کچھ عیاں ہے نہ نہاں۔ ''هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ''

روئے تو ظاہر است بعالم نہاں کجا است   گر او نہاں بود بہ جہاں خود عیاں کجا است

عالم شدہ است مظہر حسن جمال تو   اے جاں بہ گو چہ مظہر و ظاہر جہاں کجا است

تیرا روئے روشن تو عیاں ہے، عالم میں نہاں کہاں ہے ـــــ اگر وہ چھپا ہوا ہو تو خود جہان ہی کب عیاں ہے ـــــ تمام عالم مظہر جمالِ دوست بنا ہوا ہے۔ اے جان تو ہی کہہ کہ کیا مظہر ہے اور جہانِ ظاہر کہاں ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ محقق وہ ہے جس کو معرفت الٰہی بطریق شہود و کشف حاصل ہوئی نہ ازراہ کثرت برھان دلائل۔ اور حق مراد وجود مطلق سے ہے کہ ہر جا بہ جلوہ بوقلموں تجلی فرما ہے۔ علم و عرفان کی رو سے اس معرفت کے مدارج ہیں۔ ایک سے دوسرا

افضل، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (پ۱۳-ع۳)

"ہم بلند کرتے ہیں درجوں میں جس کو چاہیں اور اوپر ہر جاننے والے کے جاننے والا ہے"۔

درجاتِ عرفان:

اہل تصوف نے اس عرفان کے پانچ درجے قائم کئے ہیں۔ تین درجے گروہ اوّل یعنی اکملین میں —— اور دو درجے گروہ ثانی یعنی کاملین میں —— ان میں ہر عارف اپنی اپنی استعداد کے مطابق معرفت سے فائز المرام ہوتا ہے اور درجہ پاتا ہے —— حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے:

مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰهَ فِیْهِ اَوْ قَبْلَهٗ اَوْ بَعْدَهٗ اَوْ مَعَهٗ اَوْ قَطُّ

یہاں فِیْهِ مقام عشق ہے —— قَبْلَهٗ مقام مجذوب سالک —— اور بَعْدَهٗ مقام سالک مجذوب —— اور مَعَهٗ مقام سالک مطلق —— اور قَطُّ مقام مجذوب مطلق —— قَطُّ بمعنی فقط۔

یعنی کل پانچ درجات ہوئے۔ اب انہیں بالترتیب تشریحی طور پر بیان کیا جاتا ہے:

درجاتِ اکملین:

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق اکملین کے تین درجات مذکور ہوئے:

- ☆ —— طالب صادق
- ☆ —— مجذوب سالک
- ☆ —— سالک مجذوب

(۱) —— طالب صادق:

جب طالب صادق، اذکار جہریہ وخفیہ وسریہ سے ترقی پاتا ہے —— اور مرتبۂ ذکر

معنوی و حقیقی یعنی ذکر روحی وسری میں جس کو مشاہدہ و معائنہ بھی کہتے ہیں، پہنچ جاتا ہے۔ یہاں غلبۂ نور و عظمتِ جلالِ الٰہی سے سالک بے ہوش ہو جاتا ہے۔

—— جب ہوش میں آتا ہے تو اپنے آپ کو حقیر و ذلیل و عاجز دیکھ ترقی کا طالب ہوتا ہے —— پھر جمالِ الٰہی کے انوار کے غلبہ میں طلب کے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ پھر دیدہ صوری بہ غلبہ دیدہ معنوی اس نور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ نور جب طالب کے دل پر تجلی کر کے قرار پکڑتا ہے تو اس حالت میں سالک کا ارادہ و فعل، ارادہ و فعلِ حق ہو جاتا ہے —— اس صورت میں سالک کی تمام دید و شنید و دانست حق سے ہوتی ہے۔ وہ جمیع اشیاء میں ہستی حق کو پاتا ہے، پھر اسی کی طرف دوڑتا ہے اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا نعرہ مارتا ہے۔ اسے قربِ نوافل کہتے ہیں —— مقامِ مشاہدہ بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْصُرُ کا اشارہ اس مرتبہ کی طرف ہے —— صنعت میں اوّل نظر معرفتِ سالک صانع کی طرف جاتی ہے۔ سالک جب اس مرتبہ کے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو عاشق کہتے ہیں۔ اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ

یعنی ”میں نے نہیں دیکھا کسی کو مگر یہ کہ دیکھا میں نے اللہ کو اس شے میں۔“

(۲) —— مجذوب سالک:

دوسرا مرتبہ مجذوب سالک کا ہے —— عشق کے بعد نظر معرفت سالک، صانع سے صنعت میں آتی ہے۔ اور تجلّیٔ ذاتی عارف کے قلب پر وارد ہوتا ہے —— اس تجلی میں اس نور کو بے مثل و مانند دیکھتا ہے، اور ہستیٔ حق جانتا ہے۔ بے حجاب اشیاء میں حق کا مشاہدہ کرتا ہے —— اس سے یا دوسرے سے جو فعل و صفت ظہور پکڑتے ہیں، یقین سے جانتا ہے کہ یہ افعال و صفاتِ حق ہیں۔ اس مرتبہ کو قربِ فرائض کہتے ہیں۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اسی مقام کی گفتگو ہے —— یعنی جمیع اشیاء میں صفات و ہستی ذاتِ حق کو جلوہ گر پاتا ہے —— بلکہ ذاتِ حق کو اشیاء سے پہلے دیکھتا ہے۔ جب سالک اس مرتبہ کے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو **مجذوبِ سالک**

کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی نظر اشیاء سے پہلے ہمیشہ ذات پر پڑتی ہے۔ اس لیے سلطان العارفین نے فرمایا:

مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰہُ قَبْلَہٗ

یعنی "میں نے نہیں دیکھا کسی شے کو مگر یہ کہ میں نے دیکھا اللہ کو اس سے پہلے۔"

(۳)۔۔۔سالک مجذوب:

تیسرا درجہ سالک مجذوب کا ہے۔ فضل الٰہی سے سالک جب دوسرے درجہ سے ترقی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے تجلّیٔ ذاتی کو جمیع صفات کے ساتھ سالک کے دل پر وارد فرماتا ہے۔ عارف جمیع صفات سے معمور اس تجلّیٔ ذاتی میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اس تیسرے مرتبہ میں صنعت کچھ باقی نہیں رہتی، تمام صانع ہی ہوتا ہے۔ یہاں مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کی شان کھلتی ہے۔۔۔اور وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط" کی حقیقت کا ظہور ہوتا ہے اور ہستی حق کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ من کل الوجوہ سالک فانی ہو جاتا ہے۔۔۔ "کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ" وَجْھَہٗ کا ظہور ہوتا ہے، اور عارف جو کہ چشم روح سے ذاتِ حق کا نور ہے، ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے۔۔۔ رَأَیْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ اس مقام کا بیان ہے کہ عارف خودی کے بغیر ذاتِ حق کو ذاتِ حق سے معائنہ کرتا ہے۔ اور اپنا پتہ بھی نہیں پاتا۔ گویا اپنا پتہ بھی لاپتہ ہوتا ہے۔۔۔ اس مقام کو **فناء مطلق واتم** اور اس حال والے کو **سالک مجذوب** کہتے ہیں۔ حقیقت اشیاء چونکہ کماحقہ بعد میں کھلتی ہے اسی لیے سلطان العارفین نے فرمایا ہے:

مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰہُ بَعْدَہٗ

یعنی "نہیں دیکھا میں نے کسی شے کو مگر یہ کہ دیکھا میں نے اللہ کو بعد اس شے کے۔"

کہ اشیاء کی حقیقت ذاتِ حق کے سوا کچھ نہیں۔

درجات مکملین:

• درجات عرفان میں دوسرے گروہ کے دو مراتب ہیں:

☆ ـــــ سالک مطلق

☆ ـــــ مجذوب مطلق

(۱) ـــــ سالک مطلق:

واضح رہے کہ جو فیض کسی سبب کے بغیر محض موہبت الٰہی سے سالک کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتا ہے، پھر نفس صفاتِ الٰہیہ کے ظہور میں زائل ہو جاتا ہے تو اس کو حال کہتے ہیں ـــــ لیکن اگر کسی کسب کی وجہ سے کچھ حاصل ہوا ہے تو وہ:

☆ ـــــ یا نورِ عبادت ہے یا نورِ وضو،

☆ ـــــ یا نورِ نماز ہے یا نورِ عقل،

☆ ـــــ یا نورِ دل ہے یا نورِ روح

اس کو موہبت نہیں کہتے۔ اسماء وصفات الٰہی کے انوار کی تجلی کسب کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ محض موہبت ورحمت خاص ہے۔ **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ** ـــــ

دائمی حال جب سالک کی ملکیت ہو جاتا ہے تو اس کو مقام کہتے ہیں ـــــ یعنی سالک نے اقامت کی اور حال، تحول سے مشتق ہے۔ یعنی از تغیر، از لونے بونے یا از حالے بحالے ـــــ جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے سالک کو اس فنا سے ترقی دیتا ہے، اور بقا عنایت فرماتا ہے۔ یعنی اپنے ذاتی نور سے اس کو باقی کرتا ہے۔ تو اس مرتبہ کو **جمع الجمع وحیرت کبریٰ وبقاباللہ** کہتے ہیں ـــــ چونکہ حال ومقام ارباب قلوب کے خواص سے ہے اور **مقام جمع الجمع مقام دل کشا** ہے۔ چنانچہ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں متابل فرق کو **جمع** کہتے ہیں ـــــ فرق سے مراد ہے احتجاب حق بخلق۔ یعنی خلقت کو دیکھتا ہے اور حق کو من کل

الوجوہ غیر جانتا ہے —— یہ مرتبۂ علم الیقین مقام کاملین کا ہے۔ جوکہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے —— جمع عبارت ہے مشاہدہ حق بے خلق سے۔ یہ مرتبہ فناء سالک ہے —— لیکن جب تک سالک کی ہستی قائم ہے، شہودِ حق بے خلق نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ سالک بھی جملہ خلق میں سے ہے۔ یعنی جب تک شہود میں سے اپنی ہستی نہ جاتی رہے، بے حجاب خلق، شہودِ حق میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر سالک ہر دو عالم کو نہ دیکھے اور اپنی ہستی ہی کو دیکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ابھی فناء اتم کو نہیں پہنچا، بلکہ خود باقی ہے۔ یہ مرتبہ عین الیقین و مقام اکملین کا ہے اور جمع الجمع مقصود ہے —— شہودِ حق قائم بخلق یعنی سالک ذاتِ حق کو جمیع موجودات میں مشاہدہ کرتا ہے، جس نے مختلف صفات میں جابجا ظہور کیا ہے —— اور بقاباللہ سے یہ مطلب ہے کہ:

بَعْدَ الْفَنَاءُ رُجُوْعُ اِلَی الْبِدَایَتِ

یعنی ''فنا کے بعد سالک ہوشیار ہوکر بدایت وابتداء کی طرف رجوع کرتا ہے۔''

—— بدایت، مرتبۂ تفرقہ ہے۔ یعنی

اِدْرَاکَ مِنْ حَیْثُ التَّعَیُّنَاتِ

ہوتا ہے۔ مبتدی کی نظر غیر ظاہر مظاہر پر پڑتی ہے۔ یہ مقام موجبِ غفلت ہے —— جب سالک اپنی بے خودی وفناء اُتم کے بعد قعود وتعینات وتشخصات سے باہر آکر پھر اعتبارِ تعینات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو اس وقت سالک کی نظر اوّل ظاہر جو کہ ذات مطلق ہے، پر پڑتی ہے —— پھر اس کے نورِ ذاتی سے تعینات وتشخصات کو دیکھتا ہے۔ اوّل کو یعنی صاحبِ جمع کو صاحب حال اور ثانی کو صاحبِ جمع الجمع کہتے ہیں —— اگر جمع الجمع کی حالت سالک کو کشف کی وجہ سے صاحبِ حال کرتی ہے۔ یہ دونوں مراتب تعینات کے اعتبار سے ہمہ گر شریک حال ہیں۔ لیکن بتامل فرق بین پایا جاتا ہے۔ کیونکہ صاحب حال اور صاحب جمع الجمع کو اگرچہ خلق اور حق دونوں کا شہود ہوتا ہے۔ لیکن صاحب حال یعنی اکمل کو شہودِ خلق میں حق پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ شہود حق میں خلق اور صاحبِ جمعین یعنی مکمل کو ایک کے شہود میں دوسرا غائب نہیں ہوتا۔ اور حجاب

میں بھی نہیں پڑتا، بلکہ دونوں کو جمع الجمع مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مقام کو بقا باللہ، فرق بعد الجمع، سیر کبریٰ، صحو بعد المحو اور حق الیقین کہتے ہیں —— یہ اقصائے مراتب عرفان میں سے ہے۔

یاد رہے کہ فرق سے مراد یہ ہے کہ سالک کے لئے خلق حجاب حق ہو —— جمع الجمع کا مطلب یہ ہے کہ سالک کے لئے نہ تو خلق حجابِ حق ہو اور نہ حق حجابِ خلق ہو۔ بلکہ خلق عین حق اور حق عین خلق منکشف ہو۔

؎ مقام دلکشا لیش جمع جمع است　　جمال جان فزائش شمع جمع است

یعنی "اس کا مقام دلکشا، سب کے جمع ہونے کی جگہ ہے، اور اس کا حسن جان فزا سب کی شمع ہے۔ یعنی سب اس کے پروانے ہیں"

چنانچہ عارف مکمل ہستی حق کو جمیع اوقات و احوال میں مشاہدہ کرتا ہے۔ دوئی اور غیریت سالک کی نظر سے اصلاً مفقود و ساقط ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر نہ اشیاء رویت حق میں حجاب ہوتی ہیں نہ رویتِ حق حجابِ اشیاء۔ کیونکہ عارف حقیقتِ انسانی میں (جو کہ مرتبہ الوہیت ہے) پہنچ گیا ہے —— جس طرح الوہیت کو وجوب و امکان برابر ہیں۔ اسی طرح اس عارف مکمل کو بھی خلق اور حق میں حجاب نہیں رہتا —— مخلوق کو معدوم محض اور حق کو موجود مطلق دیکھتا ہے اور بطور حق الیقین جانتا ہے۔ اس لئے کہ مطلق نے ان وہمی قیدوں میں مقید ہو کر عبودیت کا اقرار کیا ہے۔ یہ مرتبہ عبدیت و خلافت، حق ہے کہ بندگان حق کو حق کی تعلیم فرماتا ہے۔ یہ مرتبہ عبدیت و خلافتِ حق ہے کہ بندگانِ حق کو حق کی تعلیم فرماتا ہے۔ ظاہر میں عبد اور باطن میں حق ہوتا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں ابتداء و انتہا میں ذات کو کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ جو تھی' وہی ہے۔ البتہ علم کا فرق ضرور ہے۔ اور یہ فرق قابل سند ہے —— یہ مقام، **برزخ البرزخ** ہے کہ وجوب و امکان اعتدال کے مقام پر ہوں تا کہ ایک کو دوسرے پر غلبہ نہ ہو۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ (پ ۲۷ - ع ۱۱)

اس مقام میں سالک کو کثرتِ آئینہ وحدت اور وحدتِ آئینہ کثرت بن جاتی ہے۔ یعنی وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت دیکھتا ہے۔ یوں عارف متصرف عالم وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اور صاحب اختیار ہوتا ہے۔ جب چاہتا ہے تجلّیٔ حق کو اپنے اوپر وارد کر لیتا ہے جس صفت میں چاہتا ہے متصف ہو کر ان صفات کے اثر کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ متصف بصفات حق و متخلق باخلاق اللہ ہو گیا ہے۔ اس لئے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا ہے:

مَا رَأَيْتُ شَيْأً اِلَّا رَأَيْتُ اللّٰهَ مَعَهٗ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْمَا كُنْتُمْ

اس معیت کو دیکھنا چاہئے۔ اور یہی قابل اعتبار ہے۔

؎ ہست رب الناس را جان ناس اتصال بے تکیف بے قیاس

''لوگوں کے رب کا انسانوں کی جان کے ساتھ بے کیف و بے قیاس اتصال ہے۔''

جیسے رویت کثرت میں سالک وحدت حقیقی سے محتجب نہیں ہوتا۔ ایسے ہی رویت وحدت میں بھی کثرت سے محتجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ فرق چہ بود عین غیران کا شتن جمع غیرش راعدم پنداشتن

''بس فرق کیا ہے عین و مطلق کو غیر سمجھنا' اور جمع یہ ہے کہ اس کے ماسوئی کو عدم شمار کیا۔''

؎ صاحب تقلید اہلِ فرق داں گو ندید از حق دریں عالم نشان

''جو صاحب تقلید ہیں تو ان کو اہل فرق جان۔ کیونکہ وہ اس جہان میں حق کا نشان نہیں دیکھتے۔''

؎ ہر کہ گوید نیست کلی، ہیچ غیر در یقین اوست مسجد عین دیر

''اور جو یہ کہے کہ بالکل کوئی غیر نہیں ہے۔ اس کے یقین میں مسجد اور بت

خانہ ایک ہی ہے"۔

جمع جمع است آنکہ می بیند عیاں درمرایابی ہمہ فاش و نہاں

"جمع جمع وہ ہے جو کہ کھلم کھلا یہ مشاہدہ کرے ورنہ سب ظاہر باطن میں مجھ کو دیکھے۔"

صاحب جمع است پیشش نیست فرق
جان اور دربحر وحدت گشت غرق

"صاحب جمع" کے سامنے کچھ "فرق" نہیں ہے اس کی جان تو بس بحر وحدت میں فرق ہوتی ہے۔"

رتبہ اول بکامل ہست وبس بردوم اکمل جزا وحق نیست کس

"کامل کا رتبہ اول ہے اور بس ہے۔ دوسرے اکمل جو ہوتا ہے سوائے اس کے حق کوئی نہیں ہے۔"

مرتبۂ ثالث مکمل لائق است زانکہ او ازبر دوال فائق است

"تیسرا مرتبہ مکمل کے لائق ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلے دونوں سے فائق اور برتر ہے"۔

اگر چہ کسی مرتبہ و مقام کی حد و نہایت نہیں۔ لیکن صوفیہ کرام نے اس مرتبہ کو انتہائے مقام عرفان میں لکھا ہے، اور یہ مرتبہ سالک مطلق کا ہے۔

(۵)---مجذوب مطلق:

پانچواں درجہ مجذوب مطلق کا ہے۔ مجذوب مطلق وہ شخص ہے کہ روز اول و عالم ارواح میں اس کی تجلیات ذاتِ حق میں ایسی فنا ہوگئی ہیں کہ جب عالم دنیا میں آتا ہے تو مجذوب ہو کر آتا ہے جب تک رہتا ہے مجذوب ہی رہتا ہے۔ اور جب دنیا سے جاتا ہے تو مجذوب ہی جاتا ہے---غرض جس حال میں ہے اسی حال میں مبتلا رہتا ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ ابتداء و اوسط و آخر میں ذاتِ حق کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ فرمایا: اَوْقَـطُ یعنی فقط۔ لہٰذا مجذوب ہوکر آیا ہے اور اسی حالت جذب میں چلا جائے گا۔ ایسے مجذوب سے کچھ فیض و فائدہ نہیں ہوتا —— لیکن مرتبۂ خلافت وہی ہے جو گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے، اور وہی مقام نہایت ہے۔

رسول رب العالمین کسے کہتے ہیں؟

شرعی زبان میں رسول صاحب کتاب، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ و خاص بندے کو کہتے ہیں —— جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق خدا کے لئے مبعوث ہوا ہو۔ صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ رسالت خدا کی طرف سے ہر شخص کو میسر ہے۔

آنکس ست اہل بصارت کہ اشارت داند
نکتہ ہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

''بس وہی دل کی آنکھ والا (اہل بصارت) ہے جو کہ اشارت کو جانے اور سمجھے' حقائق اور نکات تو بہت ہیں مگر محرم اسرار (ہم راز) کہاں ہے۔''

دل مومن عرش الٰہی:

مخصوص مومن اس مرتبہ کے مستحق ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

o —— قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشِ اللہِ ''مومن کا دل خدا کا عرش ہے۔''

o —— اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ''اللہ تعالیٰ عرش پر تشریف فرما ہے۔'' (پ ۱۶' ع ۱۰)

حدیث پاک میں ہے:

قَلْبِ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اَصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُ ما یَشَآءِ

یعنی ''مومن کا دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے (یعنی جلال و جمال میں)، جدھر چاہتا ہے، پھراتا ہے۔''

لہٰذا ان کو الہام کا ہونا کچھ تعجبات سے نہیں —— اب مخفی نہ رہے کہ نعت میں

رسول پیغام بر و قاصد کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جمیع موجودات سے جو آواز، جو راحت و غم، جو خطرہ، جو خیر و شر، جو نیکی بدی انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے، وہ رسول حق برحق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

○——قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (پ۵، ع ۱۲۸)

''کہہ کہ سب چیز اللہ کی طرف سے ہے۔''

○——فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا (پ۳۰، ع ۱۶)

''اس کو الہام کرتا ہے اس کی بدکاری و نیکوکاری کا۔''

اور حدیث پاک میں ہے:

لَا تَتَحَرَّکُ ذَرَّۃٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ''حکم خدا کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ

یعنی ''کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے، اور حکم کر دیتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔''

جبکہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو ثابت ہوا کہ یہی حکم الٰہی ہے کہ تم میں اور تمہارے دلوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ہر وقت تمہاری رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

○——وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ (پ۵، ع ۱)

''اور تم میں اس کا رسول ہے۔''

○——وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ (پ۵، ع ۱۳)

''اور جان لو یہ بات کہ تحقیق تم میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔''

ارشاد سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے قوم! —— آؤ میری طرف، تاکہ ہم خدا کے سامنے عاجزی کریں —— اور تقدیر و افعال میں اس کی موافقت کریں —— اور ظاہری و باطنی طور پر اس کے

آگے اپنے سر جھکائیں ——— اور اس کی تقدیر کے ہمرکاب پیادہ پا چلیں۔ کیونکہ وہ پیغمبر خدا ہے۔ اس کی تکریم عین تکریم خدا ہے۔

پس وہ تقدیر جو رسول حق ہے ہم کو خدا تک پہنچائے گی۔ اور یہ بھی مسلم الثبوت ہے کہ ہمارے کل امور یعنی افعال و حرکات و سکنات و ارادہ و گفت گو وغیرہ تقدیر سے وابستہ ہیں، اور تقدیر رسولِ حق ہے۔ چنانچہ اس پر ایمان لانا اور دل و جان سے حکم قبول کرنا ہر فرد بشر پر فرض عین ہے۔ خواہ جمالی ہو یا جلالی، عتاب ہو یا خطاب۔ اپنے آپ کو اس کے ذریعہ سے خدا تک پہنچانا لازم ——— کیونکہ یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ فیاض مطلق کا اول فیض: عالم ارواح میں آیا ہے، پھر عالم حس و شہادت میں ——— لہٰذا جو کچھ ہمارے دل میں کہیں سے وارد ہو یا خود بخود پیدا ہو، اس کو غیر کی طرف یا اپنی طرف منسوب کرنا جہالت ہے۔ بلکہ وہ خدا کا بھیجا ہوا رسول برحق ہے۔ اس کا مطیع فرمان ہو کہ وہ ہادی و موصل الی المطلوب ہے۔

تنبیہ:

اے عزیز! اب یہ راہ بھی بہت دور دراز ہے، اور خوف و خطرہ دوئی سے محفوظ نہیں ——— خدا و رسول کا فرق اٹھا اور قریب کی راہ چل کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ تاکہ منزل مقصود کو جلد پہنچ جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ کل ذاتی امور میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر دو اسم باہمی کے اور کچھ وجود میں نہیں رکھتے۔

؎ چہ می گویم کی ہست ایں نکتہ باریک ‏ ‏ ‏ ‏ شب روشن میان روز تاریک

''میں بس کیا کہوں یہ ایک بڑا باریک نکتہ ہے کہ روز سیاہ کے درمیان میں شب روشن موجود ہے۔''

اگر تم نورِ حق کو نورِ حق سے بہ نظر غور و تامل دیکھو گے تو تم کو یہ راز بخوبی منکشف ہو جائے گا کہ ذاتِ حق جمیع صفات میں جلوہ گر ہے بلکہ من کل الوجوہ ظہور ذات ہے۔ مثلاً جب نور آفتاب نظر میں سماتا ہے تو نور نظر آتا ہے۔ اسی طرح اگر دیدۂ دل کو نور توحید ذات سے منور کر کے نظر کرو گے تو تم خود ہی کہہ اٹھو گے کہ رَأَیْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ ———

اور یہ تمام اپنی ہی نظر کی خوبی ہے۔ جس کی جیسی نظر ہے' ویسا ہی اس کا ظہور ہے —— دیو کو دیو نظر پڑتا ہے اور حور کو حور۔

؎ یکے خورشید بیند دیگرے نور   قیاس ہر یکے باشد زہم دور

"ایک سورج کو دیکھتا ہے اور دوسرا نورِ حقیقی کو دیکھتا ہے۔ ہر ایک کا قیاس دوسرے سے دور ہوتا ہے۔ جس کی جیسی سمجھ ہوتی ہے، ویسا ہی وہ سمجھتا ہے۔"

کیونکہ اگر تم بقیدِ تعین کسی صفت پر صفت کے خیال سے نظر ڈالو گے تو وہ صفت ہی ہے، ورنہ عین ذات۔ یعنی تعینات خارجیہ سے قطع نظر اگر تم اپنے نورِ بصیرت سے تعین کے بغیر ہر صفت کو ذات میں لا کر بغور دیکھو گے کہ

"یہ صفت عین ذات ہے یا غیر ذات"

تو تم پر کما حقہ، حقیقت اشیاء عیاں ہو جائے گی۔ کہ نور صفات میں عین نور ذات جلوہ گر ہے۔ اور ہر صفات کے نور میں عین وہی نور ذات ہے۔ جو ہر ایک شے میں برنگ بوقلموں پرتو انداز ہے —— اور ہر صفات کے نور پر نور ذات بطرز دیگر نور افشاں ہے —— جیسے نور آفتاب ہر شجر و حجر، آب و ہوا، ارض و سما، گل وثمر پر گونا گوں جلوہ کناں ہے —— نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ —— یہ نور ذات و نور صفات بھی تعینات کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ ایک ذات بے کم و کاست ہے کہ جس کو ایک بھی نہیں کہہ سکتے۔ پس صفات و صور کو چھوڑ کر معنی و ذات میں آ —— تاکہ تو اپنی حقیقت میں جو تیرا مقصودِ اصلی ہے پہنچ جائے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

؎ چند باشی عاشق صورت بگو   طالب معنی شود معنی بجو

"تو بتا، کب تک ظاہری صورت کا عاشق و شیدا رہے گا۔ بس اب تو طلب گار معنی بن اور اصل حقیقت کو تلاش کر۔"

؎ صورت ظاہر فنا گردد بداں   عالم معنی بماند جاوداں

"تو جان لے، یہ صورت ظاہری ایک دن فنا و نابود ہو جائے گی، اور عالم

حقیقت و معنی ہمیشہ باقی رہے گا۔''

۔ صورتش دیدی زمعنی غافلی ازصدف در راگزیں گر عاقلی

''تو تو صورت کو دیکھتا ہے، اور اس کے معنی وحقیقت سے تو غافل ہے۔ تو صدف کے اندر سے گوہر نایاب حاصل کر، اگر تو عقل مند اور سمجھ دار ہے۔''

۔ از یک اندیشہ گر آید در درون صد جہاں گردد بیک دم سرنگوں

اگر صرف ایک وسوسہ و اندیشہ ہی تیرے دل (باطن) میں آئے۔ تو اس سے سینکڑوں جہاں یک دم سرنگوں ہو جائیں گے۔''

۔ جسم سلطان گو بصورت یک بود صد ہزاراں لشکرش در تنگ بود

''اگر چہ سلطان کا جسم ظاہری صورت میں ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر سو ہزار لشکر اس کے نقل وحرکت میں ہوتے ہیں۔''

۔ باز شکل وصورتِ شاہِ صفی ہست محکوم یکے فکر خفی

''پھر اس شاہ خفی کی شکل وصورت ایک مخفی فکر کی محکوم ہوتی ہے۔''

۔ خلق بے پایاں زیک اندیشہ بیں گشتہ چوں سیلے روانہ برزمیں

''تو اس تمام بے شمار و بے اندازہ مخلوق کو صرف ایک فکر واندیشہ کا باعث خیال کر، جو ایک طغیانی وسیلاب کی طرح روئے زمین پر جاری ہے۔''

۔ خلق عالم چوں رمہ ست وحق شباں می دواند جملہ را روز و شباں

''تمام مخلوق ایک گلہ وریوڑ کی مانند ہے اور حق تعالیٰ اس کی راعی (گڈریا) ہے، وہ اس کو دن رات، صبح وشام چلاتا رہتا ہے۔''

۔ پس چرااز ابلہی پیش تو کور تن سلیمان است اندیشہ چو مور

''پھر کیوں بے وقوفی کی وجہ سے تیری آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں۔ جسم حضرت سلیمان کی طرح ہے اور اندیشہ چیونٹیوں کی مثل ہے۔''

۔ یوسف حسنی تو ایں عالم چو چاہ دین رسن چیز است از امر الٰہ

''اور تو اس عالم میں کنوئیں کے اندر حسین یوسف کی طرح سے ہے، اور خدا تعالیٰ کے حکم سے اس کی رسی ایک چیز ہے۔''

۔ در رسن زن دست بیرون روز چاہ — تا بہ بینی بارگاہ بادشاہ

''تو اس رسی کو ہاتھ سے پکڑ لے اور کنوئیں سے باہر نکل آ۔ تا کہ پھر بادشاہ حقیقی کی بارگاہ عالی کا مشاہدہ کرے۔''

۔ تا بہ بینی عالم جان جدید — عالم بس آشکار ناپدید

''اور پھر تو نئی جان کے عالم نو کو دیکھے اور یہ عالم کہنہ وفاقی ناپید و معدوم ہو جائے''

۔ خاک بر باد ست و بازی می کند — کش نمائے پردہ سازی می کند

''خاک ہوا پر ہے اور بازی (کھیل) کرتی ہے کہ وہ اس کی پردہ سازی کی نمائش کرتی ہے۔''

۔ خاک ہم چوں آلتے در دست داد — باد را واں عالم عالی نژاد

''خاک کو ایک آلے کی طرح اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے، تو ہوا کو ایک عالی نژاد عالم سمجھ''۔

۔ خاک را دیدی برآید بر ہوا — درمیان خاک بنگر باد را

''تو نے خاک کو دیکھا کہ وہ کس طرح ہوا کے اوپر آ جاتی ہے۔ تو اس خاک کے اندر بھی ہوا کو دیکھ لے''۔

۔ دیگ ہائے فکر مے بینی بہ جوش — اندر آتش ہم نظر میکن بہ ہوش

''تو اپنے فکر و عقل کی دیگ کو بھی تو جوش مارتا دیکھتا ہے، تو ہشیاری کے ساتھ آگ میں بھی مشاہدہ کر سکتا ہے۔''

۔ چند بینی گردش دو لاب را — سربروں کن ہم بہ بیں میزاب را

''تو نے بارہا دولاب (رہٹ) کی گردش کو بھی دیکھا ہوگا۔ تو اپنا سر اٹھا اور پرنالوں کو بھی دیکھ''۔

یعنی تو رہٹ کی طرح گردش کرتے ہوئے آسمان کو جس میں مٹکوں کی طرح اجرام فلکی اور چاند سورج اور ستاروں کے دائرے گھومتے ہیں۔ تو اس کا مشاہدہ کر اور آسمانی میزاب رحمت بارش کے پرنالوں کو بھی سر اٹھا کر دیکھ"۔

؎ ایں جہاں چوں خس بدست بادِ غیب عاجزی پیشہ گرفت از داد غیب

"یہ عالم کائنات ایک تنکے کی طرح بادِ غیب کے ہاتھ میں مسخر ہے۔ اس نے حکم غیب سے عاجزی و تابعداری کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے —— یعنی مشیت الٰہی کے خلاف مطلق کچھ نہیں کر سکتا۔ تمام کارخانہ عالم اسی ذات مطلق کے حکم کے مواف سرگرم کار ہے۔"

؎ دست پنہاں و قلم بین خط گزار اسپ در جولاں و ناپیدا کنار

"دست قدرت تو پردہ غیب میں پوشیدہ ہے اور تو اس کے مخفی ہاتھ میں قلم تقدیر کو برابر چلتا ہوا دیکھ لے۔ یہ گھوڑے کی طرح بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔ اس کی دوڑ کا کوئی احاطہ یا کنارہ نہیں ہے۔ لانہایت جولانی دکھا رہا ہے۔

؎ جسم حس اسپ است و نورِ حق سوار بے سوار ایں اسپ خود ناید بکار

"یہ جسم حسی ایک گھوڑے کی مانند ہے اور نورِ حق تعالیٰ اس کا سوار ہے۔ بغیر سوار کے یہ گھوڑا خود کسی کام کا نہیں ہے۔"

؎ نورِ حق بر نورِ حس راکب بود وانگہے جاں سوئے حق راغب بود

"حق تعالیٰ کا نور، نورِ حس پر سوار ہوتا ہے، پھر روح انسانی حق تعالیٰ کی طرف راغب ہوتی ہے۔"

؎ نورِ حس را نورِ حق تزئیں بود معنی نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ایں بود

"نورِ حس کی نورِ حق سے تزئین و آرائش ہوتی ہے۔ اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْر، یعنی نور کے اوپر نور کے یہی معنی ہیں۔"

؎ نورِ حسی مے کشد سوئے ثریٰ نورِ حقش می برد سوئے علیٰ

"نورِ حسی انسان کو تحت الثریٰ کی طرف کھینچتا ہے جبکہ نورِ حق اس کو بلندی و عروج

کی طرف لے جاتا ہے۔"

؎ لیک پیدا نیست ایں راکب برو جز بآثار و بہ گفتار نکو

"لیکن یہ ایک راکب وسوار اس کے اوپر بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔صرف اس کے نیک آثار اور گفتار اور بہتر طور وطریق ہی سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔"

؎ نور حس با ایں غلیظی مختفی است چوں خفی نہ بود ضیائے کاں صفی است

"نور حس بھی اس غلیظ انسان میں پوشیدہ ہے اور کیوں نہ مخفی ہو، اس لئے کہ وہ اس مصفا (پاک وصاف) نور ہی کی ضیا وانوار سے ہے۔"

؎ نور حسی گو غلیظ است وگراں ہست پنہاں در سوارد دیدگاں

"اگر چہ نور غلیظ اور بھاری ہوتا ہے مگر وہ دیکھنے والوں کی "مردمک چشم" آنکھ کی سیاہ پتلی میں پنہاں ہے۔"

؎ نیست را بہ نمود ہست آں محتشم ہست را بہ نمود بر شکل عدم

"وہ صاحب شان "نیست" کو "ہست" دکھاتا ہے' اور ہست کو عدم کی شکل سے ظاہر ونمایاں کرتا ہے۔"

؎ بحر را پوشیدہ کف کرد آشکار بادرا پوشید و بہ نمودت غبار

"وہ سمندر کو پوشیدہ اور جھاگ کو آشکارا وظاہر کرتا ہے۔اور ہوا کو چھپا کر غبار اور گرد کو نمودار کرتا ہے۔"

؎ خاک راہبنی بہ بالا اے علیل بادرا نہ جز بہ تعریف و دلیل

"اے محبت کرنے والے! تو خاک کو بلندی پر دیکھتا ہے۔اگر ہوا کو چشم ظاہر سے نہیں دیکھ سکتا۔صرف اس کی تعریف ودلیل ہی پیش کر سکتا ہے۔"

؎ کف ہمی بینی رواں ہر طرف کف بجز دریا ندارد منصرف

"یہی کف اور جھاگ تو ہر طرف رواں دواں دیکھتا ہے۔مگر یہ بھی خیال کر کہ تو یہ کف وجھاگ کف ہمی بینی روانہ ہر طرف رواں دواں دیکھتا ہے۔مگر یہ بھی تو خیال کر کہ تو یہ کف وجھاگ جو دیکھ رہا ہے، یہ کسی موجزن سمندر کے بغیر ہرگز ظاہر نہیں ہو

سکتا۔" یعنی یہ تمام اس بحر حقیقت کی موجوں کی جھاگ ہے۔"

کف بہ حس بینی و دریا از دلیل ۔۔۔ فکر پنہاں آشکارا قال وقیل

"تو کف وجھاگ کو تو اپنی حس سے دیکھ سکتا ہے اور اس دریا کو دلیل و حجت سے سمجھے گا۔ اسی طرح فکر و تخیل، پوشیدہ اور بحث و گفتگو ظاہر ہوتی ہے۔"

اصطلاح صوفیاء میں رسول سے کیا مراد ہے:

صوفیاء کرام کی اصطلاح میں رسول سے مراد وہ ذات ہے جو عالم غیب اور عالم شہادت کے درمیان جامع ہو بلکہ:

o—— احدیت و واحدیت کے درمیان جامع ہو، اور

o—— ذات و صفات کے درمیان جامع ہو۔

یعنی:

o—— صفات کے اعتبار سے عین عالم شہادت ہے، اور

o—— روحانیت کے اعتبار سے عین عالم ارواح ہے، اور

o—— سر کے اعتبار سے عین عالم ذات کہ عین عین عین ہے، اور

o—— عالم شہادت عرش رحمانی سے تا تحت الثریٰ مراد ہے۔

اور بالائے عرش عالم مثال اور اس کے محیط عالم ارواح —— اور اس پر مرتبہ ربوبیت و الوہیت و حقیقت انسانیہ و اعیان ثانیہ و واحدیت اور اس سے برتر مرتبہ وحدت ہے۔ جسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں —— اس سے اعلیٰ تر احدیت صرف یعنی ذات ذوالجلال والجمال اور اس کے اصل ہو —— یعنی تعین و وجود مطلق و ذات بحت وراء الوریٰ و منقطع الاشارت و کنہ حق سبحانہ، کہ جس کو ہویت و حقیقت احدیت صرف کہتے ہیں۔ اور یہ تمام مراتب جو اوپر بیان کئے گئے۔ سب حضرت انسان میں موجود ہیں —— بعض میں بالفعل اور بعض میں بالقوۃ —— چنانچہ تمام قابلیت درخت، ہر تخم میں مندرج ہے —— اب ذرا ہمہ تن گوش ہوش اور بہ توجہ دل سنو کہ:

"جس وقت خانہ تاریک عدم سے یہ روشنی ظہور نمودار ہوئی، اور جو کچھ احاطہ عدم

میں تھا، دید میں آیا تو اس کا نام عبودیت و ربوبیت رکھا گیا۔"

چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ے رد پدید آمد چو آدم شد پدید　　　زو کلیدے ہر دو عالم شد پدید

یعنی "کائنات کی پیدائش کا راستہ ظاہر ہو گیا جبکہ ظہور آدم علیہ السلام ہوا، اور اس سے ہر دو عالم کی کنجی ظاہر ہو گئی۔"

یہ ہر دو صفات ذاتی ہیں —— اور ہر دو جہان میں انہیں دو صفات کا ظہور ہے —— اور یہ ہر دو تعبیہ وجود انسانی میں موجود ہیں۔ جیسے نقطہ متمثل و متماثل —— ان دو حروف یعنی واؤ اور میم کا کہ یہ دونوں حرف ایک نقطہ سے برآمد ہوئے ہیں۔ اور دونوں کی اصل وہی ایک نقطہ ہے —— مثلاً (م)۔ اگر نظر میم پر پڑتی ہے تو واؤ غائب ہو جاتی ہے۔ اور جب واؤ پر نظر کریں تو میم ندارد ہے —— پس میم کی غیبت میں حضوریٔ واؤ ہے، اور واؤ کی غیبت میں ظہور میم ہے —— یعنی از روئے صورت بعد بلا قرب اور از روئے معنی قرب بلا بعد ہے —— میم سے من عبادت ہے اور واؤ سے مراد یعنی اس کی غیبت میں ہمارا ظہور، اور ہماری غیبت اس کی نمود —— چنانچہ ہر دو صفات میں سے جس پر نظر ڈالو وہی ہے۔ یعنی اگر "میں" کی قید میں گرفتار ہو گیا تو "میں" ہے "وہ" نہیں —— اور اگر "میں" کی قید سے نکل گیا تو وہی "وہ" ہے' "میں" ندارد ہو گیا —— اگر منصور علیہ الرحمہ اناالحق کہہ اٹھے تو سبحان اللہ سزاوار دار ہوئے۔

ے چناں در ذات او کن جسم پنہاں　　　کہ گردد الف در بسم پنہاں

"تو اس کی ذات میں جسم کو اس طرح پوشیدہ کر کہ جس طرح "بسم اللہ" میں الف چھپا ہوا ہوتا ہے۔"

اگر تو عین دیکھے تو عین ہے —— اور اگر غیر دیکھے تو غیر غرض جو کچھ اپنے دلی یقین سے اپنی ذات کو قرار دے گا تو وہی ہے۔ اگرچہ درحقیقت تو کچھ اور ہی ہے۔ کہ جہان زبان بیان گنگ اور پائے فکر لنگ ہے۔ لیکن:

ے گر در دل تو گل گزر و گل باشی　　　در بلبل بے قرار بلبل باشی

توجزوی وحق کل ست گر روزے چند — اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی

''اگر تیرے دل میں پھول کا خیال آئے تو پھول ہوگا —— اور اگر بلبل بے قرار کا خیال ہو تو تو بلبل بن جائے گا —— تو اپنی اصل کے اعتبار سے جزو ہے اور حق کل ہے —— اگر تو چند دن تک اپنے سامنے کل کا فکر و اندیشہ کر لے تو تو کل ہو جائے گا۔''

درحقیقت ذات الٰہی ہماری ذات میں عین عین عین ہے —— یہ ہماری غیریت جمالِ ہویت پر ایک خال ہے، تاکہ اس کا حسن دوبالا ہو —— ورنہ اس غیریت اضافی کا کچھ اعتبار نہیں —— لہٰذا عبوریت اور ربوبیت دونوں ذاتی صفات ہیں —— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب تعینِ ربوبیت غالب آتا تھا، اور صفت عبودیت اس کے غلبہ میں محو ہو جاتی تھی تو اس وقت زبان مبارک سے جو کچھ فرماتے وہ کلام اللہ ہوا —— اور جب صفت عبودیت میں واپس آتے، اس وقت زبان مبارک سے جو کچھ صادر ہوتا، وہ حدیث ہوتا —— اور جبرئیل (علیہ السلام) مراد ہے اس خاطر سے جو دونوں تعینوں کے درمیان یعنی عبودیت کے تعینہ میں ربوبیت کے حال سے خبر دینے والا ہے اور صفت ربوبیت کے غلبہ میں اس کی ہرگز گنجائش نہیں۔

؎ در عشق پیام در نہ گنجد — خود بود دراں وگرنہ گنجد

یعنی ''عشق حقیقی میں کسی پیام کی گنجائش نہیں ہے۔ سب کچھ وہ خود ہی ہے۔ اس کے اندر دوسرے کی گنجائش نہیں ہے' وہ وحدت محض ہے۔''

؎ چوں درآید وصال راحالہ — کم شود گفتگوئے دلالہ

''جب وصل و وصال کا وقت آتا ہے تو اس خاص وقت میں دلالہ کی گفتگو بھی کم بلکہ ختم ہو جاتی ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ

یعنی ''اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے، اس میں کسی کی گنجائش نہیں۔ نہ

فرشتہ مقرب کی اور نہ نبی مرسل کی۔"

بلکہ دائرہ احدیت میں لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ بے کار ہیں—— محمد ظاہر حق ہے اور حق باطن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)—— بلکہ ظاہر و باطن حق ہی حق ہے—— هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ.

یَا مَنْ بُدَ اَجَمَالِکَ مِنْ کُلِّ مَابَدَا ۔۔۔ بادا ہزار جان مقدس ترا فدا
عشق است بس کہ دردو جہاں جلوہ می کند ۔۔۔ گہہ درلباس شاہ و گہہ ازکسوت گدا

"اے وہ ذاتِ پاک! جس کا جمال پاک ہی سب کی ابتداء و بنیاد ہے۔ تیری ذات قدسی پر ہزاروں مقدس جانیں قربان ہوں۔ چنانچہ ایک تیرا ہی عشق ہے کہ جو دونوں جہان میں جلوہ نمائی کرتا ہے۔ تو کبھی شاہی لباس میں شان وشوکت سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی وہ فقیر بے نوا کی پھٹی پرانی گدڑی میں نمایاں ہوتا ہے۔"

موجودات گویا ایک لفظ یا صورت ہے۔ اور اس لفظ کے معنی یا صورت کی حقیقت حق—— چنانچہ معنی و حقیقت کو بغیر لفظ وصورت، اور لفظ وصورت کو بغیر معنی و حقیقت ظہور و جود نہیں—— نہ مطلق کو بغیر مقید آرام اور نہ مقید کو بدوں مطلق قرار۔

؎ خیالات پری بے شیشہ نقش طاقِ نسیاں کن
محال است ایں کہ ہرجا جسم گم شد جاں شود پیدا

"تو پری پیکر کے خیال کو بغیر شیشہ و بوتل کے بھول جا۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ جہاں جسم گم ہو، وہاں جان ظاہر ہو جائے۔"

؎ برہم بولے کایا کے اولے ۔۔۔ برہم بن کایا کیا بولے

مَنْ فَهِمَ فَهِمَ

روح کیا شے ہے؟

حکماء روح کو نفسِ ناطقہ کہتے ہیں—— جمہور کے نزدیک عقلِ کل ہے—— اور اطباء کی تصریح یہ ہے کہ:

○—— جب غذا سے خون بن کر دل کے بائیں پہلو میں پہنچتا ہے اور پکتا ہے' اور

لطیف بخار ہو کر جگر میں پہنچتا ہے تو اس کو روح طبعی کہتے ہیں۔

o ــــــ خون جب جگر سے دماغ میں آ کر اعصاب میں دوڑتا ہے، اس کا نام روح نفسانی ہے۔اور

o ــــــ جب خون اعصاب سے دل میں ہو کر شریانوں کے ذریعے تمام جسم میں سرایت کرتا ہے تو اسے روح حیوانی کہتے ہیں۔اس روح کا منبع دل ہے ــــــ یہ روح آفتاب جسم ہے۔جیسے چراغ خانہ۔

یہ تمام ارواح یعنی روح طبعی، روح نفسانی اور روح حیوانی مخلوق ہیں اور فانی ہیں ــــــ ایک روحِ انسانی ہے۔جسے روح اللہ، روحِ ربانی اور امرِ رب کہا جاتا ہے ــــــ وہ اجسام میں داخل یا خارج ہونے سے پاک ہے ــــــ اور عقل و سمجھ، اور شعور کی رسائی سے برتر ہے ــــــ اہل شریعت اس روح کو امر رب اور اہلِ تصوف مظہرِ حق و سرِّ ذات کہتے ہیں۔

گر نہ بودے ذاتِ حق اندر وجود   آب و گل را کے ملک کردے سجود

یعنی "اگر وجود میں ذاتِ حق پوشیدہ نہ ہوتی تو اس مٹی پانی کے پتلے کو تمام فرشتے کیوں سجدہ کرتے"۔

خوشی غمی کا احساس روح کو ہوتا ہے یا بدن کو:

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ روح کی چار اقسام ہیں:

(۱) روح طبعی (۲) روح نفسانی (۳) روح حیوانی (۴) روح ربانی۔

روح ربانی درد و غم، خوشی، رنج و فکر و اندیشہ، تکلیف و راحت اور ثواب و عذاب سے منزہ و مبرا ہے ــــــ کسی وقت میں، کسی حالت میں، کسی شان میں، کسی زمان و مکان میں کچھ لوث نہیں رکھی۔ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ــــــ اور روحِ حیوانی اور جسم جبکہ اس کے ساتھ ظاہری حواسِ خمسہ غیر باطلہ یعنی کارکن شریک حال ہوتے ہیں تو جسم ان سب امور کا موجب ہوتا ہے ــــــ اور جب یہ ظاہری حواس خمسہ باطل و بیکار ہوتے ہیں تو جسم کو بھی ان سب باتوں سے کچھ اثر نہیں ہوتا ــــــ مثلاً اگر کسی شخص کو بے ہوشی کی دوا

استعمال کرائی جائے تو پھر اس کا جو عضو چاہو سر، ہاتھ، پاؤں کاٹو، اس کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی ـــــ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارا فساد جسم میں ان حواس عشرہ غیر باطلہ کا ہے۔

جو مجذوب مطلق ہیں، ان کو بھی کسی طرح کی تکلیف و راحت نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ ان کے حواس معطل محض ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے طالبان حق اس بات میں کوشش کرتے ہیں کہ یہ ظاہری حواس باطل ہو جائیں ـــــ اور باطنی حواس خمسہ جو باطل پڑے ہوئے ہیں، ہوشیار ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

حواسِ خمسہ باطنی کا یہ خاصہ ہے کہ جب ہوشیار ہوتے ہیں تو اچانک اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ـــــ حواسِ خمسہ ظاہری ہوشیاری کی حالت میں ہمیشہ مخلوق کی طرف رجوع رکھتے ہیں ـــــ اس لئے جسم کو اشیاء کا اثر ان کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ انفرادی طور پر ان تینوں میں سے کسی ایک پر بھی کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔

قلب کیا ہے؟

نفس ناطقہ جب کہ معانی کلی و جزوی کو جس وقت چاہے مشاہدہ کر لے، اسے قلب کہتے ہیں ـــــ حکماء کے نزدیک اس مرتبہ کا نام **عقل مستفاد** ہے۔

آں کہ دانا گفت عقل مستفاد　　　در حقیقت داں کہ دل بودش مراد

”جس کو دانا و حکماء نے عقل مستفاد (فائدہ بخش) کہا ہے، تو حقیقت میں جان لے کہ ”دل“ اسی سے مراد و مقصد ہے۔ ورنہ گوشت کا یہ دھڑکتا ٹکڑا صحیح معنوں میں دل نہیں ہے۔ یہ تو اس کا جسم ظاہری ہے“۔

قلب ظاہر و باطن کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قوائے روحانی اور جسمانی اسی سے نکلتی ہیں ـــــ ہر ایک قوت کو اسی سے فیض حاصل ہوتا ہے ـــــ قلب اصل میں مرتبہ الٰہیہ کی صورت ہے۔ جیسے روح ربانی مرتبہ احدیت کی صورت ہے۔ اسی لئے اس میں ہر شے کی سمائی ہے، حتیٰ کہ حق بھی ـــــ لہٰذا قلب یعنی قلب عارف باللہ رحمت الٰہی کی اقسام میں سے ہے ـــــ رحمت سے مراد یہ ہے کہ حق اس

کے ذریعے سے اپنے بندوں پر رحمت واشفاق کرتا ہے۔

تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سب کی گنجائش ہے:

(۱)۔۔۔۔علم (۲)۔۔۔۔رحمت (۳)۔۔۔۔قلب

ایسا قلب جو کہ حق کی گنجائش رکھتا ہو، اس شخص کا ہو سکتا ہے جس کو جمیع تجلیات ذاتیہ الٰہیہ اور تجلیات اسمائیہ حاصل ہوں۔۔۔۔ پھر اس میں غیر حق کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔۔۔۔ اسی لئے جب حق تجلی فرماتا ہے تو غیر حق متجلی لہٗ کی نظر میں فنا ہو جاتا ہے۔۔۔۔ مثلاً احدیت کی تجلی ہو تو کثرت مضمحل ہو جاتی ہے اور دوئی نابود۔ ناچار متجلی لہٗ کو اپنے نفس کا شعور نہیں رہتا۔ چنانچہ ایسی حالت میں غیر کا ملاحظہ کسی آنکھ سے کرے کیونکہ وہ اپنے آپ کو بھی عین حق دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دو تجلیاں ہیں:

(۱) تجلی غیب باعتبار اسم باطن۔

(۲) تجلی شہادت باعتبار اسم ظاہر۔

جب تجلی غیب ہوتی ہے تو قلب کو اس کی گنجائش کی استعداد عطا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ بندے کے دل کو جب یہ استعداد حاصل ہو جاتی ہے تو عالم شہادت میں حق اس پر تجلی شہودی فرماتا ہے۔ چنانچہ بندے کا دل اس کو دیکھتا ہے۔ یہ تجلی خود متجلی لہٗ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد بندے اور حق کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اور بندہ حق کو ایسی صورت میں دیکھتا ہے جو اس کے اعتقاد میں ہے۔ چنانچہ کیا دل، دنیا میں اور کیا آخرت میں، حق کو بحالت تجلی ایسے دیکھتا ہے جو اس کے اعتقاد میں ثابت ہے۔۔۔۔ لیکن ظاہر ہے کہ اعتقادات رنگ برنگ ہیں تو تجلی حق اگر اس کے اعتقاد کے مطابق ہو گی تو اس کی تعظیم کرے گا اور نہ ہی انکار۔۔۔۔ مگر کاملین جو حق کو کسی خاص اعتقاد میں مقید نہیں کرتے، وہ جس تجلی میں بھی دیکھتے ہیں، خوب پہچانتے ہیں۔

؎ مرد باید کہ باشد شہ شناس   تا شناسد شاہ را در ہر لباس

”مرد آدمی کو چاہئے کہ وہ بادشاہ وقت کو پہچاننے والا ہو۔ تاکہ وہ بادشاہ حقیقی کو ہر

لباس میں پہچان لے"۔

قلب عارف:

قلب عارف وہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی ذات کو نفس حق اور ذاتِ حق پہچانے۔ کیونکہ نفسِ عارف غیر حق نہیں ہے، اس لئے خود ہی عارف ہے اور خود ہی معروف ——— اسی طرح جملہ موجودات غیر حق نہیں ہے بلکہ سب صورتوں میں وہی ظاہر ہے۔

- o ——— اہل عرفان کی صورت میں وہی عارف و عالم ہے، اور
- o ——— اہل ایمان کی صورت میں وہی مقر و سلم ہے، اور
- o ——— غافلوں کی صورت میں وہی جاہل ہے، اور
- o ——— کافروں کی صورت میں وہی منکر ہے۔

قلب کو یہ علم اپنے نفس سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ تجلیات حق کو اور ان کی رنگا رنگی کو مختلف صورتوں میں پہچانتا اور جانتا ہے ——— کیونکہ جیسی تجلی دیکھتا ہے، خود بھی اس کے ساتھ منقلب ہو جاتا ہے۔ اور یہ اسی کا حصہ ہے جو مقام جمع میں تجلی جمع کا مشاہدہ کر پاتا ہے ——— اہل عقل و فکر اس سے محجوب ہیں۔

مولانا عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ دل بمعنی جو ہر روحانی است ــــ دل نہ از جسم است و نے جسمانی است

"جو ہر روحانی کو دل کہتے ہیں۔ یہی اس کا مقصد و معانی ہے۔ دل نہ جسم ہے نہ ہی جسمانی ہے۔"

؎ دل چہ باشد غیر نفس ناطقہ ــــ آں کہ بردے تافت از حق بارقہ

"دل کیا ہے وہ جو کہ نفس ناطقہ کے بغیر ایسا ہو کہ اس پر تجلی حق کی بجلی چمکتی ہو۔"

؎ آں کہ دانا گفت عقل مستفاد ــــ درحقیقت داں کہ دل بودش مراد

"وہ جس کو داناؤں نے فائدہ بخش عقل کہا ہے، تو حقیقت میں یہ سمجھ لے کہ دل سے یہی مقصد و مراد ہے۔"

ے استفادہ گرکنی زاں دل بہ کن تایابی تو علوم من لدن

''اگر تو اس دل پاک سے فائدہ وفیض حاصل کرنا چاہتا ہے تو کر لے۔ تا کہ تجھ کو باطنی اسرار کا علم (علم لدنی) حاصل ہو جائے۔''

ے چوں مجرد شد دل از حرص و ہوا تافتن گیرد دراں نور خدا

''جب تیرا دل حرص وہوا اور خواہشات دینوی سے جدا ہو جائے گا تو اس پر نور الٰہی اپنا پرتو وتجلی فرمائے گا''

ے معنے کلی و جزوی اندرو چوں مشاہد گشت اور را دل بگو

''جزوی وکلی کے معنی اس کے اندر پوشیدہ ہیں۔ جب تجھ کو ان کا مشاہدہ ہو جائے تو پھر اس کو دل کہہ۔''

ے دل چہ باشد مطلع انوار حق دل چہ باشد منبع اسرار حق

''دل کیا ہے، مطلع انوار حق ہے۔ دل کیا ہے، اسرار حق کا منبع ہے۔''

ے دل کہ شد بریاد غیر او حرام گر بدانی او بود بیت الحرام

''اور وہ دل وہ ہے جس پر غیر کی یاد حرام ہوتی ہے۔ اگر تو جانے تو بس وہی کعبہ (بیت الحرام) ہے۔''

ے درحقیقت داں کہ دل شد جام جم می نماید اندرش ہر بیش و کم

''تو حقیقت میں یہ جان لے کہ دل گویا ایک جام جم ہے، اور اس کے اندر ہر شے آئینے کی طرح نظر آجاتی ہے اور اس میں مطلق کی بیشی نہیں ہوتی۔''

ے دل بود مرآۃ وجہ ذوالجلال در دل صافی نماید چوں جمال

''ایسا دل چہرۂ ذوالجلال کا آئینہ ہے، اس طرح دل صافی میں جمال ذات نظر آجاتا ہے۔''

ے پیش سالک عرش رحمان است دل جملہ عالم چوں تن و جان ست دل

''مرد سالک کے سامنے دل ''عرش الٰہی'' ہے، اور تمام عالم جسم کی مانند ہے اور دل اس کی جان ہے۔''

ے لوحِ محفوظ ار ندانستی دل است — پیش دانا دل بہ از آب و گل است

''اگر تو لوحِ محفوظ کو نہیں جانتا تو جان لے وہ بھی دل ہی ہے ــــ عقل مند اور دانا کے سامنے دل آب و گل سب سے بہتر ہے۔''

ے حق نہ گنجد در زمین و آسماں — در دلِ مومن بہ گنجد این و آں

''حق تعالیٰ کا نور زمین و آسمان کی وسعت میں نہیں سما سکتا۔ مگر وہ دل مومن میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔''

ے در دلِ مومن تو ان دیدن عیاں — آں چہ پنہاں است از خلق و جہاں

''مومن کے دل میں وہ سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے، جو کہ تمام خلق اور جہان سے پوشیدہ ہے۔''

ے جملہ عالم جرعہ نوش جام دل — از مکاں تا لا مکاں یک گام دل

''تمام عالم جام دل سے گھونٹ (جرعہ) نوش کرنے والا ہے۔ مکان سے لے کر لامکاں تک دل کیلئے صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے۔''

ے ریخت ساقی بحرھا در کام دل — ہم نہ شد سیراب درد آشام دل

''دل کے منہ میں ساقیٔ ازل نے سمندر انڈیل دیئے۔ مگر دل کی تلچھٹ اور گار پینے والے عاشقان ے آشام پھر بھی سیراب نہیں ہوئے۔''

ے مخزنِ اسرار راشد دل کلید — گنج مخفی ہست اندر دل پدید

''عارف کا دل اسرار الٰہی کے خزانوں کو کھولنے والا ہے (یعنی کنجی ہے)۔ مخفی خزانے دل کے اندر ظاہر ہوتے ہیں۔''

ے ہفت دریا را بیک دم در کشید — می زند او نعرہ هَلْ مِنْ مَزِيْد

''اگر ساتوں سمندر ایک دم پی جائیں، وہ پھر بھی ''اور پلاؤ اور دو'' کا نعرہ ہی بلند کریں گے۔''

ے ساقی و خم خانہ را یک جرعہ کرو — تشنہ لب او را برآید آہ سرد

''اور وہ ایسے بادہ نوش ہیں کہ وہ ساقی و شراب خانہ کو بھی پی جائیں، اس

کے باوجود پیاسے ہو کر ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیں۔"

ـ تاب نورِ حق مدار و غیر دل — جائے کردہ مغبچہ در دیر دل

"نورِ حق کی تاب و جمال دل کے سوا کسی اور شے کو نہیں ہے۔ انہوں نے مغبچہ کو اسی لئے دل کے بت خانے میں جگہ دی ہے۔"

ـ صد ہزاراں آسمان و آفتاب — مشتری و نیز زہرہ ماہتاب

"سینکڑوں آسمان ہیں اور ان میں آفتاب ہیں، مشتری ہے، زہرہ سیارہ ہے، چاند ہے۔"

ـ صد زمین و کوہ و دشت و بحر و بر — ایں کہ می بینی دو صد چیزیں دگر

"اور سینکڑوں زمین، پہاڑ، جنگل، خشکی اور سمندر جو تم دیکھتے ہو، اس سے دو سو گنا زیادہ۔"

ـ ہست از دریائے دل یک قطرہ — در فضائے دل نماید ذرہ

"دریائے دل کے ایک قطرہ کی مانند ہیں اور وہ دل کی لا انتہا فضا میں ایک ذرے کے برابر بھی نظر نہیں آتے۔"

ـ وسعتِ دل برتر ست از ہر چہ ہست — مظہرِ علم الٰہی دل شد است

"اس دل کی وسعت وسمائی کائنات کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ دل تو علم الٰہی کا مظہر ہے۔"

ـ بلکہ دل را کس ندیدہ غایتے — در احاطہ حق دل آید آیتے

"بلکہ دل کی حقیقت و غایت کسی نے دیکھی ہی نہیں۔ اس دل کی حدو احاطہ کے متعلق بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک آیت ہے۔"

ـ واجب و ممکن ہمہ در دل نمود — جان و دل بیروں زعقل و فہم بود

"واجب و ممکن سب دل میں ظاہر ہیں۔ جان و دل عقل و فہم سے باہر ہیں۔"

ـ آں چہ از احوال دل کردم عیاں — قطرۂ میداں ز بحر بے کراں

"یہ جو کچھ میں نے دل کے بارے میں احوال بیان کئے ہیں، تو اسے بحر

بے کراں کا بس ایک قطرہ سمجھ لے۔اس کی تمام حقیقت احاطہ بیان میں ہر گزنہیں آسکتی۔''

عارف کے دل کی وسعت کے بارے میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''اگرعرش،اور جو کچھ احاطہ عرش میں ہے۔کسی عارف کے گوشہ دل میں جا پڑے تو عارف کو اس کا احساس بھی نہ ہو۔''

مولانا روم اور دل:

گوشہ بی توشہ دل شہ رہ است   تاب لاشرقی ولاغرب از مہ است

''دل کی شاہراہ بے توشہ کا گوشہ تنہائی ہے۔یہ بغیر مغرب ومشرق ہر سمت چمک دھمک دکھانے والا چاند ہے۔''

دل نباشد غیر آں دریائے نور   دل نظر گاہ خدا وا نگاہ کور

''اس کا دل دریائے نور کے بغیر دل کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔دل اگر نظر گاہ خدا ہو تو وہ روشن ومنور ہے،ورنہ وہ دل اندھا ہے۔''

دل محیط است اندریں حیطہ وجود   زرہمی افشاند از احسان وجود

''دل اس احاطہ وجود میں ایک بحر بے کنار ہے۔اور وہ وجود مسعود الٰہی کے فیض و احسان سے زرپاشی کرتا ہے۔''

لطف شیر وانگبیں عکس دل است   ہرخوشی راآں خوش از دل حاصل است

''دودھ اور شہد کا لطف اسی دلِ مصفا کا عکس ہے۔دونوں جہاں کی ہر ایک خوشی اسی دل خوش وقت سے حاصل ہوتی ہے۔''

بس بود دل جو ہر و عالم عرض   سایہء دل چوں بود دل را غرض

''بس یہ دل ایک جوہر حقیقی ہے اور تمام عالم عرض و حادث یعنی عارضی ہے۔جبکہ دل کی غرض ومقصد سایہء دل اور تجلیٔ جمالِ ذات سے منور ہونا ہے۔''

مادر و بابا واصل خلق اوست   اے خنک آنکس کہ دل واندز پوست

''ماں باپ کی شفقت بھی اسی کے ذریعے سے ہے۔یعنی ماں باپ کی محبت اسی سے پیدا ہوتی ہے۔اے وہ شخص جو ایسے دل کو جسم و کھال سے جدا سمجھتا ہے، یعنی حقیقت دل سے واقف ہے وہ صرف گوشت کے لوتھڑے ہی کو دل نہیں سمجھتا، وہ بڑا مبارک ہے''۔

ـ صد جوال زر بیاری اے غنی — حق بگوید دل بیار اے منحنی

''اے دوست مندا! اگر تو سیم وزر کے سینکڑوں بورے بھی لائے گا، جب بھی اللہ تعالیٰ تجھ سے یہی فرمائے گا کہ اے کم حیثیت تو دل خالص و مخلص ہی پیش کر۔یعنی باری تعالیٰ کی نظر میں محبت وخلوص سے بھرپور نورانی دل کی ہی قدر وعزت ہے، مال و دولت کے خزانوں کی نہیں۔کیونکہ وہ سب فانی اور عارضی ہیں۔''

ـ من زصاحب دل کنم درتو نظر — نے بہ نقش سجدہ و ایثار زر

''میں نے ایک صاحب دل (ولی) سے پوچھا کہ تیری نظر میں نہ تو نقش سجدہ نہ ایثار دولت کا خیال ہے۔یعنی ظاہری عبادت و مال کی سخاوت کی تیری نظر میں کچھ وقعت نہیں ہے''۔

ـ گفت لا تنظر الیٰ تصویرکم — فابتغوا والقلب فی تدبیرکم

''تو اس نے فرمایا: تو ان ظاہری نقوش وتصاویر کی کمی اور زیادتی کو نہ دیکھ، بس تو دل مصفا حاصل کراور اسی کے لئے تدبیر وکوشش کر۔''

ـ گرزتو راضی است دل من راضیم — ور ز تو معرض بود اعراضیم

''اگر دل تجھ سے راضی ہے تو میں بھی تجھ سے راضی ہوں۔اور اگر وہ تجھ سے جدا ہوگا تو میں بھی تجھ سے جدا رہوں گا۔یعنی اگر تو صحیح معنوں میں دل حاصل کرلے تو میں تجھ سے ہوں گا۔''

ـ باتو اوچوں ہست ہستم من چناں — زیر پائے مادراں شد تن جناں

''تیرے ساتھ وہ جیسا ہوگا، میں بھی ویسا ہی ہوں گا۔ ماؤں کے قدموں ہی

میں جسموں کی جنت ہوتی ہے۔"

؎ آں ولی آور کہ قطبِ عالم است ——— جانِ جانِ جانِ جانِ آدم است

"اس ولی کو جب قطبِ عالم ہو، اور وہ تمام نبی آدم کی جان جان ہو۔"

؎ از برائے آں دل پرنور وبر ——— ہست آں سلطانِ دلہا منتظر

"تو اس کے ذریعے دل پرنور حاصل کر، دلوں کا وہ سلطان تیرا منتظر ہے۔"

؎ روبہ یادآں دلے کوشاہ جوست ——— کہ امان سبز وار کون از دست

"تو اپنے دل کو پیش کر جو اس شاہ کا طالب ہے، کہ وہ اس تمام دنیائے سرسبز کی امان وپناہ ہے۔"

؎ ریزۂ دل را بہل دل رابہ جو ——— تاشود آن ریزہ چوں کوہے ازو

"اس ظاہری دل کے ٹکڑے چھوڑ، جو دل انوار الٰہی کے بحر پایاں کا ظرف ہو، اس دل کو ڈھونڈ، تاکہ دل کا یہ ٹکڑا اس سے پہاڑ کی مانند عظیم الشان ہو جائے۔"

؎ معدہ رابہ گزار دسوئے دل خرام ——— تا کہ بے پردہ زحق آید سلام

"تو معدے کو چھوڑ دے اور حرص و ہوا سے آزاد ہو کر دل کی طرف پیش قدمی کر، تا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے تجھ کو پھر بے حجابانہ سلام آئے۔"

؎ طالب دل شو کہ تا باشی چوگل ——— تاشوی شاداں وخنداں ہم چوگل

"تو بس دل کا طالب بن تا کہ تو جام بن جائے اور کھلے ہوئے پھول کی طرح خوش وخرم ہو جائے۔"

؎ دل بہ خرتا دائماً باشی جواں ——— ازتجلی چہرہ ات چوں ارغواں

"تو دل حاصل کرتا کہ ہمیشہ جواں مرد بنا رہے۔ اور تجلی انوار کی وجہ سے تیرا چہرہ سرخ اور روشن ہو جائے۔"

؎ گرتو اہل دل نہٖ بیدار باش ——— طالب دل باش در پیکار باش

"اگر تو اہل دل نہیں ہے تو بیدار و ہوشیار ہو جا، تو طالب دین بن جا اور خوب جدوجہد کر۔"

ے کالہ حکمت کہ گم کردہ دل است | پیش اہل دل یقیں آں حاصل است

''فلسفہ وحکمت کا اسباب تو گم کردہ دل ہے، مگر اہل دل کو اس کا یقین حاصل ہے۔''

ے اے برادر یک دم از خود دور باش | با خود آ وَ غرق بحر نور باش

''اے بھائی تو اپنی خودی سے ایک دم دور ہو جا، پھر تو اپنے (خود) آپ میں آ یعنی اپنی حقیقت کو سمجھ اور بحر نور میں غرق ہو جا۔''

ے باغ دل سبز و تر و تازہ بہ بیں | پر ز غنچہ ورد و سرو و یاسمین

''باغ دل کو سرسبز و شاداب دیکھ۔ جو کہ غنچوں اور گلاب اور سرو و یاسمیں کے پھولوں سے بھرپور ہے۔''

ے باغ ھا و میوہ ھا اندر دل است | عکس لطفِ آں بریں آب و گل است

''اس دل کے اندر ہی تمام سرسبز و پر بہار باغات اور ہر قسم کے پھل اور میوے ہیں۔ اس کا عکس لطف اس دنیائے آب وگل (مٹی و پانی) میں نظر آتا ہے۔''

ے باغ ھا و سبزہ ھا در عینِ جاں | بر بروں عکس چو در آبِ رواں

''باغ اور سبزہ زار حقیقت میں عین جان میں ہیں۔ اور یہاں دنیائے فانی میں تو اس کا عکسِ و سایہ ہی آب رواں میں عکس کی مانند نظر آتا ہے۔''

ے قطرۂ دل را یکے گوہر فتاد | کاں بدریا ھا و گردوں ھا نداد

''اس دل کے قطرے کو ایک ایسا گوہر تابدار عطا ہوا، جو کسی دریا و سمندر اور کسی آسمان کو عطا نہیں ہوا۔''

ے عرش با آنورد با پہنائے خویش | چوں بدید اورا برفت از جائے خویش

''چمکتے ہوئے اس نورانی موتی کو جس میں محبت و جمال الٰہی کی چمک اٹھ رہی تھی، عرش اعظم نے اپنی عظمتِ وسعت کے باوجود اس کا جب مشاہدہ کیا تو تجلیات کی ہیبت سے وہ بھی اپنی جگہ سے ہل گیا۔''

ے خود بزرگی عرش باشد بس بہ دید | لیک صورت کیست چوں معنی رسید

''عرش مقدس کی بزرگی اگرچہ خود دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، مگر وہ کیا صورت ہے جو اس پر اسرار معنی ومقصد کو پہنچی۔ یعنی یہ امانت محبت اور انوار الٰہی، دل کے سوا اور کوئی برداشت ہی نہیں کرسکتا تھا۔ لہٰذا سب محروم رہے۔ اور فیض الٰہی کا یہ عطیہ اسی دل آدم کے سپرد کیا گیا۔[1]

ے دل کہ گر ہفصد چوں ایں ہفت آسماں　　　اندر و آید شود یا وہ نہاں

''یہ باطن یہ دل اس قدر وسیع ولانہایت ہے کہ اگر اس میں اس آسمان جیسے سات سو آسمان بھی سما جائیں۔ اور وہ بھی اس دل میں گم اور بے نشان ہو جائیں۔''

ے اصل ارض اللہ قلب عارف ست　　　لا مکان است وندارد فوق و پست

''اس لئے عارف کا دل اصل میں اللہ کی وسیع زمین کی تفسیر ہے اور لا مکان کی طرح وہ غیر محدود ہے۔ اس کے اندر بلندی وپستی وغیرہ کچھ نہیں ہے۔''

ے گر بر دید خوشہ از اوصاحب او　　　پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو

''اگر اس کے جمالی اوصاف اور مخفی اسرار سے کوئی پھول یا پھل ظاہر ہو تو وہ ایسا وسیع وعظیم الشان ہوگا کہ تو اس کو اللہ کی وسیع زمین کا مطلب کہہ۔''

ے چونکہ ایں ارض فنا بے ربع نیست　　　چوں بود ارض اللہ آں مستوسعیت

''اس ارض فانی کا چونکہ چوتھائی حصہ آباد ہے اور سمت وجہت وحدود کے بغیر نہیں ہے، اس لئے اسے کس طرح اللہ کی وسیع زمین کہہ سکتے ہیں۔''

ے ربع آنرا نے حدو نے عدبود　　　کم ترین دانہ دہد ھف صد بود

''اس میں جو کم سے کم دانہ پیدا ہوتا ہے، وہ بھی سات سو حصے زیادہ ہوتا ہے۔''

ے ایں حکایت کرد آں ختم رسل　　　از ملیک لا یزال و لم یزل

''یہ حکایت تو حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوب بیان فرمائی ہے

---

[1] آسماں بار امانت نہ تو انست کشید　　　قرعہ عشق بنام من دیوانہ زوند

''یعنی امانت محبت کے اس بوجھ کو آسمان بھی نہ اٹھا سکے۔ اس لئے عشق کا یہ پروانہ دیوانے (انسان کے نام ہی نکلا۔''

جیسا کہ مالک لازوال نے فرمایا ہے۔"

؎ کہ نہ گنجیدم در افلاک و خلا در عقول و در نفوس با ھدیٰ

"میں ان وسیع آسمانوں اور خلائے عظیم میں بھی نہیں سماتا، اور نہ ہدایت والے، صاحبان عقل اور پاک نفوس والے یعنی فرشتوں میں۔"

؎ در دل مومن بہ گنجیدم چوضیف نے زچون وبے چگونہ نے کیف

"مگر میں صرف "مومن کامل" کے دل صافی میں بغیر کسی "کیسے، کیوں" اور کمی بیشی۔

کے مہمان ہوتا ہوں۔ یعنی اس کی کوئی وجہ اور تشبیہ یا مثال بیان نہیں ہوسکتی کہ وہ عقل و سمجھ سے باہر ہے۔"

؎ ہر دو کون اسپ ترحم تاختیم پس عریض آئینہ برسا ختیم

"میں نے دونوں جہانوں میں اپنے ترحم کا گھوڑا دوڑایا۔ آخر کار میں اس وسیع آئینہ یعنی دل مومن کو پسند کیا اور اپنے انوار وصحبت کے لئے انتخاب کیا۔"

؎ ہر دم ایں آئینہ پنجاہ عرس بشنو آئینہ ولے شرحش مپرس

"اس آئینے میں ہر دم پچاسوں شادیاں اور خوشیاں ہوتی ہیں۔ اور وہ محبت الٰہی سے ہر لحہ مسرور ہوتا ہے۔ اس آئینہ حق سے تو خود سن لے مگر اس کی شرح و تفصیل نہ پوچھ۔"

؎ بے چنیں آئینہ ایں خوبی من برنتا بدہم زمین ہم زمن

"اس آئینے کے بغیر میری یہ بے مثال خوبی ساری زمین و سارے زمانے میں بھی ہرگز نہیں چمکتی۔"

؎ وصف بیداری دل اے معنوی در نگنجد در ہزاراں مثنوی

"اے اہل معنی! اس دل کی بیداری کا وصف اور خوبی ہزاروں مثنویوں میں نہیں آسکتا۔"

؎ شاہ بیدار است حارس خفتہ گیر جاں فدائے خفتگان دل بصیر

''بادشاہ عالم پناہ! تو بیدار ہے، جبکہ حارس محوخواب ہے ـــــ میری جان ان سونے والوں کے صدقے وقربان۔ جن کا دل خواب میں بھی جاگ رہا ہے اور وہ دل آنکھیں رکھتا ہے۔''

ـ بہر نازش بستہ بود اوچشم سر　　　عرش و فرشش جملہ درپیش نظر

''اگر اس نے راحت کے لئے اپنی آنکھیں بند کی ہیں اور بظاہر سو رہا ہے۔ مگر اس عالم میں بھی تمام کائنات اور عرش وفرش سب اس کے پیش نظر ہیں۔''

ـ پس دوچشم روشن صاحبِ نظر　　　بہتر ازصدما درست و صد پدر

''اس لئے کہ ایسے صاحب نظر کی دونوں روشن آنکھیں سینکڑوں ماں باپ کی شفقت والفت سے بدرجہا بہتر ہیں۔''

ـ خاصہ چشم دل کہ آں ہفتاد پوست　　　پیش چشم حس کہ خوشہ چین اوست

''دل کی اس مبارک آنکھ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ستر حجاب و پردے رکھتی ہے۔ اور یہ چشم حس اس کی خوشہ چین ہے۔ یہ بھی اسی کی وجہ سے ہر شے کے بارے میں علم رکھتی ہے۔''

ـ صاحب دل آئینہ شش روبود　　　روئے حق ازشش جہت آنسو بود

''درحقیقت صاحب دل شش پہلو آئینہ ہے۔ جس میں ہر طرف سے روئے حق کی تجلیات وانوار منعکس ہوتے ہیں۔''

ـ ہر کہ اندر شش جہت دارد مقر　　　کے کند درغیر حق یک دم نظر

''جو کچھ تمام کائنات اور چھے سمتوں میں موجود ہے، وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس کی نظر وحدت بیں، میں ہرگز غیر حق نظر نہیں آتا۔''

ـ ایں صفائے آئینہ وصفِ دل است　　　صورتِ بے انتہا را قابل است

''یہ اس آئینہ دل کی صفائی کا وصف ہے کہ بے انتہا اور لاتعداد صورتیں بیک وقت مشاہدہ کرنے کے قابل ہے۔''

ـ صورت بے صورتی بے حد وغیب　　　زآئینہ دل تافت برموسیٰ زجیب

''اور وہ مقدس و بے مثل صورتِ بے صورتی جو بے حد اور ظاہری نظر سے غائب و پوشیدہ ہے، وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخفی آئینہ دل پر ہی چمکی تھی۔''

؎ اگرچہ ایں صورت نہ گنجد در فلک نے بعرش و فرش دریا وسمک

''اگرچہ وہ صورت تمام آسمانوں میں بھی نہیں سما سکتی۔ اور نہ وہ عرش وفرش اور دریا ومچھلی میں گنجائش پذیر ہوتی ہے۔''

؎ زانکہ محدود است ومعدود ست آں آئینہ دل را نبا شد حد بداں

''اس لئے کہ وہ سب اشیا محدود ہیں اور شمار کی جانے والی ہیں یعنی ان کی حد و تعداد ہے مگر تو جان لے کہ صرف یہی آئینہ دل ایسا بے مثل ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں' کوئی انتہا نہیں۔''

؎ تاابد نو بہ نو صدر کاید بدو مے نماید بے حجابی اندرو

''اس (آئینہ دل) میں ہمیشہ نئی نئی صورتیں بے حجابی سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔''

؎ عقل ایں جا ساکت آید یا مضل زاں کہ دل با اوست یا خود اوست دل

''اور یہ وہ جگہ ہے جہاں عقلِ انسانی یا تو حیران ہو کر ساکت ہو جاتی ہے' یا اپنی غلط فہمی سے گمراہ ہو جاتی ہے۔''

؎ ایں جمالِ دل، جمال باقی است دولبش از آبِ حیواں ساقی است

''یہ جو دل کا جمال و مشاہدہ ہے، یہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، غیر فانی ہے۔ درحقیقت یہ آبِ حیات کے ساقی کے دولبوں سے سرمست ہے۔''

؎ خود ہم آب است، ہم ساقی ومست ہر سہ یک شد چوں طلسم تو شکست

''اصل میں تو وہ خود ہی آب و ساقی ہے' اور خود ہی مست و مخمور ہے۔ یہ مے و مستی و ساقی سب کچھ ایک ہو جائے گا' جس وقت تیرا طلسم ظاہری (فانی زندگی) شکستہ ہو جائے گا۔''

؎ اوست عین جملہ اشیاء اے پسر باتو گفتم راز پنہاں سر بسر

''اے فرزند! وہی تمام اشیاء کا عین وحقیقت اور اصل جانِ جان ہے۔ بس میں

نے تجھ سے یہ پوشیدہ راز تمام بیان کر دیا ہے۔''

عشق و محبت کیا ہیں؟

حضرت عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ عشق چہ بود قطرہ دریا ساختن از دو عالم باخدا پروا ختن

''عشق کی حقیقت کیا ہے؟ —— نا چیز قطرے کو دریا و سمندر بنا دینا۔ اور دونوں عالم سے بے نیاز ہو کر صرف خدا تعالیٰ سے لو لگانا اور اس میں محو ہو جانا ہے۔''

؎ عشق آں باشد کہ باطل حق شود قید را بگزار و اند مطلق شود

''عشق وہ ہے کہ اس سے باطل بھی حق ہو جائے، اور تمام قید و بند سے خود کو آزاد جان کر فردِ مطلق ہو جاتا ہے۔''

؎ عشق از ہستی خود وارستن است در مقامِ سرمدی پیوستن است

''عشق اصل میں اپنی ھستی کو صحیح معنوں میں آراستہ کرنا ہے۔ اور مقامِ سرمدی یعنی حضوری ذات الٰہی میں تعلق پیدا کرنا ہے۔''

؎ عشق افراطِ محبت گفتہ اند وراں معنی چہ نیکو سفتہ اند

''عشق کو محبت و الفت کی شدت وافراط کہا گیا ہے، اور ان معنوں میں کیا خوب موتی پروئے ہیں۔''

؎ عشق شد ایجاد عالم را سبب گوش کن اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ زرب

''یہی'' عشق حقیقی'' تو ایجاد عالم اور پیدائش مخلوق کا سبب ہوا ہے۔ تو ذرا غور سے سن کہ حق تعالیٰ نے ''میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں'' خود فرمایا ہے۔''

؎ عشق آمد واسطہ کون ومکان گر نبودے عشق کے بودے جہاں

''اسی لئے عشق واسطہء کون و مکاں (تمام عالم و عالمیان) ہوا۔ اگر یہ عشق نہ ہوتا تو یہ جہان کیسے ظہور میں آتا۔''

؎ عشق آمد عروۃ الوثقائے دین عشق باشد رہبر راہ یقین

"یہی عشق دینِ حق کی مضبوط سیڑھی ہے، اور یہی عشق رہبر راہ یقین و ہدایت ہے۔"

؎ عشق عاشق رابود حبل المتین عاشق بالا بود از کفر و دین

"عشق صادق عاشق کے لئے بڑی مضبوط رسی اور ذریعہ ہے۔ عشق حقیقی کفر و دین سے بلند و بالا ہے۔"

؎ عشق دریائیست بے حدو کراں عشق بیرون ست از شرح و بیاں

"یہ عشق تو ایک دریائے بے حد اور بے کنار ہے۔ یہ عشق اپنی شرح و تفصیل سے باہر ہے، اس کی تمام حقیقت بیان میں نہیں آ سکتی۔"

؎ در دلِ عاشق چو عشق آتش فروخت ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

"جب عاشق کے دل میں آتش عشق بھڑکتی ہے تو معشوق و محبوبِ حقیقی کے علاوہ ہر چیز جل کر فنا ہو جاتی ہے۔"

؎ گر مقامِ عشق باوائے تو شد برفراز نہ فلک جائے تو شد

"اگر ایسے عشق حقیقی کا مقام تیرا مسکن ہو جائے تو پھر نویں آسمان سے بھی اوپر تیری جگہ مقرر ہو۔"

؎ عشق مرآۃ جمال روئے دوست عشق آرد مرترا در کوئے دوست

"عشق دراصل جمالِ دوست کا آئینہ مصفا ہے، اور یہ عشق ہی تجھ کو کوئے دوست میں لے جائے گا۔"

؎ دین عاشق عشق و تجرید و فناست مرتبت تفرید و ترک ماسواست

"عاشق کا دین بس سب سے علیحدگی و جدائی اور فنائے محبت ہے۔ اور اس کا مقام و مرتبہ محبوب کے سوا سب کچھ چھوڑ کر فرد و یگانہ ہو جانا ہے۔"

؎ عشقِ حق چوں در دلت ماوا کند جان و دل در زماں شیدا کند

"پس جب عشق حق تیرے دل میں سما جائے گا تو وہ تیری جان و دل کو اپنا والہ و شیدا بنا لے گا۔"

؎ چوں محبت تافت در دل ذرہ گشت عالم پیش او یک پرہ

''جب محبت کا ایک ذرہ بھی تیرے دل میں چمکے گا تو پھر تمام عالم اس کے سامنے گھاس کے تنکے کی طرح ناچیز ہو جائے گا۔''

ہر کہ از جام محبت نوش کرد عقل را دیوانہ و مدہوش کرد

''لہٰذا جس نے بھی جامِ محبت نوش کیا، اس کی عقل وسمجھ دیوانہ ومدہوش ہوگئی۔''

لذت جام محبت ہر کہ یافت روئے دل از لذت کونین تافت

''اور جس نے بھی اس جام محبت کی لذت پائی، اس کا دل اور اس کا چہرہ کونین کے تمام لطف ولذت سے پھر گیا، یعنی پھر وہ سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔''

از محبت آں زماں یابی اثر کز وجود خویش گردی بے خبر

''تو اس محبت کا اثر اس وقت محسوس کر سکے گا جب تو اپنے وجود سے بے خبر ہو جائے گا۔''

بے محبت ہیچ کس کامل نہ شد در مقامِ قرب حق واصل نہ شد

''سچی محبت کے بغیر کوئی بھی نہیں بنا ہے۔ اور نہ ہی مقام قرب حق میں کوئی واصل ہوا ہے۔''

راہ عشقش کو فنا اندر فناست عاشقاں را زیں فنا صد بقاست

''راہ عشق وہ راہ ہے جو کہ فنا کے اندر فنا ہے۔ عاشقان صادق کو اس فنا سے سینکڑوں بقائیں حاصل ہوتی ہیں۔''

عالم امکان کیا ہے؟

عالم امکان ایک عظیم الشان مجموعہ طلسمات ہے (مقام حیرت ہے) کہ جسے حکیم مطلق نے اپنی حکمت وقدرت کاملہ سے قائم فرمایا ہے۔ جا بجا ہر منزل ومقام پر ایک جدا گانہ طرز وطریقہ، اور نئے رنگ اور نئے ڈھنگ کا ایک طلسم حیرت افزا باندھا ہے۔۔۔ جملہ اہل عقل (عقلاء) واہل حکمت (حکماء) اور فلاسفر اس دریائے طلسمی میں غرقاب ہیں۔ اور جائے گریز نہیں یعنی ایسی جگہ ومقام نہیں جہاں سے بچ کر یا ہٹ کر گزر جانا ممکن ہو۔ یہ جان سانے والا سراب سا ایک ایسا مقام (سراب جان کاہ) ہے

جہاں خطا و کوتاہی (لغزش گاہ) کا اندیشہ ہے ــــ یہاں کا گرفتار کبھی بیدار و ہوشیار ہو کر آزاد و شاد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہیں فنا ہو کر برباد ہو جاتا ہے ــــ الا ماشاء اللہ نیا آنے والا مسافر جو بطون سے ظہور میں آ کر اس طلسمی جنجال میں پہلا ہی قدم رکھتا ہے تو حیران و پریشان ہو کر دم بخود ہو جاتا ہے۔ کہ ہیں! وہ کیا تھا اور یہ کیا ہو گیا ــــ ہائے وہ آزادی اور یہ گرفتاری! ــــ پھر روتا ہے، چلاتا ہے۔ مگر کون سنتا ہے فغان درویش (درویش کا رونا دھونا) ــــ اب مفر کہاں! ــــ چنانچہ اس طلسم کدے میں پہلے سے گرفتار شدگان جمع ہو کر اس کو بہلاتے ہیں، پھسلاتے ہیں، چمکارتے ہیں، لوری دیتے ہیں:

"ہے ننھا جگ جگ جیو ــــ کیوں، کیا ہوا؟ ــــ ابھی تو تم کو بہت کچھ اس چمن کی ہوا کھانی ہے۔"

چاروں طرف کی آوازوں سے چوکنا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے، اور گھبراتا ہے ــــ آخر کار آہستہ آہستہ اس طلسم کی سیر و تماشائے دل فریب میں مبتلا ہو کر محبوسانِ حبس دوام کی الفت و محبت میں برے حالوں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ (یعنی اس جادو نگری کی سیر اور دل لبھانے والے نظاروں میں کھو کر، اور یہاں کے رہنے والوں کی الفت و محبت بے نیازی سے زندگی گزارنے لگتا ہے) ــــ اور یہ جنم قیدی جو کچھ بولیاں بول رہے ہیں، یا سن رہے ہیں، یا دیکھ رہے ہیں، یا کر رہے ہیں ــــ یہ بھی وہی بولی بولتا ہے، اور سنتا ہے، اور دیکھتا ہے، اور کرتا ہے ــــ اور جن بے ہودہ اشغال ماسویٰ اللہ میں یہ مشغول ہیں، خود بھی انہیں مشاغل لہو ولغو میں مصروف ہو جاتا ہے ــــ انجام کار حالت زار میں بے نیل و مرام اسی طلسم میں فنا ہو کر رہ جاتا ہے ــــ خالی ہاتھ آیا تھا، اور خالی ہاتھ بے سرو سامان مگر روسیاہ ہو کر گیا ــــ اور جن سعادت مندان ازلی پر بفضلہٖ تعالیٰ اس طلسم کا حقیقی راز منکشف ہو جاتا ہے تو اس تار و پود عنکبوت:

مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ط

اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ○ (پ۲۰-ع۱۶)

کوتوڑ کر اور مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے منہ موڑ کر آزادانہ طریق پر تا بہ زندگی مسرور الوقت وشادکام رہتا ہے۔ پھر اپنے اصلی وطن کی طرف سالماً غانماً رجوع کر جاتا ہے۔

فقط والسلام!

باز آمدم برسر مطلب یعنی تعلیم مقصود اصلی جس سے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ مراد ہے۔

پہلا باب:

علم الیقین

ہر چیز کی شناخت اور پہچان کے لئے یقین کے تین درجے ہیں:

- O——علم الیقین
- O——عین الیقین
- O——حق الیقین

جو شخص کسی چیز کے بارے میں بتلانا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اس چیز کا نام لے کر اس کی صورت وہیت، شکل و ماہیت اور وصف بیان کرتا ہے۔ اس بیان سے جو علم سننے والے کے ذہن نشین ہوتا ہے —— مثلاً کسی نے بیان کیا کہ ایک ریل گاڑی اس صورت وشباہت کی ہوتی ہے۔ اس میں بہت سی کلیں لگی ہوتی ہیں۔ اس کے پیچھے دس پندرہ بوگیاں لگا دیتے ہیں۔ ان بوگیوں میں بہت سے لوگ ٹکٹ لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔

ریل گاڑی کسی جانور کے کھینچے بغیر لوہے کی پٹڑی پر پانی کی بھاپ سے (آج کل بجلی کے ذریعے) سب بوگیوں کو فی گھنٹہ بیس پچیس میل (آج کل اس سے کہیں زیادہ تیز رفتار سے) کھینچ کر لے جاتی ہے —— اس کا نام علم الیقین ہے۔ یہ کان سے متعلق ہے یعنی ''سن کر جاننا''۔

جب اس کو اسٹیشن پر لے جا کر اس کی شکل دکھا دی تو اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔ یعنی ''آنکھوں سے دیکھ کر علم ہونا''۔ گویا اس علم کا تعلق آنکھوں سے ہے۔

اور جب اس کا تجربہ کرا دیا، یعنی ٹکٹ لے کر گاڑی میں سوار کرا کے فی گھنٹہ اس کی

رفتار کا یقین بھی دلا دیا، تو اس کو حق الیقین کہتے ہیں۔ یعنی "یقین کامل"—— اس کا تعلق دل سے ہے۔

چنانچہ ہر چیز میں یقین کے یہی تین درجے ہوں گے یعنی وصف، صورت اور تجربہ ذات، شے—— جب ہم نے ہر شے کی شناخت میں یقین کے تین درجے پائے اور تیسرے درجے میں تجربہ ذات شے، تو ہم نے بھی اس کتاب میں تین باب مقرر کئے ہیں۔ تاکہ ہر ایک شخص کو:

- —— اپنی صورت وصفات و ذات کا علم، اور
- —— ذات الٰہی کی شناخت کا انکشاف

اپنی استعداد کے مطابق ہو جائے—— جب تک انسان کو کسی چیز کا علم نہ ہوگا اس کی طلب محال ہے—— اور جب علم ہو تو طالب اس کی طلب و تلاش میں سرگرم اور کوشاں ہوگا—— جب طلب پیدا ہوئی تو پھر طالب دیدار ہوگا۔ جب دیدار میسر آیا تو پھر مشتاقِ وصال ہے۔

فصل اوّل

تمہید تنزلات وتعینات

گنجینۂ اسرار کمالش مائیم   آئینہ انوار جمالش مائیم

"ہم اس کے اسرارِ کمالات کا خزانہ ہیں، اس کے جمال کے انوار کا آئینہ ہم ہیں۔"

رازدارانِ اسرارِ معرفت و نکتہ شناسانِ رازِ حقیقت پر واضح ہو کہ اس گنجینہ مکتوم کا طلسم جس کو حکیم مطلق نے اپنی حکمت کاملہ سے خاکی پیرائے میں ظاہر فرمایا ہے—— اکثر طلسم کشایانِ حقیقت نے اس لاینحل (حل نہ ہونے والے) طلسم کی عقدہ کشائی میں عقل و ادراک علم و معرفت کے وسائل سے حتی الوسع بہت کچھ رہنمائی فرمائی ہے،

لیکن پھر بھی اکثر خاص و عام اس نیرنگ کی حقیقت سے محض ناواقف ہو کر مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں۔

یہ ذرہ ناچیز خادم الفقراء اس نیرنگ خیالی کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے —— اس بولتی ہوئی تصویر کہ جس کو صانع برحق و نقاشِ ازل نے اپنی صنعت بالغہ سے تختہ خاک پر ایک صورت حیرت افزا کا نقشہ کھینچ کر، اپنی روح سے ظاہراً متکلم بنایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت سے مٹی کی ایک بولتی ہوئی حیران کن تصویر و نقشہ بنایا —— اس کی اصل صورت و حقیقی جمالِ بے مثال کے نور سے دیدار حقیقت کی طلب کرنے والوں کی آنکھیں منور و مشرف کرتا ہے —— بلکہ تمہیں تمہاری ظاہری اعتباری صورت و اصل باطنی حقیقت کو (جو گرہن لگے سورج کی طرح ہے) کھول کر بتاتا ہے —— شاید کہ ظاہر سے بطون میں غواصی کر کے درِ غررِ خود شناسی کو حاصل کرے، اور اپنی اصل صورت کے انوارِ حیرت افزا میں محو در محو ہو جائے۔

اس نیرنگ قدرت یعنی اپنے حسن و جمال ظاہری و باطنی کو دیکھو کہ مصور حقیقی نے اس تصویر دل پذیر کو کس خوبی سے خاکی لباس میں جلوہ گر فرمایا ہے —— ارشاد باری ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ؕ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ (پ۳۰ ع ۲۰)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے ان آیات مبارکہ کا ترجمہ یوں ارشاد فرمایا ہے:

”قسم ہے انجیر کی، اور زیتون کی، اور طور سینین کی —— اور اس امن والے شہر کی —— ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب اندازے پر —— پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے —— مگر جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں سوان کو نیگ ہے بے انتہا“۔

ماہرین فن، کامل استادوں اور نامور کاری گروں کا یہ معمول ہے کہ جب کوئی شے صاحب شان وبیش بہا بنانا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کا خوب اندازہ کر کے نقشہ کھینچتے ہیں ـــــ چنانچہ صانع مطلق نے بھی انسان کو بنانے سے پہلے اس کی صورت کا خاکہ بنایا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

○ ـــــ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (پ۲۲'ع ۱۵)

''اور تمہاری صورت کھینچی، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت''

○ ـــــ صَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (پ۲۸'ع ۱۵)

''تمہارا نقشہ بنایا، سو بہت خوب نقشہ بنایا۔''

یعنی ارادۂ ازلی میں سب سے پہلے تمہاری صورت کا نقشہ کھینچا ـــــ پھر نقشۂ ازلی کے مطابق تمہاری صورت بنائی۔

احسن التقویم کی ازلی تصویر کا نقشہ:

اب اس خاکی طلسم وطلسمی پتلے کی صورت کا نقشہ بغور ملاحظہ فرمائیے۔ اس صانع مطلق نے اس نیرنگ قدرت میں کس خوبصورتی سے اپنے نام اور جان کو نامعلوم ظاہر فرما کر مظہر اتم بنایا ہے ـــــ صورت طلسم احسن تقویم یہ ہے۔ ارشاد باری ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ؕ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ ؕ (پ۲۵'حم سجدہ، رکوع ۶)

''ہم ان کو جلد دکھا دیں گے اپنی نشانیاں اطراف عالم میں، اور ان کے نفسوں میں، یہاں تک کہ (وہ پکار اٹھیں گے) تحقیق یہ ہے حق ـــــ آیا تیرا پروردگار کافی نہیں یہ کہ وہ ہر چیز پر حاضر و شاہد ہے ـــــ خبردار ہو تحقیق وہ شک میں ہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے ـــــ خبردار ہو تحقیق وہ ہر چیز کو محیط ہے۔''

واحدیت یعنی حقیقتِ انسانی جو کہ پرتو وحدت یعنی حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ہے، عالم آفاق ومفصل ہے ـــــ اور وحدت جو احدیت ذات کا پر تو ہے، یہ عالم امر و بالا جمال ہے ـــــ چنانچہ اسی طرح جسم و صورت عالم آفاق و بالتفصیل ہے ـــــ اور روح و جانِ عالم امر و بالا جمال ہے ـــــ یعنی ہم اپنی الوہیت و وحدانیت کے نشان و آثار (تمہارے اجسام میں کہ عالم کبیر مفصل ہے، ـــــ اور تمہاری جانوں میں کہ جو عالم صغیر مجمل ہے) آشکارا دکھادیں گے، کہ یہ حق! ـــــ خدا کے دیدار سے انکار مت کرو ـــــ وہ تو سب کو محیط ہے۔ نفس انسانیہ میں بھی دکھائیں گے کہ وہ تیرا عین ہے ـــــ ہمارے نفس انسانیہ میں حسب مراتب ظہور وتجلیات ہیں، کہ تمام عالم ہمارا مظہر ہے ـــــ تا کہ آفاق و انفس میں دیکھنے والا ہماری آیات کے ذریعے اس بات کا مشاہدہ کرے کہ:

☆ ـــــ عالم کبیر و عالم صغیر میں حق ہی ظاہر ہوا ہے اور

☆ ـــــ ان دونوں کے اعیان میں از روئے رحمت خود تجلی فرما کر اپنے وجود کے ساتھ ان کو اتحاد دیا اور

☆ ـــــ اپنے نور سے ظہور میں لایا ہے۔

لہٰذا عالم کبیر بالتفصیل و عالم صغیر بالا جمال دلالت کرتا ہے کہ آفاق و انفس میں حق ثابت ہے ـــــ چنانچہ اپنے نفس کا عارف اپنے پروردگار کا عارف ہوگا' اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو مظہر و صورت حق دیکھتا ہے ـــــ اور حق کو روحِ مربی اور اپنا مدبر جانتا ہے۔

چوں عالم است مظہر حسن و جمالِ دوست ‏ ‏ ‏ اے دل غریب نیست کہ حیران عالمے

''جبکہ تمام عالم' حسن و جمالِ دوست کا مظہر ہے تو پھر اے دل تو غریب نہیں ہے' اس لیے کہ اس عالم کی دید میں حیران ہو گیا ہے''۔

حق کے ساتھ تیرے عین کی نسبت ایسی ہے جیسے تیرے جسم کی نسبت تیرے عین کے ساتھ ہے ـــــ جس طرح تیرا جسم تیرے عین کی صورت ہے اسی طرح تیرا عین بھی حق کی صورت ہے ـــــ اور جس طرح حق تیرے عین میں ظاہر ہے' اسی طرح تیرا

عین تیرے جسم میں ظاہر ہے——اور جس طرح حق تیرے عین کا روح پرورش کنندہ ہے' اسی طرح تیرا عین کہ وہ تیری جان ہے۔ وہ تیرے جسم کی مدبر صورت ہے——چنانچہ تیرا جسم ہے اور جان——اور جانِ جان اور تو——جملہ عالم ہے اور عالم تجھ میں حیران!

؎ صورت حقی و حقت جاں بود　　صورت بے جاں کجا انساں بود

''صورت حق اور حق ہی درحقیقت تیری جان ہے——بے جان صورت بھلا کب انسان ہو سکتی ہے''۔

؎ چوں زصورت درگزشتی جاں توئی　　قید جاں بہ گزاشتی جاناں توئی

''جب تو اس ظاہری صورت سے گزر جائے گا اور آزاد ہو جائے گا تو پھر تو جان ہو جائے گا——تو اس قید جان کو چھوڑ دے کہ جاناں بھی تو ہی ہے''۔

چنانچہ عالم سے حق کا زوال ہرگز ممکن نہیں کیونکہ حق کے بغیر عالم معدوم محض ہے——اور زوال حق کے بعد نمود عالم محال ہے۔

بہ صفت ذات راتواں دانست　　بے صفت ذات کے شود محدود

''صفت کے ذریعے ذات کو جان سکتے ہیں' صفت کے بغیر ذات کب محدود ہوگی''۔

سراپائے انسان میں ظہورِ الٰہی

اب اس طلسم کا سراپا بیان کیا جاتا ہے تاکہ اس کے ظاہر و باطن' جسم و جان میں جو آیات بینات الٰہی مستتر ہیں منکشف ہوں اور وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ (پ۲۶' ع۱۸) کا رازِ مخفی آشکارا ہو جائے۔

چہرے میں ظہور:

سراپائے انسان کی ابتدا چہرۂ نورانی سے کرتا ہوں لیکن اس سے پہلے کہ میں چہرۂ انور کی حقیقت میں کچھ لب کشائی کروں سب سے پہلے دائرۂ واحدیت ذات قائم کرتا ہوں تاکہ بخوبی سمجھ میں آ جائے:
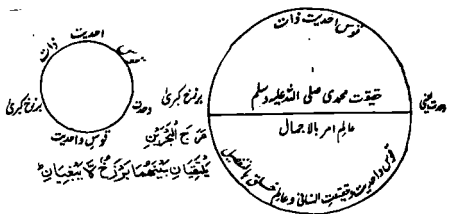
دائرہ احدیت ذات کو سامنے رکھتے ہوئے اس طلسمی پتلے کے چہرۂ منور آفتابی پر نظر ڈالیں تو محسوس ہوگا کہ تمام چہرہ دائرۂ احدیت ذات ہے اور

☆ —— دھن وحدت وحقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برزخ کبریٰ

☆ —— چہرے کا نصف بالائی حصہ تا دھن —— قوسِ احدیت ذاتِ عالم امر بالاجمال ہے۔

☆ —— چہرے کا نصف زیریں (نیچے والا) حصہ —— قوس احدیت وحقیقتِ انسانی اور عالم خلق بالتفصیل ہے۔

اب چہرے پر دوبارہ نظر جمائیں اور خوب غور وفکر کریں کہ:

☆ —— دایاں کان —— الف اور

☆ —— دائیں رخسار کا نصف بالائی حصہ اور دائیں کنپٹی اور نصف پیشانی تا بیخ بنی —— لام (ل) اول۔

☆ —— سرِ بنی اور پیشانی کا نصف حصہ اور بائیں کنپٹی تا بائیں رخسار کا نصف —— لام (ل) ثانی

☆ —— حلقۂ گوش چپ (بایاں کان) —— ہائے ہوز

اسی طرح بالعکس لحیۂ زیریں ہے —— اور ہر دو ابرو میں قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی یعنی

قرب ذاتی ومقامِ معراج ہے۔

رگ رگ میں ہے تیری پکار:

گردن کے دونوں جانب کی شہ رگ میں سے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ـــــ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اور اَنَا الْحَقُّ کی آواز آ رہی ہے ـــــ بلکہ لطائفِ ستہ وہر شریان ورگ وریشہ اللہ ہی اللہ پکار رہا ہے ـــــ ذرا اپنی گردن کی شہ رگ پر اور اپنی نبض پر ہاتھ رکھ کر کان لگاؤ۔ سچ ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰـهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰـهٌ (پ۲۵، ع۱۳)

''آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی اللہ ہے''

بس ہم اس طلسم کی بھول بھلیوں میں ہیں جس کو شوق دیدار ہو ڈھونڈے۔

یار نزدیک تر از من بہ من است ـــ ویں عجب تر کہ من از دے دورم

''میرا دوست میرے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ مگر یہ بات بھی عجیب تر ہے کہ میں اس سے دور ہوں یعنی میں اپنی ظاہری نظر کی وجہ سے اس کی قربت کو نہیں دیکھ سکتا''۔

آنکھوں میں ہے جمال تیرا:

دو دریچۂ چشم شہ نشین صدر محل شاہی کے دو جھروکے ہیں۔ جہاں سے ملائکہ کو فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ کا حکم فرمایا تھا ـــــ عَیْنُ اللّٰہِ نَاظِرَۃٌ اِلَیْنَا کا اشارہ ہے یعنی ''خدا ہم کو دیکھتا ہے'' ـــــ اور یہ دو عین، عین سورۂ ص (صاد) ہیں ـــــ اور دوئی اس لیے ہے کہ وحدت سے کثرت میں ظہور فرمایا ـــــ ان عیون میں ایک عجیب حکمت اور رکھی گئی ہے یعنی:

انسان میں عین ـــــ عین میں نقطۂ ذات ـــــ اور نقطۂ ذات میں پھر انسان اسی حلیہ سے موجود ہے۔

وَعَلٰی هٰذَا اِلٰی مَرَاتِبِ غَیْرَ النِّهَایَۃِ

؎ خدا بندے میں اور بندہ خدا میں عجب نسبت ہے بندے اور خدا کی

حالت نماز میں شانِ الٰہی:

جب انسان نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو قیام کی حالت میں الف احدیتِ ذات پایا جاتا ہے یعنی اپنی شان میں اول نمبر کی صنعت ہے اور اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

۔۔۔ جب رکوع کرتا ہے تو رکوع کرنے والا خالصاً (اللہ) ہو جاتا ہے۔ مثلاً

بغلیں حلقہ سر

☆ ۔۔۔ ہر دو پا تا بغلیں ۔۔۔ لام اوّل (ل)

☆ ۔۔۔ ہر دو دست تا زنخ ۔۔۔ لام ثانی (ل)

☆ ۔۔۔ حلقۂ سر ۔۔۔ ہائے ہوز (ہ)

یہ مقام فنا ہے یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سجدہ میں ایک صنعت غریبہ رکھی گئی ہے۔ جب ساجد سجدہ کرتا ہے تو:

☆ ۔۔۔ جانب راست (دائیں)۔ اللہ (ذوالجلال والجمال بے مثال)

☆ ۔۔۔ بالعکس (بائیں) ۔۔۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

☆ ۔۔۔ جانب چپ ۔۔۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

☆ ۔۔۔ اور بالعکس ۔۔۔ اللہ (ذوالجلال والجمال بے مثال)

ہو جاتا ہے ۔۔۔ اول جانب راست (دائیں طرف) ملاحظہ فرمائیں:

☆ ۔۔۔ ساق پا ۔۔۔ الف ہے ۔۔۔ (ا)

☆ ۔۔۔ زانو سے بغل تک لام اول ۔۔۔ (ل)

☆ ۔۔۔ بازو کی کہنی سے زنخ تک لام ثانی ۔۔۔ (ل)

☆ ۔۔۔ حلقۂ سر ۔۔۔ ہائے ہوز (ہ)

اللہ

پھر جانب چپ (بائیں) خیال فرمائیں:

محمّد

☆ ——حلقۂ سر——میم اول (م)

☆ ——بغل——ہائے حطی (ح)

☆ ——سرین——میم ثانی (م)

☆ ——ساق تا انگشت پا——حلقہء دال (د)

یہ صنعت اتحاد کو ظاہر کر رہی ہے کہ اللہ اور محمد میں اتحاد ہے' کچھ جدائی نہیں یعنی کچھ فرق نہیں —— احدیتِ ذات اور وحدت میں صرف اجمالِ علم کا فرق اعتباری ہے —— یعنی ذات مرتبہء احدیت میں ساذج وصرف۔ اور مرتبۂ وحدت میں علم بالا جمال ہے —— وحدت کہ جس کو برزخِ کبریٰ وحقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتے ہیں —— یہ احدیت ذات اور واحدیت کے درمیان واسطہ ہے۔ یعنی خالق و مخلوق میں ایک واسطہ ہے۔ مخلوق کو فیضان الٰہی اسی مرتبہ کے ذریعے سے پہنچتا ہے۔

یہ نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

مرتبۂ ذات	مرتبۂ حقیقت محمدی	مرتبۂ مخلوق
احدیت بحت	وحدت علم بالا جمال	وحدت علم بالتفصیل
خالق بالواسطہ	واسطہ	مخلوق

اگر واسطہ درمیان نہ ہوتو مرتبۂ ذات میں ذاتِ احدیت مستغنی ہے اور استغنا مانع مخلوق۔

واجب ز وجود نیک و بد مستغنی است —— واحد ز مراتب عدد مستغنی است

درخود ہمہ را چو جاوداں مے بیند —— از دیدنِ شاں بروں زخود مستغنی است

یعنی ''واجب نیک و بد وجود سے بے نیاز ہے اور واحد تعداد و شمار کے مراتب سے فارغ ہے —— وہ اپنی ذات میں سب کچھ ہمیشہ کی طرح دیکھتا ہے یعنی ''جیسا پہلے تھا' ویسا اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا'' —— اسی وجہ سے وہ ان کو اپنی ذات سے باہر دیکھنے سے بھی بے نیاز ہے۔ (گویا اللہ الصمد ہے۔ وہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے بے

نیاز ہے، مستغنی ہے''۔)

لہٰذا واسطۂ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) درمیان میں رکھا گیا کہ وہ دونوں مراتب: مرتبۂ احدیت و مرتبۂ واحدیت کی طرف متوجہ رہے ہے ـــــ یعنی مرتبۂ احدیت سے فیض لے اور مرتبۂ واحدیت کو پہنچا دے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدّد کا

حالت تشہد میں جلوہ گری:

اب اس کو قاعدہ اَلتَّحِیَّاتُ میں دیکھئے تو پھر وہی اسم ذات و اسم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجود ہے۔ یعنی:

☆ ـــــ جانب راست ساق پایا ـــــ الف (ا)

☆ ـــــ زانو سے بغل تک لام اول ـــــ (ل)

☆ ـــــ بازو سے زنخ تک لام ثانی ـــــ (ل)

☆ ـــــ حلقۂ سر ـــــ ہائے ہوز ـــــ (ہ)

اب جانب چپ (بائیں طرف) آیئے:

☆ ـــــ حلقۂ سر ـــــ میم اول ـــــ (م)

☆ ـــــ بغل حائے حطی ـــــ (ح)

☆ ـــــ سرین ـــــ میم ثانی ـــــ (م)

☆ ـــــ زانو تا انگشت پا ـــــ حلقۂ دال ـــــ (د)

واہ سبحان اللہ! کیا اتحاد ہے ـــــ

سفینۂ سینہ میں رونق افروزی:

اب سفینۂ سینہ کو دونوں جانب ملاحظہ فرمائیں:

☆ ـــــ بازوئے راست یا چپ ـــــ الف (ا)

☆ ـــــ جانب راست یا چپ تا میانہ صدر ـــــ لام اول (ل)

☆ ناف ومیانہ صدر سے تا جانب چپ یا راست —— لام ثانی (ل)

☆ حلقۂ بازوئے چپ یا راست —— ہائے ہوز —— (ہ)

روئیدگی موئے سینہ (سینے پر بالوں کا اُگنا) بھی اسی طرز کو بتلاتی ہے۔

پشت کا بھی دونوں جانب یہی حال ہے کہ:

☆ بازوئے چپ یا راست —— الف (ا)

☆ کولہے سے تا میانۂ استخواں پشت —— لام اول (ل)

☆ استخوان پشت میانہ پشت سے تا کولہہ راست یا چپ —— لام ثانی (ل)

☆ حلقۂ بازوئے راست یا چپ —— ہائے ہوز (ہ)

سینہ اور پشت دونوں جانب سرکاری مہر اس لیے لگائی گئی ہے کہ یہ صدر محل شاہی ہے اور خاص سلطانی جلوس کے لیے تیار ہوا ہے —— اس میں تختِ سلطانی جسے دل کہتے ہیں قائم کیا گیا ہے تاکہ کوئی غیر جھانکنے نہ پائے —— یا حرز جان ہے کہ نظر بد سے محفوظ رہے —— قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی مومن کا دل اللہ کا تخت ہے —— حدیثِ قدسی ہے کہ ”اگر میری گنجائش ہے تو مومن کے دل میں ہے“۔ بندۂ مومن کی تخصیص قرب بالفعل کی وجہ سے ہے۔ ورنہ قربِ ذاتی و بالقوۃ سب کو حاصل ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

؎ گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است　　من نگنجم ہیچ دربالا و پست

”حضور انور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بلندی وپستی میں ہرگز نہیں سماتا“۔

؎ در زمین و آسمان و عرش نیز　　من نگنجم ایں یقین داں اے عزیز

”اس وسیع وعریض زمین اور عرش میں نہیں سماتا۔ اے عزیز تو اس بات کا یقین کر“۔

؎ من نگنجم در زمین و آسمان　　لیک گنجم در دل بہ شست گاں

''میں زمین و آسمان میں تو نہیں سماتا مگر میں ان مومنوں کے صافی و مخلص دلوں میں جو ''محبت الٰہی'' کی شدت میں پارہ پارہ ہو گئے ہیں' گنجائش پذیر ہوتا ہوں''۔

؎ در دل مومن بگنجم اے عجیب گر مرا جوئی دراں دل ھا طلب

''عجیب اور حیران کن بات یہ ہے کہ میں دل مومن میں سماتا ہوں۔ اگر تو مجھے تلاش کرنا چاہے تو ان کے دلوں میں تلاش کر''۔

فی الحقیقت یہ دل اسرار ربانی و تخت رحمانی ہے۔

ہاتھ پاؤں میں تصویر یار:

اب ہاتھ پاؤں کو دونوں جانب دیکھئے:
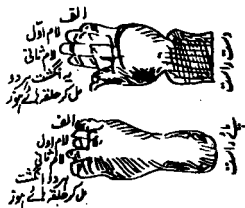
☆ ——— اول انگشتِ دست و پائے راست کہ خنصر ہے ——— الف (ا)

☆ ——— یہ نصر تا بن انگشتِ میانہ ——— لام اول (ل)

☆ ——— سرانگشتِ میانہ سے تا بن انگشتِ شہادت ——— لام ثانی (ل)

☆ ——— انگشتِ شہادت اور انگشتِ نر ——— ہر دو مل کر ہائے ہوز ——— (ہ)

بالعکس اس طرح پر دست و پائے چپ کو دیکھئے کہ:
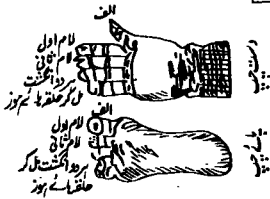
☆ —— انگشت دست و پائے چپ کہ خنصر ہے —— الف (ا)

☆ —— انگشت نر و انگشت شہادت سے تا بن انگشت میانہ —— لام اول (ل)

☆ —— سر انگشت میانہ سے تا بن بنصر —— لام ثانی (ل)

☆ —— بنصر اور خنصر ہر دو مل کر حلقۂ ہائے ہوز (ہ)

اسی طرح بالعکس اور دونوں پاؤں ناف سے نیچے تک معکوس ہے۔ مثلاً ----

یعنی اس جسم ناسوتی کی ذات میں نفی رکھی گئی ہے جس کو فنا لازم و ملزوم ہے —— اور جس قدر منفذ جسمانی ہیں، اس شاہی محل کے لیے روشن دان اور ہوا کی آمد و رفت کے لیے مجریٰ بنائے گئے ہیں تاکہ پر انوار اور ہوادار رہے —— اور لطائف ستہ:

☆ —— لطیفۂ اخفیٰ —— جو ام الدماغ یں ہے۔

☆ —— لطیفۂ خفی —— جو ہر دو گوشۂ ابرو سے بالا اور پیشانی کے درمیان ہے۔

☆ —— لطیفۂ روح —— دائیں پستان کے نیچے۔

☆ —— لطیفۂ سر —— سینے کے درمیان۔

☆ —— لطیفۂ قلب —— بائیں پستان کے نیچے۔

☆ —— لطیفۂ نفس —— زیر ناف

یہ چھ فانوس نہایت شفاف اور روشن اس شاہی محل میں روشنی کے لیے لگائے گئے ہیں تا کہ شاہی محل پر انوار رہے۔

حواس خمسۂ ظاہری و باطنی شاہی محل کے دربان و جاسوس و مخبر ہیں ـــــ ان کا مفصل حال کتاب کے آخر میں بطور تمثیل لکھا جائے گا ـــــ اور یہ حلیہ اکثر جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔

ہر شے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے:

اس بیان بالا سے معلوم ہو گیا کہ تمام اشیاء قبضۂ الٰہی میں ہیں اور قبضہ دلیل ملک ـــــ اگر کوئی دوسرا شخص مخالفانہ قبضہ کرے تو فوجداری میں گرفتار ہو ـــــ پھر ایسا دیوانہ کون ہے کہ جو ان اشیاء کو اپنی طرف منسوب کر سکے۔ جدھر دیکھو اللہ ہی اللہ ہے ـــــ اسی لیے نماز میں حکم ہے کہ:

حالت قیام یں سجدہ گاہ کو دیکھو تا کہ خالی لباس عاریت کو بھول نہ جاؤ ـــــ اور رکوع میں پاؤں کو ـــــ اور سجدہ میں ناک کو ـــــ اور وقفۂ سجدین میں ہاتھوں کو ـــــ اور قعدہ میں سینہ کو دیکھتے رہے کہ اللہ پر نظر رہے''۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بلاشبہ سچ فرمایا ہے کہ

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ

''نماز مومن کے لیے معراج ہے''

یعنی دیدار خدا۔ اگر مشاہدہ ہے تو مسمّٰی کو دیکھو گے ورنہ اسم ہی کو دیکھتے رہو۔

ظہورِ انساں صورت الٰہی پر:

اب میں حیرت میں ہوں کہ وہ بندہ جس کو غیر اللہ کہتے ہیں وہ کہاں ہے؟ ـــــ جا بجا اول و آخر' ظاہر و باطن سرکار ہی سرکار ہے۔ پھر غیر کس کو کہا جائے ـــــ غیر کا تو کہیں نام ونشان ہی نہیں پایا جاتا ـــــ واہ سبحان اللہ! کیا احسن تقویم ہے کہ ہر مقام پر خود ہی جلوہ نما ہے۔

؎ کجا غیر د کو غیر د کو نقش غیر ـــ سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

''کہاں غیر ہے' کون غیر ہے اور کون سا نقش غیر ہے۔ سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے' خدا کی قسم وجود میں کوئی نہیں ہے''۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر ظاہر کیا ——— صورت سے مراد اسماء و صفات الٰہیہ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے جمیع اسماء و صفات سے ظاہر فرمایا ہے ——— بلکہ اپنی ہویت سے جو تخلی ہے' موصوف اور اپنی ذات کو حقیقت انسانیہ میں مستقر کیا ہے ——— چنانچہ انسان کا ظہور اس کی ہویت میں ہے ——— اور انسان کی حقیقت' حقیقت الٰہیہ سے ہے ——— یہ اسم اعظم الٰہی ہے کہ وہ حقائق اسماء غیر متناہی کا جامع ہے۔

؎ اے کشادہ در خزانہ جود   یافتہ کائنات از تو وجود

''اے پاک ذات ہستی مقدس! تو نے اپنے فیض و کرم سے خزانہ لازوال کھول دیا ہے۔ اس تمام کائنات نے تجھ سے ہی وجود پایا ہے''۔

؎ چند از عشقت آتش افروزی   تا کے از جان ما براری دود

''تو کب تک اپنے عشق کی آگ بھڑکائے گا اور کب تک ہماری جان سے دھواں نکالے گا''۔

؎ سالہا باتو بودم آسودہ   فارغ از غصہ ہائے بود و نبود

''برسوں تیرے ساتھ میں آسودہ حال اور خوش رہا ہوں اور اس ہونے نہ ہونے کے غم و غصہ سے فارغ و بے پرواہ رہا ہوں''۔

؎ خواستی آمدن بہ عین از علم   تا ہویدا شوی بہ غیب و شہود

''تو نے علم سے مشاہدہ و عین (حقیقت) میں آ جانا چاہا' تا کہ تو غیب و شہود میں ظاہر ہو جائے''۔

؎ پس دوئی درمیانہ پیدا شد   از طریق مجرّدی و قیود

''چنانچہ بیچ میں دوئی پیدا ہوئی اور مجرّدی (یکتائی) و قیود کے طریقے سے ہماری ہستی ظاہر ہوئی''۔

؎ ماشدیم آئینۂ جمال ترا ہر کہ درما جمال دید آسود

"پھر ہم تیرے جمال باکمال کا آئینہ بنے جس نے بھی ہم میں تیرا حسن و جمال دیکھا وہ آسودہ وخوش دل ہوا"۔

؎ نے چہ جائے دوئی موہوم است بود آں تو ہست و ما و نبود

"اس دوئی موہوم (وہمی) ہماری ہستی کی کیا ضرورت ہے۔ ہونا تو تیرا ہے تو ہو' ہم نہ ہوں تو کیا ہے؟"

؎ در جلابیب صورت و معنٰی نیست غیر از تو شاہد و مشہود

"اس صورت ومعنی کی نقابوں میں تیرے سوا کوئی شاہد ومشہود نہیں ہے"۔

؎ می کنی جلوہ ہائے حسن و جمال در لباسِ وجود ہر موجود

"حسن و جمال کے جلوؤں کی یہ نمائش تو ہی کر رہا ہے۔ ہر وجود کے لباس میں تو ہی موجود ہے"۔

؎ گوید آں عارفے کی ہم چو حسین بہ جمالِ تو چشم او بہ کشود

"وہ عارف جو کسی کو ایسا حسین و جمیل کہے تو حقیقت میں تیرے جمال پر ہی اس کی آنکھیں کھلی ہیں یعنی وہ جس کو دیکھتا ہے' اس میں تجھ ہی کو نہاں وعیاں دیکھتا ہے"۔

؎ کہ جہاں صورت ست و معنٰی یار لَیْسَ فِی الدَّارِ غَیْرُہٗ دَیَّار

"کیونکہ یہ جہان اصل میں صرف ظاہری صورت ہے اور اس کے معنی وحقیقت وہ دوست ہی ہے ——— بے شک۔ اس مقام میں اس کی ذات واحد کے سوا اور کوئی مکین وموجود نہیں ہے"۔

جمیع کتب سماویہ' وید' شاستر' ر جملہ' ت دادیان اسی طلسم کی شان وشوکت کو بتلا رہی ہیں ——— اور کل انبیاء علیہ السلام اور اولیاء اللہ' رضی منی' اس کی حمد وثنا میں رطب اللسان ہیں ——— تمام حکماء وفلاسفر اس کی حقیقت میں حیران وسرگردان۔

تخلیق آدم علیہ السلام:

جب اس طلسم کی صورت و سیرت اور ظاہری و باطنی صفات کا نقشہ مشیت ایزدی میں منظور ہو گیا تو اسی کے موافق صفحۂ اظہار میں لایا گیا۔ چونکہ یہ کام شاندار تھا اللہ تعالیٰ نے چار بڑی ذی شان قسموں[1] کے بعد:

(۱)—قسم ہے مجھ کو اس درخت انجیر کی' جس نے آدم کی حالت برہنگی میں اپنے پتوں کا لباس عنایت کیا۔

(۲)—قسم ہے مجھ کو اس درخت زیتون کی' جس نے موسیٰ کو اندھیری شب میں اپنی روشنی سے رہنمائی فرمائی۔

(۳)—قسم ہے مجھ کو اس طور سینا کی جس نے اپنے نور سے موسیٰ کے دعویٰ کو توڑا اور بے ہوش کر کے گرا دیا۔

(۴)—قسم ہے مجھ کو اس امن والے شہر کی جہاں تم امن میں رہتے ہو (یعنی مکہ معظمہ)

ارشاد باری ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (پ۳۰' سورہ والتین)

''ضرور بنایا ہم نے آدمی اچھے سے اچھے انداز پر''

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ

''آدم کو اپنی صورت پر بنایا''——سُبْحَانَکَ رَبَّنَا عَنِ الصُّوَرِ الْمَحْسُوْسَاتِ وَالْمَعْلُوْمَاتِ وَالْمَکْشُوْفَاتِ وَالْمَفْھُوْمَاتِ وَالْمُدْرِکَاتِ وَلِلْعَقُوْلَاتِ—— نہ یہ صور محسوسہ بلکہ اپنی خاص سبعہ صفات کے عکوس سے یعنی: حیات' علم' ارادہ' قدرت' سمع' بصر' کلام اور اسماء و صفات سے متصف کیا——لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ جو ہماری

۱- توریت میں لکھا ہے کہ تین اور زیتون ان دو پہاڑوں کا نام ہے جہاں پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیاوی وسائل و اسباب کے بغیر پیغمبری اور بادشاہی عطا فرمائی——اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو طور سینا پر——آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلد الامین کے پہاڑ جبل ثور پر باوسائل و اسباب ثبوت والی شہنشاہی عطا فرمائی کہ سلاطین زمانہ مقابلے میں بھاگتے نظر آئے۔

صفات ہیں' اللہ تعالیٰ کی صفات بھی اسی طرح کی ہوں گی جن کا عکس ہے۔ نہیں' ہرگز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات میں سوائے اس کے کہ ہم ہیں اور کچھ کیفیت بیان نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ذات وصفات میں لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کا مصداق ہے۔

پھر چاہا کہ اس میں اپنی روح پھونک کر زمین پر اپنا نائب بناؤں ——— اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کا عندیہ' اور ان کی لاعلمی ان پر ظاہر کرنے ——— اور غرور عبادت توڑنے کے لیے ان سے دریافت فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (پ۱ ع۴)

''اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو مجھے بنانا ہے زمین پر ایک نائب''۔

اللہ تعالیٰ نے جَاعِلٌ فرمایا ہے' فَاعِلٌ نہیں فرمایا ——— جَاعِلٌ اور فَاعِلٌ میں جو فرق ہے' اس مخفی راز کو خوب جانتے ہیں۔ فرشتوں نے کہا:

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ (پ۱ ع۴)

''بولے کیا تو رکھے گا اس میں جو شخص فساد کرے اور کرے خون''

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ

''اور ہم پڑھتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری ذات کو'' ———

فرمایا: ''مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا علم و عبادت کے بارے میں دعویٰ سنا تو اب امتحان کی ٹھہری۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا

''اور سکھائے آدم کو سارے نام''۔

یعنی آدم علیہ السلام کو جملہ اسمائے الٰہیہ اور کونیہ کے ذاتی و صفاتی اسرار اور اسمائے خطاب وعہدے سکھا دیئے اور جمیع علوم وفنون میں چاق و چوبند کر دیا تو اب امتحان شروع ہوا:

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

''پھر پیش کیا ان اسماء کو فرشتوں پر' چنانچہ کہا بتاؤ مجھ کو نام ان کے' اگر ہو تم سچے''۔

یعنی اسماء الٰہیہ وکونیہ کے ذاتی وصفاتی اسرار اور اسمائے خطاب وعہدہ بتاؤ۔

قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

'' کہا انہوں نے پاک ہے تو ہم کو نہیں مگر جو سکھایا تو نے ہم کو' تو ہی ہے جاننے والا حکمت والا''۔

قَالَ يٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

''اے آدم بتا دے ان کو نام ان کے''۔

یعنی اسمائے الٰہیہ وکونیہ کے ذاتی وصفاتی اسرار' خطاب وعہدہ اور جمیع علوم وفنون کے اوصاف بتا اور سنا دیئے —— چونکہ آدم علیہ السلام پہلے ہی ذات الٰہی سے جمیع اسماء والٰہیہ وکونیہ کے ذاتی وصفاتی اسرار وخطاب وعہدہ و جملہ علوم وفنون کی پوری تعلیم و تکمیل پا چکے تھے۔ بفضلہٖ تعالیٰ فوراً ہی بالتشریح بیان کرنا شروع کر دیا۔

فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ''پھر جب بتا دیئے ان کو نام ان کے''۔

یعنی جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو اسماء الٰہیہ کونیہ کے ذاتی وصفاتی اسرار وخطاب و عہدہ اور جمیع علوم وفنون کے اوصاف بتا اور سنا دیئے تو آدم علیہ السلام امتحان میں پاس ہو گئے اور سب فرشتے فیل۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

'' کہا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو' تحقیق میں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو ظاہر کرتے ہو تم اور جو پوشیدہ رکھتے ہو''۔

چنانچہ سب ملائکہ سرنگوں ہوئے اور آدم علیہ السلام کے سر پر سہرا خلافت باندھا گیا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ

''اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو' پس سجدہ کیا انہوں نے مگر ابلیس نے''

یعنی اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم فرمایا کہ اب تم اپنے استاد کو سجدہ کرو کہ اب وہ واجب التعظیم ہے۔ تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ لہٰذا مدرسہ سے خارج کر دیا گیا کہ اپنے استاد کی تعظیم بجانہ لایا اور مردودِ بارگاہِ الٰہی ہوا۔

ملائکہ نے ازروئے رشک اور اپنے نازِ عبادت اور اظہارِ علم کے لیے یہ بات کہی کہ

☆—— ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔

☆—— ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ زمین میں فساد اور خوں ریزی کرے گا۔

☆—— ایسے کو نائب کیوں کرتا ہے۔

☆—— کیا ہم میں سے ایسے پاکیزہ صفات والا کوئی اس قابل نہیں جو نیابت پر شرف پائے۔

بھلا یہ شورِ محبت کی نمکینی اور شیریں الفت کی چاشنی ملائکہ میں کہاں تھی —— حکم ہوا:

''بس تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں''۔

ملائکہ کو یہ خیال گزرا تھا کہ شائد اللہ تعالیٰ ہم سے ازروئے مشورہ دریافت فرماتا ہے —— حالانکہ ان کے خیالات ان پر ظاہر کرنے تھے۔ چنانچہ اپنی لاعلمی پر قائل اور نازِ عبادت پر سرنگوں ہو گئے۔

خلیفہ کسے کہتے ہیں؟

واضح رہے کہ خلف سے خلیف اور خلیف سے خلیفہ بنایا گیا ہے اور اس کی جمع خلائف ہے۔

☆—— خلف باختلاف حرکات کثیر المعانی ہے۔

☆—— خلف بہ فتح اول وسکون ثانی پیچھے آنے والا ہے اور فرزند لائق اور قرن بعد قرن ہو۔

☆ —— یہ تحسین فرزند لائق کو کہتے ہیں یعنی پیچھے آنے والا یا پیچھے چھوڑ ہوا —— چونکہ بیٹا باپ کے بعد آتا ہے' اس کو خلف کہتے ہیں —— پھر وہ اپنے باپ کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔

☆ —— جو سوار کے پیچھے کوئی سواری ہو یا حوائج ضروری' اس کو خلیف اور ردیف کہتے ہیں۔

جو بڑا بادشاہ اپنے کل اختیاراتِ سلطنت کسی کو سپرد کر دے تو اس کو نائب و خلیفہ کہتے ہیں —— اور بادشاہ کا نائب اور خلیفہ وہ ہو سکتا ہے جو بادشاہ کے ذاتی و صفاتی اوصاف رکھتا ہو مثلاً انسان کا نائب انسان ہی ہوگا نہ کہ گھوڑا نہ گدھا۔

ہر علم و فن کے استادوں کا یہ دستور ہے کہ جب اپنے کسی شاگرد کو اپنے علم و ہنر کی پوری تعلیم و تکمیل کر دیتا ہے تو اس کے سر پر پگڑی باندھ کر اپنے اکھاڑہ کا خلیفہ اور اپنا قائم مقام بنا دیتا ہے تاکہ وہ اور شاگردوں کو اپنے استاد کے سامنے تعلیم کرے چنانچہ:

☆ —— علماء میں دستار فضیلت

☆ —— فقراء میں خرقۂ خلافت

☆ —— کشتی و نبوت و بانک و پٹہ وغیرہ میں پگڑی

☆ —— انگریزی مدارس میں ڈگری کی سند۔

دی جاتی ہے —— اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جمیع اسماء و علوم و فنون کی تعلیم و تکمیل پورے طور پر کر دی۔ چنانچہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے ثابت ہے —— پھر اپنا نائب و خلیفہ بنایا اور اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ کی دستار ان کے سر پر رکھ کر عالم ناسوت کے اکھاڑہ میں بھیج دیا تاکہ دوسروں کو تعلیم کریں۔

تفسیر بحر الرائق میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو اس لیے خلیفہ کیا گیا ہے کہ وہ جمیع موجودات و مکونات کے خلف ہیں۔ ان کے بعد کسی دوسری مخلوق میں خلیفۂ حق نہیں ہو سکتا۔ (ہاں بے شک یہ خاتم خلائف ہیں' جیسے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء) —— کیونکہ آدم علیہ السلام مجمع غرائب و منبع غیب' شہادت' خلاصۂ عوالم جسمانی و

روحانی' جامع حقائق علوی وسفلی ہیں —— آدمی کیا ہے' ایک برزخ ہے —— صورت خلق و باطن حق' متصل باد قائق جبروت و مشتمل بر حقائق ملکوت۔ انتہی!

کیا سیدنا آدم علیہ السلام غیر اللہ ہیں؟

علماء ظواہر فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام غیر اللہ ہیں' انہیں خدا سے کچھ بھی نسبت نہیں' نہ ذاتی نہ صفاتی —— اگر وہ ایسے ہی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کے لیے سجدہ کا حکم جو خاص اعزاز و تعظیم شاہی تھی' کیوں فرمایا —— نیز رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ

اگر اس حدیث قدسی کے یہی معنی ہیں جو علماء ظواہر فرماتے ہیں کہ آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جملہ حیوانات و نباتات و جمادات کو اپنی اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی

☆ —— کتے کو کتے ہی کی صورت پر
☆ —— اونٹ ہاتھی کو اونٹ ہاتھی ہی صورت پر اور
☆ —— نیم آم کو نیم آم ہی کی صورت پر اور
☆ —— پہاڑ پتھر کو پہاڑ پتھر ہی کی صورت پر

پیدا کیا ہے تو پھر اس حدیث میں آدم علیہ السلام کی تخصیص کیوں ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث کس ضرورت سے ارشاد فرمائی ہے۔ حالانکہ کَلَامُ الْمُلُوْکِ مُلُوْکُ الْکَلَامِ ہوتا ہے نہ یہ کہ:

؎ دندانِ تو جملہ دردہا نند چشمانِ تو زیرِ ابرو انند

''تیرے تمام دانت تیرے منہ میں ہیں اور تیری دونوں آنکھیں تیری بھوؤں کے نیچے ہیں''۔ (یہ شعر لفاظی کی مثال ہے)

خدا جانے اس میں کیا بھید ہے —— خلیفہ اس حجاب کا نام ہے جو آئینے کے پس پشت لگایا جاتا ہے تاکہ اپنے حسن و جمال کا نظارہ کرے۔ اسی لیے:

قَلْبُ الْاِنْسَانَ مِرْاٰةِ الرَّحْمٰنِ

کہا گیا ہے۔ یعنی قلب انسانی آئینہ رحمانی ہے۔ اس آئینے میں اللہ تعالیٰ اپنے حسن و جمال کا جلوہ ملاحظہ فرماتا ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ قُلُوْبُکُمْ وَاَحْوَالِکُمْ

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال و احوال کو دیکھتا ہے''۔

؎ مابروں را ننگریم و قال را ما دروں را بنگریم و حال را

''ہم ظاہر کو نہیں دیکھتے اور نہ زبانی گفتگو کو، ہم تو صرف باطن کو دیکھتے ہیں اور حال کی قدر و وقعت کرتے ہیں''۔

چنانچہ اس سے واضح ہو گیا کہ قلب انسان کامل بالفعل اور قلب عوام الناس بالقوۃ ضرور خدا تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ اس راز مخفی پر کوئی شخص لب کشائی کرے تو منصور دار پر ضرور کھینچا جائے۔

خلافت آدم علیہ السلام پر عہد و پیماں:

ارادۂ ازلی میں اظہار آدم علیہ السلام جب منظور ہوا تو عالم ارواح میں آدم علیہ السلام اور ان کی ذریات سے بقسم اس بات کا عہد و پیمان کیا گیا کہ ہم تم کو ایک امانت کہ وہ عشق و محبت ہے یعنی ہماری محبت کے سوا تمہارے دل میں کسی کی گنجائش نہ ہو، سپرد کر کے خاکی لباس میں زمین پر اپنا نائب و خلیفہ اس شرط سے مقرر کرتے ہیں کہ ہمارے حکم کی پوری تعمیل کرو اور راز مخفی جو ہمارے تمہارے درمیان اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِــرُّہٗ کا ہے، وہ کھلنے نہ پائے اور شرط امانت کی پوری طور پر تکمیل کر کے ہمارے پاس سالمًا و غانمًا واپس لاؤ ـــــ ارشاد باری ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا (پ۹، ع۱۲)

''اور جس وقت (یعنی عالم ارواح میں) نکالی تیرے رب نے آدم کے بیٹوں کی پشت میں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر (یعنی بقسم اقرار کرلیا) ''کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب'' سب نے کہا ''البتہ ہم قائل اور شاہد ہیں''۔

پھر حکم ہوا: نَحْنُ یُحْیِ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ (پ۲' ع۳)

''ہم جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہمارے پاس پہنچنا ہے''۔

یعنی ہم تم کو زندگی دیں گے اور ماریں گے پھر ہمارے پاس آنا ہوگا۔ سب نے جواب دیا:

اِناَّ لِلّٰہِ وَاِناَّ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (پ۲' ع۳)

''ہم اللہ کے لیے اور ہم اسی کی طرف پھر جائیں گے''۔

پھر ارشاد ہوا کہ جو شخص اپنے عہد پر پورا رہے گا' اس کو ہم دوست رکھیں گے اور جو عہد کو توڑ دے گا وہ نافرمان ہوگا۔

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ

''کیوں نہیں جو پورا کرے اپنا اقرار اور پرہیزگار رہے تو اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو''۔

پھر ارشاد ہوا: فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ٥ (پ۳' ع۱۶)

یعنی جو عہد شکنی کرے گا وہ نافرمان گنا جائے گا ــــــ

بار خلافت انسان ہی کے لیے خاص ہے:

جب عہد و پیمان ہو چکا تو اتمام حجت کے لیے کہ آئندہ کوئی اپنے دل میں یہ خیال نہ کرے کہ کیا ہم اس قابل نہ تھے' سب کو حکم فرمایا کہ تم میں سے ہماری امانت کون اٹھا سکتا ہے اٹھائے۔ جو اٹھائے گا وہی ہمارا خلیفہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ

يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

(پ۲۲'ع۶)

"البتہ ہم نے پیش کی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر' پھر سب نے اس کو قبول نہ کیا کہ اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اس کو انسان نے اٹھالیا۔ یہ بڑا ہی ظالم ہے اور بے خبر ہے"۔

اس آیت کریمہ کی دو تشریحات ہوسکتی ہیں:

(۱) اول یہ کہ کَانَ صیغہ ماضی ہے اور ظَلُوْمًا بمعنی ظلمت و تاریکی اور جَهُوْلَ بمعنی نادانی وجہل —— یہ دو وصف ہیں یعنی انسان امانت اٹھانے سے پہلے تاریکی جہل میں تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ سب نے اس امانت یعنی عشق و محبت کے اٹھانے سے انکار کر دیا ہے' تجھ میں ایسا کون سا وصف ہے جو تو اس امانت کے اٹھانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں اپنے اسرار کی روشنی ڈالی اور اس نے فوراً ہی اس امانت کو اٹھالیا۔ اس میں اسرار ربانی ہے۔

(۲) دوسری تشریح یہ ہے کہ انسان کے سوا ان میں سے کوئی مرد میدان نہ تھا جو اس امانت کو اٹھا سکتا کیونکہ یہ دو وصف ظلوم و جهول کے انسان ہی میں رکھے گئے تھے جبکہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑ وغیرہ میں یہ صفات رکھی ہی نہیں گئی تھیں تو اس امانت کے متحمل کیونکر ہو سکتے تھے۔ اس لیے سب نے انکار کیا اور انسان سے تو آپس ہی کا معاملہ تھا اور پہلے ہی باتیں ہو چکی تھیں ۔ اس کو ان دونوں صفات میں کامل طور پر موصوف بھی کر رکھا تھا۔ اشارہ پاتے ہی اس امانت کو اٹھا لیا۔ ظلوم و جهول اس لیے کہا گیا ہے کہ اپنے نفس پر ظلم و جبر کر کے اس امانت کی حفاظت بھی کر سکتا تھا اور نفس و شیطان کے دھوکے میں آ کر اس کی حفاظت سے بے خبر اور غافل بھی رہ سکتا تھا۔ اسی سبب سے مستحق ثواب وعذاب ہوا۔

جب بار امانت اٹھا چکا تو پھر......:

یہ حکم ہوا:

☆ —— اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا (پ۵ع۵)

''اللہ تعالیٰ تم کو حکم فرماتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ''۔

☆ —— وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (پ۸ع۶)

''اللہ کا حکم مانو یہ تم کو کہہ دیا ہے شاید کہ تم یاد رکھو''۔

اب حفاظت امانت ہر فرد و بشر پر واجب و لازم ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ امانت وہی شخص سلامت پہنچا سکے گا۔ جو پورے طور پر اس کی حفاظت کرے گا یعنی عشق و محبت کو ذات الٰہی کے سوا کسی غیر جگہ صرف نہیں کرے گا۔

سب سے پہلے ہمارے ہادی و آقائے نامدار سرور انبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم الٰہی با قامت تمام اقرار کیا:

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (پ۸ع۷)

''میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا خاص اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہان کا ہے' کوئی اس کا شریک نہیں۔ یہی مجھ کو حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں''۔

اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں پورا کر دکھایا۔ چنانچہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى شاہد حال ہے —— پھر اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (پ۶ع۱۴)

''اے رسول پہنچا جو کچھ اترا تجھ کو تیرے رب کی طرف سے''۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (پ۸ع۶)

''اور یہ راہ ہے میری سیدھی ہو اس پر چلو اور مت چلو کئی راہیں (یعنی نفس و

شیطان کی راہ) پھر تم کو بھٹکا دیں گے اس کی راہ سے۔ یہ کہہ دیا ہے تم کو شاید تم بچتے رہو"۔

بار امانت کا صلہ:

جب انسان امانت اٹھا چکا اور حفاظت امانت کا عہدہ و پیمان لیا گیا تو نفس و شیطان دو بادی چور، جوٹھگی اور رہزنی وفریب میں کامل عیار تھے۔ ہر فرد بشر کے پیچھے لگا دیئے کہ ہاں سلامت نہ لے جانے پائے جس طرح ممکن ہو چھینو تا کہ ہمارے دربار سے عزت یا ذلت پائیں۔

طرفین میں ہنگامۂ جدال وقتال گرم ہوا۔ جو لوگ باتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نفسوں پر ظلم و جبر کر کے حفاظت امانت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور ہوشیاری کے ساتھ راہزنوں سے صحیح وسلامت بچ کر نکل گئے اور صاحب امانت کو بوقت طلب امانت بحفاظت تمام پہنچا دی۔ اس صلہ میں ان کو حضوری کا اختصاص ملا اور مراتب اعلیٰ پر پہنچ کر دیدار خدا کا شرف حاصل ہوا ـــــ جو لوگ کہ نفس و شیطان کے دھوکے میں آ کر ان کی فرمائشیں پوری کرنے مس مشغول رہے، امانت میں خیانت کر بیٹھے تو وہ بقدر اپنی غفلت وخیانت کے عذاب الیم میں سزاوار ہوئے۔

انسانوں کے چار گروہ:

امانت اٹھانے کے بعد انسان کے چار گروہ بن گئے:

(۱) ـــــ کفار ومشرکین

(۲) ـــــ ظالم لنفسہٖ

(۳) ـــــ مقتصد (میانہ رو)

(۴) ـــــ سَابِقٌ بِالْخَیْرَاتِ (بقا باللہ) یعنی صاحبان مرتبۂ قرب

(۱) وہ گروہ جو نفس امارہ و شیطان لعین کے دھوکے میں آ کر ان کی فرماں برداری میں بالکل مصروف اور حفاظت وامانت سے بے خبر ہو گیا ہے۔ یہ گروہ کفار ومشرکین کا ہے اور نفس اس کا امارہ ـــــ ارشاد باری ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَ مَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ (پ۱۳' ع۱)

''نفس امارہ البتہ کھینچ کر لے جانے والا ہے' برائی کی طرف''۔

خواہش نفس و شیطان اس گروہ کا معبود ہے۔ اِلٰهَهٗ هَــوَاهُ۔ اس گروہ کی مذمت میں ارشاد باری ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْـمَـعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ (پ۹' ع۱۲)

''ان کے دل ہیں' ان سے سمجھتے نہیں —— ان کی آنکھیں ہیں' ان سے دیکھتے نہیں —— ان کے کان ہیں ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ ڈھوروں کی مانند بلکہ ان سے بھی گمراہ زیادہ ہیں۔ یہی لوگ غافل ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین درجے بیان فرمائے ہیں یعنی:

☆ —— حق الیقین ☆ —— عین الیقین ☆ —— علم الیقین

اور ان کے آلے دل' آنکھ' کان ہیں —— دل سے اصل حقیقت کو سمجھ لینا اور آنکھ سے اس کی ظاہری صورت کو دیکھنا اور کان سے اس کے اوصاف سننا —— سو یہ کفار مشرکین احکام الٰہی کو نہ دل سے سمجھتے ہیں' نہ آنکھ سے دیکھتے ہیں' نہ کان سے سنتے ہیں —— یقین کے ان تین مدارج میں سے ایک کو بھی حاصل نہیں کرتے۔ یہ لوگ ڈھوروں سے بدتر ہیں اور حفاظتِ امانت سے بالکل بے خبر و غافل۔ باوجود یہ کہ اس کی یاددہانی کے لیے رسولوں کو وقتاً فوقتاً بھیجا گیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ بغیر حجت و تکرار رسولوں کی زبان سے احکام الٰہی سنتے دیکھتے اور بہ یقین دل مان کر امانتِ الٰہی کی حفاظت کرتے۔ لیکن یہ کفار و مشرکین دل سے سمجھنا تو درکنار پھر کر دیکھتے ہی نہیں بلکہ سننا بھی گوارا نہیں کرتے —— ان سے تو ڈھور ہی اچھے ہیں کہ کہنے کو مان جاتے ہیں جبکہ ان میں اتنی قابلیت بھی نہیں اور کیوں کر ہو —— ارشاد باری ہے:

وَجَـعَـلْـنَـا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ○ (پ۲۲' یٰسین ع۱)

''اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار' پھر اوپر سے ڈھانپ دیا سوان کو نہیں سوجھتا''۔

یہ گروہ روح القدس کی روشنی سے محض بے نصیب و شیطانی ظلمت سے بالکل گھرا ہوا ہے۔ یہ خیانتی گروہ مستوجب عذاب عظیم ہے۔

(۲) باقی تین گروہوں کو جنہوں نے علیٰ قدر مراتب استعداد امانتِ الٰہی کی حفاظت میں کوشش کی ہے۔اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (پ۲۲ع۱۶)

''پھر ہم نے کتاب (یعنی شرائط ولوازم امانت) کے وارث کیے۔ وہ لوگ جن کو برگزیدہ کیا اپنے بندوں میں سے۔ پھر ان میں بعضے ظالم لنفسہ ہیں اور ان میں بعض میانہ رو ہیں۔ ان میں سے بعض آگے بڑھ گئے لے کر خوبیاں۔ اللہ کے حکم سے یہی ہے بڑی بزرگی''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل نجات کے تین گروہ علی ترتیب مدارج ثلاثہ یقین بیان فرمائے ہیں:

اول گروہ صاحب علم الیقین جو ظالم لنفس ہیں۔جن میں روح القدس کی روشنی اور شیطان کی ظلمت ونفس امارہ کی امارگی غالب ہے۔اس میں دو درجے کے لوگ ہیں:

☆ ــــ ادنیٰ ☆ ــــ اعلیٰ

اس گروہ کو **ظالم لنفس** اس لیے کہا گیا ہے کہ احکام الٰہی کو سن کر نفس پر ظلم و جبر کرتے ہیں اور نفس امارہ شیطان لعین کی مخالفت کر کے کسی قدر امانت کی حفاظت کرتے ہیں کہ شریعت میں استقامت کر کے اعمال و افعال میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں ــــ اس گروہ کا نفس لوامہ ہے یعنی کم بدی زیادہ۔ اور بدی کرنے کے بعد ملامت کرنا اس کا کام ہے۔ یہ دوئم درجہ کے لوگ ہیں۔

(۳) بعض وارثان کتاب میں سے جن کا نفس حالتِ میانہ روی میں ہے۔ یہ گروہ ہے جس میں روح القدس کی روشنی اور شیطانی ظلمت بدرجۂ مساوات ہے۔ ارادۂ نیکی بدی مساوی ہیں۔ یعنی بعض وقت ان کا نفس فرمانِ الٰہی کو بخوشی خاطر بجا لاتا ہے۔ بعض اوقات حفاظتِ امانت کا کام با اکراہ و جبر لیا جاتا ہے۔

متقی سالک راہِ طریقت جو عین الیقین کے درجہ میں ہیں۔ اس گروہ کا نام **مقتصد** ہے یعنی میانہ رو۔ ان کا نفس مطمئنہ ہے یعنی اطمینان دہندہ۔ ارشاد ہے:

يَاۤ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (پ۳۰، ع۱۴، فجر)

''اے نفس مطمئنہ! خوش رہے تو پسند کیا گیا۔ پس داخل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں''۔

یعنی اس عین الیقین کے مرتبہ سے ترقی کر کے خاص بندگان خدا میں داخل ہو جا۔

(۴) جو حق الیقین کے مرتبہ میں پہنچ گئے ہیں اور مستحق دیدار الٰہی ہیں۔ اسی کا نام جنت الٰہی ہے۔ وارثان کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اپنے نفسوں کو خاص خدائے تعالیٰ کی محبت میں مجاہداتِ شاقہ پر ڈال کر **حق الیقین** کے اعلیٰ مراتب میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس گروہ میں روح القدس کی روشنی بہت زیادہ اور نفس و شیطان کی بدی بہت ہی کم بلکہ روح القدس کی روشنی غالب آ کر سراسر خیر و برکت ہو کر حق الیقین کے اعلیٰ درجہ میں پہنچ گئے ہیں اور نفس پر کلیتاً فتح یاب ہو کر خوبیوں میں آگے نکل گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ان کی راحتِ جان بن گئی ہے —— یہ اخص بندگان الٰہی میں سے ہیں۔ اس گروہ میں بھی ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ یعنی اولیاء اور انبیاء، نفس ان کا ملہمہ ہے۔ یعنی دیدار الٰہی کا الہام کرتا اور وصال کی خوش خبری دیتا ہے —— اس گروہ کا نام سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ہے۔ ان کا رتبہ قرب کا ہے۔ بخود فانی و بحق فانی۔ اس مرتبہ کو بَقَا بِاللّٰہِ کہتے ہیں۔

گم شدم درخود نے دانم کجا پیدا شدم ‌ ‌ شبنمے بودم بدریا غرقہ دریا شدم

سایہ بودم زاول بر زمیں افتادہ خوار　　راست کاں خورشید پیدا گشت من پیدا شدم

''میں اپنے آپ میں گم ہوا اور میں نہیں جانتا کہ میں کہاں پیدا ہوا۔ میں تو ایک قطرۂ شبنم تھا۔ دریا میں جب غرق ہوا تو پھر دریا ہی میں ہو گیا۔ پہلے تو میں ایک سایہ تھا۔ روئے زمین پر ذلت و خواری میں (گمنامی) میں پڑا ہوا تھا۔ سچ یہ ہے کہ جب وہ خورشیدِ منور ظاہر ہوا تو میں پیدا ہوا' ورنہ میں بے نشان ہی تھا''۔

اس گروہ کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ

''موحدین و عاشقین، وصال و کشادگی میں ہیں۔ مقام راستی میں نزدیک بادشاہ قدرت والے کے'' (پ ۲۷' ع ۱۰)

صاحب تفسیر بحر الحقائق نے لکھا ہے کہ مقعد صدق مقام وحدت و قربت ہے کہ جس کا ثبوت کلمہ عِنْدَ سے پایا جاتا ہے —— تفسیر کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ کلمہ عِنْدَ تقریب و تخصیص پر دلالت کرتا ہے —— اور یہ وہ مقام ہے کہ جس کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ

''میں مہمان ہوتا ہوں نزدیک اپنے پروردگار کے' وہ مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے''۔

اے محرم سرّ لایزالی　　مرآۃ جمال ذوالجلالی

''اے لازوال اسرار الٰہی کے محرم راز　　تو اس جمال ذوالجلال کا آئینہ ہے''

از قربت حضرت الٰہی　　ہستی مشابہ کہ خواہی

''تو نے حضرت جل وعلا کی قربت مقدس سے مشرف ہو کر ایسی مشابہ ہستی پائی جیسی کہ تو نے چاہی''۔

گم گشتہ بود عبارت آں جا　　ہرگز نرسد اشارت آں جا

''اس مقام راز میں عبادت و الفاظ گم ہو گئے۔ وہاں ہرگز اشارہ و کنایہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یعنی اس کا ذکر بیان و گفتگو اور شرح و تفصیل میں نہیں آ سکتا''۔

؎ مہمان بیت عِنْدَ رَبِّیْ ۔۔۔ صاحب دل لَا یَنَامُ قَلْبِیْ

"جیسا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنے رب کا مہمان ہوتا ہوں اور وہی مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے یعنی عارف کامل کو ظاہری طعام وغیرہ کی حاجت مطلق نہیں ہے۔ اس کو اپنے رب کریم سے غذائے روحانی عنایت ہوتی ہے۔ جو صاحبِ دل ہوتا ہے اس کا دل بھی ہر وقت بیدار و ہوشیار ہی رہتا ہے۔ وہ سوتا ہے تو بھی جاگتا ہے"۔

؎ قربے کہ عبارتش نسنجد ۔۔۔ در حوصلۂ خرد نگنجد

"وہ تو ایک ایسا ناقابل بیان قرب و نزدیکی ہے کہ وہ تحریر و عبارت آرائی میں نہیں آ سکتا اور نہ وہ بالائے خیال و عقل راز دائرہ عقل و خرد ہی میں آ سکتا ہے"۔

مزید مدارج و مراتب کے لیے تحریص:

حق الیقین کے بے انتہا مدارج و مراتب ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس یقین کے اعلیٰ مدارج میں اعلیٰ قدر استعداد پہنچے ہیں۔ اولیاء اللہ ان کے تحت رہتے ہیں۔ اللہ کریم کے فضل سے حق الیقین کے کسی درجہ پر پہنچ جانا' بس یہی بڑی بزرگی ہے۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ

پھر اللہ تعالیٰ ان تینوں گروہ کی تحریص کے لیے فرماتا ہے:

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (پ۱ع ۱۳)

"کیوں نہیں جس نے اپنی ذات کو اللہ کے تابع کر دیا' وہ محسن ہے۔ پھر اس کے لیے اجر ہے اس کے رب کے پاس' اور نہ خوف ہے ان پر نہ کوئی غم"۔

یعنی پکا مسلمان وہ ہے جو اپنی ہستی کو مع جمیع اعتقادی و عملی طاقتوں کے خاص اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے ـــــ اعتقادی طاقت کے یہ معنی ہیں کہ اس بات کو بہ یقین کامل جان لے کہ درحقیقت یہ تمام قوائے وجود مولیٰ کریم کی رضامندی و اطاعت' محبت و عشق

وشناخت کیلئے' جس کا دوسرا نام **امانت** رکھا گیا ہے' پیدا کیے گئے ہیں ——
عملی طاقت کے یہ معنی ہیں کہ حقیقی نیکیاں جن کو ہم دوسرے لفظوں میں حفاظت امانت سے تعبیر کرتے ہیں جو ہر ایک قوت کے متعلق اور توفیق الٰہی سے وابستہ ہیں۔ خالصاً للہ ایسے ذوق وشوق اور حضور قلب سے بجالائے کہ گویا اپنے معبود حقیقی کو دیکھ رہا ہے —— لہٰذا جس کی اعتقادی و عملی نیکیاں اس درجہ محبت ذاتی و جوش طبعی پر مبنی ہوں گی۔ عنداللہ وہی مستحق اجر عظیم ہے۔ یعنی نقد نجات اس کو حاصل ہے نہ اس کو کچھ خوف ہے نہ کوئی غم۔ کیونکہ جب انسان ذات وصفاتِ الٰہیہ میں موافقت تامہ پیدا کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے رنگ میں غوطہ دے دیتا ہے اور رنگ الٰہی اس کی عبودیت کو ڈھانپ لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ

''ہم نے لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ اللہ سے بہتر ہے اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں''۔ (پ ا' ع ۱۶)

یعنی سچے امانت دار۔ جب اللہ تعالیٰ کا رنگ چڑھ گیا تو بس اسی کا نام نجات کامل ہے۔ لہٰذا پہلی آیت کا یہ جملہ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ فنا کی طرف اشارہ کر رہا ہے —— یعنی جس نے مـن کـل الـوجـوہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا اور اپنا کچھ اختیار باقی نہ رکھا —— کَالْمَيِّتِ بِيَدِا لْغَسَّال بس اسی کا نام فنا فی اللہ ہے۔ اور وَهُوَ مُحْسِنٌ' کا جملہ مرتبہ بقا کو بیان کرتا ہے یعنی جب فَنَا فِي اللّٰهِ ہو کر خدائی رنگ میں غوطہ لگا تو وہ محسن یعنی درجۂ بَقَا بِاللّٰهِ میں ہے۔ از خود فـانـی بـخـدا فـانـی —— اللہ تعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی حالت کو بیان فرماتا ہے:۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

''اور نہیں پھینکا تو نے (اے رسول) جبکہ تو نے پھینکا لیکن اللہ نے کفار کی آنکھوں میں خاک ڈالی''۔

یعنی اس وقت تو از خود نہیں تھا' بے خود تھا بلکہ خدا کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا تو تو میں تھا —— مقام غور ہے کہ ایک مشت خاک کفار کے ہر فرد کی آنکھوں میں پڑ جائے

اور کوئی جانور بھی نہ بچ سکے' اور کفار سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلیں۔ یہ خدائی رنگ کی قوت نہیں تھی تو اور کیا تھا۔

ے آپ کے ہاتھوں میں سارا کام ہے آپ کرتے ہیں جہاں کا نام ہے

اس مرتبہ میں ذاتِ حق فاعل ہے اور بندہ اس کا آلہ —— پھر اس آیت کے آخر تک کے فقرے بقا باللہ پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی جب انسان فنا فی اللہ سے بقا باللہ کی جانب عبودیت کی حالت میں عود کرتا ہے اور اپنے معبود کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو بقا باللہ سے مشرف ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حالت کا ملہ کو **احسان** سے تعبیر فرمایا ہے۔ کَاَنَّکَ تَرَاهُ یعنی عبد عبادت کے وقت اپنے معبود کو گویا دیکھ رہا ہے۔ اسی کا نام بقا باللہ ہے۔ اس وقت اس کے رب کے پاس اس کے لیے اجر یعنی دیدار ہے —— ان پر نہ کچھ خوف ہے نہ کوئی غم ——

کَاَنَّکَ تَرَاهُ اس لیے کہا گیا ہے کہ کما حقہٗ اللہ تعالیٰ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ:

☆ —— یہ محاط' وہ محیط

☆ —— یہ قطرہ' وہ دریا

چنانچہ قطرہ دریا پر کیسے حاوی ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت والے کے بارے ارشاد باری ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً ط فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (پ۳۰' ع۱۴)

''اے نفس مطمئنہ! پھر چل اپنے رب کی طرف' تو اس سے راضی' وہ تجھ سے راضی' پھر مل میرے بندوں میں (یعنی اب تو ہمارے بندوں میں شامل ہو جس کا صلہ دیدار ہے) اور داخل ہو میری بہشت میں''۔

یعنی میرے رنگ میں آ اور دیدار پا کیونکہ نورِ آفتاب نظر میں سمائے تو نور نظر آئے۔

عطائے خلافت کے بعد رخصت:

جب انسان امانت الٰہی اٹھا چکا یعنی اس بات کو قبول کر لیا کہ میں اقرار کے موافق پورے طور پر عمل کروں گا اور راز مخفی کو ظاہر نہ ہونے دوں گا اور بحفاظت تمام امانت کو

آپ کے پاس پہنچادوں گا تو حکم ہوا کہ جاؤ رخصت' خدا حافظ و ناصر۔

بسفر رفتن مبارک باد بسلامت روی و باز آئی

"اس سفر کو جانا مبارک ہو تو سلامتی کے ساتھ جائے اور سلامتی سے واپس آئے"۔

یہ مسافر آمادۂ سفر ہو کر منتظر خطاب و خلعت ہوا۔ چنانچہ

☆ ـــــ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ كَاخُلْعَتِ' (پ۵' ع۷)

☆ ـــــ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ (پ۲۳' ع۱۱)

کا خطاب عنایت فرمایا۔ پھر:

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (پ۳۰' سورہ والتین' ع۱)

"ہم نے اس کو پھینک دیا نیچوں سے نیچے"

یعنی آخر تعین و تنزل میں جو سب سے اسفل درجہ ہے جس کو عالمِ ناسوت یا عالمِ اجسام کہتے ہیں' پھینک دیا ـــــ اس کی تفصیل و تشریح عنقریب آئے گی۔

سجدۂ آدم علیہ السلام میں کیا راز تھا؟

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کا اظہار کرنا چاہا تو ملائکہ کو حکم ہوا:

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (پ۲۳' ع۱۴)

"میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا اور پھر میں جب ٹھیک بنا چکوں، اور پھونکوں اس میں اپنی جان (روح) تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں"۔

یعنی جب میری جان اس میں پہنچ جائے تو تم اس کو فوراً ہی سجدہ کرنا۔ دراصل وہ میں ہی ہوں گا ـــــ سب ملائکہ اس کے منتظر ہوئے کہ وہ نائبِ ذی شان عالم امر سے کب تشریف فرمائے عالم ظہور ہوتے ہیں ـــــ اِنِّيْ خَالِقٌ "شرفِ علتِ فاعلی کی طرف اشارہ ہے ـــــ اور بَشَرًا علتِ صوری اور مِنْ طِيْنٍ علت مادی اور فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ تا آخر آیت علت غائی ـــــ علتِ شرف کو دانا خوب جانتے ہیں۔ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ یہ یادگار ہے یاد رکھنے والوں کو۔

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِنْ طِينٍ (پ۲۱ ع۱۴)

''اور شروع کے انسان کی پیدائش ایک گارے سے''

یعنی پھر مٹی کی مورت بنائی۔ جب نقشہ ازلی کے موافق یہ طلسم خاکی بنیاد تیار ہوگیا تو اس منقش و مزین پتلے کے دل میں اپنی روح پھونکی، اور آنکھ بچا کر تختِ شاہی پر خود ہی جلوس فرمایا۔ اور شہ نشین کے عین جھروکوں میں سے ملائکہ کو حکم ہوا کہ:

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ

''پس گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔''

؎ آں کس کہ خاک مارا گل کردو خانہ ساخت

خود درمیاں درآمد و مارا بہانہ ساخت

''وہ محبوب جس نے ہماری اس خاک کو گارا (گیلی مٹی) بنا کر گھر بنایا، وہ خود ہی اس کے اندر آیا اور ہم کو اس نے بہانہ بنالیا۔''

واہ سبحان اللہ! کوزے میں سمندر کا سما جانا اسی کا نام ہے ـــــ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ (پ۲۳ ع۱۴)

''پھر سجدہ کیا سب فرشتوں نے مگر ابلیس نے نہ کیا۔''

اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین سے دریافت فرمایا:

يَا اِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (پ۲۳ ع۱۴)

''اے ابلیس تجھے کیا اٹکاؤ ہوا کہ سجدہ کرے اس چیز کو جو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنائی ہے۔''

دونوں ہاتھوں یعنی جلال و جمال سے، اور یہی دونوں اس کی صفات میں رکھے ہیں ـــــ مگر کس وجہ سے چوکڑی بھول کر انکار کر بیٹھا۔ یہ نہ سمجھا کہ سجدہ تو مکین و جان کو ہے، جو اول و آخر، ظاہر و باطن روح سرکاری ہے، نہ کہ مکان کو جو حادث وفانی ہے ـــــ البتہ ذات الٰہی اور جان الٰہی میں نام کا فرق ضرور ہے۔ جیسے دریا و قطرہ اس کے سوا اور کچھ فرق بھی نہیں ـــــ دانا داند و بینا بیند۔ مگر اس انکار میں بھی ایک بھید ہے، جس کا اظہار مناسب نہیں۔ اللہ اکبر! اس گنج مخفی كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا کے لیے

خاکی طلسم کس خوبی اور ترتیب گم کردہ راہی سے مرتب کیا ہے —— اور کیا لطیف بہروپ بدلا ہے کہ جس میں بڑے بڑے دانش مند و صاحبِ علم خصوصاً معلم الملکوت جیسے دھوکا کھا گئے۔

؎ بدلا نہیں کوئی بھیس ناچاری سے ہر رنگ ہے اختیار سرکاری سے
بندہ شاہد ہے اور طاعت زیور یہ سوانگ بھرا گیا عیاری سے

اور دھوکہ نہ کھائیں تو تعجب ہے کہ اول ایک مٹی کا پتلا بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے سجدہ کروایا —— اور اپنی صفاتِ خاص یعنی:

''حیات وعلم وارادہ وقدرت وسمع وبصر اور کلام''

سے موصوف کر کے اس کا نام **انسان و بشر و آدم** رکھا —— سب نے اس کو تماشا اور بھان متی کا سوانگ (بہروپ) خیال کیا تھا۔ لیکن جب اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ کا خطاب اور وَلَقَدْ کَرَّمْنَا کا خلعت عنایت ہونا معلوم ہوا تو سب کی آنکھیں کھل گئیں کہ ہیں! —— کیا تھا اور کیا ہو گیا!!

؎ اخفا کے لیے اس قدر جوش و خروش یہاں ہوش کا مقتضا ہے بنا مدہوش
حسنِ ازلی تو ہے ازل سے ظاہر یعنی ہے تجلیوں میں اپنی روپوش

چنانچہ قیدِ جسمانی و حجابِ جہل اور غیریتِ اعتباری کے لباس میں زمین پر اعتباراً و مجازاً بھیج دیا گیا —— ورنہ نہ کہیں سے آیا نہ گیا۔ جہاں کا تہاں اور جوں کا توں موجود ہے —— واہ سبحان اللہ! اس طلسمِ خاکی نہاد میں کس خوبی کے ساتھ بطون سے ظہور میں جلوہ آراء ہوئے —— کیسی آڑ میں شہ نشین کے جھروکوں میں سے دیدار بازی ہو رہی ہے۔ ہائے:

؎ دیدار ے نمائی و پرہیز ے کنی بازار خویش و آتش ماتیز ے کنی

''اے محبوب! تو دیدار بھی دکھاتا ہے اور پرہیز بھی کرتا ہے۔ تو اس طرح سے اپنی گرم بازاری اور ہماری آتش شوق کو تیز کرتا ہے۔''

؎ باایں ہمہ سادگی ہے پرکاری بھی شوخی بھی ہے اس میں اور عیاری بھی
چھپ چھپ کے ہے تاک جھانک اپنی کرتا اس سے کوئی سیکھ جائے مکاری بھی

حسن نہ آنست کہ ماند نہاں   گرچہ بود پردہ جہاں در جہاں

''حسن حقیقت میں وہ نہیں ہے جو چھپ جائے۔ اس پر تو اگر جہان در جہان کے بے شمار پردے بھی پڑے ہوں تو ان حجابات کے باوجود وہ ہرگز نہ چھپ سکے۔''

؎ جبکہ وہ ماہ دل فروز، صورت مہرنیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردہ میں منہ چھپائے کیوں

اگر کبھی انسان اپنی اصلی حالت اور سرانسانی کا پرتو کچھ بھی معلوم کرلیتا ہے تو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی اور اَنَا الْحَقُّ وغیرہ کہہ اٹھتا ہے۔

؎ بہر طرف نگری صورت مرا بینی   اگر بخود نگری یا بسوئے ایں شر وشور

''جس طرف بھی تو دیکھے میری ہی صورت نظر آئے گی۔ خواہ تو اپنے آپ کو دیکھے یا اس دنیائے شوروشر کو مشاہدہ کرے۔ تجھے ہر جگہ میرے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔''

؎ ز احولی منگر ہر دو چشم نیکوکن   کہ چشم بدبود امروز از جمالم دور

''تو احولی (دوبینی) نہ کر، اور دوئی کو مت دیکھ ـــــ تو اپنی دونوں آنکھوں سے صرف حق اور نیک ہی دیکھ۔ کیونکہ بری نظر جو برائی دیکھے۔ وہ آج بھی میرے حسن و جمال کے حقیقی مشاہدے سے محروم ہے۔''

؎ بصورت بشرم ہاں و ہاں غلط نکنی
کہ روح سخت لطیف است و عشق سخت غیور

''تو بشری صورت پر ہاں ہاں غلط نہ کر۔ کیونکہ روح بہت لطیف اور نہایت غیرت مند ہے۔''

؎ ترا بقاف چو ہرگز نبودہ است گزر   زما حکایت عنقا کجا کنی باور

''تجھ کو اس کے ''قاف عشق''[1] میں ہرگز رسائی نہیں ہوئی ہے۔ پھر تو میری زبان سے عنقا[2] کی کہانی سن کر کب یقین کرے گا۔''

---

[1] قاف: دنیا کا سب سے بڑا محیط و عظیم پہاڑ [2] عنقا: ایک نایاب اور فرائی پرندہ

لٰہذا اگر یہ دعویٰ قید جسمانی و تعینات صوری میں کرتا ہے تو وہ نافرمان و منکر کافر و ملعون و مردود کہلاتا ہے۔ کیونکہ رازِ مخفی کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے فرعون، نمرود اور شداد وغیرہ ہیں۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ـــــ اگر تعینات صوری و قید جسمانی کو توڑ کر شراب معرفت کی مستی میں نعرۂ اَنَا الْحَق لگاتا ہے تو حالت سکر کے اعتبار سے اس کو معافی کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ شارع علیہ السلام نے صاحبِ سکر کو مرفوع القلم کر دیا ہے۔ یہ لوگ عارف کہلاتے ہیں ـــــ چنانچہ بزرگان دین کی زبان مبارک سے اس قسم کے الفاظ بہت کچھ سرزد ہوتے ہیں۔ جو آئندہ کسی موقع پر تحریر میں آئیں گے ـــــ ارشاد باری ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنَ

''مگر جو یقین لائے اور بھلائیاں کیں، سو ان کو نیگ ہے بے انتہا۔'' (پ ۳۰ ع ۲۰)

یعنی جس نے اعتقادی و عملی نیکیاں اپنے جوشِ طبعی و شوقِ قلبی سے حفاظت امانت کے لیے کیں ـــــ اور توحید و معرفت کر کے حجابِ جہل کو پھاڑا اور تعین اعتباری و غیریت مجازی کو توڑ کر خود شناسی و عرفانِ ذات حاصل کر کے اسرار الٰہی سے واقف ہو گیا، تو اس کے لیے وصال بے زوال ہے ـــــ اور جو نفس و شیطان کے دھوکے میں گرفتار ہو کر غفلت و جہل کی وجہ سے امانتِ الٰہی میں خیانت کر بیٹھا، اور توحید و معرفت اور خود شناسی سے محروم رہا تو وہ ہمیشہ مبتلائے فراقِ ابدی رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا

''او جو اس جہان میں اندھا ہے سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے، اور راہ سے زیادہ دور پڑا۔'' (پ ۱۵، ع ۸)

یعنی جو یہاں توحید و عرفان حاصل نہ کر سکا، اور دیدار الٰہی سے مشرف نہ ہوا، وہ وہاں بھی دیدار الٰہی سے محروم و محجوب رہے گا ـــــ کیونکہ عشق و محبت جو امانت الٰہی تھی، غیر جگہ ضائع کر بیٹھا۔

فصل دوم

وحدت وجود اور وحدت شہود

صوفیاء کرام کے دو گروہ:

تنزلات خمسہ احدیت یعنی:

☆ ـــــ وحدت ☆ ـــــ واحدیت ☆ ـــــ ارواح

☆ ـــــ امثال ☆ ـــــ اجسام

میں صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دو گروہ ہیں:

(۱) ـــــ ایک گروہ ''ہمہ اوست'' فرماتا ہے، اس گروہ کا نام ''وجودیہ'' ہے۔

(۲) ـــــ دوسرا گروہ ''ہمہ از وست'' فرماتا ہے، اس گروہ کا نام ''مشہودیہ'' ہے۔

گروہ مشہودیہ کے نزدیک صفات نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات، بلکہ زائد بر ذات وحدت اور واحدیت میں سب کا اتفاق ہے ـــــ اور ثلاثہ تنزلات اخیرہ: ارواح و مثال و اجسام میں اختلاف ـــــ ہر گروہ اپنے مدعا کو معقول و منقول سے ثابت کرتا ہے ـــــ

اب وجود و شہود کے بارے میں چند محققین کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ طالب صادق کو بصیرت حاصل ہو، اور منکشف ہو جائے کہ

''ہر دو گروہ کا مقصود اثبات واحدانیتِ ذاتِ واحد ہے نہ کہ غیر۔''

اصطلاح صوفیاء میں نسبت کیا ہے؟

مرزا جان جاناں علیہ الرحمہ اصطلاح صوفیاء میں نسبت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عربی زبان کی لغت میں نسبت کے معنی ومقصد ہے ''علاقہء بین الطرفین''
—— یعنی دونوں سے ملے ہوئے علاقے —— اصطلاح میں صوفیا اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ علاقہ جو مخلوق اور خالقِ کل حق جل شانہ، کے درمیان واقع ہے —— اور جسے متکلمین (یعنی حکمائے اسلام وعلمائے صوفیاء) صانعیت اور مصنوعیت کہتے ہیں۔ جیسی نسبت کوزہ اور کوزہ گر کی ہے۔ بظاہر یہ بات کتاب وسنت سے بھی معلوم ہوتی ہے —— اگر صوفیاء وجودی عقیدے کے ہوں تو وہ اس سے ''ظہورِ وحدت وکثرت'' مراد لیتے ہیں۔ جیسے کہ پانی، موج اور حباب وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے —— اور یہ کثرت ''وحدت حقیقی'' میں ہرگز مانع نہیں ہوتی۔

یعنی اس سے ''وحدت مطلق'' میں کوئی کمی یا زیادتی یا فرق ہرگز نہیں ہوتا۔ ذات وحدت اسی طرح اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ یعنی جیسی پہلے تھی ویسی اب بھی ہے۔

اس تعبیر سے ان کا مقصد صرف اثبات عینیت[1] کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ وہ ان معنوں کی تاویل ومثال شرع وعقل کے ذریعے سے بھی دیتے ہیں —— اگر وہ گروہ ''شہودیہ'' عقیدہ رکھنے والوں کا ہے تو اصل کی جو نسبت سائے سے ہے، وہ معنی مراد لیتے ہیں —— یعنی کسی شے کا دوسرے مرتبہ ودرجہ میں ظہور —— ظاہر ہے کہ یہ بات کثرتِ موجوداتِ ظلی (سایہ) حقیقت میں وحدتِ حقیقی کے وجودِ مطلق میں ہرگز مخل نہیں ہوسکتی —— پہلے اور دوسرے گروہ کی تعبیر ومقصد میں یہ فرق ہے —— اگرچہ ظل (سائے) کی حقیقت دوسری ہے مگر وہ اس کی اصل کی حقیقت غیر سے نہیں ہے۔ یعنی سائے کا وجود اپنی اصل (یعنی نور) کے بغیر نہیں ہوسکتا —— چنانچہ اسی اصل نے دوسرے مرتبہ (درجہ) میں ظہور کیا ہے۔ اس مقام پر ایک کے حقائق واحکام کا دوسرے پر محمول کرنا درست نہیں ہے —— نورِ مطلق اپنی حقیقت میں نور ہی ہے، اور سایہ اپنی حقیقت میں سایہ (یعنی عارضی وفانی) ہے —— اور امواج ودریا، ذرّہ ریا گوہر وغیرہ کی مثال بھی صحیح ہے۔ کہ یہ سب عین دریا ہی ہے۔ دریا کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں

---

[1] اثباتِ عینیت: حقیقت کا ثبوت

ہے۔ صرف اس کی ظاہری و عارضی شکل و صورت ہے ـــــ اس وجہ سے شہودیہ اس مراد و تعبیر سے بہ لحاظ صورت، غیریت کا اثبات کرتے ہیں۔ اس طور سے کہ "توحید" میں وجود حقیقی خلل نہیں کرتا۔ کتاب و سنت کو ان معنوں میں بآسانی اخذ اور معلوم کیا جاسکتا ہے ـــــ

پہلے طور کی نسبت کے معنی اور تصویر صوفیاء "وجودیہ" کی کتابوں سے معلوم کرنی چاہئے ـــــ "شہودیہ" کے طور پر یہ ہے کہ ان کے نزدیک ممکنات کے حقائق عدم وجود سے علم الٰہی کے مرتبہ میں مرکب ہیں۔ ان معنوں میں کہ اضافات کا عدم ہونا کہ وہ جہل سے تعبیر ہوتا ہے ـــــ عدم القدرت عجز سے تعبیر ہوتی ہے ـــــ اس کے علاوہ سب مفہومات فرق و امتیاز رکھتے ہیں ـــــ ایک ثبوت علم الٰہی کے مرتبہ میں پیدا کیا ہے ـــــ صفات حقیقیہ کے مظاہر جو ان عدمات[1] (عدم کی جمع) کے مقابل ہیں، بنائے ہیں ـــــ ان صفات کے انوار ان مظاہر میں منعکس ہوئے ـــــ یہ مخلوط[2] تعینات عالم کی ابتداء ہوئے۔

ـــــ چنانچہ ان کے نزدیک اعیان ثابتہ[3] علم سے مرکب ہیں ـــــ معدوم اشیاء اضافیہ اور حقیقی صفات کے اظلال (سایہ) سے، اور سائے کے خارجی مظاہرات میں (یہ خارجی مظاہرات خارجی حقیقی کا سایہ ہیں) آثار خارجیہ کا مصدر ہوا ہے ـــــ اس لیے یہ اعیانِ ثابتہ اس گروہ کے خیال میں وجودِ ظلّی سے موجود اور ظاہر ہیں نہ کہ حقیقی وجود کے باعث موجود ہیں ـــــ یعنی ان مظاہرات اور ظاہری موجودات کا اصل و حقیقت میں کوئی ذاتی وجود نہیں ہے۔

یہ چیزیں صرف خارجی سائے کے لحاظ سے محقق و ظاہر ہیں، نہ کہ خارج حقیقی ہیں ـــــ وجود حقیقی کے تحقق ہونے کا جو مقام ہے، اور تمام عالم میں جو کچھ موجود ہے، وہ سب اسی عکس و سایہ کے وجود و توابع کے ذریعے سے استفادہ کرتا ہے ـــــ جو کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے وجود مقدس سے سایہ فگن ہے۔ جیسا کہ ارشاد مبارک ہے:

---

[1] عدمات: عدم کی جمع یعنی فانی و نابود اشیاء [2] مخلوط: ملی جلی [3] اعیان ثابتہ: مظاہر قدرت

فَلاَ مَوْجُوْد" بِالْوُجُوْدِ الْحَقِیْقِیْ فِی الْخَارِجِ الْحَقِیْقِیْ اِلاَّ اللّٰہُ

"وجود خارج میں کچھ موجود نہیں ہے، وجود حقیقی میں اللہ کے سوا۔"

یعنی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود حقیقی ظاہر میں بھی نہیں ہے۔۔۔۔ یہ جو کچھ مظاہر عوالم و کائنات ہیں، یہ سب بے وجود اور معدوم ہیں۔ فھذا ھوالتوحید اور یہی یقین کر لینا "توحید" ہے۔ جیسا کہ کسی صاحب دل نے فرمایا!

ع بخدا درد دو جہاں غیر خدا چیزے نیست

یعنی "خدا کی قسم! دونوں جہاں میں اللہ کے سوا اور کوئی شے حقیقت میں موجود نہیں ہے۔"

چونکہ عدم سے منشاء و مقصد، شر اور نقص ہے۔۔۔۔ "وجود مبتداء" اول تمام خیر و کمال ہی ہے۔۔۔۔ جبکہ عالم، عدم سے مرکب ہے۔ بلکہ اس کے (ظاہری) وجود کے ساتھ ذاتی طور سے عدم ہے۔ اس کا وجود بالکل عارضی و فانی ہے۔۔۔۔ جبکہ وجود حق سب پر محیط اور چھایا ہوا ہے۔ اور وہ خیر و حسن محض ہے۔۔۔۔ یعنی وہ صفات حسنہ سے متصف ہے۔ اس کی ذات مقدس میں کمی و خرابی اور نقص کا شائبہ و امکان بھی نہیں ہوسکتا۔

اسی لیے عین[1] عالم نہیں ہوسکتا۔ ناچار عالم مجموعہ حسن و عیب ہوگا۔۔۔۔ لیکن حسن کا وجود تمام فائدہ بخش ہی ہے اور وہ حق تعالیٰ کا وجود مقدس ہے۔۔۔۔ تمام اطراف و سمت وغیرہ عیوب و نقائص سب عدم ہی کی وجہ سے حاصل و متعلق ہیں۔۔۔۔ چنانچہ جس وقت سالک اپنی قوتِ استعداد اور اپنے مرشد کے جذب اور فیض باطنی سے (جو کہ درحقیقت جذبۂ الٰہی کا ظل (سایہ) ہے)، دائرہ امکان سے اوج وجوب[2] کے ساتھ سیر علمی کے لیے سفر کرتا ہے۔۔۔۔ اس کا مطلب و مقصد خرقِ حجاب ظلمت و نور ہے۔ جو کہ حدیث پاک کے مطابق خالق اور خلق کے درمیان ایک واسطہ اور ذریعہ ہے۔۔۔۔ اس کے خلوص و برکات جو ان محاذ و مقامات سے نسبت رکھتے ہیں، جو کہ

---

[1] عین: اصل و حقیقت [2] اوج وجوب: مقام وحدت کی بلندی

ظاہر و مظہر کے درمیان تحقیق ہوئے ہیں —— ان حجابات کے رفع کرنے کے لیے کہ وہ ظہورِ شمسِ حقیقی کے انوار کے مانع ہیں، وہ سالک کے لیے ایک آئینۂ تعین[1] ہیں، تمام و کمال ظہور میں آتے ہیں —— ان انوار و حقیقت کا سیلاب اس آئینۂ تعین کو مستور و پوشیدہ کر دیتا ہے —— یعنی اس سیر علمی و روحانی میں سالک کو انوار و تجلیات کی شدت کی وجہ سے ایسی فنا حاصل ہوتی ہے کہ آئینۂ تعین مستور ہو کر سوائے انوارِ الٰہی کے اور کچھ نظر نہیں آتا، اور وہ خود محو و بے خود ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس حالتِ خاص کو ''فنا'' سے تعبیر کرتے ہیں —— فنا کے بعد یہ لازمی ہے کہ پھر حق تعالیٰ جل شانہ، کی طرف سے ہر مقام کے لائق و مناسب ''وجودِ وہبی'' عطا ہو۔ تا کہ سالک اس وجود کے ذریعے سے کارخانہ بشریت کو چلائے اور احکامِ شریعت پر عمل درآمد کرے۔ اس کو بقا سے منسوب کرتے ہیں —— (یہ بقاء فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے)۔

لہٰذا سالک نے اگر حجاب ظلمات و انوار کے وہ تمام خوارق طے کر لیے، اور وہ تجلیات صفات و شیونات[2] سے گزر چکا ہے۔ نبوت کے زمانے میں نبی مقرر ہوتا ہے —— پھر جس عصمت و عفت کے اس اعلیٰ درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پھر اس سے گناہ و شر کے واقع ہونے کا احتمال بھی معدوم ہو جاتا ہے۔ (یعنی وہ انبیاء و اولیاء کی طرح معصوم و مبرا ہو جاتا ہے)، ورنہ سفر طے کرنے کے مناسب و مقدار شر سے دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا امکان و جوبِ عدم[3] سے ہوتا ہے کہ وہ شرِ محض ہے —— وہ وجود حق تعالیٰ سے نزدیک تر ہو جاتا ہے —— کیونکہ وہ خیر و حسنِ محض ہے۔ جب سالک کے باطن پر طغیانی انوار اور تجلیاتِ حقہ کی شدت کی وجہ سے ظلماتِ عدم (کثافت و حجاباتِ عدم) مضمحل ہو جاتے ہیں تو بہت سی خبروں کا مصدر بھی ہوتا ہے —— لیکن اس سے نادانستہ طور پر شر کے وقوع کا احتمال ہو سکتا ہے —— ولی، نائب نبی بھی ہوتا ہے، اور بنی نوعِ انسان کی تربیت و اصلاح بھی خود کرتا ہے۔ یعنی

---

[1] آئینۂ تعین: مظہر کائنات [2] شیونات: شانیں، شان کی جمع [3] وجوبِ عدم: عدم کا لازم ہونا۔

وہ مصلحِ عالم اور ہادیٔ جہان ہوتا ہے۔

یہ وہ معنی و مطلب ہے جو کہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام معصوم اور اولیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں ـــــ اس گروہ صوفیاء کی اصطلاح میں مختصر طور پر یہ مقصد ہے ظہور نسبت کا ـــــ یہ مشرب ''اہلِ شہود یہ مجددیہ'' کا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، اور برکت وسلام ہو۔

اے برخوردار! ''وحدت وجود'' کی تصویر تمہاری عرض کے موافق تحریر کردی گئی ـــــ اب یہ جانو کہ میں کتاب کی شرح میں وہ مراتب ستہ[1] لکھتا ہوں یعنی

''حق تعالیٰ اپنے علم قدیم میں تمام کلی و جزوی حقائق جانتا ہے۔''

یعنی وہ ہر شے کے متعلق، ہر ہونے والی بات سے یہ تمام و کمال واقف ہے ـــــ کسی شے کا علم اس شے کے وجود کے علم کے ساتھ لازم ہے ـــــ لہٰذا یہ چاہیے کہ تمام اشیاء اس کے علم ازلی میں موجود ہوں ـــــ اسی وجہ سے گروہ صوفیاء'' اعیان ثابتہ''[2] کے علم الٰہی سے متعلق ہونے کے قائل ہیں۔ اشیاء کا وجود جب علم میں ہو جیسا کہ اس گروہ کے نزدیک مسلم ہے، اور وہ اس سے موسوم ہے کہ یہ باطن وجود، تقدم و تاخر (اول و آخر) نہیں ہے' زمانے کے لحاظ سے وجود خارجی کے برخلاف ہے۔ اس لیے کہ اس میں تقدم و تاخر ضروری و لازمی اور ظاہر ہوتا ہے۔

اس لیے یہ لازم ہوا کہ وجودِ علمی وجودِ خارجی کا غیر ہو (یعنی اس کی حقیقت میں فرق ہو)۔ ـــــ اور یہ بھی چاہیے کہ وہ اصل پر فروعات کے تقدم کی مانند اس پر مقدم ہو ـــــ اور تقدم ذی ظل بر ظل (یعنی جس کا سایہ ہو، اس کا اول ہونا سایہ پر لازمی ہے) اور خارجی اشیاء کے وجود کے صادر ہونے کی کیفیت وجود علمی سے وہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ صورت کو اپنے ''علمِ الٰہیہ'' کی صورت و اشکال سے خارج میں لائے۔ اس لیے کہ اس کا مطلب وجود منبسط (کل کائنات) ہے ـــــ جو اس گروہ صوفیاء کے نزدیک' 'وجود ظاہری'' کے پیدا کرنے سے موسوم ہے ـــــ

[1] مراتب ستہ: چھ درجے' یا چھ مرتبے۔ [2] اعیانِ ثابتہ: ثابت حقیقتیں

—— اس صورت سے اس صورت میں پردہ ظہور میں آثار مطلوبہ لائے۔ تو اس صورت اور نور کے درمیان یہ "وجود نسبتی" جو کہ الاعیۃ[1] مجہول الکیفیت معلوم ہوتا ہے —— "وجود منبسط" کے آئینے میں اس صورت علمی کے ظل و عکس سے اس طرح سے منطبع کیا کہ یہ انطباع اطلاع وجود کو برہم کرنے والا نہ ہو —— یعنی وہ اس کے ہونے نہ ہونے سے بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مثال سے اعلیٰ ہے۔ وہ تو بے مثل و بے مثال ہے۔ چنانچہ عکس رائے مقابلہ کے وقت آئینہ سے آئینہ میں پیدا ہوتا ہے —— اس آئینے کا نور سلب یا کم نہیں ہوتا۔ عقل سلیم بڑے غور و خوض اور تامل و تفکر کے بعد آئینہ کے اندر یا آئینے پر دیکھی ہوئی صورت کو صحیح طور سے نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ اس مقام پر نہ دخل ہے نہ ارتسام[2] ہے —— اگرچہ ظاہری طور پر اور عوام کی عقل میں (یعنی عام لوگوں کے خیال میں) دیکھی ہوئی صورت اور دیکھئے ہوئے وصف ایک ہی ظرف سے معلوم ہوتے ہیں، جو کہ آئینہ کہلاتا ہے —— لیکن حقیقت کے لحاظ سے ہر ایک صورت اور آئینے میں نظر آنے والی اشیاء ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ یعنی شکل اور صورت کا رنگ آئینے سے پیدا و ظاہر ہے —— اور آئینے کی گہرائی اور اس کا حدب اس کی صورت سے ظاہر ہے —— مولانا جامی علیہ الرحمہ "مراتب ستہ" کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"اگر وجود کو آئینہ اعتبار کریں —— تو اس کے ظاہر میں آثار (نشانات) اور علمی صورتوں کے احکام ہیں —— لِاَنَّ الْاَعْیَانُ الثَّابِتَۃُ فِی الْعِلْمِ مَا شَمَّتْ رَائِحَۃُ الْوُجُوْدُ فِی الْخَارِجِ —— یعنی بے شک "اعیانِ ثابتہ فی العلم سے خارج ہیں۔ تو وجود کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا۔"

اگر صور علمیہ کو آئینہ قرار دیں تو اس کے ظاہر میں تجلیات اسمائے صفات اور شیونات (مظاہر و شان) وجود حق تعالیٰ ہی ہیں، نہ کہ وجودِ حقیقی بعینہٖ اس میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شانِ مراۃ (آئینہ) یہ ہے کہ گویا:

---

[1] الاعیۃ: جس کی کیفیت مجہول ہو۔ [2] ارتسام: منقش ہونا، جم جانا

علم کا خزانہ صفحہ منقوش کی طرح، اور——

وجود منبسط آئینہ صیقلی کی بجائے اس نقش کے مقابل میں ہے—— نہ اس نے کوئی نقش اس صفحے پر بنایا ہے اور نہ کوئی شکل وصورت اس مراۃ وجود میں آئی۔ کیونکہ "خروجِ صورتِ علمیہ" کا داخلہ قیام حادث[1] کا قدیم کے ساتھ موجب ہے—— اور یہ ہر دو باتیں محال ہیں۔ چنانچہ باطن وجود اور ظاہر وجود کے درمیان طرفین کے آثار واحکام کا انعکاس ایک عجیب اور حیران کن طلسم کی طرح برپا ہے۔"

تعبیر یہ کیا جاتا ہے گروہ صوفیاء کے نزدیک ان کی اصطلاح میں "وہم" کے مرتبہ سے اور دائرہ امکان سے کہ وہ "تنزلاتِ ثلاثہ" امکانیہ[2] سے متعلق ہے۔ جو کہ "تنزلات خمسہ" مشہورہ سے ہیں۔ یعنی:

☆——تنزلِ روحی ☆——تنزلِ مثالی ☆——تنزلِ جسدی

چنانچہ مرتبہ علم واجب[3] سے متعلق ہے، اور تنزل وجوبی ہے، یعنی واحدیت ہے۔ اس کا مطلب ہے حق تعالیٰ جل شانہ، کا اپنی شان اور صفات کو ملاحظہ کرنا—— مرتبہ علم میں مفصل ومجمل ہے۔ کہتے ہیں کہ خارج میں سوائے وجودِ واحد[4] کے اور کوئی شے پایہ ثبوت وتحقیق کو نہیں پہنچتی ہے۔ اور یہ جو کثرت نظر آتی ہے—— صرف مرتبہ وہم وخیال میں ہی موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے اس وہم کو ثبوت ویقین پر بنایا ہے—— یعنی حقیقت میں یہ ہستی وہم وخیال ہے۔ جیسا کہ مرزا غالب نے کہا ہے:

ع ہستی کے فریب میں مت آجائیو اسد

یعنی—— عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر جو بنائے آثار ابدی قائم کئے ہیں۔ وہ وہمی نہیں ہیں کہ واہم (وہم وگمان کرنے والے) کے رفع (دور) سے مرتفع ہو جائے—— اس سے ان کا مقصد ومطلب یہ ہے کہ وہم کا اطلاق اس مرتبہ پر ہوا کہ کثرت کی کوئی دوسری

---

[1] حادث: عارضی وفانی [2] امکانیہ: وجودِ ممکن [3] مرتبہ علم واجب: ذاتِ الٰہی [4] وجودِ واحد: ذاتِ الٰہی

حقیقت نہیں ہے ـــــ وہی ''وجود واحد'' اس وجود منبسط کے آئینے میں تجلیات فرماتا ہے۔ اس کثرتِ تجلیات کا منشاء کثرتِ شیونات (شان مظاہر) ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے وجودِ مقدس سے ملی ہوتی ہیں۔ وہ ''مرتبۂ علم'' میں اسی طرح کشادہ ہوتی ہیں جس طرح درخت دانے میں کشادہ ہوتا ہے ـــــ چنانچہ اسی طرح ''حقائق ممکنات'' ہوئے ہیں۔ ان حقائق کا انعکاس ''وجودِ منبسط'' کے آئینے میں پڑا ہے، اور ''عالم و کائنات'' کے نام سے موسوم ہوا ہے ـــــ جبکہ وجودِ وہی کی اشیاء عالم کا کوئی اور حقیقی وجود نہیں ہے۔ اپنی کوئی دوسری حقیقت نہیں رکھتا۔ وہ تو صرف وجود علمی کا ہی عکس ہے ـــــ حقیقت میں اس طرح ''مرتبۂ علم'' میں وجودِ علمی کی حیثیت سے موجود ہیں۔ اور مرتبۂ علم سے باہر نہیں آئی ہیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا، علم ''صفاتِ الٰہی'' سے ایک صفت ہے، اور یہ صفات ''گروہ صوفیاء وجودیہ'' کے خیال و اعتقاد میں ''عین ذات'' ہیں ـــــ لہٰذا اس تقریر سے وجود اشیاء عین وجود حق ہیں ـــــ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اِنْ شِئْتَ قُلْتَ حَقّ'' وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ خَلْق''

یعنی ''جب تو نے چاہا کہا: ''حق'' ـــــ اور جب تو نے چاہا کہا: ''خلق''۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ وجودِ واحد کے علاوہ خارج میں کوئی وجود موجود نہیں ہے۔ یہی معنیٰ و مطلب ''وحدت وجود'' کا ہے۔ یہ معنیٰ ان حضرات پر کھلے اور مشاہدہ ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

علم کی اقسام:

حضرت مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ سائل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علم دو قسم پر ہے:

☆ ـــــ علم حضوری

☆ ـــــ علم حصولی

علم حضوری وہ ہے کہ جو عالم ذات سے لازم ہوتا ہے یا اس کا عین ہے۔ چنانچہ علم

نفس (ذات) اپنے ساتھ یا اپنے عوارض یعنی متعلقات[1] کے ساتھ ہوتا ہے۔

علم حصولی، معلومات کی شکل وصورت میں حاصل ہوتا ہے۔ وہ آئینے میں عقل و حواس کے ذریعے سے منعکس ہوتا ہے—— سالک جب "سیر علمی" کے لیے دائرہ امکان سے او ج وجوب پر پہنچ کر عروج و کمال حاصل کرتا ہے—— (اس مشاہدے کو علم حضوری کہتے ہیں)—— یہ علم، علم حضوری کی قسم سے ہے، یہ علم حصولی نہیں ہے۔ یعنی اس کا تعلق تعلیم و تعلم (یعنی لکھنے پڑھنے) سے نہیں—— "عارف" کے علم حضوری کے متعلق کی کیفیت حق تعالیٰ سے یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک "وجود اشیاء" (موجودات) حقیقی نہیں ہے بلکہ مثلِ سایہ (ظلی) ہے۔ (جیسے کہ حضرت عطار و حضرت رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

"وہ نور ہے اور ہم سب سایہ کی مثال ہیں۔"

یعنی یہ جو کثرت نظر آتی ہے حق تعالیٰ کے وجود حقیقی کے انوار کا سایہ ہے—— خارج میں "وجود واحد" کے سوا کوئی غیر محقق نہیں ہے۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔

اس ظلال (سایوں) کا تعدّد و کثرت، وجود کے شیونات کی کثرت کی وجہ سے ہے—— ظلِ (سایہ) جس وقت تک اپنی اصل سے غافل ہے، اور اپنی ظلّیت (سایہ پن یعنی سایہ ہونے کا شعور) سے واقف نہیں، اس وقت تک وہ اپنے کو وجود مستقل سمجھتا ہے—— اور اپنے زعم باطل میں یہی ثابت کرتا ہے—— بولنے میں لفظ اَنَا (میں) سے اشارہ ہے۔ اسی "وجود وہمی" سے معلوم ہوتا ہے—— جب یہ اصطلاحی سفر قطع (ختم) ہوتا ہے، اس گروہ کے نزدیک اس کا مطلب "حق تعالیٰ اور خلق کے درمیان نورانی وظلماتی حجابوں کا دور ہونا ہے"۔ جو کہ حدیث شریف سے بھی ثابت ہے—— یعنی وہ اس اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا ہے تو پھر وہ اپنے اصل سے واصل ہو جاتا ہے—— پھر وہ اپنے آپ کو اس اصل کے سایہ سے پہلے نہیں دیکھتا۔ اور اس کے وجود و توابع کو

---

[1] توابع ماتحت متعلقات

اصل ہی سے مستعار اور عارضی سمجھتا ہے۔ یعنی اس پر حقیقت ہستی عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ یہ معلوم کر لیتا ہے کہ ظل کی حقیقت علیحدہ نہیں ہے، بلکہ وہی اصل ہے جس نے دوسرے مرتبہ میں ظلی تعین سے ظہور کیا ہے۔

لہٰذا واضح ہو کہ جس کی طرف اشارہ ہے، اور لفظ اَنَا کا مرجع حقیقت میں ''اصل'' ہے نہ کہ ظل و سایہ ہے۔ اس وقت اس کی حضوری کا علم (کہ وہ اس کے ''تعین ظلی'' کے لیے لازم ہے) ''اصل'' سے لازم و متعلق ہوتا ہے —— لفظ اَنَا سے اشارہ اولاً ''اصل وچوں'' راجع ہوتا ہے —— چونکہ یہ اعتبارات ''اصل'' سے اعتباری ہے، دوسرا یہ کہ یہ ''اَنَا'' ظل سے رجوع کرتا ہے —— جب یہ حالت قائم و دائم ہو جائے تو اس کو ''دوام حضور'' یعنی ''ہمیشہ کی حضوری'' کہتے ہیں —— یہ حضوری تحقیق کے بعد فنا و زوال پذیر نہیں ہوتی —— اس میں اگر کبھی کچھ فتور یا کمی ظاہر ہوتی ہے تو ''علم العلم'' کی فترت[1] میں واقع ہوتی ہے، نہ کہ عین علم حضوری میں نمودار ہوتی ہے —— عارف کا ''علم حصولی'' عوام الناس کی طرح باقی رہتا ہے، مگر اس وقت تک جب تک کہ حواس باقی رہتے ہیں کیونکہ امور بشری کا ہونا ان ہی پر موقوف ہے —— اس علمِ ظاہری کو حق تعالیٰ کی بارگاہِ اعلیٰ میں ہرگز رسائی و باریابی نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ ان حواس کو اس بارگاہ قدسی میں بالکل دخل نہیں ہے۔ ان اشتباہات[2] سے منشا و مقصد یہ ہے کہ ''علم العلم'' کے ذہول کو ''علم حضوری'' کے اندر فتور سمجھ کر منکر دوام ''حضور'' ہوتے ہیں۔

یعنی علم ظاہری و امور دنیا کے اجراء کے وقت ''علم حضوری'' سے حجاب ہوتا ہے۔ ورنہ امور بشری کس طرح سرانجام ہوں۔ کیونکہ دل جب اس محبوب حقیقی کے مشاہدہ و حضوری میں مستغرق اور محو ہو تو پھر ماسواء کا ہوش کب ہوگا ——

چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میں نماز پڑھتا ہوں اور لشکر اسلام کی تیاری کرتا ہوں''

---

[1] فترت: قصور، خرابی [2] اشتباہ: شبہ، شک

یہ اشارہ ان دونوں علموں کی طرف ہے کہ:

☆ —— لشکر کی تجہیز[1] و تیاری علم حصولی سے متعلق ہے، اور

☆ —— "حضورِ صلوٰۃ" علمِ حضوری کی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس خلیفہ معظم کی نماز ہرگز بے حضوری نہیں تھی۔ جبکہ جہاد کی تدبیر اسباب وضروریات لشکر کے تصور کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتی —— لہٰذا جب تک ہر قسم کے علم جمع نہ ہوں، یہ دونوں کام عبادات کے اندر داخل ہیں، ایک ہی وقت میں ایک ہی ہستی سے نہیں ہوسکتے[2]۔ ورنہ خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول مبارک کے معنی صحیح نہ ہوں گے۔ چنانچہ اس پر غور کرو اور حقیقت سمجھو۔ والسلام!

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا انکار:

امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمہ کا "توحیدِ وجودی" کے عقیدہ پر انکار علمائے ظاہر کے مثال وطریق پر نہیں ہے —— بلکہ اس مقام سے کہ گروہ "صوفیاء وجودیہ" کلام کرتے ہیں، اور اس کی تصدیق وتسلیم اس قدر ظاہر کرتے ہیں کہ آپ "مقصودِ اصلی" کو اس مقام سے بلند واعلیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فی الجملہ "الحق والخلق" کے درمیان "غیریت" اس طور سے ہے کہ وہ وحدت حقیقی کے وجود میں خلل نہیں ڈالتی —— کیونکہ وہ "خارج" (ظاہر) میں حقیقی ثابت ہوا ہے —— حضرت مجدد علیہ الرحمہ بخلاف وجودیہ گروہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ انہوں نے حق اور خلق کے درمیان "عینیت" ثابت کی ہے۔ —— مسئلہ "وحدتِ وجود" و "وحدتِ شہود" کی تصویر اور بیان دوسرے مکتوب میں ہے۔ والسلام!

صوفیاء میں لفظ "وجود" کا اطلاق:

حضرت صوفیاء لفظ "وجود" کا اطلاق تین معنوں میں ظاہر کرتے ہیں:

(۱) —— ایک وجود کو "کون وحصول[3]" کے معنوں میں کہ وہ امر انتزاعی اور معقول

---

[1] تجہیز: سامان واسباب تیاری [2] یعنی عارف کامل بیک وقت "حضورِ حق" ہونے کے باوجود "دل بایار دست بہ کار" کے موافق ہوتا ہے۔ [3] کون وحصول: مراتبِ وجود

ثانوی ہے۔

(۲)—— دوسرا وجود منبسط کہ اس کا منشا و مقصد انتزاع معنی اول ہیں۔ اس سے ظاہر وجود اول وجود سے صادر ہونے والا تعبیر کیا ہے—— ظاہر ہے کہ یہ دونوں وجود ذات حق تعالیٰ مقدم و اول سے متاخر (بقدم) ہیں—— وہ ذاتِ مقدس ان ہر دو وجودوں کے ساتھ مصدر آثار نہیں ہو سکتی۔

(۳)—— تیسرے وہ وجود کہ پہلے پہل اور سب ابتداؤں کی ابتدا ہے—— اس ''گروہ وجودیہ'' کے زعم و خیال میں عین ذات ہے—— ذات اور وہ وجود مصدر آثار ہے—— حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خود مصدر، آثارِ خود ہے—— جبکہ ہر دو وجود و ذات حقیقت میں ایک ہی ہوں—— پھر آثار و صدور[1] خواہ وجود سے منسوب کرو یا ذات سے، مطلب ایک ہی ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا کشف:

میرے مخدوم حضرت نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا حقائق ممکنات کے مسئلہ میں کشف یہ ہے کہ ''مرتبۂ واحدیت'' میں (کہ اس کا مطلب و مقصد'' خانۂ علم الٰہی'' میں تفصیل و کمالاتِ الٰہیہ ہے) ہر صفت کمال کے مقابلہ میں عدم علم کہ جس کو جہل سے تعبیر کرتے ہیں—— صفت قدرت کے مقابلہ میں عدم القدرت کہ جس کو عجز و مجبوری کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

یہ اعدام[2] جو ایک دوسرے سے فرق و امتیاز رکھتے ہیں، ان کی بناء مقابلہ و محاذ[3] پر ہے—— وہ ان صفات کے انوار و ظلال سے روشن اور ظہور کا سبب ہوئے—— وہ تعینات عالم کی ابتدا اور ممکنات کے حقائق ہوئے ہیں، وہ اعدام ان حقائق کے مواد کی جگہ ہیں—— وہ عکس و ظلال ان میں صور حالہ (صورت ہائے موجود) کی جگہ ہیں—— اس وجہ سے یہ ''اعیان خارجہ''[4] ممکنات کے کہ وہ ان حقائق کے مہبط[5] پر

---

[1] صدور: نکلنا، ظاہر ہونا [2] اعدام: نہ ہونا، غیر موجود [3] محاذ: مقام نزاع، معرکے کی جگہ
[4] اعیان خارجہ: بیرونی اور ظاہری اصلیں [5] مہبط: مقام نزول

ظہور آثار کا باعث ہوئے ـــــ وہ وجود و عدم ہر دو اقوال کو قبول کرتے ہیں ـــــ اسی وجہ سے خیر و شر کا مصدر ہوتے ہیں ـــــ نیز حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا کشف یہ ہے کہ مبادی تعینات، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفات ہیں، اس لیے کہ وہ اظلال مذکورہ کے اصول ہیں ـــــ وہ وجود وجوبی (واجب) رکھتے ہیں ـــــ لہٰذا ان حضرات کے حقائق میں عدم و داخل نہ ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ حضرات بھی ممکنات سے متعلق ہیں ـــــ ''حقیقت ممکن'' ان حضرات کی تحقیق کے موافق بغیر عدم کے خلط[1] کے نہیں ہوتی ـــــ پھر اس کے مطابق ہونے کی راہ کونسی ہے؟ ـــــ میرے مخدوم موصوف جبکہ مختلف و متفرق اعدام کے درمیان مقابلہ و محاذات و صفاتِ مقدسہ کے وجودِ ''علم الٰہی'' کے مرتبہ میں مقرر ہوئے ـــــ چنانچہ اس وجہ سے اعدام صفات کے رونما و ظہور کرنے والے ہوئے، اور صفات ان اعدام کے مظاہر ہوئیں۔ لیکن اس جگہ مقابلہ بالعکس ہے۔ اور اس جگہ صفات بجائے مادہ اور اعدام صور حالہ (اشکال موجود) کی جگہ ہیں ـــــ اس صورت میں عدم کی جہت[2] ضعیف واقع ہوئی اور وجود کی جہت قوی ہوئی ـــــ اسی وجہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔ وہ شر کا مصدر نہیں ہوئے (یعنی ان سے صفاتِ خیر ظاہر ہوتی ہیں، اور شر و فساد ان سے ظہور میں نہیں آتا) ـــــ لیکن ان کے ''وجود خارجیہ'' عدم و وجود دونوں کو قبول کرتے ہیں ـــــ عدم کا اس قدر دخل ان حضرات کے متعلق ثبوت امکان کے لیے کافی ہے۔ والسلام!

حضرات مجددیہ کے مذہبی اعتقاد:

اے میرے مخدوم! حضرات مجددیہ کے اعتقاد میں ممکنات کے حقائق اعدام اضافیہ[3] اور ظلال صفات حقیقت سے مرکب ہیں۔ یعنی ان اعدام نے تقابل کی بنا پر اسماء و صفات کے علم الٰہی میں ایک ثبوت پیدا کیا ہے، اور اسماء و صفات الٰہی کے مظاہر ہوئے ہیں، اور تعیناتِ عالم کے مبادی بنے ہیں ـــــ خارج میں ایک ظل (سایہ) کہ ظلِ خارجِ حقیقی ہے۔ خداوند کریم کی ''صفت کاملہ'' سے وجودِ ظل کے ساتھ موجود

[1] خلط: میل جول [2] جہت: سمت، طرف، رُخ، وجہ [3] اعدام اضافیہ: عدم سے متعلق زائد عدم

ہوگیا—اس ترکیب کی بنا پر خیر و شر کا صدور وظہور ہوا—وجودِظلّی اپنی عدم ذاتی جہت سے کسب شر کرتا ہے—وجودِ ظلّی سے کسب خیر کا ظہور کرتا ہے— یہ حقیقت مخفی و پوشیدہ نہیں ہے کہ "عالم حس" میں ایک شخص (کوئی) آئینہ ممتل[1] پر انوار شمس کو مشاہدہ کرے، بملاحظہ اولیٰ وہ آئینے کو نہیں بلکہ وہی انوارِ شمسی دیکھے گا— اس وجہ سے کہ انوار شمس کی شعاعوں میں آئینہ مخفی اور پوشیدہ ہوگیا ہے— جب وہ اس کی ذات پر نظر کرے گا تو بلحاظ اول وہی آئینہ کے تعین سے اپنے آپ کو دیکھے گا، انوار کو نہیں— اس لیے کہ اس کی نظر ظاہر پر نہیں ہے۔ چنانچہ صوفی کی نظر بھی جب اچھے اور برے (خیروشر) کے مظاہر پر وجود کی جہت پر (کہ وہ اس میں مظاہرہ کرتا اور مصدر ہوا ہے) پڑتی ہے— جب وہ اپنے اندر نظر کرتا ہے تو اس کی نگاہ عدم کی جہت پر (کہ وہ اس کی ذات سے متعلق ہے، جس کا منشاءِ شر ہے) پڑے گی۔ وہ خود کو خیر و کمال سے بالکل عاری دیکھے گا۔ اور عارضی خیر و کمال کو (کہ وجود کی جہت سے ہے) کسب کیے بغیر اپنی ذات سے نہ پائے گا۔ ناچار وہ خود کو کافر فرنگی اور دوسری تمام خسیس وخراب اشیاء سے بھی بدتر جانے گا— اس بات سے یہ معلوم ہوا کہ اس قول کے قائل کا مقصود یہ ہے کہ صوفی کامل، خیر و کمال (نیک و بد وغیرہ) کو خود سے ہرگز منسوب نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو فعل مستعار[2] جانتا ہے۔ یہی "فنائے تام" (پوری فنا) کے معنی ہیں۔ اور یہی صحیح "حاصلِ شہود" ہے— اگر صوفی کی نظر اپنے وجود کی جہت اور اپنے مستعار انوار پر پڑتی ہے۔ اس آئینہ کی جہت (کہ وہ عدم ہے، مستور اور پوشیدہ ہو جائے۔ پھر اس سے دعویٰ اَنَا الشمس[3] نکلتا ہے—بس یہی راز "انا الحق"[4] کہنے کا ہے۔ جیسا کہ حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا۔ اگر آں جناب نے اپنی ذات میں مشاہدہ کیا تو وہ یہ کہنے پر خود مجبور تھے—لیکن انہوں نے غلبۂ سکر[5] کی وجہ سے وجود کی جہت میں دیکھنے کی خطا کی۔ غلبہ سکر میں جہت وجود اور عدم جہت کی تمیز

---

[1] آئینہ ممتل: اُلٹا آئینہ [2] مستعار: عارضی جو کسی کے ذریعے سے حاصل ہو' ذاتی نہ ہو۔
[3] انا الشمس: میں سورج ہوں۔ [4] انا الحق: میں حق ہوں' خدا ہوں
[5] سکر: بے ہوشی' مشاہدۂ تجلیات وغلبۂ عشق میں خود فراموشی' نشے کی حالت

نہیں ہوتی ــــ چنانچہ اکثر سالک حضرات سے اس راہ میں اس طرح کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔

مکتوب قاضی ثناء اللہ پانی پتی بنام حضرت غلام علی دہلوی:

اے میرے مخدوم! عقلاء (اہل عقل) کا مقولہ ہے کہ وہ ممکن کے ساتھ فی نفسہٖ (بذات خود) نہیں ہے ــــ تو کیا اس کی علت سے وہ نہیں ہے ــــ پس ''ممکن'' کی اس کی علت سے نسبت کہ جب تک وہ فِیْ نَفْسِهٖ اَلَیْسَ (کیا نہیں ہے)، اور جو وجود ثابت ہو، اور ''واجب الوجود'' محقق نہ ہو، موجود نہیں ہوتا ــــ جب موجود نہ ہو تو کسی شے کو اس پر محمول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حملِ ایجابی کے لیے وجود موضوع[1] شرط ہے ــــ اس طرح حالت عدم میں کسی شے کا اس کے نفس سے سلب ہونا صحیح ہے۔ پھر زید کو زید نہیں کہہ سکتے ــــ چنانچہ ''ممکن'' کے لیے اس کی علت، اس کی ذات سے سب سے قریب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

''میں اپنے بندے کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہوں۔''

چنانچہ بہتر کلام وہ ہے کہ ''ممکن'' چونکہ اپنے وجود میں ''واجب'' کا محتاج ہے۔ تو وہ بقا میں بھی ''واجب'' کا محتاج ہے یا نہیں ــــ بعض متکلمان[2] واجب اور ممکن کے درمیان کوزہ و کوزہ گر کی نسبت جان کر کہتے ہیں کہ ممکن بقاء میں محتاج نہیں ہے ــــ اس قول سے برخلاف جمہور عقلا (حکمائے اسلام وصوفیاء وغیرہ) خدا تعالیٰ ''صانع کل'' سے ''عالم مخلوق'' کی بے نیازی اور استغنا لازم آتا ہے۔ ''نصِ قطعی'' عدم وجود کی حاجت پر دلیل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ

''اے لوگو! تم اللہ کی طرف فقیر ہو، اور وہ اللہ (بے نیاز) غنی وحمید (صاحب تعریف ہے)'' (پ۲۲ع۱۴ سورہ فاطر)

---

[1] موضوع۔ بنایا ہوا۔ [2] متکلمان: اہل فلسفہ کا گروہ

لہٰذا اس قول کے قائل اس قسم کی بعض تجدّدِ امثال[1] کے قائل ہوئے ---- یہاں تک کہ ہمیشہ کی احتیاج ثابت ہو۔ اور واقعی احتیاج کے دوامِ ثبات اور ان سب تکلفات کی ضرورت نہیں ہے ---- وہ نسبت جو "ممکن" کو "واجب" کے ساتھ ہے، کوزہ و کلال[2] کو اس سے کیا مشابہت ہے؟ ---- کیونکہ کوزے کا مادہ جو عناصرِ اربعہ (آگ، ہوا، پانی، مٹی) ہے۔ کلال کے (مادہ) کی مانند ہے۔ بلکہ وہ کلال سے پہلے خود مخلوقِ الٰہی ہے۔ کوزہ بصورت کہ وہ عرض (حادث وفانی) ہے، وہ بھی حق تعالیٰ سبحانہٗ کی مخلوق ہے ---- مگر وہ کہ کلال کے ہاتھ کی حرکات اللہ تعالیٰ عزبرھانہٗ کی عادت کی بنا پر جاری ہوئی ہیں، اس کی عادتوں کی صورت میں آ گئیں ---- پھر یہ حرکات کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کی بناء پر عادتوں میں واقع ہوئیں ---- یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اس وہم وقدرت اور ارادے کی وجہ سے جو کہ کلال (مخلوق) میں ظاہر ہوا ---- کلال کو ان حرکات کا کاسب (کرنے والا) کہتے ہیں، نہ کہ وہ اس کا خالق ہے ---- پس "ممکن" اور "واجب" کے درمیان کوزہ و کلال کی مانند نسبت خیال کرنا محض غلط فہمی اور عقل کا قصور ہے۔

وَمَا لِلتَّرَابِ وَرَبُّ الْاَرْبَابِ

"اور نہیں ہے وہ مٹی کے ساتھ (بنا) اور وہ رب (سب حاکموں کا حاکم) ہے۔"

بلکہ "ممکن" اور "واجب" کے درمیان جو نسبت ہے، وہ "الانیۃ مجهول الکیفیت" (جس کی کیفیت مجہول ہو) سے معلوم ہوتی ہے کہ جو مثال نہیں رکھتی۔ پس اس کی تشبیہ و تمثیل کیا بیان ہو جیسے کہ فرمایا:

وَلَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" اِلَّا فِي الذَّاتِ وَلَا فِي صِفَاتِ وَلَا فِيْ النِّسْبِ وَلَا فِي الْاِعْتِبَارَاتِ وَلَا فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْاَشْيَاءِ

"کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے لیکن اپنی ذات میں، اور نہ اپنی صفات میں، اور نہ نسب میں، اور نہ اعتبارات میں، اور نہ اشیاؤں میں سے کسی

---

[1] تجدد امثال: مثالوں کی جدت، نیا پن [2] کلال: کوزہ گر، پیالہ بنانے والا

شے (چیز) میں —— (یعنی وہ ذات پاک ہر طرح بے مثل ہے)۔"

؎ چہ گویم باتو از مرغے نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم زمرغ من بود آں نام ہم گم

"میں تجھ سے اس پرندے کا نشانہ کیا بیان کروں کہ جس کا آشیانہ عنقا کے ساتھ ہو—— عنقا تو صرف لوگوں کے سامنے ایک نام ہی ہے۔ (یعنی اس کو کسی نے دیکھا نہیں ہے) مگر میرے پرندے کا نام بھی معدوم اور گم ہے۔"

اور "حق" وہ ہے کہ "ممکن" اپنی بقا کے لیے اپنی علت موجدہ[1] کے ساتھ (اس کا) محتاج ہے—— کیونکہ بقا کا مطلب ہے: دوسرے زمانہ میں وجود سے"۔ چونکہ "ممکن وجود" پہلے میں مقتضی[2] (ہونے کا) نہیں ہے تو پھر زمانہ ثانی میں کیونکہ مقتضی ہوگا—— کیونکہ حقیقت کا تقاضہ زمانوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوگا۔ حقیقت میں زمانہ بھی موہوم (وہم) ہی ہے—— اگر حرکت فلکی کی مقدار ہوتی ہے، نیز حقیقت امکانی کو مقتضی وجود نہیں کر سکتے۔ حالانکہ یہ مذہب (عقیدہ) باطل ہے۔ کیونکہ فلکِ زمانہ کے لحاظ سے حادث[3] ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ السَّمٰوٰتِ فِیْ یَوْمَیْنِ (پ۲۴، ع۱۵، حم سجدہ)

"پھر ان آسمانوں کو دو دن میں سات آسمان بنایا۔"

آسمانوں کو جو متحرک نہیں سمجھتے، وہ ان کو زمانہ ہی خیال کرتے ہیں، اور صبح و شام سے فرق ظاہر کرتے ہیں۔ غرض "ممکن" دوسرے زمانہ میں بھی وجود کا تقاضا نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر وہ وجود کا تقاضا کرے تو پھر وہ "ممکن"، "ممکن" ہی نہ ہو بلکہ "واجب" ہو—— پھر اس بات سے قلبِ ماہیت (حالت کا بدلنا) لازم ہو جائے—— جیسا کہ کہتے ہیں:

اَلشَّیْءُ مَا لَمْ یَجِبُ لَمْ یُوْجِدْ——

"جو شے قبول نہیں کرتی، وہ ایجاد نہیں ہوتی۔"[4]

---

[1] موجدہ: ایجاد کی ہوئی، پیدا کی ہوئی۔ [2] مقتضی: تقاضا کرتی ہوئی، ضروری و لازم
[3] حادث: واقع ہونے والی یعنی فانی [4] جس میں مادۂ قبولیت و صلاحیت نہ ہو۔

اور جو کہا ہے: اَلْمُمْکِنُ مَحْفُوْظٌ" بِوُجُوْبَیْنِ سَابِق" لَاحِق"

"ممکن، سابق ولاحق کے وجوبین" سے محفوظ ہے۔"

یہاں اس سے مراد بالغیر ہے۔ یعنی اپنی علت کے تقاضہ سے واجب ہے، اپنے نفس و ذات کے تقاضے سے نہیں۔ اس لیے کہ وہ امر محال ہے —— پس اس بات سے ثابت ہوا کہ ممکن اپنی بقائے وجود کے لیے صانع تعالیٰ شانہ، کا اس وقت تک محتاج ہے کہ "ممکن" جب تک "واجب" کی طرف سے فیض وجود ہوتا رہے —— "ممکن" موجود رہے اور مصدر آثار[1] ہو —— جب "فیضانِ حیات منقطع (ختم) ہو جائے تو صفحہ ہستی پر پھر اس ممکن کا کوئی اثر ونشان باقی نہ رہے —— لہٰذا ممکن کا حال و کیفیت اس زمین کے حال کی مثال ہے کہ جو آفتاب کے سامنے اس وقت تک روشن ہو جب تک آفتاب کا سامنا رہے۔ یا چاند اور ستارے باقی رہیں، مگر درمیان میں جب ابر و غبار آ جائے اور وہ (روشنی) کا سامنا نہ رہے۔ پھر اس پر نور و روشنی کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ (جیسا کہ ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں)۔

؎ او چو جان ست و جہاں چوں کالبد کالبد از وے پذیرد آلید

"چونکہ وہ جان کی طرح ہے، اور جہان جسم کی طرح —— یہ جسم اسی سے زندگی قبول کرتا ہے۔"

چنانچہ ان معنوں میں "ممکن" (کل موجودات) کو ظلِ واجب کہتے ہیں۔ جیسے کہ آفتاب کا روئے زمین پر (جو ظل ہے) اس کو ظلِ آفتاب کہتے ہیں —— نہ ان معنوں میں کہ ممکن کو واجب کے ساتھ مماثلت و مشابہت ہے —— اس وجہ سے اس جگہ ظل کو اصل کے ساتھ کوئی مشابہت و مماثلت نہیں ہے —— بلکہ ان معنوں میں، جیسے کہ ظل (سایہ) کی کچھ حقیقت و اصلیت حاصل نہیں ہے، اس کا وجود وہی اصل وجود ہے۔ (یعنی اگر اصل وجود نہ ہو تو ظل یعنی سایہ بھی نہ ہو —— اسی طرح ممکن کا بھی اصل وجود نہیں ہے، اس کا وجود بھی وہی اصل ہے —— پس تو نہیں دیکھتا کہ ممکن کی

---

[1] مصدر آثار: نشان، مظاہر زندگی

ماہیت اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اس کا وجود اس "مصدر" کے معنوں میں ہے کہ جس پر "مبداء فیاض" (حق تعالیٰ جل شانہ، فیض و کرم کی ابتداء کرنے والا) نے فیض بخشا ہے۔ یہ ایک امر انتزاعی یعنی اختلافی بات ہے کہ اس سے کوئی چیز منقسم نہیں ہوئی، نہ اس کا وجود وہی نسبت رکھتا ہے جو ممکن کو واجب سے بہم پہنچی۔ وہ بھی نسبت کرنے والوں کے درمیان ایک امر ہے —— پس "وجود ممکن" بمعنی مابہ الوجودیة (خود وجود والا) نہیں ہے —— مگر ذات واجب وحق تعالیٰ و تقدس یا اس کی صفات میں سے کوئی صفت۔ (یعنی حقیقت میں کوئی وجود اصلی سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے موجود نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہے، سایہ ہے، ظل مستعار ہے اور عارضی و فانی ہے۔)

سوال یہ ہے کہ:

"وجود ممکن" بدیہی و ظاہر ہے، جو کہ خدا تعالیٰ صانع مطلق پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ وہ "ممکن وجود" سے ہی صادر ہونے پر اختلاف اور جھگڑا کرتا ہے، اور اس کی موجودیت کا حکم کرتا ہے —— پس اگر حق تعالیٰ ذات واجب شانہ، کی منشاء اس اختلاف ونزاع کی ہو تو چاہئے کہ صانع تعالیٰ کا منکر "انتزاع وجود"[1] نہ کرے، اور ممکن کی "موجودیت" کا دعویٰ نہ کرے۔

جواب:

اس بات کا لازم کرنا منع ہے۔ یعنی جو شخص "منشاء انتزاع" کی خبر نہ رکھتا ہو تو وہ جھگڑا و اختلاف نہ کرے۔ اور ممکن کی موجودگی کا حکم نہ کرے —— اس کا جواب یہ ہے کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی شخص چاند کو صاف پانی میں یا آئینے میں دیکھے۔ خواہ وہ اپنی نظر آسمان پر نہ کرے، اور اس کی خبر نہ رکھتا ہو البتہ وہ ضرور پانی یا آئینے کے اندر چاند کی موجودگی کا حکم کرے گا۔ اسی طرح جو کہ ممکن کو دیکھتا ہے، وہ اپنی حماقت یا کند ذہنی اور جہل سے جتنا چاہے اس وجود اصلی کی خبر نہ رکھے، اور حکم کرے —— حقیقت

[1] انتزاع وجود وجود کا اختلاف و جھگڑا

میں وہ "وجودِممکن" کا شایۃ مافی الباب (اصل و حقیقت کی گہرائی) کے لحاظ سے اسی وجودِممکن کو وجودِ اصل جانتا ہے۔ جیسے طوطی آئینے میں خود کو دیکھتی ہے تو اس کا وجود اس کے وہم میں (آئینے میں بشکل اصلی نظر آتا ہے) اصلی ہی ہے، وہ اس کے ساتھ بولنے لگتی ہے۔ (حالانکہ وہ اس کا عکس و سایہ ہی ہوتا ہے) ـــــ اس لیے ثابت ہوا کہ "ممکن" کا خزانہ وہم کے سوا کوئی تحقیق اور ثبوت نہیں ہے۔ اس کی کثرت وہمی کا وجود "وجودیت" کے لحاظ سے (صرف) واحد حقیقی ہے۔ (یعنی اس آئینہ متجلی میں کوئی غیر ہرگز منعکس نہیں ہے)۔ اس وحدت میں کثرت سے کوئی حقیقی خلل نہیں آتا۔ مگر وہ اس کے دامن منزہ[1] تک نہیں پہنچتا۔ چنانچہ زید کی شکل و صورت جو آئینہ خانہ میں متعدد (بہت سی) نظر آتی ہے، وہ زید صرف ایک ہی زید ہے۔ اسی کی مختلف شکلیں ہیں۔ جیسے کہ فرمایا ہے:

وَهُوَ الْآنَ كَمَا كَانَ وَاَعْيَانُ الْعَالِمَ مَاشِمَتْ رَائِحَةُ الْوُجُوْدِ

"وہ جیسا پہلے تھا، ویسا اب بھی ہے، اور میں نے عالم کی حقیقتوں میں (کسی غیر) وجود کی خوشبو نہیں سونگھی۔

لَا آدَمَ فِي الْكَوْنِ وَلَا اِبْلِيْس" لَا مُلْكَ سُلَيْمَانَ وَلَا بِلْقِيْس"

فَالْكُلُّ عِبَادَة" وَاَنْتَ الْمَعْنِىْ يَا مَنْ هُوَ لِلْقُلُوْبِ مِقْنَاطِيْس"

"اس جہان میں نہ آدم ہیں، نہ ابلیس ہے ـــــ نہ ملک سلیمان ہے اور نہ بلقیس ہے ـــــ سب کچھ عبارت اور الفاظ (ظاہر) ہی ہے۔ اس کی حقیقت و معنی صرف تو ہی ہے۔ اے وہ ہستی مقدس! (تیرے سوا) قلوب کے لیے کون مقناطیس (باعث کشش و محبت ہے)"۔

اور جب کہ اس وہم وجودِ کثرت کا منشاء صرف "ذات واحد" واجب تعالیٰ شانہ، یا اس کی صفات قدسیہ ہی ہے، نہ کہ فرض کرنے والوں کا فرض و خیال، اور نہ اعتبار کرنے والوں کا قیاس و اعتبار ـــــ اس وہم وہم سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حقیقت قیاس و اعتبار کرنے والوں کے نفی و انکار سے نفی بھی نہیں ہوتی۔

---

[1] منزہ: پاک صاف، جدا

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (پ۴'ع۱۱)

''اے ہمارے رب! تو نے یہ سب غلط و باطل نہیں بنایا۔ تیری ذات پاک ہے، تو ہمیں عذاب (نار) دوزخ سے بچا۔''

یعنی مَا خَلَقْتَهٗ بَاطِلاً لَا یَتَرَتَّبُ عَلَیْهِ الْاَحْکَامُ وَالْاٰثَارُ بَلْ خَلَقْتَهٗ دَلِیْلاً عَلٰی صَانِعِهٖ سَبِیْلاً اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ فَاِنَّهٗ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ سُبْحَانَکَ عَنْ کُلِّ مَالٍ" یَلِیْقُ لِشَانِکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ الْمُتَرَتَّبَ عَلٰی عَدَمِ الْعِرْفَانَ وَالْاِیْمَانِ

یعنی ''اس کو اس نے باطل نہیں بنایا۔ ان احکام و آثار کو وہ (بے فائدہ) مرتب نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے اس کو (اپنی ذات) صانع (کے کمال) پر دلیل وثبوت بنایا۔ اپنی معرفت کے لیے راہ ہدایت بنائی۔ چنانچہ جو اپنے نفس (ذات) کی حقیقت کو سمجھا، اس نے اپنے ربِ اعلیٰ کو سمجھا ـــــ اس کی ذات ان سب مال واسباب سے پاک ہے جو کہ اس کی شان پاک سے میسر ہوتے ہیں۔ پس ہم کو (اے ہمارے رب!) اس ترتیب پائی ہوئی نار (آگ) کے عذاب سے بچا اور محفوظ رکھ۔ جو کہ عدم عرفان وایمان کی وجہ سے سزاوار ہوتی ہے۔''

اے مخدوم! جبکہ ''ممکن'' اور ''واجب'' کے درمیان نسبت اس طرح تحقیق ہوئی کہ اس کا وجود (حقیقت کی نظر سے) وہی ذات تعالیٰ وتقدس ہے ـــــ چنانچہ ''صوفیاء وجودیہ'' اپنے غلبۂ سکر میں اس کثرتِ وہمی کو ''عین واجب'' کہتے ہیں ـــــ ان کو شدت سکر (بے خودی) میں اس کی عدمِ ذات نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے وہ ''ہمہ اوست'' (سب وہی ہے) کے قائل ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

؎ ہم سایہ و ہم نشین و ہمرہ ہمہ اوست ۔۔۔ در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست

''ہم سایہ وہم نشین وہمراہ ہے وہی ـــــ اللہ! وہ سب کچھ ہے، ہے سب کچھ وہی ہی۔''

لیکن وہ "مرتبہ تنزیہہ" کو علیحدہ ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

ے درانجمن فرق و نہاں خانہ جمع   باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

"تنہائی و خلوت کی انجمن میں اور گھر کے مجمع و محفل عام میں چھپا ہوا واللہ وہی ہے اور واللہ وہی ہے۔"

"نہاں خانہ جمع" مرتبہ تنزیہہ سے عبارت و مقصد ہے۔ اگر کوئی "مرتبہ تنزیہہ" کی نفی کرے، اور وجود کو کلی طبعی کی طرح اس کثرت کو منحصر جانے تو وہ ملحد ہے ——— "صوفیاء شہودیہ" نے چونکہ محو وافاقت حاصل کرلی ہے، اسی وجہ سے وہ وحدت حقیقی کے شہود کا اس کثرتِ ذہنی میں حکم کرتے ہیں۔ اور وہ "ہمہ از اوست" (سب کچھ اسی سے ہے) کہتے ہیں ——— گہری نظر سے جب غور کریں تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سب نیست و فانی ہیں۔ صرف وہی حی وقیوم اللہ تعالیٰ جل شانہ' موجود ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ" اِلَّا وَجْهَهٗ

"سوائے اس کے (رخ روشن کے) تمام اشیاء ہلاک ہونے والی ہیں۔"

اور حدیث پاک ہے:

اِنَّ اَصْدَقَ الْقَوْلُ قَوْلَ اللَّبِيْدِ : اِلَّا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلاَ اللّٰهُ بَاطِلٌ"

جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بے شک سب سے سچا قول شاعر عرب لبید کا یہ ہے:

"سوائے اللہ تعالیٰ کے سب اشیاء باطل ہیں۔"

یہ دلیل اس مدعا و مقصد پر ہے کہ اس کے لیے "ھالک و باطل" بمعنی "اس کے ہلاک ہونے والی" یا "باطل ہو جائے گی" ——— اس مدعا پر ان معنوں میں دلیل ہے کہ وہ پہلے ہلاک و معدوم تھیں، وہ پھر باطل ہو جائیں گی۔ ھالک و باطل یہاں مجازاً ہے اور تکلف سے ہے ——— حقیقی معنی تو اس سے ظاہر ہیں کہ ھالک و باطل فی الحال بلکہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔

اے میرے مخدوم! بات یہ ہے کہ ''ممکن'' کو ''واجب'' کہا جائے گا۔ یہ ''صوفیاء وجودیہ'' کے نزدیک ہے — اور ''گروہ شہودیہ'' کے نزدیک باصفات واجبی یعنی ''اعیان ثابتہ'' کے ساتھ کمالات واجبی نے ''حضرتِ علمِ الٰہی'' میں اجمال وتفصیل کے ساتھ ظہور پایا ہے، وہ مشہود (مظاہرات) ہوئے۔ پس ان صفاتِ خاص کو ''عین ذات'' کہتے ہیں۔ بے شک اس لیے ان کو ''ہمہ اوست'' (سب وہی ہے) کہنا گراں نہ ہوا — حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو چونکہ جذبِ بصیرت کا ملہ عطا ہوئی تھی، جناب موصوف نے ذاتِ مقدس حق تعالیٰ جل شانہٗ کو تمام عالموں سے غنی و بے نیاز مشاہدہ کیا — صفات کو دو مرتبہ دیکھا اور عین ذات بھی کہا — شیون اعتبارات (مظاہر وشان) سے تعبیر فرمائی، اور اسے ذات پر زائد بھی کہا — چنانچہ اہل سنت و جماعت اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کی سعی مبارک کے قائل ہوگئے ہیں۔ یہ آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ سے بھی ظاہر ہے، اور ''ممکنات'' کی کسی ایک کے ساتھ بھی۔ ذات وصفات حق تعالیٰ کے مراتب وشان سے مذکورہ بالا نسبت واسطہ نہیں پائی۔ ان پر ایک دوسرا ہی عالم ظاہر ہوا۔ اس کو انہوں نے ظلال (سایہ) سے موسوم کیا۔ وہ ''اعدام اضافیہ'' ہیں، یعنی نقائض[1] صفات الٰہیہ جل عظمتہا، جو مقابلہ کی وجہ سے ''حضرت علم الٰہی'' میں ثبوت وتقرر یافتہ ہیں، ممکنات کے اس مرتبہ ''ظلال'' سے مذکورہ نسبت ظاہر ہوئی۔ ''حقائق ممکنات'' حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ دائرہ ظلال کا ظاہر ہوئیں۔ (یعنی حضرت موصوف کو اس دائرہ ظلال کا جسے دوسرے ''حقائق ممکنات'' کہتے تھے، مشاہدہ ہوا۔ اور یہ حقیقت ان پر اس طرح روشن ہوئی۔) — اس لیے (لازمی طور سے) ''بے شک وہ حقائق سبحانہ، سب اعلاؤں سے اعلیٰ، پھر سب اعلیٰ سے اعلیٰ ہے''۔ ان کی زبان مبارک پر جاری ہوا۔ کمالِ ادب وخوف کی وجہ سے ان کی زبان پر ''ممکن وواجب'' سوائے نسبتِ خالقیت ومخلوقیت'' کے اور کچھ جاری نہ ہوا۔ جیسا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] نقائض : اختلاف واضداد

اِنَّ اللّٰهَ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابًا مِنْ نُوْرٍ وَظُلْمَتُ لَوْ كَشَفَتْ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهَهُ مَا اَنْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرَهُ مِنْ خَلْقِهٖ

''بے شک اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار حجابات نور و ظلمات کے ہیں۔ اگر وہ کھل جائیں تو (سب کو) جلادیں۔ اس کی ذات پاک اعلیٰ ہے۔ مخلوق کی نظروں میں کوئی انتہا نہیں ہے، جو آسکے۔''

سوال یہ ہے کہ:

پہلی تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ ''ممکن'' کو ''واجب'' کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ وہ نسبت ''وجود ممکن'' کا سبب ہے مصدر کے معنوں میں اور بیان کے علاقے کے ساتھ —— ذات واجب کی نسبت یا نسبت صفاتی۔ صفات حق تعالیٰ (ظاہر کرنے) سے ''وجود ممکن'' وجودیت والا قرار پایا۔ اسی نسبت کے علاقے سے زبان شرع شریف میں ''واجب کو خالق'' اور ''ممکن کو مخلوق'' کہتے ہیں —— گروہ صوفیاء کی اصطلاح میں ''واجب کو اصل'' اور ''ممکن کو ظل'' کا نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مذہب و عقیدہ سے ہے —— ظلال ممکنات کی وہ نسبت نہ ذات سے ہے نہ صفات سے۔ بلکہ وہ دائرہ ظلال مغائر ذات و صفات ہوتے ہیں۔ اور اعدام اس کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں —— اس وجہ سے لازمی بات ہے کہ ظلال ممکنات سے ہوں۔ اور یہ محال ہے اور نص قطعی (قرآن) کے خلاف ہے یعنی

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ ''كُلُّ شَيْءٍ

''نہیں ہے کوئی معبود (سوائے اس کے) لیکن وہ خالق (پیدا کرنے والا) ہے تمام اشیاء کا۔''

جواب:

جو چیزیں ظلال (سایہ) کے مفہومات میں داخل ہیں، اعدام سے بھی وہی مراد ہے۔ جو کہ صفات کمال سے متضاد حیثیت رکھتی ہیں۔ جیسے:

''موت دجہل ـــــ عجز ومجبوری ـــــ نابینا، بہرا اور گونگا وغیرہ''
جو کہ اپنے متضاد کے ساتھ مرتبہءعلم میں مقرر ہوں۔یعنی:
''حیات ـــــ علم ـــــ قدرت ـــــ سمع ـــــ بصر اور کلام وغیرہ
مقابلہ کے سبب ظہور پذیر ہوئے ـــــ یعنی ''ضدین ایک ملاحظہ سے ملحوظ ہوئے ہیں، اور یہ ظلال کے نام سے موسوم ہوئے ـــــ اس میں شک نہیں کہ یہ معدوم علمی شکلیں دریائے علم الٰہی کی ایک موج ہیں۔ اس میں امکان وحدوث (یعنی ہونے نہ ہونے) کو کوئی گنجائش نہیں ہے۔صفت علم کے ساتھ اس کی مغائرت (فرق واختلاف) حقیقی نہیں اعتباری ہے ـــــ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ظلال ومغائرت ذات وصفات ہوئے او اعدام ان کے مفہومات میں داخل ہوئے، اس لیے لازمی ''ممکنات'' سے ہوں گے۔ یہ مقدمہ ممنوع ہے ـــــ کیا تم نہیں دیکھتے کہ صفات مغائرِ ذات ہیں، اور وہ ممکنات سے نہیں ہیں۔ تعدد وکثرت اور قدامت مستقلہ محال ہے، نہ تعددِ ذات وصفات ـــــ مغائرت ذات وصفات سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک عقل میں جدا جدا آتی ہیں۔ ہر ایک کا دوسرے پر محمول وقیاس کرنا موافقت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ نہ ہی یہ بات ہے کہ وہ بظاہر خارج میں ہر ایک مستقل ہو، ہر ایک دوسرے سے جدا ہو سکے۔ اس متغائر ومختلف قسم کو اہل کلام (اشعری) کی اصطلاح میں لاعین اور لاغیر (نہ حقیقت اور نہ غیر) کہتے ہیں ـــــ جب تو نے صفات کا حال ذات کے ساتھ معلوم کر لیا، اسی طرح سے ظلال کا حال ہے جو صفات کا دریائے علم کے ساتھ ہے۔

اے میرے مخدوم! مذکورہ نسبت جو کہ خالقیت اور مخلوقیت کی صحیح نسبت ہے، اور جس قدر ممکن کی نسبت حق تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ''ظلال'' سے بیان کی گئی ہے، درحقیقت وہ نسبت اس کی ذات سے ہے ـــــ ''وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں''۔ صفات وظلال حجابِ سجنجلی سے زیادہ نہیں ہیں۔حق تعالیٰ نے خود فرمایا:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (پ ۱۷، ع ۱۱)

''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے کہ طاق میں چراغ رکھا ہو، اور وہ قندیل گویا چمکتا تارا ہے۔ وہ چراغ اس مبارک درخت زیتون سے جلایا جائے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی اور قریب ہے کہ اس کا تیل جل اٹھے، اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے، روشنی پر روشنی ہوتی رہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے نور سے ہدایت دے۔ اور اللہ تعالیٰ انسانوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔ وہ چراغ ان کے گھروں میں ہے جن کے بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور وہ اپنے گھروں میں صبح و شام خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔''

یہ آیت مبارکہ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ (زیتون کا مبارک درخت) کہ یہ چراغ روشنی کا سبب ہے، یہ مرتبہ ذات سے متعلق کنایہ ہے۔ اس کے لیے شرقی ہونا یا غربی ہونا لازمی نہیں ہے۔ وہ (ذات مقدس و بے نہایت) تو ہمہ جا اور ہمہ رخ ہے۔ یعنی جدھر تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے ـــــ جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:

وَيَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ''

''اور قریب ہے کہ اس کا تیل جل اٹھے، اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے۔''

اس آیت کریمہ کا کنایہ (اشارہ) شیون و اعتبارات کے مرتبہ سے ہے۔ اس لیے کہ وہ مرتبہ ذات سے شامل ہے ـــــ اور مِصْبَاحٌ'' کا کنایہ بھی مرتبہ صفات سے ہے کہ وہ ذاتِ مقدس پر زائد ہے۔ وہ بہت سے آثار اور نشانیوں کے ظہور کا مصدر ہوا

ہے ـــــ زُجَاجَۃِ (شیشے کا قمقمہ) کا کنایہ مرتبہ ظلال سے ہے اور مِشْکٰوۃ کا کنایہ عالم امکان سے تعلق رکھتا ہے۔

غرض کہ حاصل یہ ہے کہ نور شجر مبارک نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار ذات کے ذریعے مصباح صفات کے شیونات کو روشنی بخشی، ـــــ مصباحِ صفات (چراغِ صفات) کے توسط سے ظلال (سایہ) کے زجاجہ (شیشے کا قمقمہ) کو درخشاں کیا ـــــ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یعنی جگمگاتے ہوئے موتی جیسے ستارے کی مانند بنا دیا ـــــ اور اس زجاجہ کے ذریعے ظلمت عالم امکان کے ظلال اور ظلمت کفر کو مومنین کے شیون اور قلب کی قندیل سے دور کر دیا ـــــ اور اسی طرح ظلمت غفلت اور شرک خفی کو عارفین کے قلوب کی قندیل سے دور کر دیا۔ (یعنی اس کے ذریعے مومنین و عارفین کے دلوں کو مصفا کر کے منور بنا دیا۔) اور پھر نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ منصۂ ظہور میں آیا ـــــ ارشاد باری ہے:

یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ

''اللہ تعالیٰ اپنے نور سے جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔''

یہ آیت عارف کو ہدایت کرنے سے عبارت ہے۔ یہ مراتب نور و معرفت اور نور ذات کے پھیل جانے سے تمام مراتبِ شیون و صفات اور ظلال و ممکنات اور اسم ذات میں ایراد سے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''اللہ تمام زمین و آسمانوں کا نور ہے۔''

اس وجہ سے دلیل واضح ہے کہ وہ ذات مقدس ہی تمام اشیائے عالم میں وجود والی ہے نہ کہ کوئی اور شے (یعنی کسی اور شے کا تو وجود حقیقی ہی نہیں ہے)

اے میرے مخدوم! پہلی تقریر میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب تک ممکن کو علت سے نسبت میسر نہ ہو، حمل اولیٰ (اول قیاس) بھی اس سے ساقط و خارج ہو جاتا ہے۔ پھر زید کو زید نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ ذات ممکن سے علت ممکن، بذات ممکن سب سے قریب

ہے۔اس آیت مبارک کا معمہ:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

''ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

کا یہ انکشاف وظہور ہوا —— اہل عقل کے نزدیک جو قاعدہ مقرر ہے کہ

''ذات سے (قریب) کوئی چیز دوسری چیز کے مساوی نہیں ہو سکتی، (جبکہ) پہلی زیادہ قریب ہے۔''

اصل اور ظل میں یہ قاعدہ مفقود ہے، بلکہ ظل کے مقابلے میں اصل، ذات ظل سے قریب تر ہے —— چنانچہ یہ جاننا چاہئے کہ ذاتِ ظل سے جب اصل قریب تر ہے، تو اسی طرح اصل الاصل کی اصل بھی سب سے قریب تر ہے۔

پس ''ذات بحت'' حق تعالیٰ یعنی ذاتِ واجب، شیونات سے ممکن کے قریب تر ہے —— اور شیونات صفات سے اس سے قریب تر ہیں —— اور صفات اس سے ظلال سے قریب تر ہیں —— اور ظلال اس سے اس کی ذات سے قریب تر ہیں۔

اور جو کچھ حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ:

''حق سبحانہ، تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء''

تو یہ اعلیٰ ہونا مراتبِ قرب میں ہے نہ کہ مراتب بعد (دوری) میں —— چنانچہ وہ ذات مقدس ''وجدان'' میں دور ترین ہے، اور وجود میں قریب ترین ہے —— حقیقت میں وہی اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

اے میرے مخدوم! چنانچہ ذات بحت اور عالم امکان کے درمیان ظلال وصفات، حجاب سجنجلی سے زیادہ معلوم نہیں ہوتے —— اسی طرح بندوں کے افعالِ اختیاریہ کے درمیان قدرت و ارادت، اور حق تعالیٰ جل شانہ، کے درمیان حجاب سجنجلی سے زیادہ سمجھ میں نہیں آتی ہے —— اس مقام پر مسئلہ ''جبر وقدر'' کو سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ حرکتِ ارادی و اختیاری اور حرکتِ ارتعاش (مجبوری) کے درمیان فرق ظاہر ہے، اور وہ بندے کے وجود کی قدرت پر مبنی ہے —— اس قدرت کو حق تعالیٰ نے

اپنے بندے کے اندر پیدا کیا ہے، اسے اپنی قدرت کاملہ کا حجاب بنایا ہے۔ وہ اس کے اختیار پر نفی نہیں کرتا ـــــ اگرچہ حقیقت میں اختیارِ حقیقی اسی قادر مطلق کو بباطن حاصل ہے، مگر وجودِ ظاہری محض آلہ و بے اختیار نہیں۔ لہٰذا مذہب جبریہ[1] باطل ہوا۔ کیونکہ:

☆ ـــــ بندے کو اختیار بھی دیا ہے،

☆ ـــــ بندہ مجبور بھی ہے،

☆ ـــــ نیک و بد کی سمجھ بھی دی ہے۔

چونکہ بندے کی ناقص قدرت حجاب سجنجلی سے زیادہ نہیں ہے، اس رو سے مذہب قدریہ[2] باطل ہوا ـــــ حق تعالیٰ سے خلق کی نسبت اور بندے کے کسب کی نسبت کہ وہ اس حکم الٰہی سے مستفید ہے:

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ''تم کو پیدا کیا اور تم نے عمل نہیں کیا۔''

اس آیت سے یہ بات ثابت ہے۔ قدرت ذمہ کو اس حجاب سجنجلی میں جب فعل و اختیار کے ساتھ ثابت کرتے ہیں، تو ان کے نزدیک اس فعل سے توہم قدرت ہے نہ کہ حقیقتِ قدرت ہے۔

سوال یہ ہے کہ:

جو کچھ پہلی تقریر سے واضح ہوا وہ یہ ہے کہ عالم امکان میں کوئی شے وجود حقیقی نہیں رکھتی، یہ تمام ایک وہمی دائرہ ہے ـــــ اس لیے فعل کے ساتھ قدرتِ حقیقی اور فعل سے پہلے قدرت وہمی کیا معنی رکھتی ہے؟

جواب:

عالم کی بنیاد وہم پر یقین پذیر ہوئی ہے، اس لیے اسے ''قدرت حقیقی'' کہتے ہیں ـــــ فعل سے پہلے وہم کا موہوم کرنا غیر یقینی ہے۔ چنانچہ اسے ''توہم قدرت'' کہتے ہیں۔

---

[1] مذہب جبریہ: بندے کو مجبور سمجھنا [2] مذہب قدریہ: بندے کو مختار سمجھنا۔

سوال یہ ہے کہ:

مناط تکلیف علماء کے اتفاق سے ''حقیقت قدرت'' نہیں بلکہ ''توہم قدرت'' ہے۔ چنانچہ قدرت میں اگر مناط تکلیف واقع ہوئی تو غیر یقینی کائناتِ اغوال (وہمی) بھی قابلِ اعتبار ہوئی ــــ اور جس کی تکلیف حقیقی (لازمی ہونا) ہو، اسی طرح وہ بھی اس وجہ سے جائز ہو کہ وہم وخیال کو ممنوعہ اشیاء تک رسائی و پرواز حاصل ہے۔ ممکنات میں جیسے وہم بطریق اولیٰ۔ ورنہ ''حج بیت الحرام'' اور ''زیارت بیت المعمور'' کی قدرت کا وہم (کہ وہ ساتویں آسمان میں ہے) یکساں و برابر ہیں ــــ کیا پھر ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؟

جواب:

اوّل تو یہ بات کہ ضروری وحقیقی تکلیف جائز ہے، لیکن تفصیل سے واقع نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ہے:

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا

''اے ہمارے رب! تو ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال۔''

جو اس کے عدمِ وقوع کے جواز پر دلیل ہے ــــ دوسرے یہ کہ ''توہم قدرت'' سے مراد جو مناط تکلیف ہے' تو بات یہ ہے کہ جبریہ کے نقطۂ نظر سے قدرت کا وہم عادتاً ہوتا ہے اور فعل کا واقع ہونا اور ــــ قدرت کہ بندے کا اختیار ظاہری طور پر حال کا متحمل ہوتا ہے۔ لہٰذا جبریہ پر زیارت و حج بیت الحرام کا اعادہ (اگر) مقدر میں ہو تو فرض ہے، جبکہ زیارت بیت المعمور فرض نہیں ہے ــــ لیکن اگر کوئی زیارت بیت المعمور کرنے کی قسم کھائے تو امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک امکانِ حقیقی کی نظر سے اس کے صاحب کے خلاف یمین منعقد ہوگا۔ اور نظر بر امتناع عادی فوراً حانث ہوگا' اور اس پر کفارہ لازم آئے گا ــــ ظاہری حال پر نظر سے ابوجہل کا ایمان لانا واجب ہوا، مگر اس کے ترک سے وہ کافر ہوا۔ مگر یہ کہ علم ازل (الٰہی) میں ایمان لانا اس کے

مقدر میں ہی نہ تھا۔ اگر وہ ایمان لاتا تو جہل پر علم کا انقلاب لازم ہوتا۔ لہٰذا اس اعتبار سے اس کا ایمان لانا محال تھا۔ باقی اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

مکتوب قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ بنام شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمہ:

محققان طریقت نے اس طرح فرمایا ہے کہ انسان دس لطیفوں سے مرکب ہے:

(۱) ـــــ پانچ عالم خلق (دنیا و جہان) سے متعلق ہیں۔ ان میں چار عناصر و نفس حیوانی کہ، وہ ایک جسم لطیف ہے۔ یہ جسم کثیف کے ہر عضو میں سرایت رکھتا۔ وہ عناصر اربعہ سے کوئی شے نہیں ہے، بلکہ اپنی لطافت کی جہت سے خود آئینہ مصفا ہے۔

(۲) ـــــ دوسرے پانچ لطیفے عالم امر سے متعلق ہیں چنانچہ آفتاب آسمان پر ہے، اور مقابلہ وصفائی کی وجہ سے شیشے کے آئینے میں آفتاب کا عکس ظاہر ہوتا ہے۔ نور حرارت اور آفتاب کے رنگ آئینے میں نظر آتے ہیں ـــــ حالانکہ آفتاب نے اپنے اوج و بلندی سے نیچے اترنا نہیں کیا ہے ـــــ

اسی طرح لطائف عالم امر: قلب و روح، سر و خفی و اخفی ـــــ ان کا مقرر مقام بلندی عرش پر ہے۔ جیسے کہ آیت کریمہ ہے:

اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً

''کہہ دیجئے اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روح امر حکم ربی سے ہے۔ اور نہیں دیا گیا ہے تم کو علم سے لیکن کم۔''

اس کی شان میں ہے کہ وہ (روح) اس (نفس حیوانی کے) آئینہ مجلی میں منعکس ہوئی اور اس کے آثار و مظاہر کی شکل و صورت، نفس حیوانی کے ذریعے سے جسم انسانی میں ظاہر ہوئی۔ احادیث مقدسہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے کہ **ملائکۃ الموت**:

☆ ـــــ روح انسانی کو جسم سے نکالتے ہیں اور حلہ ہائے بہشتی پہناتے ہیں۔

☆ ـــــ یا اگر وہ بندہ گناہ گار ہو تو اسے دوزخ کی آگ (موج) سے پوشیدہ کر دیتے ہیں۔

یہ سب احوال نفس حیوانی کے متعلق ہے کہ وہ روح علوی (آسمانی یا بالائی) سے

مرکب ہے۔ کیونکہ لباس کا پہنانا بغیر جسم و بدن کے تصور میں نہیں آسکتا۔

پس یہ جاننا چاہئے کہ جب تک انسان کے لطائف عشرہ پاک وصاف نہ ہوں، وہ ہرگز تجلیاتِ ربانی کے لائق نہیں ہوسکتے —— لہٰذا دوسرے طریق میں پہلے تزکیہ (صفائی و پاکی) لطائف و عالم خلق کی سعی کرتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدات اور جذب شیخ کامل کے ذریعے تصفیہ لطائف (عالمِ خلق کی صفائی) تو میسر ہو جاتی ہے، مگر لطائف عالم امر ابھی مکدر ہوتے ہیں —— صوفی ان ظلمات و کدورت کی صفائی اور تزکیہ اپنے آپ سے باہر خواب اور معاملہ آفاق میں مشاہدہ کرتا ہے —— وہ

☆ —— یا تو کوئی ستارہ دیکھتا ہے،

☆ —— یا چاند یا آفتاب کو ناقص و کامل نظر آتا ہے۔

اسے ''سیر آفاقی'' (عالم بالا) کہتے ہیں —— اس کے بعد وہ ''سیر النفس'' کرتا ہے۔ تزکیہ باطن کے ذریعے ''عالم امر'' میں رسائی حاصل کرتا ہے —— طریقہ نقشبندیہ میں پہلے تزکیہ عالم امر میں پرواز کرتے ہیں، اس کے انوار اپنے قلب و روح اور سر خود اپنے آپ میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے ''سیر نفسی'' کہتے ہیں۔ اسی کو ''سفر در وطن'' بھی کہتے ہیں —— ارشاد باری ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

''میں اپنی نشانیاں ان کو آفاق (عالم) میں اور ان کی ذات ونفس میں دکھاؤں گا۔''

صوفیاء کرام کے نزدیک یہ اس کا اشارہ و کنایہ ہے۔ اس کے اندر دو سیریں ہیں۔ کیونکہ قدمائے سلسلہ نقشبندیہ لطائف عالم امر کے تزکیہ کے بعد تصفیہ نفس و عناصر کرتے ہیں —— مجددیہ سلسلہ والے دونوں کو باہم مخلوط کرتے ہیں —— بعض محققین نے کہا ہے کہ خارج میں ذات حق تعالیٰ موجود ہے۔ حق تعالیٰ کے سوا خارج میں کوئی شے موجود نہیں ہے —— حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق صفات ثمانیہ حقیقیہ، حقیقت میں بھی خارج میں موجود ہیں، اور دیگر صفات بھی ان معنوں میں موجود ہیں کہ شان و

صفات کی اضداد کا منشا و مقصد خارج (زمانے) میں موجود ہے۔ صوفیاء وجودیہ ذات مقدس پر صفات زائد نہیں مانتے —— خارج میں ذات حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا اثبات اور وجود شمار نہیں کرتے۔ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اقدس و اعلیٰ نے جب اپنی ذات و صفات کو مجمل طور سے جانا تو اس مرتبہ اجمال علمی کو "وحدت" کہتے ہیں —— جب تفصیل سے جانا تو اس مرتبہ تفصیل علمی کو "واحدیت" کہتے ہیں۔ مرتبہ تفصیل کے عکسوں کو کہ وہ بھی مرتبہ علمی میں متحقق ہیں "تعین روحی"[1] اور "تعین مثالی" اور "تعین جسدی" کہتے ہیں —— ان تنزلات خمسہ کو اور حضرات خمسہ کو جیسے کہ عکوس و ظلال کو عین[2] ذی ظل کہتے ہیں۔ کہ وہ صفات ہیں۔ صفات کو زائد برذات نہ جانیں بلکہ عین ذات جانیں۔ اس لیے وہ "ہمہ اوست" کے قائل ہوتے ہیں۔ جب خارج میں سوائے ذات (حق) اور کچھ موجود نہ جانیں تو کہتے ہیں کہ "خارج میں حق کے علاوہ میں نے (کسی غیر) وجود کی خوشبو نہیں سونگھی" —— حضرت مجدد علیہ الرحمہ اور ان کی طرح دوسرے بزرگ کہ جو زیادہ قوی بصیرت رکھتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ:

"صفات عین ذات نہیں ہیں، بلکہ وہ ذات برذات ہیں۔ کیونکہ ذات صفات کی محتاج نہیں ہے۔"

فرض کیا کہ صفات ذات کے ساتھ نہ ہوں تو تمام صفات کے کام بھی ذات ہی سے سرانجام ہوں —— چنانچہ ذات اپنی ذات کی حیثیت سے بے شک کار علمی کرتی ہے۔ اسی طرح سے شان حیواۃ[3] والقدرۃ اور سمع و بصر[4] اور ارادہ و کلام اور تکوین[5] صفات گویا یہ سب شیونات کے فروعات اور ان کے عکوس ہیں —— غرض کہ اعتبارات سمع و بصر وغیرہ جو ذات میں ہیں، ان کو شیونات کہتے ہیں۔ یہ سب صفاتِ زائدہ کے عکس اور فروعات شان ہیں —— حکماء و صوفیاء وجودیہ انہی شیونات و اعتبارات کو (کہ وہ عین ذات ہیں) صفا کہتے ہیں —— مگر وہ صفاتِ زائدہ نہیں کہتے اور نہ ثابت کرتے ہیں۔

---

1. تعین روحی: روح کا تقرر 2. عین: اصل و حقیقت 3. حیواۃ: زندگی
4. سمع و بصر: سننا اور دیکھنا 5. تکوین: واقع ہونا

یہ اعتبارات وشیونات باہم مترادف (یکساں و برابر ہیں)، مختلف اور غیر نہیں ہیں ——— چنانچہ حضرت مجددعلیہ الرحمہ صفات کے تغیر واختلاف کے باوجود ذات سے ممکن کو (کہ وہ شر و برائی کا مقصد نہیں) صفات کا عکس نہیں کہتے۔ اس وجہ سے ادب واحترام کرتے ہیں کہ کناس خسیس[1] کو صفات مقدسہ کی حکایت کرنے والا کہیں۔ مگر جماعت معصومین یعنی حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ علیہم السلام کو عالی صفات مظاہر جانتے ہیں ——— لہٰذا عصمت (چونکہ) ان کی خاصیت ہے اور دوسرے اس دولت و نعمت سے مشرف نہیں ہیں۔ بلکہ وہ صفات کے ظلال کے عکس ہیں۔ جس کا مطلب ''اضدادِ صفات'' سے ہے۔ جو کہ مرتبۂ علم میں موجود ہیں۔ وہ ضدیت کے مقابل ہونے کی وجہ سے انوارِ صفات سے منور ہوئے ہیں۔ وہ ظلال مرئیات (مظاہرات) مبادی (ابتدا) تعینات ممکنات ہیں ——— حضرت مجددعلیہ الرحمہ کے نزدیک خارج حقیقی میں سوائے ذات واحد وصفات ثمانیہ (آٹھ) کوئی شے موجود نہیں ہے۔ لیکن خارج میں کہ ظل خارجِ حقیقی ہے ——— حق تعالیٰ نے ظلال کے عکسوں کو وجود ظلی (سایہ) سے موجود بنایا، اور اپنے احکام کا منشاء اور اپنی ''قدرت کاملہ'' کے آثار (نشانیاں) بنایا ——— اس صورت میں ''ہمہ اوست'' (سب وہی ہے) کہنا خطا ہے، بلکہ ''ہمہ از اوست'' (سب اس سے ہے) کہنا چاہئے ——— جبکہ

☆ ——— عالم عکوس وظلال ہیں،

☆ ——— ظلال، عکوس صفات ہیں،

☆ ——— صفات، عکوس شیونات ہیں،

☆ ——— شیونات، ظاہر ذات ہیں،

☆ ——— ذات حق تعالیٰ ''ذات ممکنا تہ'' سے ممکن کے ساتھ قریب تر ہے اور صفات بھی۔

حضرت مجددعلیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ:

---

[1] کناسِ خسیس: شراب خانہ، دیر، خراب جگہ۔

''ہر چند مختلف (چیزوں) میں سے ایک، دوسری مختلف چیز سے زیادہ قریب نہیں ہوسکتی۔''

عقل متغائر و مختلف اشیاء کے درمیان قریب تر ہونا تصور نہیں کرسکتی۔ لیکن کشف[1] کی نظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظل کی نسبت اصل، ذاتِ ظل کے قریب تر ہے—— اور ظل کی نسبت ''اصل الاصل'' نفس ظل اور اس کی اصل سے قریب تر ہے—— اسی طرح ظل کی نسبت اس کی اصل سے، اور اصل کی اصل سے ''اصل الاصل'' کی اصل زیادہ قریب ہے—— اگر تو یہ چاہے کہ مدعی کو قائل معقول کرلے تو اس تقریر سے تو اس کو قائل کرسکتا ہے۔ کیونکہ قبول کرنے کے لیے وجودِ موضوع شرط ہے۔ لیکن موضوع کے نہ ہونے کے وقت پہلا قیاس (حمل) صحیح نہیں ہے، اور سلب بسیط یعنی پوری طرح جذب کرنا یعنی اچھی طرح قائل کرنا) صحیح ہے—— زید کے نہ ہونے کے وقت زید ''زید'' کہنا سچا نہیں ہے، اور زید کے ساتھ، زید نہیں ہے صادق ہے—— لہٰذا پہلے تو یہ چاہئے کہ زید کو اپنی علت (عادت یا وجہ) سے نسبت حاصل ہو کہ وہ اس کے وجود کا نتیجہ (ثبوت) ہو۔ پھر زید کو زید کہنا درست ہے—— چنانچہ اس کی ذات سے اس کی ذات پر قیاس کرنے پر نسبت اس کی علت سے پہلے ممکن ہے۔ چنانچہ علت ذات سے قریب تر ہے—— یہ تمام تقریر و گفتگو، قلب متشکک (شک کرنے والے) کے اطمینان کے لیے ہے۔ وگرنہ یہ آیت کریمہ:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

''ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

ایمان بالغیب کے لیے کافی ہے۔

اے برادر! واجب کی اقربیت کے باوجود ممکن کی نسبت اس کی ذات سے یہ ''ممکن'' واجب سے دور ہوا ہے۔ واجب و ممکن کے درمیان حجاب ہے اور واجب سے غفلت ہے—— علم کے بغیر واجب کا ممکن سے تعلق، خواہ وہ علم حصولی ہو کہ بغیر علم کے تعلق رکھے—— یا علم حضوری کہ اس کی ذات مقدس سے تعلق رکھے—— شاید کہ

---

[1] کشف: کھلنا، ظاہر ہونا

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک حجابة النور علم سے نور کا حجاب اس کی طرف کنایہ ہو۔ کیونکہ نور کے ساتھ علم کی تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نور وظلمت کے ستر ہزار حجاب (پردہ) ہیں۔''

یعنی جب تک یہ حجابات دور نہ ہوں، جمالِ حق کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا۔ یہ اشارہ دونوں قسم کے حجابات سے ہے کہ:

☆ ——— اول: حجاباتِ غفلتِ ظلماتی

☆ ——— دوسرے: حجابِ علم

حجابِ علم، حجابِ نورانی سے متعلق ہے جیسے کہ

اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ ''علم سب سے بڑا حجاب ہے۔''

حجابات کا دیکھنے والا دائرہ ظلال سے عبارت ومطلب ہے۔ کیونکہ اسم ھادی نورانی ظلال رکھتا ہے اور اسم المضل کا ظلال ظلماتی ہے ——— حق تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور اولیائے حق کو ان کا نائب مقرر فرمایا۔ تا کہ وہدایت و موعظت کر کے مخلوق کے درمیان سے حجابات دور کریں اور سالکانِ طریق (راہ حق پر چلنے والے) کے دلوں میں محبت الٰہی کی آگ روشن کریں۔

؎ عشق آں شعلہ است کاں چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق بدکلی بسوخت

''عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑکا تو محبوب کے سوا ہر شے کو بالکل جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

''جو انسان جس سے محبت رکھتا ہے، اس کے ساتھ ہوگا۔''

جب حق تعالیٰ کی ذات[1] کی حقیقت حاصل کرے تو بندہ خدائے تعالیٰ سے قریب تر ہو جاتا ہے ——— یہ قرب جو حاصل ہو تو یہ مراتب غیر متناہی[2] سے متعلق ہے، اور یہ ارشاد باری:

''میں اپنے بندے کو نہیں گراتا ہوں اور اس کو نوافل کے ساتھ اپنے سے قریب کرتا ہوں۔''

پس جبکہ بندے کو قرب الٰہی میسر ہوتا ہے تو عالم مثال میں اس کا ظلال بصورت دائرے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور وہ خود کو عالم مثال میں دیکھتا ہے —— وہ عالم بالا میں اس حد تک سیر کرتا ہے کہ وہ دائرہ ظلال میں پہنچ کر اس دائرے میں خود کو واصل جانتا ہے۔ وہ ظلال کے رنگ سے بھی کم تر اور بہت زیادہ مضمحل وفانی ہو کر (اپنے کو) اس کی بقاء سے باقی دیکھتا ہے —— جب وہ اس طرح دیکھتا ہے کہ وہ اس کے اصول کی سیر کرتا ہے، اپنی قدر و حوصلہ کے موافق دائرہ ظلال کی انتہا تک مشاہدہ کرتا ہے، اور جیسا کہ اس کا حال نہیں لکھا، ورنہ وہ دائرہ اس کی ذات میں بلکہ کوئی دائرہ نہایت (انتہا) نہیں رکھتا۔

؎ نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ، ہم چنیں باقی

''نہ تو اس کے حسن و جمال ہی کی انتہا ہے، اور نہ سعدی کے کلام کی حد ہے۔ پیاسہ پیاس کے مارے مرجائے اور دریا اسی طرح باقی ہے۔''

چنانچہ فنائے قلب و روح و سر و خفی اور اخفیٰ، صفات و اسمائے الٰہی کے ظلال بھی اس مقام میں دستیاب ہوتے ہیں۔ لیکن اخفیٰ کی رسائی سب سے بالاتر رسائی ہے۔ اس کی کمتر طے منزل، دائرہ ظلال ہے، کہ وہ مبادی تعینات وممکنات ہے —— سوائے انبیاء کرام اور ملائکہ کے (دوسرے لوگوں کو) ان اصول کے اندر کی سیر کہ وہ اسماء وصفات میں واقع ہوتی ہے، وہ انبیاء علیہم السلام کے مبادیات (ابتدائی سیر سے متعلق) ہیں۔ ان اصول سے بالائی سیر (یعنی اصل کے ساتھ) صرف انبیاء علیہم السلام ہی سے مخصوص ہے، وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہوتی —— حضرات انبیاء کی وراثت اور پیروی کے طفیل سے یہ اسماء وصفات کہ مبادی تعینات انبیاء ہیں ظہور کے لحاظ سے نہ کہ بطون[۳]

---

[۱] بے چون: بے مثال [۲] غیر متناہی: بے حد، بے انتہا [۳] بطون: باطن، اندرون

کے حساب سے —— ظہور و بطون کے معنی یہ ہیں کہ اسماء و صفات کے دو اعتبارات ہیں:

☆ —— ایک کا قیام ذات سے ہے اور وہ حق کے ساتھ ہے۔ اس کو بطون کہتے ہیں۔

☆ —— دوسرا اعتبار آثار کے صادر ہونے کا اور ممکنات کی تربیت کی حیثیت سے اور وہ مخلوق کی طرف ہے، اس کو ظہور کہتے ہیں۔

پس اسماء و صفات باعتبار ظہور، مبادیٔ تعینات انبیاء علیہم السلام ہیں —— ان مقامات کا حصول و وصول "ولایت کبریٰ" اور "ولایت انبیاء" کے نام سے موسوم ہے۔ اس مقام پر فنائے نفس حاصل ہوتی ہے —— چنانچہ وصول مرتبہ ظلال سے "ولایت صغریٰ" اور "ولایت اولیاء" کا نام رکھتی ہے۔ اسماء صفات بطون کے اعتبار سے مبادی تعینات ملائکہ ہیں۔ اس ولایت اعلیٰ کا حصول و وصول "ولایت ملاء اعلیٰ"[1] کا نام رکھتا ہے۔ ان دونوں مقامات کے طے کرنے کے بعد "ذات بحت" (حق) کا وصول ہے۔ اس مقام کا وصول اصل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس "مقام اعلیٰ" کو نبوت کے عہدہ و منصب کی وجہ سے وصول کرنے کے باعث انبیاء کرام علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔ ورنہ "ولایت ملائکہ"، ولایت انبیاء" سے فوق[2] ہے۔ امتیوں میں سے جو حضرات اکمل ترین ہوتے ہیں، انبیاء کی بدرجہ کمال پیروی کی وجہ سے وہ بھی اس بے مثال مرتبہ پر فائز ہو کر واصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ:

(۱) ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (پ ۲۷، ع ۱۴)

"بہت سے اولین میں سے، اور تھوڑے آخرین میں سے۔"

اسی مقام کی طرف کنایہ و ارشارہ ہے —— "ارباب کمال ولایت"، اصحاب الیمین[3] ہیں:

(۲) ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ

۱۔ ملاء اعلیٰ: مقامات ملکوتی ۲۔ فوق: بلند ۳۔ اصحاب الیمین: دائیں طرف والے یعنی نیک لوگ

''بہت سے اولین میں سے، بہت سے آخرین میں سے۔''

اور ارباب کمالات نبوت مقربین ہیں:

(۳) ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ''بہت سے اولین میں سے۔''

یعنی انبیاء علیہم السلام میں

(۴) وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ''آخرین میں سے کم ہیں۔''

(۵) اور امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ——— اور

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے ——— اور

(۷) بہت سے تابعین میں سے ——— اور

(۸) تابعین کے اتباع (پیروی) کرنے والوں میں سے ———

(۹) ایک جماعت آخری زمانے میں دین اسلام کی تجدید اور ہجرت سے ایک ہزار سال بعد۔

''کمالات نبوت'' میں تجلیٔ ذات دائمی ہے ——— بے پردہ اسماء و صفات اور کمالات رسالت اور کمالات اولالعزم دریائے کمالات نبوت کی ایک موج ہے ——— یہ تینوں دائرے آپس میں ابرہ او استر کی مثل ہیں۔ اپنے مرتبہ میں مرکز و محیط کی طرح ایک قسم کا فرق رکھتے ہیں۔ کہ وہ (دل) آنکھ والوں پر ظاہر ہوتا ہے ——— ان تین کمالات کے بعد جو کچھ ''مکتوبات قدسی'' حضرت مجدد علیہ الرحمہ اور آپ کی تصنیف ''عروۃ الوثقیٰ''[۱] اور رسالہ ''شواہد التجدید'' حضرت دلیل اللہ الصمد عبدالاحد علیہ الرحمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو کہ ''مقام سلوک'' میں حضرت ایشاں شہید علیہ الرحمہ سے استفادہ ہوا۔ ''مقام سلوک میں دو راستے پیش آتے ہیں۔ اول و آخر میں ان دونوں راستوں کو پیرو شیخ مصلحت کی مناسبت سے اختیار فرماتے ہیں ——— ایک راہ حقیقت ''کعبۂ ربانی'' ہے۔ اس کو سر[۲] ''اوقات عظمت کبریا'' اور نور صرف[۳] ''حضرت بے چون'' سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حقیقت قرآن اس سے بالاتر[۴] ہے۔ اس کو مبداء وسعت بے چونی'' سے تعبیر

---

[۱] عروۃ الوثقیٰ: مضبوط رسی [۲] سر: راز بھید [۳] نور صرف: نور محض نور ذات [۴] بالاتر: بہت اونچا۔

فرماتے ہیں ـــــ اس سے بالاتر مقام کو "معبودیتِ صرف" کہتے ہیں۔ اس مقام برتر میں سیر کی گنجائش نہیں ہے۔ فقط سیر نظری ہے اگر میسر ہو۔

ع بلا آئے اگر یہ بھی نہ ہو

سیر "قدم گاہ"[1] حقیقت صلوٰۃ تک ہے کہ یہ منتہائے مقام عابدیت[2] ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰہَ یُصَلِّیْ[3]

"اے محمد! ٹھہر جاؤ بے شک اللہ تم پر درود (رحمت) بھیجتا ہے۔"

---

[1] قدم گاہ: مقام قدیم (اول) [2] مقام عابدیت: بندے کا مقام

[3] لفظ "صلوٰۃ" چند معنوں میں آتا ہے یعنی نماز و رحمت وغیرہ ـــــ اگر قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے صلوٰۃ سے مراد یہی نماز جو ہم لوگ ادا کرتے ہیں لی ہے۔ (جبکہ نماز حمد و ثنا سے عبارت) تو یہ معنی ہوئے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج میں تشریف فرما ہوئے۔ جب پردہ عظمت و جلال کبریائی تک پہنچے تو آپ حمد و ثناء رطب اللسان ہوئے۔ چونکہ یہ مقام تنزیہہ تھا۔ چنانچہ حکم ہوا:

قِفْ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّیْ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

"اے محمد! ٹھہر جا یہ مقام تیرے حمد و ثناء کہنے کا نہیں ہے۔"

پس تحقیق اللہ اس مقام پر خود حامد ہے اور وہ خود ہی محمود ہے، پہلے میں آپ ہی اپنی حمد و ثناء کہتا ہوں:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ○

"پاکی ہے اس ذات کو کہ لے گیا ہے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف۔ اس کے گرد برکت رکھی ہے۔ ہم نے، تا کہ دکھائیں ہم اس کو اپنی نشانیوں سے۔ وہ ہے سننے والا، دیکھنے والا۔"

تو سجدہ کر اور ہمارے قریب تر ہو جا ـــــ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سنتے ہی کمال انکساری سے فوراً ہی سجدہ ریز ہوئے۔ اس دعا کے ذریعے معافی کے خواستگار ہوئے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

"اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کی تیرے عذاب سے ـــــ اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کی تیرے غصہ سے، اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری ہی تجھ سے ـــــ میں پوری نہیں کر سکتا تیری تعریف۔ تو ایسا ہی ہے جیسا تو خود ہی اپنی تعریف کرتا ہے۔"

یہ اشارہ اسی کی طرف ہے۔ کیونکہ حقیقت صلوٰۃ سے آگے یا اوپر جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ صلوٰۃ وہ ہے کہ ''مراتب وجوب'' سے ''مرتبہ تنزیہہ صرف'' کے لیے صادر ہوئی ہے۔

''کمالاتِ ثلاثہ کے بعد دوسری راہ ''دائرۂ محبت'' ہے۔ خُـلّـتْ (محبت و دوستی) اس دائرے پر محیط ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ متعین ہونے کی وجہ سے اسے ''ولایتِ ابراہیمی'' بھی کہتے ہیں —— اس کا مرکز ''محبت'' ہے۔ جب کوئی اس مرکز پر پہنچتا ہے تو اس دائرے کا مرکز ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا محیط صرف محبت ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا مبداء تعین ہے۔ اس وجہ سے اس مقام کو ''ولایتِ موسوی'' کہتے ہیں۔ اس کا مرکز ''محبوبیت'' ہے۔ جب اس مرکز پر رسائی ہوتی ہے تو اس دائرے کا مرکز بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا محیط ''محبوبیتِ ممتزجہ'' (مزاجی) ہے۔ اس کو ''حقیقت محمدی'' اور ''ولایت محمدی'' کہتے ہیں —— وہ حضور و سرور انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مربی اور مبداء تعین جسدی[1] ہے۔ اس کا نام آپ کے نام مقدس کے اعتبار سے ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' ہے۔ اس کا مرکز ''محبوبیت صرف'' ہے۔ اس کو ''حقیقت و ولایت احمدی'' کہتے ہیں۔ وہ سرور دو عالم صلی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے شرف قرب مکان فَـكَانَ قَـوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی سے مشرف فرمایا۔ اور فَـاَوْحٰـی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی سے عزت بخشی —— آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شکریہ میں التحیات عرض کی۔ اور وہاں سے ہمکلامی کا اعزاز بخشا گیا، اور سلام و رحمت و برکت کا انعام سرکار سے عطا ہوا۔ آپ نے قبول کیا اور مومنین کو بھی اپنے ساتھ شامل فرمایا۔ شہادت ادا کر کے بارگاہ الٰہی سے باعزاز و اکرام مرخص ہو کر شاداں و فرحاں مراجعت فرمائی —— اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شب معراج میں یہ نماز فرض ہوئی ہے۔ جمیع عبادات کی اصل یہی نماز ہے —— نماز میں افضل سجدہ ہے۔ اگر صلوٰۃ بمعنی رحمت مراد ہے تو یہ معنی ہوئے!

قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰهَ يُصَلِّيْ عَلَيْكَ

''اے محمد! ٹھہر جا یہ مقام تیرے حمد و ثناء کہنے کا نہیں ہے۔''

ع ایں سفر بر تو مبارک باد   مرحبا مرحبا تبارک باد

---

[1] جسدی جسمانی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''مبداء تعین روحی'' ہے۔ آپ کے نام پاک کے اعتبار سے ''احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے —— اسی دائرہ محبت کی طرف صوفی اجمال کے ساتھ جب بعد ملاحظہ خلت ومحبت ومحبوبیت متوجہ ہوتا ہے، تو وہ ''سیر تعین حبی'' کرتا ہے —— اور ''تعین وجودی'' میں بھی اسی دوران میں سیر واقع ہوتی ہے —— ان مقامات سے بالاتر مقام، جو مقامات انبیاء کرام علیہم السلام کے حقائق تعینات سے بالاتر اوراعلیٰ ہے، وہ ''لاتعین''[1] ہے۔ اس جگہ ''سیر قدمی'' کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر میسر ہو تو صرف ''سیر نظری'' حاصل ہوتی ہے۔ یہ حضور سرور دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے متعلق ہے۔ یعنی یہ مقام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِیْ مَعَ اللہِ وَقْت'' لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَک'' مُقَرَّب'' وَّلَا نَبِیّ'' مُرْسَل''

''مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ (وہ) وقت ہے کہ اس وقت میں کسی مقرب فرشتے، نبی یا پیغمبر کی رسائی نہیں ہے۔''

اس میں اسی ''مقام اخص'' کی طرف اشارہ ہے۔ بعض صاحب نصیب اور خوش بخت حضرات جو کہ آپ کے الش خوار[2] (حضور کے صدقہ وطفیل سے) ہیں۔ ان کو بھی اس خوان نعمت سے الش مقدس عطا ہوتا ہے۔ (زہے نصیب وسعادت! یہ نصیب، اللہ اکبر! لوٹنے[3] کی جائے ہے۔

؎ اگر بادشہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

''اگر کوئی بادشاہ عالم پناہ شفقت ومہربانی سے کسی غریب وبے کس بڑھیا کے گھر پر قدم رنجہ فرمائے تو اے خواجہ (دولت مند امیر) تو اس پر حیران نہ ہو۔''

---

[1] لاتعین: بےتعین [2] الش خوار: جوٹھا کھانے والے [3] اس بارگاہ میں ''لوٹ مار'' کا تصور معیوب ہے۔ رحمت وبرکت کو تو سمیٹنا چاہیے۔ اس بارگاہ سے دولت کرم کو سمیٹنا ہی روا ہے۔ شعراء حضرات کو در حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب وتعظیم کا خیال رکھتے ہوئے لفظ ''لوٹنے'' کی بجائے ''سمیٹنے'' استعمال کرنا چاہیے۔ اس بارگاہ میں ادب، قرینہ اور تعظیم ہی سامان نجات ہے۔ (طاہر)

اس مقام سے حضور اکرم سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے طفیل و برکت سے یہ دولت عظمیٰ اور سعادت بے پایاں ان کے غلاموں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم مبارک کے صدقے میں اس عطائے بے مثال سے مشرف ہو کر وہ مست الست ہو جاتے ہیں —— روزہ کی حقیقت جو کہ حقیقت قرآن کے پہلو میں ہے، اس کو پہلو کے ولایت کبریٰ میں سیف قاطع[1] فرمایا ہے۔ سیف قاطع اسماء و صفات حق تعالیٰ سے ایک موج ہے۔ وہ ولایتِ کبریٰ کی مثال ہے۔ چونکہ اس مقام پر نفس کو فنائے اتم (پوری) دستیاب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کا نام "سیف قاطع" ہوا۔ اللہ تعالیٰ خوب علم رکھنے والا ہے۔

اس مقام پر طبیعت میں دو شبے پیدا ہوتے ہیں۔ ان شبہات کا حل ان حضرات کے مکاتیب سے حاصل نہیں ہوتا۔

پہلا شبہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتداء میں "صفت العلم" ظاہر ہوئی —— ان کے مکتوبات شریف میں اس کا طریقہ وغیرہ بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد "شانِ علم" ظاہر ہوئی —— پھر "حقیقت جامعہ" ظاہر ہوئی —— آپ نے ان مکاشفات میں مطابقت کی وجہ اس طرح بیان فرمائی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی شے کا ظل، اصل صورت میں ظاہر ہوتا ہے —— اس کے بعد جب اصل پر پہنچتے ہیں تو اس وقت واضح ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو کچھ ظاہر ہوا وہ صرف ظل ہی تھا، اصل نہیں تھا۔ اس لیے "صفت علم" کو ابتدا میں "حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کہا تھا۔ مگر جب میں "شانِ علم" پر جو "مربی صفت العلم" ہے، پہنچا تو معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے —— اس کے بعد جب میں "شان جامعہ" پر پہنچا (کہ شانِ علم اس کا ایک جزو ہے) تو پھر معلوم ہوا کہ:

"حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حقیقت الحقائق اور تعین اول یہی ہے۔"

آخر کے انکشافات میں یہ ظاہر ہوا کہ تعین اوّل "تعین وجودی" ہے —— اس

---

[1] سیف قاطع: کاٹنے والی تلوار

کے بعد ظاہر ہوا کہ تعین اول تو ''تعین حبی''[1] ہے۔ اس حال کی گواہی میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ارشاد باری ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ کہ میں پہچانا جاؤں، چنانچہ میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔''

اس حدیث مبارک سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اول حب[2] نے سر اٹھایا۔ کہ وہی تمام اشیاء و مخلوق کے ظہور کا باعث ہوئی ——— ولایتِ ابراہیمی، ولایتِ موسوی اور ولایت محمدی اور احمدی محبت کے دائرے کے بیان میں پہلی اور درمیانی تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس جگہ لازم ہوا کہ ''شانِ علم جامعہ ظل تعین حُبی'' ہو۔ پہلے وہ اپنی اصل صورت میں ظہور پر آ گئی تھی ——— اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ صفتِ علم صفات حقیقی سے متعلق ہے ——— اور شانِ علم عین ذات ہے، اور وہ اعتباری تغیر کے ساتھ ہے ——— ''صفت الحب'' (محبت) صفاتِ اضافی سے محال ہے کہ وہ اصل شانِ علم یا ''صفت العلم'' ہو۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ ''کمالاتِ نبوت'' تجلی ذاتِ بحت'' سے عبارت ہے، جو پردۂ اسماء وصفات ہے۔ قطع مراحل (بہت سی مشکل منزلیں) کے بعد ولایتِ کبریٰ و علیا کی سیر ہے ——— وہ صفات اور اس کے اصول میں، اور اس کے اصول کے اصول میں، اور ظہور و بطون کی قسم سے مختلف اعتبارات وشیون سے متعلق ہے ——— پھر صفات اور تجلیٔ ذات بحت کے قطع مراحل کے بعد جو اسماء وصفات بے پردہ ہوں، اس مقامِ اعلیٰ سے ترقی کے کیا معنی ہیں؟ ——— چنانچہ ''دارالعباد'' (مقام عبودیت) سے بڑھ کر اور اعلیٰ مقام وہ قربت حقیقت کعبہ ہے کہ سرادقاتِ عظمتِ کبریا ہے۔ یہ اضافتِ بیانیہ ہے یعنی عظمت کبریا کہ وہ ذات حق تعالیٰ کی سرادقات ہیں۔

---

[1] تعین حُبی: محبت کا تقرر [2] حب: محبت

سوال یہ ہے کہ:

عظمت کبریا صفات سے متعلق ہیں کہ وہ اسم العظیم واسم الکبیر کا مصدر ہیں۔ —— ان پر سِرّ اوقات کا اکس طریقے سے اطلاق ہے؟

جواب:

حدیث قدسی ہے:

اَلْكِبْرِيَا رِدَائِیْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِيْمَا اَحْطَهُ فِیْ نَارِیْ

''کبریا میری چادر ہے، اور عظمت میرا زیر جامہ ہے —— لہٰذا جو اسے اختیار کرے گا وہ نار میں جلے گا۔''

ازار وردا کہ وہ انسانی بدن کے پردہ پوش ہیں، اسی طرح وہ بھی (عظمت و کبریائے الٰہی) اس کے ظہور وادراک (سمجھ) کو آنکھوں سے مانع ہیں۔ (یعنی اس کی عظمت وکبریائی کی وجہ سے چشم انسانی اسے دیکھنے سے قاصر ہے)۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ''تمہاری آنکھیں اسے نہیں (سمجھ اور) دیکھ سکتیں۔''

لہٰذا سِرّ اوقات کا اطلاق صحیح ہوا —— اب میں اصل بات پر آتا ہوں کہ ''حقیقتِ کعبہ'' صفت وعظمت وکبریا ہے —— حقیقتِ قرآن وحقیقتِ صلوٰۃ ''وسعتِ بے چوں'' ہے۔ کہ وہ اسم ''الواسع'' کا مصدر ہے۔ وہ بھی صفت ہے اور تیسری حقیقت صفات سلبیہ[1] سے عبارت ہے کہ:

صَمَدُ لَا يَاْكُلُ وَيَشْرِبُ وَلَا يَلِدُ وَلَا يُوْلَدُ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَد''

''وہ بے نیاز ہے کہ جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا، اور نہ وہ کسی سے جنا گیا (یعنی نہ کسی سے پیدا ہوا ہے، نہ کسی کو جنم دیتا ہے) اور نہ کوئی ایک بھی اس کا کنبہ ہے۔)

محبت ومحبوبیت بھی صفات ہیں، بلکہ صفات اضافیہ سے ہیں۔ پھر مرتبہ کمالاتِ نبوت سے اس کی بلندی کہ وہ تجلی ''ذاتِ بحت'' مطلق ہے، کیا معنی رکھتا ہے؟ ——

---

[1] سلبیہ: سلب ہونے والی

مگر صوفی اس مقام پر رجعتِ قہقری (الٹے قدموں واپسی) کرتا ہے ـــــ یہ دوسرا شبہ ہے جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا:

"حقیقت میں "حقیقتِ محمدی و حقیقتِ احمدی" دائرہ صفات "ولایت کبریٰ" سے متعلق ہے۔ لیکن اس کی گواہی بعض تفصیلوں کے حصول پر موقوف ہے، جو کہ کمالاتِ نبوت کی تحصیل پر ہوں۔ لہٰذا اس ولایت کا حصولِ کمالات کے حصول کے بعد ہوگا۔"

لیکن ان دونوں شبہات کا حل جو کچھ اس فقیر کے خیال میں گزرا، وہ میں نے حضرت ایشاں شہید علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں بھی عرض کیا تھا۔ حضرت جناب نے اس کو سنا تھا اور تسلیم کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ شاید ایسا ہی ہو ـــــ وہ یہ ہے کہ ذات حق سبحانہ، تعالیٰ خارج میں موجود ہے اور "صفات ثمانیہ" بھی حق تعالیٰ کی خارج میں موجود ہیں۔ دوسری صفات ثبوتیہ[1] اور صفات سلبیہ اور صفات اضافیہ[2] بھی خارج میں موجود ہیں۔ اور وہ اس طور سے ہیں کہ ان کی ضد و اختلاف کا منشاء (مقصد) خارج میں بھی موجود ہے ـــــ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس مقام پر جہاں کہ "زید" موجود ہے، تو اس مقام پر "زید" کا باپ "عمرو" بھی موجود ہے۔ ان معنوں میں کہ اس اختلاف ونزاع کا منشاء اس مقام میں موجود ہے۔ یہ بات محض عقلی و وہمی نہیں ہے ـــــ اگر فرض کیا جائے کہ عقل اور عاقل جہان میں موجود ہی نہیں ہے تو پھر زید کو عمرو (اپنے باپ) سے جو نسبت ہے، اگر کوئی عاقل موجود ہو تو وہی عمرو کے زید کا باپ ہونے کا حکم کرے گا ـــــ لہٰذا حاصل یہ کہ ذات وصفاتِ حق تعالیٰ جل شانہ، خارج (عالم موجودات) میں موجود ہے۔ اس کی شان کے سوا کوئی شے بھی اس میں متوطن وموجود نہیں ہے۔ اس کے بعد علم حق سبحانہ، اس کی ذات اور صفات کے ساتھ اجمالاً وتفصیلاً متعلق ہوا ہے ـــــ چنانچہ مرتبہ علم میں بھی ذاتِ حق تعالیٰ موجود ہے ـــــ صفاتِ حقیقیہ اور دوسری صفاتِ ثبوتیہ، سلبیہ، اضافیہ اور نقائض[3] صفات بھی "مرتبہ علم" میں موجود ہیں

---

[1] ثبوتیہ: دلیل والی [2] اضافیہ: زائد [3] نقائض: ضد، اختلاف

—— دائرہ ظلال جو "ناشی" ہے، ان سے ظاہر ہوا ہے —— اور مرتبۂ علم میں دائرہ ظلال سے دائرہ امکان نمودار ہوا ہے۔ —— اور خارجِ ظلی میں ظلی وجود کے ساتھ رونما ہے —— اس کثرت (موجودات ظاہری) سے وحدتِ حقیقی میں جو کہ خارج میں بھی ہے، ظل نے کوئی راہ (اثر) نہیں پائی ہے۔ (یعنی وحدت حقیقی اسی طرح قائم و دائم ہے) —— چنانچہ اس تقریر سے یہ ظاہر ہوا کہ ممکنات کو مرتبۂ علم کے سوا وجودِ ظلی اور وہمی کے خارج میں حقیقی گنجائش نہیں ہے۔ —— ذات وصفات الٰہی کے دو مقام ہیں:

(۱) —— ایک: وطن و مقام خارج حقیقی

(۲) —— دوسرا: مقام "مرتبۂ علمواجبی۔

اور پھر یہ بھی جاننا چاہئے کہ صوفی عالم مقام کی سیر و سلوک مکانی نہیں ہے۔ وہ اس دائرہ امکان (دنیا) سے اوج و بلندی پر جاتا ہے۔ نہ کوئی انقلابِ ماہیت ہے کہ "ممکن" واجب ہو جائے۔ کیونکہ یہ بھی امر محال ہے بلکہ (اس سیرِ سلوک) سے مراد یہ ہے کہ اولیائے مجتبیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے جذب محبت کو پہنچے۔

پھر اس محبت کی برکت سے بندے کو اسماء صفات کے اظلال (عکس و سایہ) اور ذات واجب بے چون کی معیت[1] حاصل ہو —— اس معیت میں ترقی عالم مثال کے اندر سیر مکانی کی صورت سے رونما ہوتی ہے —— اس معیت کا کمال وصول[2] واضمحلال کی شکل میں (سالک کا) فنا ہونا ہے۔ پھر وہ بے چون کو کشفی نظر سے بصورتِ چون دیکھتا ہے۔ چنانچہ:

☆ —— حضرت یوسف علیہ السلام نے سات گائے اور سات خوشہ گندم کو قحط کے سال کی تعبیر فرمائی، اور

☆ —— حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف کی وبائے حمیٰ (بخار) کو سیاہ فام عورت کی شکل میں دیکھا۔

غرض کہ وہ بے چون کو عالم مثال میں چون (مثال) کی صورت میں مشاہدہ کرتا

---

[1] معیت: ساتھ ہونا، ہمراہ ہونا   [2] وصول: وصل ہونا، ملنا

ہے۔ــــ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دائرہ ظلال کو ''ولایت صغریٰ'' کہتے ہیں، اس کا ذاتی کوئی وجود نہیں ہے۔ مگر صوفی (سالک طریقت) ''مرتبۂ علم واجبی'' میں پہلے اسی سے واصل ہوتا ہے کہ وہ اس کی اصل ہے ــــ دائرہ صفات کہ جسے ''ولایتِ کبریٰ'' کہتے ہیں، اسی کو ''ولایتِ علیا'' اور ''سیفِ قاطع'' بھی کہتے ہیں، وہ صفاتِ واجبی سے عبارت ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کے مرتبۂ علم میں موجود ہیں، نہ کہ وہ صفات جو خارج میں موجود ہیں ــــ کمالات نبوت و رسالت اور اولوالعزم حضرات (کے کمال) سے مراد، ذات حق تعالیٰ کی بے پردہ صفات تجلیات ہیں۔ لیکن وہ ذات اقدس جو مرتبۂ علم میں موجود ہیں۔ اس کے بعد ذات بحت بھی مرتبۂ علم میں موجود ہے۔ یہ منصب اعلیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ہے۔ صوفی کامل پر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و برکت کے صدقے میں جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو پھر اسے حق تعالیٰ جل شانہ، کی وہ ''صفات اضافیہ'' میسر ہوتی ہیں جو کہ خارج میں موجود نہیں۔

اسی کے ساتھ ''تعین وجودی'' و ''تعین جبی'' اور خلت (مقام دوستی واخلاص) اور ''محبوبیت'' جو انبیاء کرام علیہم السلام کی صفات ہیں، اور اس کے ساتھ ہی سر اوقات عظمت و کبریا اور وسعت بے چون کہ ''حقیقت کعبہ و قرآن وصلوٰۃ اور صفات سلبیہ'' حقیقت صیام'' ہیں، لیکن ''معبودیت صرفہ'' کے ساتھ کہ وہ دائرہ صفات سے ہے کمالِ معیت حاصل نہیں ہوتا ــــ ''عابدیت'' (بندگی) اور ''معبودیت'' میں بڑا فرق ہے۔ (یعنی کوئی بندہ ہرگز معبود نہیں بن سکتا۔ بس وہی لاشریک واحد معبود مطلق ہے۔) لیکن ''عابدیت'' اور ''معبودیت'' کے مقابلہ کی وجہ سے معیت حاصل ہوتا ہے۔ اس کو ''سیر نظری'' کہہ سکتے ہیں۔ ''مرتبۂ صفاتِ حقیقیہ''، مقام صفاتِ اضافیہ وسلبیہ (جو کہ خارج میں موجود ہیں) سے بلند مقام ہے۔ اس کی تشبیہ اس کی ذات اقدس وتعالیٰ شانہ، سے تشبیہ ''لاعین ولا غیر'' ہے ــــ اس مرتبہ سے بالاتر ذات ہے جو کہ خارج میں موجود ہے ــــ مرتبۂ ذات وصفات جو کہ خارج میں موجود ہے، اسے ''مرتبۂ لاتعین'' کہتے ہیں۔ اس مقام تک کسی کو رسائی کی مجال نہیں ہے۔ کیونکہ معیت (ساتھ ہونا)

محبت کی فرع[1] ہے —— اور محبت، معرفت کی فرع ہے —— وہ واجب تعالیٰ اس سے برتر واعلیٰ ہے کہ اس کی مخلوق کا علم اس کا تعلق حاصل کرے۔

سُبْحَان مَنْ لَّا یَعْلَمُ مَا هُوَ اِلَّا هُوَ

"پاک اور اعلیٰ ہے وہ ذات، جس کو نہ جانیں سوائے اس کے کہ وہ (کچھ اور) نہیں ہے مگر وہ اللہ ایک ہے۔"

حضور سرور پیغمبراں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعض الش خوار غلاموں کی "سیر نظری" اس مقام میں ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

اِسْتَوٰی ای محمّد بالافق الْاَعْلٰی

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہو۔"

یعنی امکان کی بلندیوں سے اعلیٰ۔ پھر:

ثُمَّ دَنَی الْجبَارُ ذَالْفرة فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی

میں یہ سمجھا کہ صفاتِ حقیقیہ کے درمیان قَابَ قَوْسَیْنِ "سیر نظری" ہے، اور ذات کی "سیر نظری" کے وقت میں "مقام اَوْاَدْنٰی" ہے۔ اس لیے کہ نظر کے مقام میں منظور[2] کی ذات کے ساتھ "قوسِ وجوبی" ہے، اور غیر نہیں ہے —— نظر کے مقام میں صفات سے اس کے ساتھ مکان[3] باقی ہے ——

لِاِحْتِیَاجِ الصِّفَاتِ اِلَی الذَّاتِ مِنْ غَیْرِ عَکْسٍ

"ذات کے لیے عکس کے سوا صفات کی احتیاج نہیں۔"

اس تقریر سے دونوں شبے حل ہو جاتے ہیں کہ صوفی کی رجوع کے لیے قہقری (الٹا واپس ہونا) لازمی نہیں ہے۔ "شانِ علم" اور شان الجامع" بھی "تعین جبی" سے درست ہوتی ہے کہ وہ شانِ علم اور شان جامعہ مرتبۂ علم متحقق ہے۔ مرتبۂ علم کے فرع میں اس کی تحقیق محبت ہے، جو کہ خارج میں موجود ہے جیسے کہ ارشاد ہے:

کُنْتُ کَنْزًا مُّخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

"میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔"

---

[1] فرع: شاخ، شعبہ [2] منظور: جسے دیکھا جائے [3] مکان: مقام، ہونا

یہ بات اس پر شاہد ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

اصل قلب (دل) دائرہ ظلال میں ہے۔ اس ظل کا واصل ہونے والا کہ مربیٔ قلب ہے، وہ مقامِ صفات میں ہے، اور وہ مربیٔ آدم ہے — چنانچہ جب اس صوفی کو اصل میں فنائے قلب حاصل ہوتا ہے تو وہ صوفی حضرت آدم علیہ السلام کی ''ولایت'' حاصل کرتا ہے — جب اس کی روح بھی اپنی اصل کی اصل میں فانی ہو جاتی ہے تو چونکہ اس کی اصل روح شفیق ابراہیم و نوح علیہما السلام سے ہے، اس لیے پھر صوفی کو ''صاحب دو ولایت'' کہتے ہیں۔ ولایتِ آدمی، ولایتِ نوحی و ولایتِ ابراہیمی — خود سر بھی جب اپنی اصل میں فانی ہوتا ہے تو پھر شفیق موسیٰ علیہ السلام کی ولایت سے متصف ہوتا ہے — ''خفی'' جب خود اپنی اصل میں فانی ہو جائے تو پھر اس کے شفیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر اسے ولایت عیسوی اور ''ولایتِ چہارگانہ'' حاصل ہو جاتی ہے — جب ''اخفیٰ'' بھی اپنی اصل میں فنا ہو جائے تو پھر وہ صوفی ''صاحب ولایت پنجگانہ'' کہلاتا ہے — ''اخفیٰ'' چونکہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر قدم مبارک ہے، اس لیے اخفیٰ کے شفیق دراصل خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

مکتوب قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ بنام قاضی شیخ محمد علیہ الرحمہ:

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ صوفیاء کرام کے بعض کلمات پر (بعض) اہل شرع تکفیر کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ چونکہ بیرنگی اسیر رنگ شد — موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد

''بے رنگی چونکہ رنگ کی اسیر ہے، تو گویا موسیٰ کی موسیٰ سے ہی جنگ ہوئی۔''

؎ چوں بہ بے رنگی رسی کاں داشتی — موسیٰ و فرعون دارند آشتی

''جب تو بے رنگی کے مقام و حال میں پہنچے گا تو پھر یہ مشاہدہ کرے گا کہ موسیٰ اور فرعون نے باہم صلح و آشتی کر لی ہے۔''

اسی طرح حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ ہمسایہ ہم نشین و ہمرہ ہمہ اوست — در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست

''ہمسایہ وہم نشین اور ہمراہ (ساتھی) سب وہی ہے۔ گدائے بے نوا کی پھٹی گدڑی اور بادشاہ وقت کی اطلس زرین قبا (لباس میں بھی وہی ہے۔''

لہٰذا اس جگہ کیا اعتقاد کرنا چاہئے —— مہربان من! —— لوگ تکفیر تو کرتے ہیں، مگر وہ اس بات کے قائل کی مراد و مطلب سے واقف نہیں ہیں۔ اسی لیے وہ اپنے لب وزبان طعن وتشنیع کے ساتھ کھولتے ہیں، اور یہ بے جا کرتے ہیں —— ان کو پہلے اس بات کے قائل کی مراد کو سمجھنا چاہئے، پھر اس کے بعد کچھ کہنا چاہئے —— تم نے یہ سب کچھ ملاحظہ کیا جو کہ وحدت وجود پر ہے:۔

☆ —— کچھ اہل مشاہدہ ''ہمہ اوست'' (سب وہی ہے) کہتے ہیں،

☆ —— اور کچھ ''ہمہ از است'' (سب اسی سے ہے) کہتے ہیں۔

؎ درانجمن فرق ونہاں خانہ جمع — باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

''مجلس تنہائی وفرق میں اور خانہ ''محفل وجمع میں بس وہی پوشیدہ ہے، اور سب کچھ وہی ہے، وہی ہے۔''

لہٰذا ان معنوں میں یہ نہیں کہتے ہیں کہ: ''زید خدا ہے اور عمرو بھی خدا ہے۔'' نعوذ باللہ منہا (اس بات سے خدا کی پناہ!) —— نہ یہ بات ان معنوں میں ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ، کلی طور سے طبعی ہے، اور اشخاص وافراد ممکنات اس کے فرد ہیں —— یہ دونوں قول بالکل کفر صریح ہیں۔ ان سے وجود حق تعالیٰ کا انکار ہوتا ہے۔ خدا کی پناہ!

—— بعض جاہل لوگ بزرگانِ دین کے کلام کے ان معنوں میں غلط مطلب لیتے ہیں، اور کفر والحاد کے مرتکب ہوتے ہیں —— بعض اس کے غلط معنی سمجھ کر بزرگانِ مقدس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ''صوفیاء وجودیہ'' حق تعالیٰ کو وجود حقیقی کے ساتھ موجود جانتے ہیں، اور سوائے خدا تعالیٰ کے (حقیقت) میں کسی کو موجود نہیں جانتے، اور نہ اس عالم کو صرف وہم کے مرتبہ سے جانتے ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ

''کوئی معبود نہیں مگر وہ اللہ ہے، اور نہیں کوئی موجود مگر وہ اللہ ہے۔''

اس مقام پر کچھ اعتراض ہوتے ہیں:

(۱)——ایک تو یہ کہ یہ مذہب واعتقاد ''سوفسطائیہ''[1] کا ہے کہ حقائق موجودہ محسوسہ کو موہوم اور خیالی کہا جائے۔ پھر مذہبِ سوفسطائیہ اور اس گروہ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟

(۲)——دوسرے یہ کہ اس سے واجب تعالیٰ کے وجوب پر وجود ممکنات سے دلیل دی گئی ہے۔ لہٰذا کتب عقائد میں پہلا مسئلہ:

''اشیاء کی حقیقتیں ثابت ہیں۔''

لکھتے ہیں—— پس اگر عالم ممکنات موجود نہ ہوتا، تو (اس سے) صانع تعالیٰ پر دلیل وثبوت فوت ہو جاتے۔

(۳)——تیسرے یہ کہ آیہ کریمہ:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً (اے ہمارے رب! تو نے یہ سب باطل نہیں بنایا)—— اس قول کے منافی ہے—— اس لیے وہ موہوم ہو، وہ باطل اور ناچیز ہے۔

(۴)——چوتھے یہ کہ بالفرض اگر عالم موہوم بھی ہو اور حق تعالیٰ موجود—— تو پھر ''ہمہ اوست'' (سب وہی ہے) کہنا کس طرح درست ہے؟۔ کیونکہ موہوم اور خیالی شے کا میل واتحاد محال ہے۔ ان اشعار اور مثالوں کے معنی پھر کیا ہوئے؟

ان اعتراضات کے جوابات یہ ہیں کہ:

☆——''سوفسطائیہ'' تو عالم کو موہوم اس قسم سے کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت کا منشاء و مقصد بالکل نہیں ہے۔ اس لیے صانع پر استدلال فوت اور بے کار ہو جاتا ہے۔

☆——حضرات صوفیاء ''وحدت حقیقی'' یعنی وجودِ واجب کو منشائے توہم کثرت کہ اس کا مطلب عالم امکان سے ہے، جانتے ہیں—— چنانچہ شعلۂ جوالہ[2] منشائے توہم دائرہ ہوتا ہے۔ پس اگر زید آئینہ خانہ میں جائے، اور اس کا عکس رنگا رنگ کے

---

[1] سوفسطائی: عالم کو خیالی جاننے والے فلاسفی۔ [2] شعلہ جوالہ: گردش کرتا ہوا شعلہ

مختلف آئینوں میں مختلف شکلوں اور رنگوں سے نظر آئے، تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شعلہ اور زید خارج میں موجود ہیں۔ اور دائرہ وعکس ہائے آئینہ ہرگز حقیقت وثبوت نہیں رکھتے۔ اس کے ساتھ وہ دائرہ اور زید کے مختلف عکس، زید کے وجود پر دلیل وثبوت بھی ہیں۔ لہٰذا:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

''اے ہمارے رب! تو نے یہ سب (کارخانہ موجودات) عبث و باطل نہیں بنایا۔''

سچ ہے —— اس لیے کہ اس نے ''عالم امکان'' کو وہم کے مرتبہ میں خود اپنے وجود مقدس پر دلیل وثبوت کے لیے بنایا —— اس کے ساتھ ہی صوفیاء کرام کو، کہ وہ (ظاہری) استدلال سے تعلق بھی نہیں رکھتے، کیونکہ استدلال کا حاصل ''علم حصولی'' ہے، ''علم حضوری'' نہیں ہے —— چنانچہ وہ ہستی جو کہ اپنے وجود پر علم حضوری کا تعلق رکھتی ہے، وہ ہرگز استدلال کے لیے محتاج نہیں ہے۔ جیسا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے بایدت زو رو متاب
پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

''آفتاب خود آفتاب کے آنے کی دلیل ہے، اگر تو اس کا ثبوت چاہتا ہے تو اس سے اپنا منہ نہ چھپا (یعنی آنکھیں کھول کر خود اسے دیکھ لے) —— دلیل کرنے والوں کے قدم لکڑی کے (مصنوعی) ہوتے ہیں۔ اور یہ بہت کمزور اور بے کار ہوتے ہیں۔''

چنانچہ اس جواب سے سب اعتراض مضمحل[1] ہوگئے۔

(۴) —— چوتھا اعتراض اور اس کا جواب کہ ''ہمہ اوست'' (سب وہی ہے) کہنا مجاز (ظاہر) سے خالی نہیں ہے —— اس وجہ سے کہ جب یہ تحقیق ہوگیا کہ آئینہ خانہ

---

[1] مضمحل: کمزور

میں دائرہ و شعلہ اور زید کے مختلف عکس وغیرہ ہرگز حقیقی نہیں ہیں۔ بلکہ سب کچھ شعلہ اور زید ہی ہے —— لہٰذا اگر اسے مجازی طور پر ''عین زید'' کہا جائے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ زید اور شعلہ تو (حقیقت میں) موجود ہیں۔ مگر یہ مختلف عکس اور رنگ وغیرہ سب موہوم ہیں —— لیکن غیر کہنے میں ان کے وجود کا ثبوت مستقل طور سے یقین کرنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اسی سے انکار دکھاتے ہیں۔ اور اس کے غائب ہونے کے قائل ہیں۔ ورنہ اس کا مقصد ''عینیت''[1] نہیں ہے، کہ اس پر کفر لازم آئے گا۔ نعوذ باللہ منھا۔ (پناہ بخدا!) —— چنانچہ مولانا جامی علیہ الرحمہ کے مندرجہ بالا شعر کے معنی معلوم ہو گئے۔ اور مولانا جامی علیہ الرحمہ کا جو مطلب و مراد ہے، وہ معترض نے سمجھ لیا ہے —— مولانا موصوف خود فرماتے ہیں:

نے عرض ذات او نے جوہر ۔۔۔ ہرچہ بندی خیال ازاں برتر

''اس کی ذات پاک نہ تو عرض[2] ہے اور نہ جوہر ہے۔[3] تو اس بے مثال کے متعلق جو بھی خیال کرے وہ اس سے بالاتر ہے۔''

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ کے شعر کے معنی یہ ہیں کہ وجود حقیقی (کہ وہ عین ذات حق ہے —— یا اس کی صفت ہے) جب وہ بے رنگی سے اسیر رنگ ہوئی، یعنی وہم میں کثرت سے تعلق کیا تو پھر موسیٰ کی موسیٰ سے جنگ و اختلاف ہوا —— مطلب یہ ہے کہ ایک ہی نوع و جنس سے متعدد و بکثرت افراد ظاہر ہوئے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک جنس سے ہیں، اور ہر ایک کا منشاء و مقصد ''ہدایت'' ہی ہے۔ مگر وہ اس کے احکام اور احوال (مناسبت اور وقت کے لحاظ سے) مختلف رکھتے ہیں۔ اور جنگ ہونے کا مطلب بھی یہی اختلاف و کثرت ہے۔

چوں بہ بیرنگی رسی کاں داشتی ۔۔۔ موسیٰ و فرعون دارند آشتی

''جب تو مقام بے رنگی کا مشاہدہ کرے گا تو ملاحظہ کرے گا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون نے آپس میں صلح کر لی ہے۔''

---

[1] عینیت: اصلی و حقیقی ہونا [2] عرض: حادث و فانی [3] جوہر: غیر فانی

یعنی جب صوفی مراقبہ کے وقت ''وجود حقیقی'' کے مشاہدے میں مستغرق ہوتا ہے تو اس وقت موسیٰ وفرعون دونوں اس کی نظر سے ساقط ہو جاتے ہیں۔اس کی نظر میں پھر یہ کثرت وتعداد اپنی شان نہیں دکھائی دیتی (یعنی کثرت موہوم فنا ہو کر صرف وحدت حقیقی باقی رہتی ہے) ـــــ چنانچہ اس وقت وہ یہ خبر دیتا ہے کہ موسیٰ وفرعون نے توصلح کر لی ہے اور اب کوئی جھگڑا باقی نہیں ہے۔مولانا روم اسی حالت کی یہ خبر دیتے ہیں:

؎ علم حق در علم صوفی گم شود　　　این سخن کے باور مردم شود

''علم حق صوفی کامل کے علم میں گم ہو جائے، یہ بات کس طرح (عام) لوگوں کے یقین میں آئے گی۔''

یعنی کہ جس وقت صوفی صافی متوجہ ذات بحت (مطلق) ہوتا ہے۔اس وقت اس کے مدنظر صفاتِ الٰہی (بھی) نہیں ہوتیں۔(اس لیے اس وقت کے لحاظ سے) یہ درست ہوا کہ علم حق جو کہ صفاتِ الٰہی میں سے ایک صفت ہے۔وہ ایسی حقیقی صفت ہے کہ اس کا ذات سے دور کرنا محال ہے۔وہ بھی اس وقت صوفی کے مشاہدہ وعلم میں رونما نہیں ہوتیں لہٰذا وہ صوفی کے علم میں تو گم ہوئیں مگر حقیقت میں نہیں۔

سوال یہ ہے کہ:

اس تقریر سے دعوائے صوفیاء کرام کی صحت کا امکان تو ظاہر ہو گیا۔لیکن اس دعوے پر دلیل کیا ہے؟

جواب:

اس جماعت نے اگرچہ اپنے دعوے پر کتنے ہی ثبوت اور دلیلیں دی ہیں۔اور وہ اکثر کتب ورسائل میں درج ہیں۔مگر حقیقت میں ان کی دلیل کشف ومشاہدہ ہی ہے، کوئی اور نہیں ہے ـــــ ''صوفیاء شہودیہ'' کہتے ہیں کہ یہ جماعت جو ''ہمہ اوست'' کہتی ہے، غلطی میں پڑی ہے۔ان کی غلطی کی وجہ دو چیزیں ہیں:

(۱) ـــــ اول سکر عشق (عشق میں مدہوشی) ـــــ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ سوائے

اپنے محبوب کے، محبت کی نظر میں ہر ایک شے مستور و غائب ہو جائے۔ وہ جس طرف نظر کرے، سوائے "روئے معشوق" جو کہ اس کی نظر میں سمایا ہوا ہے، اور کچھ نظر نہ آئے۔ (یعنی ہر جگہ اور ہر شے میں وہی نظر آئے)۔ یہ بات عشق مجازی (کی شدت) میں بھی رونما ہوتی ہے۔ (جیسے کہ مجنوں کو آخر میں ہر شے لیلیٰ ہی لیلیٰ نظر آتی تھی۔)

(۲) ——دوسری وجہ یہ ہے کہ وجودِ ممکن (تمام عالم مخلوق) وجودِ واجب کے مقابلے میں بمنزلہ (مثل) لَا شَیْءٍ (کچھ شے نہیں) ہے—— اس لیے عقلا دیگر وجود کو بالکل شک والا کہتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں:

لِلْمُمْکِنِ فِیْ نَفْسِہٖ لَیْسَ وَلَہٗ مِنْ عَلَیْہِ اَلَیْسَ

"وہ اپنی ذات و نفس میں ممکن کے ساتھ نہیں ہے، اور وہ اس کی علتہ کیا نہیں ہے۔"

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَصْدَقُ الْقَوْلِ قَوْلُ اللَّبِیْدِ

"لبید (عرب کا مشہور قدیم شاعر) کا یہ سب سے سچا قول ہے کہ:

اِلَّا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ"

"اللہ تعالیٰ کے سوا کل اشیاء فانی و معدوم ہیں۔"

یعنی وہ ذاتی طو سے عدم اور فانی ہیں۔ ان سب کا وجود حق تعالیٰ جل شانہ، سے مستعار[1] ہے۔ چنانچہ جس وقت کہ ربِ العزت کے اس حکم کے موافق:

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا

"امانت (رکھنے) والوں کی امانتیں (جب مانگیں) ان کے حوالے کر دو۔"

انسان تصور کر لے، اور یقین جانے کہ وجود ممکنات ان کا ذاتی نہیں ہے بلکہ مستعار ہے۔—— غلبۂ جذب و شوق کے وقت بلاشبہ ممکن کا یہ تصور وجود سے خالی

---

[1] مستعار: مانگی ہوئی چیز، عارضی

معلوم ہوگا۔ پھر اہل مشاہدہ یہی کہے گا:

لاَ مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ "اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔"

چنانچہ زید جو کہ (پہلے) برہنہ تھا اس نے عارضی و مستعار لباس پہنا ہے۔ اگر اس لباس کی غیر سے نسبت کریں، اور اس مشاہدے میں استقامت و پائیداری دکھائیں، تو وہ خود کو بے شک برہنہ ہی جانے گا —— اس لیے جس شخص نے اپنی نظر آفتاب کی روشنی پر جمار کھی ہو، بلاشبہ اس کی نظر میں چراغ کی روشنی تاریک ہی معلوم ہوگی۔ اور یہ "دید" درستی سے قریب اور کتاب و سنت اور اجماع امت کے موافق ہے۔

سوال یہ ہے کہ:

فریق ثانی یعنی وہ صوفیاء جو کہ وحدت شہود کے قائل ہیں، یہ کہتے ہیں کہ "خارجِ حقیقی" میں سوائے "واحدِ حقیقی" کے کوئی موجود نہیں ہے —— ممکناتِ ظلیّ (سایہ) میں اپنے وجودِ ظلی سے موجود ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب:

یہ جماعت جو کہ عالم کو ظل و عکس سے تعبیر کرتی ہے، وہ مجازی طور سے کرتی ہے —— جو کچھ ان کو سیر و سلوک میں مشاہدہ ہوا ہے، وہ حالتِ سکر میں اس کی حکایت بیان کرتے ہیں —— جب وہ منتہائے کار (انتہا) پر پہنچتے ہیں تو وہ اس سے خوف و انکار ظاہر کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:

"حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خالق کا کس طرح سایہ ہوگا۔"

اور وہ نسبت جو "وجود واجبی" (حق تعالیٰ) اور "وجود ممکن" کے درمیان تحقیق شدہ ہے، اس کے موضوع کے بیان کرنے کے لیے کوئی مناسب لفظ ہی نہیں ہے۔ مجبوراً اظہار کے لیے "قوت، ضعف، تعلق، اولیت اور اس کی ضد" وغیرہ کے الفاظ اس کو اصل و ظل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ:

"تیری 'دیدوشہود' میں جو کچھ بھی گزرے،، وہ غیر حق ہے۔"

اس کو لانسے نفی (نہ ہونے کی حیثیت سے) کے تحت سمجھنا چاہئے۔ مقصود یہ کہ اس سے بھی بالا و اعلیٰ تلاش کرنا چاہئے۔

ع عکس در آئینہ ھا نماید مرد

"مرد کا عکس مختلف آئینوں میں ظاہر کرتا ہے۔"

ے دور بنیان بارگاہ الست غیر ازیں پے نبردہ اندکہ ہست

"بارگاہ الست[1] کے دونظر لوگ بھی سوائے اس کے، معلوم نہیں کر سکتے کہ۔ "وہ ہے"۔ (یعنی اس ذات اقدس کی حقیقت کوئی کیا سمجھے گا۔)——

جبکہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود یہ فرمایا ہے:

مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ

"میں تیری معرفت کو جیسا کہ اس کا حق ہے، نہیں سمجھا۔"

تو پھر کوئی اور کیا سمجھے اور کیا جانے گا——"بس وہ ہے، اور کیا ہے" یہ نہ پوچھو کہ نا قابل بیان ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی "پاک و عظمت والا ہے وہ میرا رب اعلیٰ"

مَا لِلتُّرَابِ وَ رَبُّ الْاَرْبَابِ

"نہیں ہے خاک و مٹی سے، وہ رب سب ربوں کا رب ہے" جل شانہ،

مکتوب شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ بنام شاہ ابوسعید علیہ الرحمہ:

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ حضرت شاہ ابوسعید علیہ الرحمہ کے خطوط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ تحریر کیا تھا کہ پہلے یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ ذات مبداء اول آگ کی مانند اثر رکھتی ہے۔ جیسے کہ آگ کا اثر ضو[2] ہے——فرق یہ ہے کہ ذات مبداء صفات کاملہ غیر متناہی (بے انتہا) رکھتی ہے۔ لہٰذا وہ بے انتہا مراتب کے ظہور کا سبب ہوتی ہے——

[1] بارگاہ الست: دربار الٰہی [2] ضو: روشنی، چمک

آگ صرف ایک ہی اثر رکھتی ہے جو اس کی روشنی وحرارت ہے۔

اے سرداری سے متصف (سید صاحب!) اس شہود کا حاصل مظاہر امکانیہ میں استعداد و قدرتِ وجوبیہ[1] کا ظہور ہے۔ ان استعدادوں کے عدم انتہا[2] کی اطلاع وخبر پر تمام گروہ صوفیاء:

☆ ——خواہ وہ ''وحدت وجود'' کے قائل ہوں،

☆ ——اور خواہ وہ ''وحدت شہود'' کے،

سب متفق ہیں—— پھر انہوں نے لکھا کہ:

''یہ مشاہدہ ہوا ہے کہ وجود واحد (ایک) ہے، اور قالب (جسم وبدن) مختلف ہیں۔ اور ان قالبوں کے مختلف ہونے کے سبب سے ممکنات میں فرق وامتیاز پیدا ہوا ہے۔''

ضو، مصباح اور زجاجہ (روشنی، چراغ اور شیشے کی قندیل یا قمقمہ) ایک صورت ہے۔ مگر چونکہ اس جگہ قالب (جسم) مختلف ہیں۔ اگر آئینے سرخ وسبز اور زرد وغیرہ ہوں گے تو اس میں مختلف رنگ ظاہر ہوں گے—— لہٰذا اے سیادت مآب (سردار)! یہ معرفت (مشاہدہ، پہچان، سمجھ) وحدتِ وجود کی دلیل ہوتی ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ:

''یہ خبر مشاہدہ ہوتی ہے کہ وہ ذات اقدس نور دقیق[3] ہے۔''

ان صفات میں جو زید وگھوڑا وغیرہ میں (راکب ومرکب میں) مشہود وظاہر ہوتی ہیں۔ ان کے اندر بہ نظر دقیق ہے۔ ذات بھی مشہود ہوتی ہے—— اور سید صاحب! یہ بھی ''وحدت وجود'' کے شعبوں میں سے ہے کہ ''وجود کی حقیقت'' مختلف رنگوں میں کہ وہ ''ذات وجود کی قابلیتوں کا عکس وسایہ ہے'' تمام میں مشہود وظاہر ہے۔

اے سیادت مآب!—— جو کچھ ان کے لوحِ ضمیر پر مشاہدہ ہوا، وہ سب صوفیاء محققین کے مکاشفات (مراقبہ وغیرہ میں ظاہر ہونا) کے موافق ہے۔ اس میں کوئی غلطی

---

[1] وجوبیہ: واجب تعالیٰ کی [2] عدم انتہا: انتہا نہ ہونا [3] دقیق: گہری، مشکل، ناقابل سمجھ

واقع نہیں ہوئی ہے ——— یہ سب ''سیر لطیفۂ خفیہ'' ہے۔ یہ خلوت میں کہا جاچکا ہے کہ لطیفۂ خفیہ کی سیر میں اسی قسم کے مکاشفات پیش آتے ہیں ——— یاد رکھیں! ——— نیز حضرت واجب الوجود (حق تعالیٰ جل شانہ) کا شکرانہ نعمت کرنا چاہئے، اور زیادہ امید رکھنی چاہئے ——— ان لطائف کی سیر حقیقت میں یہ نہیں ہے جو بعض دوست گمان کرتے ہیں کہ ایک ہی مرحلہ میں تمام ہو جائے ——— یہ تو بڑا طول وعرض (لمبی منزل) رکھتی ہے۔ لہٰذا سب طرح خاطر جمع رکھ کر اس ''سیر وسلوک'' میں سعی وکوشش کر کے دکھائیں ——— یہ سیر صوفیاء اور شریعت حقہ کے مطابق ہے۔ جو کچھ لکھا ہے وہ ''لطیفۂ خفیہ'' کا نشان ہے جو کہ مجمل طور سے اشیاء کو ''مبداء'' میں دیکھتے ہیں ——— ''مبداء'' کو تفصیل کے ساتھ اشیاء میں (دیکھنا) وہی کیفیت ہے جو کہ موحدین[1] خلق میں حق کو دیکھنے سے، اور حق میں خلق کو دیکھنے سے تعبیر کرتے ہیں ——— مبارک ہو! ۔ خدا تعالیٰ جل شانہ، انوار وفتوح زیادہ فرمائے وہ جو کچھ لکھا، وہ قاعدہ پر ہے۔ اس میں کسی تردد (اندیشہ) کو جگہ نہ دیں۔ ——— اور یہ لکھا تھا کہ:

''تمام کا رجوع ''مبداء مشہود'' کی طرف ہوتا ہے۔ (تمام اشیاء اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہیں) ——— لہٰذا اہل نار (دوزخی) نار و دوزخ میں جائیں، اور اہل بہشت کی ضو بہشت میں۔ کی مطابقت کا مکاشفہ کس صورت سے ہوگا؟''

صاحب من! یہ تمام رجوع جو کہ عارف کو مشاہدہ ہوتی ہیں، یہ آئندہ زمانے کے متعلق نہیں ہیں، بلکہ اپنی ذات واصل کے اعتبار سے یہ بالفعل ہے۔ چنانچہ:

☆ ——— حکیم کہتا ہے کہ ممکن کی ماہیت اس کی ذات کے ساتھ (ذات کے اعتبار سے) یہ ہے کہ ——— ''نہیں ہے۔''

☆ ——— موجد کے اعتبار سے یہ ہے کہ ——— ''ہے''!

☆ ——— عارف یہ کہتا ہے کہ ممکن کی ماہیت تحقیق کے اعتبار سے مبداء[2] کے ساتھ دو قسم کا ربط رکھتی ہے:

---

[1] موحدین: ایک ماننے والے [2] مبداء: نکتہ آغاز جس سے شروع ہو

اول یہ کہ : وہ مبداء سے ظاہر ہوئی۔

دوسرے : مبداء کے ساتھ واپسی۔

لہٰذا اس کی مبداء کے ساتھ بالفعل دو قسم کی حیثیت ثابت ہے۔ جس طرح کہ دس کو ایک کے ساتھ دو ربط ہیں:

☆—— ایک یہ کہ : میں نے ''ایک'' کو چند بار گردش دی تو دس ہوئے،

☆—— دوسری یہ کہ: جب دس تمام ہوا تو ایک ہوا۔

دسوں حال سے یہی (اسی قدر) سمجھنا چاہئے —— دوسری حالت میں مبداء و مرجع دوسری وجہ سے منسوخ ہوگی۔

مزید یہ کہ:

یہ جو (اس راہ پر) جاتے ہیں، تمام صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے۔ جس پر بڑے بڑے اہل عرفان چلے ہیں۔ اس راہ سلوک میں کسی قسم کی فکر اور تشویش نے ان کی طبیعت کو پریشان نہ کیا —— پہلی حالت میں صفات مبداء میں سے ایک صفت اور لوازمات ذات میں سے ایک لازم۔ جس طرح سے کہ ضوا اور آفتاب کی نسبت ہے، جو کہ مختلف رنگوں میں ظاہر ہوئی —— دوسرے ذات مبداء کو بغیر ملاحظہ صفات دیکھا کہ اس نے مختلف مظاہر میں ظہور دکھایا ہے ——

فقیر ان دونوں حالتوں کو ''لطیفۂ خفیہ'' سے منسوب کرتا ہے۔ لیکن دوسری حالت پہلی حالت سے بلند تر ہے —— اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ان کے درمیان ایک نور مبداء کی جانب میل و رجوع کرتا ہے۔ اس جگہ پانی میں بلبلے کی طرح متلاشی ہوتا ہے۔ اس فقیر کے سامنے یہ حالت بہت سے تکلیفیں اور ٹھوکریں کھانے کے بعد ایک نمائش ہے۔ خیر خدا تعالیٰ جل شانہ، نے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ ایک نعمت عظیمہ ہے۔ اس پر جان و دل سے شکر کرنا چاہئے اور اس کے فضل سے مزید توقع رکھنی چاہئے۔

مزید یہ کہ:

تحریر فرمایا تھا کہ:

''ذات مقدس جل شانہ، تمام قیود سے خالی ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری:

كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًّا ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔''

کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اس کے بعد انوار صفات (کہ وہ مبدائے افعال) ہیں، نظر میں آتے ہیں ـــــ چنانچہ ''فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ'' ـــــ ''میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں'' ـــــ اسی کی رمز ہے ـــــ اس کے بعد ان صفات کی تاثیرات خارج وظاہر میں ان صفات کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں ـــــ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ ''پس مخلوق کو میں نے پیدا کیا۔'' اسی کی تلمیح واشارہ ہے۔ یہ سب معارف حقہ ہیں۔ ان کی واقفیت پر اس تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

مکتوب عبدالرزاق احمد قادری جھانوی بنام شیخ حسین شاہ پانی پتی:

اے بھائی! جان لے اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنی معرفت ومحبت عطا فرمائے۔ تحقیق معرفت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ـــــ ایک استدلالی (دلیل وثبوت سے)

(۲) ـــــ دوسری وجدانی (باطنی القاء سے)

یہ استدلالی معرفت اللہ تعالیٰ کی عنایت ومہربانی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا یقین (صنع الٰہی):

☆ ـــــ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے (اس پر غور کرنے سے)

☆ ـــــ اور تمام صناعیوں سے جو نشانیاں ظاہر ہیں،

ان سے اس صانع حکیم، صاحب ارادہ (کی خالقیت) پر استدلال کرتے ہیں ـــــ کیونکہ جب وہ کسی شے کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ اس نشانی سے وہ اللہ تعالیٰ کو بہ دلالت پہچانتے ہیں۔ یہ بھی اس کی معرفت ہے ـــــ یہ ضروری

ہے کہ مومن اس جہل (کی باتوں) کو نہ سنے اور اس کے ساتھ اپنے ایمان کی گرہ نہ باندھے۔ کیونکہ یہ معرفت اس وجہ سے عام ہے کہ کسی شے کی وجہ سے اس کی حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

؎ چو آیات است روشن گشتہ از ذات نہ گردد ذات او روشن ز آیات

''جبکہ اس کی نشانیاں ذات سے روشن ہوئی ہیں تو اس کی ذات ان نشانیوں سے اجاگر نہیں ہوتی۔ (یعنی اس کی ذات کسی نشانی کی محتاج نہیں)''۔

اہل دلیل وراء العالم کو (دلیل سے) جانتے ہیں ـــــ جو مومن ہیں وہ (علم غیب سے) اس کو بھی جانتے ہیں جو اہل دلیل سے پوشیدہ ہے۔

؎ زہے ناداں کہ او خورشید تابان بنور شمع جوید در بیابان

''کیسے نادان ہیں کہ وہ خورشید تاباں کو شمع کی روشنی سے بیابان میں ڈھونڈتے ہیں۔''

اور ''وحدانیت'' سے جو معرفت حاصل ہو وہ حقیقی ہے، وہ عارف کی ذات سے نکلتی ہے اپنے وجود کو ملبوس کرنے سے ریاضت و مجاہدات کی ملازمت کے ساتھ، اور دائمی ذکر قلبی و لسانی سے شیخ کامل کی عصمت و ہمت کی مضبوط رسی (کو پکڑنے) سے۔ جو مسلک فنا کا سالک ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و مدد اور اپنے اسماء (کی برکت) سے اس کو لباس پہناتا ہے۔ جیسا کہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

''میں نے اپنے رب کو رب سے پہچانا''

یعنی اس کی حقیقی معرفت کے لیے کسی شے کی حاجت نہیں ہے۔ اس کی ذاتِ پاک خود ہی سب سے بڑی دلیل و شاہد ہے۔

؎ رویت حق بحق شہود بود خاصۂ حضرت وجود بود

''رویتِ (دیدار) حق، حق سے مشاہدہ ہوتی ہے۔ وہ حضرت جل شانہ، کے وجود مقدس کے لیے خاص ہے۔''

اس معرفت کی خاصیت اور حاصل یہ ہے کہ تمام موجودات ممکن نورِ حق تعالیٰ یعنی

اس کی تجلی مبارک سے پیدا اور روشن ہوئے ہیں۔ اشیاء سے وجود کی نسبت نور حق تعالیٰ کی تجلی کے ذریعے اشیاء کی صورت میں ہے—— درحقیقت حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ تمام اشیاء صرف اس کے وجود مسعود (کی وجہ) سے موجود ہوئی ہیں —— یہ بات نہیں کہ حق تعالیٰ عالم سے باہر ہے، اور عالم حق تعالیٰ سے باہر ہے —— اللہ کریم اس سے اعلیٰ و برتر ہے۔ ان تمام ذلیل اور خلل ڈالنے والی (یعنی نقصان دینے والی اور گھٹیا باتوں سے) اللہ تعالیٰ کی پناہ (چاہتے ہیں)۔ قرآن کریم کی تفسیر سے اس کی نجات و برات ہے۔ یہ سب اس کے فضل اور اس کی عطا و کرم سے پیدا ہوئی ہے—— ارشاد باری ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

''اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ۔''

یعنی اے اس پر ایمان لانے والو! یعنی وہ مومن لوگ جو اس کے غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ان استدلال کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ اپنے خطاب سے خطاب کرتا ہے، اور ان کو اپنے فرمان سے حکم دیتا ہے کہ:

''اللہ پر ایمان لاؤ یعنی شہادت و گواہی کے ساتھ۔''

جیسے کہ اس کے فرمان میں یہ اشارہ ہے ''اس ایمان کے ساتھ اس کے قول سے۔ اس لیے کہ وہ مشاہدے میں اپنے رب کی لقاء پاتے ہیں—— بے شک وہ ہر شے پر محیط ہے۔ لہٰذا محقق ہونا چاہئے جو کہ مشاہدہ حق سے مشرف ہو۔ ہر متعین میں بے تعین کو اس وجہ سے دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم صفت سے ہر ایک مقید میں مشہود ہے۔ لیکن فی الواقع وہ اس میں مقید نہیں بلکہ وہ سب سے مطلق ہے۔

ے ہمہ عالم جمال حضرت اوست　　او جمیل و جمال دارد دوست

''تمام عالم سے حضرت تعالیٰ کا حسن و جمال ظاہر ہے۔ یعنی تمام عالم اس کا حسن ہے۔ وہ حسین وخوبصورت ہے اور وہ دوست جمال رکھتا ہے۔''

اے میرے برادر! اللہ تعالیٰ تیری بقا کو طول دے یعنی عمر بڑھائے۔ معرفت و

محبت سے جان لے کہ حق تعالیٰ سبحانہ، واجب الوجود ہے —— پس اس کا وجود واجب ہوا تو اس کے ماسوا (ہر شے کا) عدم واجب ہو گیا —— چنانچہ جو لوگ اس کے سوا (غیر) کا گمان کرتے ہیں، تو اس کے سوا کوئی نہیں ہے —— وہ اپنے غیر اور سوا کے ہونے سے منزہ (پاک) ہے۔ لیکن اس کا غیر کوئی نہیں ہے۔ جیسے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ مبارک اس طرف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم زمانے کو برا مت کہو —— تحقیق وہ اللہ زمانہ ہے۔''

اشارہ یہ ہے کہ زمانے کا وجود اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہے۔ باوجود اس کے وہ اللہ تعالیٰ زمانے سے اعلیٰ اور تمام عالم سے برتر ہے —— اس کی ذاتِ پاک اس سے بلند اور وراء الوراء ہے —— شاید آپ کی خاطر شریف میں واضح طور سے نہ آیا ہو تو میں اس سے روشن اور واضح تر عرض کرتا ہوں یعنی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

''اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ۔''

یعنی اے وہ لوگو! جو کہ اس پر بذاتِ خود ایمان لائے ہو۔ یعنی انہوں نے اپنی ہستی سے نسبت کی ہے، اور وہ یہ سمجھے ہیں کہ حقیقت میں ہم مطلق سے باہر موجود ہیں۔ انہیں کو بارگاہ وھاب جل شانہ، سے خطاب ہوتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔''

یعنی اہل یقین، مومنو! اپنے نفس (ذات) کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ —— تمہارا وجود اللہ تعالیٰ کا وجود ہے اور یہ معنی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی کے ہیں کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

اس وجہ سے کہ اوّل بھی وہی ہے، آخر بھی وہی ہے، ظاہر بھی وہی ہے، باطن بھی

وہی ہے—— جب یہ ثابت ہوا کہ وہی اوّل وآخر اور ظاہر و باطن ہے۔ تو تحقیق معلوم یہ ہوا کہ تو نہیں ہے کچھ، ولیکن تو وہی ہے—— اس طرح تو ذات ونفس کو سمجھا تو پھر تو اللہ تعالیٰ کو سمجھ گیا—— وہ تعالیٰ جزوی نہیں، حقیقی ہے۔ وہ تجھ سے اعلیٰ اور تمام موجودات سے اعلیٰ و برتر ہے۔ وہ ذاتِ پاک سبحانہ، اس سے پاک اور سب سے اعلیٰ اور بڑی ہے——

شاید اب بھی نہ واضح ہوا ہو تو اس سے بھی روشن تر میں عرض کرتا ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

''اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ۔''

اے مومن لوگو! تم اشیاء کے ساتھ ایمان لاؤ۔ اور یہ یقین کرو کہ وہ اشیائے موجودات حقیقتِ مطلقہ سے وراء اپنی حد میں مستقل ہیں۔ اپنی رحمت رحیم سے یہ خطاب کریم بھیجا کہ:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ لَا بِالْاَشْیَآءِ

''اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، نہیں بلکہ ساتھ اشیاء کے۔''

کیونکہ معلومات اعیان ہمیشہ کے لیے معدومات ہیں۔ موجودات اس کے وجود سے سرمدی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس ارشاد عالی کا یہی مطلب ہے:

اَرِنَا الْاَشْیَآءِ کَمَا هِیَ

''اے میرے رب! مجھ کو حقیقت اشیاء جیسی کہ وہ ہیں، دکھا!''

؎ درنظر عین غیر آب نماند　　محو شد قطرہ و حباب نماند

''حقیقت کی نظر میں وہ پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب وہ قطرہ محو ہو جاتا ہے (یعنی پانی میں مل کر پانی ہو جاتا ہے) تو پھر بلبلے کا وجود باقی نہیں رہتا۔''

اس رُو سے حقائق جو کرتے ہیں، معدوم ہیں۔ اور ممکنات کی حقیقتوں کے آثار

ہیں۔ جو کہ وجود میں ظاہر ہیں ـــــ اعیان (یعنی حقائق) میں اصل و حقیقی وجود حق تعالیٰ ہی کا ہے ـــــ وجود کی اقسام اعیان کے ساتھ نسبت اعتبار یہ[1] رکھتی ہیں ـــــ افعال و تاثیرات وجود کے تابع ہیں اور اعیان معدوم (فانی) ہیں ـــــ معدوم نہ تو اثر پیدا کر سکتے ہیں اور نہ وہ فاعل (حقیقی) ہیں۔ بلکہ (اصل و حقیقی) وجود تو صرف حق تعالیٰ کا ہے۔ تفرد (ایک ہونا) باعتبار تعین ہے جبکہ بندے کی صورت میں (بصورتِ عبد) تقید ہے یعنی حدود و قیود ہیں ـــــ یہ شیونِ ذاتیہ[2] میں سے ایک شان ہے۔ اور وہ حق تعالیٰ جل شانہ، اطلاق[3] کے اعتبار سے معبود ہے۔ حقیقت عبد باقی ہے نہ وہ تعالیٰ جل شانہ، حقیقت عبد سے آگے معبود ہے ـــــ وجہ یہ ہے کہ حقیقتِ عبد اس تعالیٰ شانہ، کی ذاتِ مطلق ہے ـــــ اس ذاتِ پاک نے تعداد و کثرت کی حیثیت سے کہ اس کے لباس (مظہر) کے واسطے سے وہ تعینات کے ساتھ خلق و عالم کو ظاہر کرتا ہے ـــــ چنانچہ ظہور سے پہلے عین حق تھا، اور ظہورِ عالم کے بعد حق عین عالم ہے۔

؎ بر شکل بتاں رہزنِ عشاقِ حق است   لا بلکہ عیاں در ہمہ آفاق حق است
چیزے کہ بود روئے تقلید جہاں   واللہ کہ ہماں زوجہء اطلاق حق است

''حسینوں کی شکل پر عاشقوں کی رہزنی کرنے والا حق ہے، نہیں بلکہ تمام عالم میں عیاں (ظاہر) وہ حق ہے ـــــ جو چیز بھی جہان کی تقلید کی رُو سے، اللہ کی قسم! تمام وجوہ سے جو اطلاق ہو (صحیح ہو) وہی حق ہے (یعنی ہر شے میں اس کی شان ظاہر ہے۔)

چنانچہ حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ اور سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ـــــ بے شک ''واحدانیت'' اور ''فردانیت'' کوئی غیر نہیں بلکہ اس کا حجاب ہے ـــــ اسی لیے واصل کے منہ سے یہ نکلا:

(۱) ـــــ اَنَا الْحَقُّ ـــــ ''میں حق ہوں''

(۲) ـــــ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ

---

[1] نسبتِ اعتباریہ: اعتباری تعلق [2] شیونِ ذاتیہ: ذات کی شانیں [3] اطلاق: صحیح ہونا [4] عین: اصل حقیقت۔

"میں پاک واعلیٰ ہوں، میری شان کتنی بڑی ہے۔"

اور واصل اس کی ذات سے، اس کی صفات سے واصل نہیں ہوا۔ کیونکہ:

☆——وہ نہیں ہے کوئی ذات، مگر اس کی ذات، اور

☆——نہ کوئی وجود ہے، مگر اس کا وجود ہے۔

جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ظاہر ہے کہ زمانے کو برانہ کہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ زمانہ ہے۔

شاید کہ اب بھی واضح نہیں ہوا۔ تو میں اس سے بھی روشن تر بیان کرتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد باری ہوا:

"اے میرے بندے! میں مریض ہوا—— پھر میں تیرے پاس آیا اور تجھ سے سوال کیا۔ پھر تو نے مجھ کو نہ دیا۔"

اس سے اشارہ ہے کہ بے شک اس مریض کا وجود اور اس کا وجود اور سائل کا وجود اس کا وجود تھا—— اس سے جب یہ ثابت ہوا کہ بے شک سائل کا وجود اس کا وجود ہوا تو معلوم یہ ہوا کہ بے شک اس کا وجود اور تمام مکوناتِ جواہری وعرضی کا وجود اسی کا وجود مسعود ہے۔ اور:

"میرا راز تمام ذرات کے ذرّے ذرّے میں ظاہر ہے۔"

چنانچہ تمام موجودات ظاہر و باطنی کا راز (اس سے) ظاہر ہوا۔

میں جانتا ہوں (شاید اب بھی واضح نہ بیان ہوا ہو۔ تو اس سے بھی روشن تر عرض کرتا ہوں—— "وجدان" باطنی کیفیت) کو کتاب میں لاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم (قرآن مجید) میں فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ "سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔"

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ الف اور لام اس میں استغراق کے ساتھ ہے ان معنوں میں کہ:

"تمام ترمحامد (تعریف وتوصیف) اللہ ہی کے لیے ہے۔"

یعنی صفحہ کائنات پر جو کچھ تعریف وتوصیف اور حمد وثناء کی قسم سے ہے، وہ تمام تر اس ذات واحد جل شانہ، کی ہی حمد وثناء ہے—— اس اشارہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ "سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔"

ثابت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی ذات موجود ہی نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا امکان ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی اور ذات (حقیقی طور سے) موجود ہو—— الغرض اگر کوئی اور ذاتِ حق تعالیٰ کی ذات کے سوا موجود ہو تو وہ صفت سے خالی نہ ہوگی۔ اس وجہ سے کہ ہر ذات جو ذاتِ مطلق کے سوا موجود ہوگی، وہ قبل و بعد اور حرکت وسکون وغیرہ سے خالی نہیں ہوگی——

چنانچہ اس ذات کی بھی تمام صفات اسی (حق تعالیٰ ذاتِ واجب مطلق) ہی کی ہوں گی۔

——ثابت یہ ہوا کہ (غیر کی ذات کے ساتھ) کل صفات ثابت نہیں، بلکہ وہ سب حق تعالیٰ جل شانہ، کی ذات باصفات کے لیے (صرف) ہیں۔

نیز اس سے بھی واضح تر عرض کردوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

"اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ۔"

یعنی اے وہ لوگو! جو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو۔ لہٰذا وہ خالق موجود ہے، جو تجھ سے اعلیٰ ہے اور تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ ہر نقص وزوال سے منزہ (پاک و صاف) ہے۔ ملکِ رحیم سے ان کو یہ خطابِ کریم پہنچا:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ بِاَنَّ ذٰلِكَ الْخَالِقُ الْمَوْجُوْدُ لَيْسَ وَرَآئِكَ

"اللہ پر ایمان لاؤ کہ بے شک وہ خالق موجود ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

وہ صفات کمال سے موصوف ہے اور تصفیہ[1] وزوال سے منزہ (خالص) ہے۔ بلکہ

[1] تصفیہ: صفائی، پاکی، انصاف

وہ موجود موصوف ہے ——— تم اللہ پر ایمان لاؤ کہ بے شک تو صفات کمال سے موصوف ہے تیرے غیر سے (بھی) ——— جب تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا تو مومن ہو جائے گا، اس لیے کہ اللہ مومن ہے ——— ایک دیوانے یگانے نے کیا خوب فرمایا ہے:

بیروں ز حدود کائنات است دلم   بیروں ز احاطۂ جہان است دلم
فارغ ز تقابل صفات است دلم   مرآۃِ تجلیات ذات است دلم

''میرا دل حدود کائنات سے باہر ہے۔ میرا دل احاطہ جہان سے بھی باہر ہے۔ میرا دل تقابل صفات[1] سے بھی فارغ ہے ——— حقیقت میں میرا دل تو تجلیات ذات الٰہی کا آئینہ ہے۔''

انہوں نے ایک دوسرے رسالہ میں بھی لکھا ہے کہ

''تمام طریقوں سے قریب تر ذکر الٰہی ہے ——— اور اس کے قریب تر مشاہدے میں روئے مرشد کامل کے مشغول ہونا ہے۔''

جس کو حق تعالیٰ یہ توفیق رفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ مشغولی پیر کے ذریعے اور وسیلے سے حاصل ہوئی۔ (یہ مشغولی ایسی افضل ہے کہ) اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہے۔ بس وہ ایک گوشے میں پڑا ہوا اسی ملاحظے میں مشغول رہے۔ اگرچہ دوسری ریاضتیں بھی رکھتا ہو۔ مگر یہی مشغولی اس کو خدا سے ملا دے گی ——— مبتدی[2] کو شروع میں ''پیر کامل'' کی صورت مبارک سے مشغولی کے بغیر کوئی چارہ مشغولی نہیں۔ اس وجہ سے کہ علم الٰہی، عالم معنی[3] ہے۔ اس کا دیکھنا کسی صاحبِ کمال کی صورت میں ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انسانِ کامل وہ ذات ہے جس کی ذات ذاتِ حق ہے، اور وہ مظہرِ کمالاتِ حق تعالیٰ جل شانہ ہے۔

مظہر تام غیر انساں نیست   کہ ہمہ کون را مسخر کرد

''انسان کے سوا مظہرِ کامل کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے تمام موجودات

---

[1] تقابل صفات: صفات کا موازنہ، صفات کا اختلاف [2] مبتدی: ابتدا کرنے والا [3] عالم معنی: عالم اسرار الٰہی۔

کو تسخیر کیا"۔

؎ انبیاء اولیاء را حق بداں　　سر مخفی کردہ ام با تو بیاں

"تو انبیاء و اولیاء کو حق جان، میں نے تجھ سے یہ پوشیدہ راز بیان کر دیا ہے۔"

اس فقیر کو خود میرے مرشد گرامی نے اپنی صورت مبارک کا ملاحظہ و مشاہدہ "ذکر چہار پایہ" سے فرمایا تھا۔ میں اس حد تک مشغول ہوا کہ بالکل ذکر سے بھی جاتا رہا۔ صرف ملاحظہ صورتِ اقدس (محویتِ مشاہدہ) باقی رہا۔ سوائے فرض نماز و سنت موکدہ کے لازمی طور سے مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا ——— جو شخص میرے پیر کے ذریعے سے مشغول ہو، اگرچہ اس سے کوئی عبادت و ریاضت نہ ہو مگر پھر بھی اس کا مقصود بر آجائے گا ——— اس لیے کہ ہر صاحبِ دولت و سعادت مند جو کہ ان (پیرِ کامل) کے ساتھ متوجہ ہو گا تو وہ ان کی پیروی میں ان کے موافق ہی چلے گا ——— ان کے مبارک چہرے کا نور درخشاں اس کے آئینہ دل میں چمکے گا ——— ان کے روئے مقدس کی صفائی کی وجہ سے وہ خود کو بھی ان جیسا ہی پائے گا ——— اس وجہ سے لازم ہے کہ ان کا فیض و عطاء اس کو بھی حاصل ہو۔ ذوقِ و حال جو ان کی ذات اقدس سے ظاہر ہوتا ہے، اس (مرید تابع) سے بھی ظاہر ہو ——— رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے محبوب دوست، خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان مبارک میں فرمایا:

"میرے سینے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی شے نہیں ڈالی مگر وہ ابوبکر ابن قحافہ کے سینے میں بھی ڈالی ہے۔"[1]

پیرِ کامل کا واسطہ اس فقیر پر اس قدر غالب آیا تھا کہ جب لوگ آسمان پر چاند دیکھتے تھے، اور یہ بندہ (راقم) بھی دیکھتا تو چاند مجھ کو ہرگز نظر نہیں آتا تھا۔ یہ مشاہدہ صورت مرشد مجھ پر یہاں تک غالب و طاری ہوا کہ رُوئے مبارک کے سوا کوئی اور شے مجھے نظر ہی نہیں آتی تھی۔ خواہ میں کسی درخت یا دیوار یا کسی کی جانب نظر اٹھاتا، صرف

[1] یعنی آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی فیضانِ معرفت ہوا۔

جمالِ حضرت مرشد ہی (مشاہدہ میں) نظر آتا۔

؎ در ہر چہ نظر کردم غیر از تو نمے بینم
غیر از تو کسے باشد حقا کہ محال است ایں

"میں جس چیز پر بھی نظر کرتا ہوں، تیرے سوا میں کچھ نہیں دیکھتا——
تیرے سوا کوئی اور ہو، حقیقت یہ ہے کہ یہ محال ہے یعنی ممکن نہیں۔"

در ہر چہ نظر کنم بہ تحقیق جز نورِ رُخِ تو نیست منظور

"جس چیز میں بھی میں نظر تحقیق سے دیکھتا ہوں تو تیرے چہرے کے نور
کے سوا مجھے اور کچھ نظر نہیں آتا۔"

حاصل مطالعہ:

ان بزرگانِ دین کے خوان یغما یعنی مکتوبات مذکورہ بالا کے مضامین حقائق الٰہیہ کے مختلف انعامات سے اس فقیر کو جو کچھ حصہ ملا ہے، مسافرانِ طریقت و رہروانِ راہ حقیقت و سالکانِ مسلک معرفت کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ تاکہ اہل ذوق اپنے مذاق و میلانِ طبعی کے موافق نعمتوں سے لبریز اس پرلطف خوانِ نعمت سے محظوظ ہوں اور باطمینان تمام و منشائے خود کے موجب دیار یار کا راستہ لیں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

صوفیہ کرام وحدتِ حقیقی کو تو ہم کثرت کا منشا جانتے ہیں۔ اور ان کا فرمان ہے کہ یہ عالم امکان ایک عالیشان طلسم (جادو) ہے جسے صانع مطلق نے اپنی صنعت کاملہ سے اپنی وحدتِ حقیقی پوشیدہ رکھنے کے لیے برپا کر رکھا ہے۔ تاکہ ہر شخص اس گنج مخفی (پوشیدہ خزانے) کا کھوج (پتہ) نہ پاسکے—— حق الیقین کے درجہ پر یہ راز ان پر ظاہر ہوگیا ہے کہ وجود واجب تعالیٰ یعنی وحدتِ حقیقی کثرتِ طلسمی غیر حقیقی میں ساری و طاری ہے۔ جیسے پانی کہ کثیف ہونے کے باوجود محسوس و غیر محسوس مختلف صورتوں میں ساری و طاری ہے—— اگر ایسا نہ ہوتو عالم امکان ورطۂ عدم میں پہنچے۔ چنانچہ اسی طرح اگر وحدتِ حقیقی میں موجود نہ ہوتو کل کثرتِ طلسمی غیر حقیقی معدوم محض ہو جائے، اور اس طلسم مصنوعی کا ڈھانچہ بالکل بکھر جائے—— لیکن چونکہ کثرتِ غیر حقیقی میں وحدتِ حقیقی

بذاتِ خود موجود ہے، لہٰذا کثرتِ غیر حقیقی قائم و نمودار ہے۔

☆ ـــــ کثرتِ غیر حقیقی وہ ہے جو بوسیلہ ظاہر ہو،

☆ ـــــ وحدتِ حقیقی وہ ہے جو بذاتِ خود قائم و برقرار رہے۔

کثرتِ غیر حقیقی قادح وحدتِ حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ وہ معدوم ہے اور یہ موجود ـــــ وحدتِ حقیقی کے بغیر کثرتِ غیر حقیقی کا وجود محال ہے۔ جیسے پانی کے بغیر تمام اشیاء کا وجود۔

مفسرین کرام علیہم الرحمہ نے کَانَ عَرْشُہٗ عَلَى الْمَآءِ کی تفسیر میں اس حدیث پاک کو نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک منور موتی پیدا فرمایا، جسے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہتے ہیں۔ (جس کی گولائی اور بزرگی اس کے علم میں ہے) ـــــ پھر اس پر تجلی جلال فرمائی، وہ موتی ہیبت الٰہی کے مارے پگھل کر پانی ہو گیا، اور جوش کھا کر پکنے لگا ـــــ اس میں سے دخان (بھاپ) اٹھا، اور مختلف ہوائیں پیدا ہوئیں ـــــ اس دخان سے آسمان بنے ـــــ ہواؤں کے جھونکوں سے پانی پر جھاگ نمودار ہوا جس سے زمین وجود میں آئی ـــــ پھر ان چاروں اجزا یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی کے اشتمال سے جملہ اجرامِ فلکی، اجسامِ ارضی محسوسہ و غیر محسوسہ موجود ہو گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

''میں ایک چھپا خزانہ تھا، جب چاہا کہ پہچانا جاؤں، چنانچہ خلقت کو پیدا کیا۔''

اس ارشاد سے واضح ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے، اس میں جو کچھ گلکاریاں ہو رہی ہیں، یہ سب حضرتِ آب (پانی) کا فیضان ہے ـــــ اس سے یہ ثابت ہوا کہ زمین و آسمان وغیرہ کی اصل اور کل اشیاء کی جان پانی ہے ـــــ ارشاد باری ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

''اور کیا ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ۔''

اس بارے میں حدیث شریف بھی ناطق ہے:

كُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ مِنَ الْمَآءِ

پانی کی اصل وحدتِ حقیقی یعنی وجود واجب تعالیٰ ہے۔ چنانچہ سب اشیاء کے وجود میں وحدتِ حقیقی ضرور موجود ہے، جیسے ہر شے میں پانی کی حقیقت —— یہ وہی پانی ہے جو بخارات بن کر اڑتا ہے اور ہوا کے ذریعے سے جابجا ابھی تک اپنی اصلی بہار کے صور و اشکال و الوان مختلفہ میں رنگ برنگ کرشمے دکھارہا ہے، اور دکھاتا رہے گا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللهُ!

اب ذرا اعداد پر غور فرمائیں کہ الف یعنی ایک نے نقطۂ احدیت ذاتِ لاتعین سے ظہور پکڑا ہے۔ (جس کا مفصل بیان ہندسہ الٰہیہ میں کیا جائے گا)۔ اور جملہ اسی ایک سے شروع ہو کر نو (۹) پر ختم ہو جاتے ہیں، اور آگے وہی صفر —— وحدتِ حقیقی واحد کے ہر ایک عدد میں موجود ہے۔ مثلاً:

۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۵ - ۶ - ۷ - ۸ - ۹

اگر اس ایک کی حقیقی اعداد میں وحدت نہ ہو تو کوئی عدد قائم نہیں رہ سکتا —— نو کا عدد پورے طور پر مکمل ہے۔ چونکہ اس نو کے عدد کو وحدتِ حقیقی نے کمال کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اس لیے اس کے صفر کے سوا کوئی عدد نہیں —— اور جو کچھ بھی ہیں تو اسی ایک سے نو تک کی شاخیں ہیں، باقی صفر۔ مثلاً

اسی ایک سے نو تک کے اعداد میں باہم ایک دوسرے میں جمع یا ضرب یا تفریق یا تقسیم یا کوئی اور حسابی عمل ان اعداد پر کیا جائے تو شاخ در شاخ برابر نکلتی چلی جائیں گی۔ غرض ایک سے لے کر نو تک تمام دنیا کے حساب کا خاتمہ ہے —— یہی اکائی ہیں، یہی دھائی، یہی سینکڑہ، یہی لاکھ وغیرہ۔ فقط نقطۂ مراتب کا ہیر پھیر ہے اور کچھ نہیں۔

ے آثار تعینات چوں یافت حکے ۔۔۔ کثرت ہمہ وحدت است بے ہیچ شکے

چوں نقطۂ صفر شد نہاں از رقمت ۔۔۔ بنگر چہ وہ د صد ہزار است یکے

''اگر آثار تعینات کو (کثرت موجودات) دور کردو تو کسی شک کے بغیر یہ

تمام کثرت وحدت ہی ہے۔ جب نقطہ صفر ہو جائے تو اس کی تمام کثرت پوشیدہ ہو جاتی ہے۔"

یعنی اگر ایک کی رقم ہو تو اس پر صفر اضافہ کرنے سے 10، 100 اور 1000 وغیرہ بنتے ہیں ـــ مگر جب صرف صفر رہ جائے اور ایک کا ہندسہ دور کر دیں تو پھر اس کی ذاتی کچھ قدر و قیمت (رقم) نہیں ہوگی ـــ چنانچہ دیکھ لیں، کیا دس (10)، سو (100)، اور ہزار (1000) سب ایک ہی ہیں ـــ سب کی رقم قدر و قیمت صرف ایک (1) کے وجود سے ہی ہے ـــ اگر یہ ایک نہ ہو تو پھر کچھ نہ ہو۔ تمام اعداد میں اسی ایک کا ظہور واثر ہے ـــ اسی طرح "وجود بحت" واحد مطلق ہی کے وجود مسعود کا تمام کثرت (بے شمار موجودات) میں نور وظہور ہے۔ اس کے بغیر کسی کا حقیقی وجود کچھ نہیں ہے۔ وہ سب معدوم ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

"اس کے علاوہ تمام چیزیں فانی ہیں، تیرے اسی رب کی ذات باقی ہے، اور وہ صاحبِ جلال واکرام ہے۔"

مگر جہاں کہیں کوئی عدد ہے تو ایک بھی ضرور ہے۔ یعنی یہ ایک اپنی حقیقی وحدت ہر ایک عدد میں قائم اور برقرار رکھتا ہے ـــ اسی طرح مظہر وشیوناتِ الٰہیہ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی ہیں۔ کہ ہر ایک اپنے کمال ترین درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔ آگے صرف وہی نقطہ وحدت ذات ہے۔ احدیتِ ذات کی حقیقی وحدت ہر ایک مظہر و شان میں اظہر من الشمس شامل حال ہے لیکن مادر زاد اندھا معذور شخص ہے ـــ دھائی' سینکڑہ' ہزار' دس ہزار' لاکھ' دس لاکھ وغیرہ میں نقاط کا فرق ہے ـــ وہ اعداد ایک سے لے کر نو تک ہیں۔ ان کے درمیانی اعداد مختلف صورت و شکل کے ہیں مگر ایک کی حقیقی وحدت جملہ اعداد میں ساری وطاری ہے ـــ جمیع علوم اور ہر زبان کے اعداد و حروف کی ابتداء اسی ایک جس کو الف کہا جاتا ہے سے شروع ہوئی ہے، اور اسی پر ختم ـــ ہر عدد و حرف مختلف شکل وصورت میں موجود ہے ـــ اسی طرح احدیت ذات ہر شے میں اپنی

حقیقی وحدت قائم و برقرار رکھتی ہے۔

؎ احدست و شمار از و معزول | صمدست و نیاز از و معزول
آں احد نے کہ عقل داند و فہم | آں صمد نے کہ حس شناسد و وہم

''وہ واحد ہے اور شمار اس سے معزول ہے ——— وہ بے نیاز ہے، نیاز (حاجت) اُس سے دور ہے ——— وہ احد نہیں ہے کہ جسے عقل و فہم جان سکے ——— وہ صمد نہیں ہے کہ جسے حس اور زم پہچان سکے۔ (یعنی وہ سمجھ سے باہر ہے۔'')

؎ ہزار رنگِ جہاں گرچہ درنمود آید
ہماں یکے است کہ در دیدۂ شہود آید

''اگر چہ جہان کے ہزار رنگ نمودار ہیں۔ مگر سب میں ایک ہی ہے جو چشم مشاہدہ میں نظر آتا ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے وحدتِ وجود کو اس طرح پر ثابت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ظہوراتِ عالم کو احدیت ذات سے دو ربط ہیں۔ جیسے دس کے عدد کو ایک کے عدد کے ساتھ مثلاً اگر ایک کے عدد کو چند بار گردش دی جائے تو دس کے عدد تک پہنچ جائے گا۔ اور جب دس تمام ہوئے تو پھر وہی ایک ہے۔''

اگر چہ اس میں مولانا صاحب نے ظہور و بازگشت کا حساب رکھا ہے کہ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ ۔لیکن آپ نے انہیں اعداد میں ھُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ کو ظاہر کردیا ——— آپ نے وحدت وجود کا ثبوت کامل طور سے کر دکھایا ہے۔ یعنی اوّل ایک، آخر ایک، ظاہر ایک، باطن ایک۔ سب میں موجود سب سے جدا، اور پھر وہی ایک کا ایک ——— یعنی باوجود کثرت مختلف صور و اشکال کے سب اعداد میں ایک موجود ہے ——— اسی طرح عشرات و مآت و الوف وغیرہ میں حقیقی وحدت کو دیکھ لیجیے۔ غرض کوئی شے حقیقی وحدت سے خالی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ صفات، عین ذات نہیں بلکہ ذات پر زائد ہیں —— اس لیے کہ ذات صفات کی محتاج نہیں۔ اگر صفات بھی نہ ہوتیں تو ذات سے صفات کا کام سرانجام ہوتا۔ اگر ذات ہی بذاتِ خود صفات کے بغیر کھلے بندوں بے پردہ ہو کر چٹیل میدان میں آ کر کھل کھیلتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے —— اس میں ہمارے لیے یہ بڑا نفع تھا کہ ہم اس بندگی کے جنجال سے آزاد ہو جاتے۔

؎ نہ تھا کچھ تو خدا تھا، نہ ہوتا کچھ تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

مگر افسوس! کہ ایسا نہ ہوا اور کیوں ارادہ بدل دیا۔ ذاتِ حق چونکہ علیم وحکیمِ مطلق ہے، اس لیے اس نے اپنے علمِ قدیمہ سے معلوم کرلیا کہ کھلے بندوں میدان میں آ جانا حکمتِ بالغہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا صفاتی بھیس کا بہروپ بھر کر صفاتی تجلی فرمائی اور مصلحت بھی اسی میں دیکھی۔ تا کہ غنائیت وصمدیت محفوظ وقائم رہے، اور صفات ہی کار فرمائے عالم سمجھی جائیں۔

؎ بدلا نہیں کوئی بھیس ناچاری سے ہر رنگ ہے اختیار سرکاری سے
سب روپ میں تاک جھانک اپنی کرنا یہ سوانگ بھرا گیا ہے عیاری سے

اور پر لطف کیفیت بھی اسی میں ہے کہ عاشق ومعشوق کے درمیان پردہ ہو۔ ورنہ نہ عاشق رہے، نہ عشق نہ معشوق۔

؎ ہست ازپس پردہ گفتگوئے من وتو
چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

''یہ میں اور تو کی گفتگو (صرف) پسِ پردہ ہے۔ اگر پردہ اٹھ جائے تو پھر نہ تو رہے اور نہ میں۔''

بڑے بڑے دانشمندوں کی عقل جزوی چکر کھا رہی ہے کہ یہ کیسا طلسم جرت افزا ہے:

☆ —— کوئی تو عین ہتا ہے ' اور

☆ ــــ کوئی ظل و عکس ، اور

☆ ــــ کوئی کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں

غرض ہر ایک شخص اپنے علم وانکشاف سے خیالی تکے لگا رہا ہے۔ مگر وہ ذات لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اپنی اسی اصلی شان میں اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ متجلی ہے۔

؎ زاہد بہ نماز و روزہ ربطے دارد ۔۔۔ عاشق بہ مئے دوسالہ ضبطے دارد
معلوم نہ شد کہ یار مشغول یکست ۔۔۔ ہر کس بہ خیال خویش خبطے دارد

''زاہد (پاک باز) نماز روزے سے تعلق رکھتا ہے اور رند و عاشق دو سالہ پرانی شراب سے ربط و ضبط رکھتا ہے ــــ مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ یار کس میں مشغول ہے۔ ہر ایک بس اپنے ہی خیال میں کھویا ہوا ہے۔''

شیونات کیا ہے؟

شیونات جمع ہے شان کی، بمعنی طَوْرٌ مِّنْ اَطْوَارِ اللهِ ــــ یا تجلی ذات، یعنی بطون سے ظہور میں جلوہ فرمائی ــــ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ اس پر قطعی دلیل ہے ــــ جیسے پانی کا ظہور موج و حباب کی صورت میں ہے کہ یہ آپس میں یک ذات ہیں۔ اسی طرح شان و شیونات اور ذاتِ حق بھی ایک ذات ہیں ــــ غرض ذاتِ حق کے سوا کچھ بھی موجود نہیں اِلّا پردۂ طلسمی جسم و صورت۔

؎ ز دریا موج گونا گوں برآمد ۔۔۔ ز بے چونی برنگِ چوں برآمد
گہے کسوت لیلیٰ فروشد ۔۔۔ گہے برصورت مجنوں برآمد

''دریائے وحدت سے قسم قسم کی بے شمار موجیں ظاہر ہوئیں۔ اور بے چون (بے مثال) سے رنگ چوں (مثال) نمودار ہوئیں، کبھی وہ محبوبِ حقیقی پردہ و فانوسِ لیلیٰ میں پوشیدہ ہوا، اور کبھی مجنوں (عاشق) کی شکل میں ظاہر ہوا۔''

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مشہودی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''صوفیہ کے گروہِ شہود یہ کہ جنہوں نے صحو و افاقت بہم پہنچائی ہے، اور حقیقی وحدت کے شہود کو کثرتِ وہمی کا حکم کیا ہے۔ اسی لیے ''ہمہ از اوست'' (سب کچھ اسی سے

ہے) کہتے ہیں —— جب گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو سب نیست وفانی معلوم کرتے ہیں، اور صرف اس کا وجود مسعود ظاہر ہوتا ہے ——

رسول کریم نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا:

اِنَّ اَصْدَقَ الْقَوْلُ قَوْلُ اللَّبِيْدَ: اَلاَ كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلاَ اللّٰهُ بَاطِلٌ

"تمام اشیاء ہلاک ہونے والی ہیں سوائے اس کے رُخ (ذات) کے"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ:

"بے شک سب سے سچا قول لبید شاعر کا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا تمام اشیاء باطل ہیں۔"

یہ اس مدعا پر دلیل ہے، اور باطل ان معنوں میں ہے کہ وہ ہلاک و معدوم تھیں، اور باطل و فانی ہو جائیں گی —— لہٰذا یہ کہنا جائز ہے، اور تکلف و معنی حقیقی اس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ھالک و باطل (معدوم) فی الحال (وقتی) نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذاتِ حق کے سوا کچھ موجود نہیں —— اگر کوئی حقائق الموجودات عالم کو (جس کا نام ممکنات ہے) وہم و باطل پر محمول کرے تو یہ آیہ مذکورہ اور لبید کا قول کہ جس کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصدق فرمایا، کے بالکل برخلاف ہے —— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلاَلِ وَالْاِكْرَامِ

"جو کچھ یہاں پر ہے وہ سب فانی ہے، اور تیرے پروردگار صاحبِ جلال والاکرام کی ذات باقی ہے۔"

یعنی جن کو تم ممکنات کہتے ہو، وہ سب فانی ہیں، ذاتِ واجب تعالیٰ باقی ——

چنانچہ فانی وہ ہے جس کے اندر فنائی الحال اصلی و لازمی ہو۔ جیسے اشیاء کے جسم و صورت —— جس میں فنائی الحال اصلی و لازمی ہوتی ہے وہ فی الحال لاشے اور معدوم محض ہوتی ہے —— جب یہ بات ممکنات میں ثابت ہے تو ممکنات فی الحال

لاشے و معدوم محض ٹھہرے ـــــ باقی وہ ہے کہ جس کی ذات کو اصلی و لازمی بقا ہو، اور یہ ذاتِ واجب تعالیٰ پر صادق ہے ـــــ معلوم یہ ہوا کہ ممکنات فی الحال معدوم و فانی محض ہیں، اور ذات الٰہی موجود و قائم ـــــ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جو ذات ازل الازل سے باقی ہے اور تا ابد الآباد باقی رہے گی، اس ذات کے مقابل جو اپنی اصلی و ذاتی بقا رکھتی ہے، اور ادراکات و انکشافات و عقول و افہام و خیال و قیاس و اوہام سے برتر ہے ـــــ ایک لاشے و معدوم محض کو اس کے مقابل قائم کر کے اس پر عقلی و قیاسی دلائل شریعت پہلے ہی وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ارشاد فرما چکی ہے۔ کیا ایسے احتمالی و انکشافی دلائل لائق پذیرائی ہو سکتے ہیں؟ ـــــ ہرگز نہیں!

نعرۂ منصور کی حقیقت:

بعض فقراء نے فرمایا ہے کہ حسین ابن منصور علیہ الرحمہ کی دید نے انا الحق کہنے میں خطا کی ـــــ اکثر سالکان راہِ طریقت سے ایسی اغلاط واقع ہوئی ہیں۔ مثلاً سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ وغیرہ۔ کیا یہ صحیح ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ کتب عقائد میں جمیع علماء کے نزدیک مسئلہ مسلمہ ہے کہ:

اَلْجَنَّۃُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ وَالصِّرَاطُ حَقٌّ وَوَالْکِیَا وَوَالْکِیَا حَقٌّ حَقٌّ

لکھا ہے ـــــ اور فرمایا ہے کہ ہر مسلمان کو یہی عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اگر وہ حق "حق" کا عقیدہ نہیں رکھے گا تو کافر ہوگا ـــــ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حق و باطل کے مقابل کہا گیا ہے تو ہمیں ضرور عرض کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو باطل پیدا ہی نہیں کیا۔ اس سبحانہ، تعالیٰ نے فرمایا:

☆ ـــــ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا بَاطِلًا (پ ۲۳ ع ۱۲)

"اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے باطل۔"

☆ ـــــ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لَاعِبِیْنَ وَمَا خَلَقْنٰھُمَا اِلَّا

بِالْحَقِّ (پ ۲۵ ع ۱۵)

''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کھیلتے ہوئے (یعنی یہ بچوں کا سا بے ہودہ کھیل نہیں ہے کہ بنایا اور بگاڑا) نہیں پیدا کیا۔ ہم نے ان دونوں کو مگر ساتھ حق کے۔''

☆ — مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى

''نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو زمین کو، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر ساتھ حق اور وقت مقررہ کے۔'' (پ ۲۶ ع ۱)

چنانچہ جب ہر جگہ حق ہی حق موجود ہے تو پھر بے چارے منصور نے اگر اَنَا الْحَقّ کہہ دیا تو کیا برا کیا —— اگر یہ فرمائیں کہ وہاں حق بمعنی ثَابِتَۃٌ ہے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ بے چارے حسین ابن منصور نے کیا خطا کی ہے یہاں بھی ثَابِتَۃٌ کے معنی لگالو، کیا حرج ہے —— مگر ہاں یہ بات دوسری ہے کہ ملا کی ماری حلال ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انا نیت خاصہ ذاتِ حق سبحانہ، وتعالیٰ ہے۔ ذات کا ذاتی نام سوائے ضمیر متکلم کے دوسرا نہیں ہے۔ یعنی انا، نَحْنُ، مَنْ، مَا، مَیں، ھم جو ایک زبان میں بولتے ہیں۔ اللہ وغیرہ اسماء حسنیٰ یہ سب صفاتی نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قدیم میں ہر چیز کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ چنانچہ آیات مذکورہ بالا سے مفہوم ہوتا ہے کو پھر ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام منصور حلاج و بایزید بسطامی رحمہم اللہ کا تھا، نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ:

انسان کی ذات میں یہ خدائی کے کھیل ہیں
بازی کہاں بساط میں جو شاہ ہی نہیں

چنانچہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ جو چیزیں خاصہ ذاتِ حق ہیں، وہ ماسویٰ اللہ کی طرف منسوب کی جائیں۔ ھٰذَا ظُلْمٌ عَظِیْمٌ —— بفرض محال اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ

☆ —— حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ سے اَنَا الْحَقّ

☆ —— بایزید بسطامی علیہ الرحمہ سے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ

☆ ——— جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ اِلَّا اللّٰہُ

وغیرہ وغیرہ اولیاء اللہ سے اور جو کچھ سرزد ہوا ہے اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے قرآن شریف کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

☆ ——— ھٰذَا قُرْآنٌ صَامِتٌ وَاَنَا قُرْاٰنٌ نَاطِقٌ۔ اور

☆ ——— اَنَا عَاقِدٌ نُطْفَۃٌ فِی الْاَرْحَامِ وَاَنَا بَاعِثٌ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ

☆ ——— اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ

ارشاد باری ہے:

☆ ——— قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ ——— اور فرمایا ہے:

☆ ——— وَاَنَا عَرَبٌ بِلاَ عَیْنٍ وَاَنَا اَحْمَدُ بِلاَ مِیْمٍ [1]

کیا العیاذ باللہ ان بزرگان دین سے یہ کلمات وہم و غلطی سے سرزد ہوئے ہیں؟ ——— نہیں، ہرگز نہیں! ——— بلکہ یہ سب بولتے کی دھوم دھام ہے۔ خیر یہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا لیکن وادی مقدس طویٰ میں وہ شجرۂ بے زبان کس وہم و غلطی میں گرفتار ہو گیا تھا کہ:

☆ ——— اوّل تو موسیٰ علیہ السلام کو ان کلمات سے فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِی الْمُقَدَّسِ طُوًی اپنی طرف متوجہ کیا۔

☆ ——— اور اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ وغیرہ وغیرہ کلمات سے پکار اٹھا۔

اب میں یہ سوال کرتا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شجرۂ بے زبان کی زبانی جو کچھ سنا تھا، اس کو غلط سمجھایا وہم و باطل ——— اور اس پر عمل کیا تھا یا نہیں؟ ——— اگر اس قسم کی ذاتی تجلیات کا ظہور جو ہر شخص و ہر شے پر وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، اغلاط و اوہام وابطال پر مبنی ہے۔ تو خدا و رسول و رسالت و نزولِ وحی و ایمان و کفر و مومن و کافر و بہشت و دوزخ و شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و جمیع مراتب و منازل تصوف و فقر و ولایت صغریٰ ولایت کبریٰ و عرفان و انکشاف سب کے سب باطل و غلط و وہمی

---

[1] ان روایات کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے "تحفہ اثنا عشریہ" میں بیان کیا ہے۔

ثابت ہوں گی۔ واہ سبحان اللہ!

؎ بھلا ہوا گر بیسرے اور سر سے ٹلی بلائے
جیسے تھے ویسے بنے، اب کچھ کہا نہ جائے

ہاں اگر کوئی صاحب یہ بات ثابت کر دکھائیں کہ اِنِّیْ اَنَا اللہُ وغیرہ اسی درخت کا قول تھا تو پھر ہم کو بھی ضرور قائل ہونا پڑے گا کہ اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ وغیرہ وغیرہ انہیں سالکانِ طریقت کے اقوال تھے —— لیکن یہ تو فرمائیے کہ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم" کو اللہ تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں کیوں ارشاد فرمایا۔ اس میں ضرور کوئی راز مخفی ہے۔ مگر علمائے ظواہر نے بلحاظ شریعت غرا بہت کچھ تاویلیں گھڑی ہیں، مگر صاف معانی کے مقابل مصنوعی تاویلات کا دل پر بہت کم اثر پڑتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نہایت صراحت کے ساتھ اس آیہ شریفہ کی تشریح بڑے زور سے فرما دی ہے۔ اس حدیث کو ترمذی و امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"قسم ہے مجھے اس خدا کی ، جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے —— اگر تم ڈالو رسی کو سب سے نیچے کی زمین پر تو البتہ پڑے گی اللہ تعالیٰ پر۔"

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی کہ:

"وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے، اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن، اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔"

البتہ ذاتِ حق پردے کی آڑ میں متکلم ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیْم"

"آدمی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے مگر اشارے سے یا پردے کے

پیچھے کوئی فرشتہ پیغام لانے والا۔ پس جی میں ڈال دے اس کے حکم سے جو کچھ چاہتا ہے، وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا۔'' (پارہ ۲۵، ع۶)

کیا اس کا نام بھی وہم ہے؟ —— اس بات کے کہنے کا تو کچھ خوف نہیں کہ صاحبِ حسن و جمال کو پردے کی آڑ ضروری ہے مگر توبہ توبہ!

؎ حسن نہ آں است کہ ماند نہاں   گرچہ بود پردہ جہاں در جہاں

''حسن وہ نہیں ہے کہ جو پردے کے پیچھے چھپ جائے۔ اس پر تو سارے جہان کے پردے بھی اگر ڈال دیئے جائیں تو ہرگز نہ چھپ سکے۔''

؎ جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردہ میں منہ چھپائے کیوں

نہیں نہیں! ہرگز نہیں، بالکل نہیں! —— ذرّہ بھی پردہ نہیں —— وہ ذات تو بے پردہ خاموشی کے ساتھ ہر ذرے میں جلوہ گر ہے، مگر تاب جمال کہاں! —— جب وہ سبحانہ تعالیٰ اپنی انانیت کے اظہار کا ارادہ فرماتا ہے کہ

میرے سوا کچھ بھی موجود نہیں۔ ہر مکان و لامکان، وراء الوراء میں میری ہی ذات موجود ہے۔ اور اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ لہٰذا میری ہی ذات کا ظہور ہے۔ ظاہر میں جو یہ اجسام اور صورتیں احساس سے معلوم کر رہے ہو، یہ فقط ایک طلسمی نظر بندی ہے اور کچھ بھی نہیں۔

سچ ہے:

؎ ذات او را بے صفاتش کس ندید   ذات او باما کند گفت و شنید

''اس کی ذات کو بغیر صفات کے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کی ذات اقدس (بھلا کیسے) ہم سے گفت وشنید کرے۔ (یعنی اس کا کلام پردۂ صفات میں فرشتے اور وحی کے ذریعے ہوتا ہے۔)''

؎ برہم بولے کایا کے اولے   کایا بن برہم کیا بولے

کایا یعنی صوری وتعیناتی کا طلسمی حجاب ہے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نور و ظلمت کے ستر ہزار حجابات رکھتا ہے۔''

یعنی وہ ذاتِ حق اپنے انہیں شیونات و طلسمی تعینات واضافات و مختلف صورتوں میں اپنے انوار کی کثرت سے حجاب میں مستور ہے۔ جیسے ذاتِ شمس اپنی ہی شعاع میں مستتر و پوشیدہ ہے ـــــ چنانچہ اگر کوئی شخص طالب صادق ان طلسماتی تعینات و اضافات وصورتوں کے پردوں کو جو حقائق اَلْاَشْیَــآءُ ثَــابِتَۃٌ ہے، اور ظاہری نظر کے درمیان باشکال والوانِ مختلفہ غیریت کی صورت میں حائل ہو رہے ہیں، اٹھائے گا تو بالضرور ذاتی جلوہ پائے گا۔ اس کا کام ہے تَطْہِیْرُ الْقَلْبِ عَنْ مَا سِوَی اللہِ

کیا ''ہمہ اوست'' والے غلطی پر ہیں؟

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان ہر دو گروہ ''شہودیہ اور وجودیہ'' میں سے کون غلطی پر ہے ـــــ کیونکہ ہر دو گروہ کے حضرات ادنیٰ و اعلیٰ راقم کے بزرگ اور سر کے تاج ہیں۔ یہاں دو صاحبانِ شہود کے قول نقل کرتا ہوں۔ جو صاحبِ نظر ہوگا وہ اپنے دل میں خود ہی فیصلہ کرلے گا۔

(۱) حضرت مظہر جان جاناں نقشبندی دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''صوفیہ اگر ''وجودیہ'' ہیں تو اس نسبت سے ظہور وحدت کو کثرت میں تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے کہ امواج اور بلبلوں وغیرہ کی شکل میں پانی کا ظہور ـــــ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ کثرت، وحدتِ حقیقی میں مطلق مزاحم (رکاوٹ) نہیں ہوتی۔

اگر اہل ''شہودیہ'' ہوں تو اصل کی نسبتِ ظل (سایہ وعکس) سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے کہ سورج کی پھیلی ہوئی کرنوں کی نسبت سورج سے فرماتے ہیں ـــــ اس مقام پر ظل تجلی کے معنوں میں ہے۔ یعنی شے کا ظہور دوسرے مرتبۂ میں ـــــ اور ظاہر ہے کہ وجودات ظلی کی یہ کثرت، ''وحدت وجودِ حقیقی'' کے اصل میں مخل نہیں ہوتی، اور نہ ہوسکتی ہے۔

تغیر اوّل اور تغیر ثانی کے درمیان اس قدر فرق ہے، ہر چند کہ ظل کی حقیقت اس کی اصل کے سوا نہیں ہے۔ اسی اصل نے مرتبہ ثانی میں ظہور کیا اور خود

کو ظل کے طور پر نمودار کیا ہے——مگر اس مقام پر ایک کا دوسرے پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور امواجِ دریا کہنا درست ہے۔ چنانچہ اس تعبیر سے شہودیہ غیریت ثابت کرنے کی شکل خیال کرتے ہیں۔

(۲) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا توحید وجودی پر انکار دوسرے علمائے ظواہر کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ جس مقام سے ''وجودیہ'' صوفیہ گفتگو کرتے ہیں وہ اس کی تسلیم و تصدیق ظاہر کرتے ہیں——بات تو صرف اس قدر ہے کہ وہ مقصودِ اصلی کو اس مقام سے اعلیٰ وارفع فرماتے ہیں۔ اور سب باتوں میں ''حق و خلق'' میں اس طریقے سے غیریت و فرق ہے کہ وہ ''وجود وحدتِ حقیقی'' میں کہ وہ خارج حقیقی میں تحقیق شدہ ہے (کسی طرح سے خلل ڈالنے والا) نہیں ہوتا——بس یہ ان کے کلام کی انتہا ہے۔''

لہٰذا ''وجودیہ'' خدا کے ساتھ غیریت ثابت نہیں کرتے——اور ''شہودیہ'' خدا کے ساتھ کس قدر غیریت ثابت کرتے ہیں——اس بات سے ہر صاحبِ بصیرت بغور و تامل بآسانی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ حق پر کون ہے——کوئی وجودی یا شہودی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ذات کے عرفان کا خاتمہ ہمارے ہی علم و انکشاف پر ہو گیا ہے اور باقی سب غلط——رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بصیغہ جمع متکلم ارشاد فرمایا ہے:

مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ بہ نظر غائر کلام اللہ میں دیکھیں اور پڑھیں تاکہ کُلُّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٍ کی تصدیق ہو جائے——ذاتِ الٰہی کا عرفان کسی کے علم و معرفت پر منحصر نہیں——اگر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ ''ہمہ اوست'' تو شریعت کے مخالف ہے، اور ''ہمہ از اوست'' موافق ہے——کیونکہ اگر ''ہمہ اوست'' کو صحیح مانا جائے تو پھر شریعت اور اس کے جملہ احکام و مومن و کافر، بہشت و دوزخ، جزا و سزا سب کے سب معطل اور بیکار ہو جائیں گے——''وجودیہ'' فرماتے

ہیں کہ شریعت ہی نے تو ہمیں توحید تنزیہہ کا سبق پڑھایا ہے۔ یہ راہ راست وصراط مستقیم جھاڑ جھنکاڑ سے صاف اور پاک تشریح کے ساتھ بتا دیا —— اور فرمایا کہ ذاتِ حق کے دو وصف ہیں:

☆—— جمالی اور ☆—— جلالی

اسمائے الٰہی بھی دو قسم کے ہیں: جمالی وجلالی

جن کو ارباب کہتے ہیں —— وصف جمالی و ارباب جمالی میں انبیاء، اولیاء مومن، ثواب و جزا اور بہشت ہیں —— وصف جلالی وارباب جلالی میں کافر ومشرک، سزاوعذاب وسزا اور دوزخ ہیں —— ہر ایک کے اہل جمال و اہل جلال کی علامات، احوال و اقوال، افعال و اعمال اور ان کے مدارج و مراتب سے بالتصریح خبر کردی ہے —— یہ بھی فرمادیا ہے کہ ہر ایک شخص علی قدر وصف جمال وجلال اپنے اپنے مقام میں آرام وراحت پائے گا —— جمال و جلال ذاتِ حق کی ذاتی صفات ہیں۔ یہ ذاتِ حق سے کبھی منفک نہیں ہوسکتے —— اب فرمایئے اس میں کیا قباحت ہے یا کیا شریعت کی مخالفت ہے؟ —— بلکہ شریعت بھی توحید وجودی میں داخل ہے —— راقم کے نزدیک تو دونوں ''وہمہ اوست'' اور ''ہمہ از اوست'' بھی شرک سے خالی نہیں —— ذاتِ حق کے مقابل ''ہمہ'' کیا چیز ہے؟ —— اگر آپ صاحب ''ہمہ'' اور ''ہمہ از'' کی گردن ماردو گے تو پھر کیا کہنے! —— پھر توحید ذاتی کے مطلع پر اضافات کا جو ابر چھا رہا ہے، جملہ جھاڑ جھنکاڑ سے بالکل پاک و صاف ہو کر ''اوست اوست'' جلوہ نما ہوگا ——

اَلتَّوْحِیْدُ اِسْقَاطُ الْاِضَافَاتِ عَنْ مَا سِوَی اللّٰہُ اسی کا نام ہے —— بخاری شریف میں ہے کہ آ قا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْءٌ وَالْاٰنَ کَمَا کَانَ یعنی ''اللہ تھا اور نہ تھی اس کے ساتھ کوئی شئے اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔ (یعنی اب بھی اس کے ساتھ کوئی شئے نہیں)''۔

چنانچہ ان تین مراتبِ ذات یعنی:

☆—— احدیت ☆—— وحدت ☆—— واحدیت

میں غیر اللہ (جسے ممکنات کہا جاتا ہے) کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ واللہ اعلم!
ان علماء ظواہر رحمہم اللہ نے کہاں سے —— اور کیونکر غیر اللہ کو اللہ کے مقابل خم ٹھونک کر کھڑا کر دیا ہے' اور ان ظہوراتِ الٰہی کا نام ممکنات رکھا ہے —— ممکن بمعنی شاہد ہے۔ یعنی جس کے ہونے نہ ہونے کا شک ہو' یقین نہ ہو۔ یعنی بہ یقین دل یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حقائق اشیاء غیر اللہ ہیں —— یا اشیاء ما سوی اللہ ہیں۔

کیا ہر روحِ قدسی ممکنات و مخلوقات میں شمار ہے؟

وہ روحِ قدسی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم فرمایا ہے:
فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ.
''پھر جب میں ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں اپنی جان' تو گر پڑو اس کے آگے سجدے میں''۔

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ اپنی ایک جان یعنی روح' آب و خاک سے نہیں بنی' بلکہ غیب سے آئی ہے۔ یعنی روح مخلوق نہیں —— اس آیت سے یہ راز بھی کھلا کہ سجدہ روح اللہ کو تھا' خاکی پیکر طلسمی کو نہ تھا —— ورنہ سَوَّیْتُهٗ کے آگے فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ہوتا' نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کے بعد نہ ہوتا —— اس طلسم میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے۔ صوفیاء وجودیہ کے نزدیک روح اور ذات حقیقتِ واحدہ ہے نہ غیر —— ہندو مذہب والے کہتے ہیں کہ مادہ اور روح اور ایشور آپس میں غیر اور قدیم ہیں۔ لہٰذا یہ محض غلط اور لغو ہے —— واجب الوجود کے سوا نہ کوئی قدیم ہے نہ کچھ موجود ہے —— البتہ ویدانتی سنیاسی مت کے فقراء وجودیہ اسلامیہ فقراء سے موافقت تامہ رکھتے ہیں۔
عالم دو ہیں: یعنی عالم خلق اور عالم امر —— ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:
''خلق امر نہیں' اور امر خلق نہیں''

عالمِ خلق، جسم وصورتِ محسوسہ وغیر محسوسہ ایک طلسم ہے، جس کو ظاہر وآخر کہتے ہیں ——— جبکہ عالمِ امر روح اور اشیاء کی حقیقت ہے، جس کا نام باطن واوّل ہے۔

کتبِ عقائد میں ہے کہ حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ ثَابِتَۃٌ ——— ثابت وہ ہے جس کو فنا نہ ہو ——— روح کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب منسوب فرماتا ہے، یعنی "میری روح" ——— تو پھر کس طرح قوتِ متخیلہ نے روح اللہ کو اپنی خام خیالی سے بغیر دیکھے بھالے اور سوچے سمجھے ممکنات و حادثات میں داخل کرلیا ہے۔ حالانکہ اس کی منادی پہلے ہی ہو چکی ہے ——— یہود نے روح کی حقیقت دریافت کی تو فرمانِ الٰہی ہوا:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار کا ایک ذاتی رازِ مخفی ہے" ———

چونکہ کفار کو اس راز سے محروم رکھنا تھا، فرمایا کہ تمہارا تھوڑا سا علم اس راز کی تفہیم میں قاصر و عاجز ہے۔ لہٰذا تم کو اتنا ہی بتا دینا کفایت کرتا ہے کہ یہ روح ہمارا ایک مخفی راز ہے ——— یہ حدیث قدسی بھی اس راز کی حقیقت کی خبر دے رہی ہے:

كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ پس میں نے چاہا کہ میں ظاہر ہو جاؤں تو پھر میں نے اپنے اسرارات کو اس طلسماتی مخلوق میں پوشیدہ تر وظاہر تر کر دکھایا، اور انسان کو مظہرِ اتم بنا دیا۔ ہائے افسوس:

؎ سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو ——— وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدعا ہوتا

جمیع صوفیہ کرام "شہودیہ" رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ قلب و روح و سر و خفی و اخفی کہ مقرآنہا فوق العرش است۔ آیہ کریمہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً درشان آنہاست۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ:

"روح عالمِ امر میں ہے جو فوق العرش ہے ——— عالمِ خلق سے نہیں جو کہ

عرش سے تحت الثریٰ تک ہے۔"

شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کی تفسیر میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ روح چونکہ عالم امر میں سے ہے نہ کہ عالم خلق میں سے۔ —— اس لیے اہل حجاب کے علم وادراک کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں —— کیونکہ عالم امر، وہ ہیولیٰ و جواہر سے مجردہ ایک ذات ہے —— وہ شکل ولون و جہات سے مقدس ومنزہ ہے۔ —— لہٰذا اہل حجاب کا ناقص علم وادراک ناقص اس کی تعریف وتوصیف بیان کرنا محال ہے —— بلکہ عالم خلق کے محسوسات میں بھی ان کا علم وادراک ناقص و بے قدر ہے —— آدم کا ظاہری جسم وصورت دراصل ظہورِ احکام کی حکمت اور صفات الٰہیہ ہے۔ اور روح آدم یعنی باطنی حالت، حکمت ربوبیت وخلافت ہے —— لہٰذا آدم ربوبیت و اتصاف صفات الٰہیہ کے اعتبار سے عالم کے لیے حق ہے، اور مربوبیت و عبودیت کے اعتبار سے خلق ہے۔ یعنی روح کے اعتبار سے حق ہے، اور جسم وصورت کے اعتبار سے خلق!

اگر کسی کے خیال میں اللہ تعالیٰ ممکنات وحادثات میں ہے تو روح اللہ بھی سہی۔ اس میں ہمارا کیا حرج ہے —— لیکن ملت ابراہیمی میں عقلاً ونقلاً ثابت ہو چکا ہے کہ ذاتِ واجب الوجود وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ازل الازلال سے قائم اور واجب وقدیم ہے، ممکن اور حادث نہیں —— تم کو بھی اس بات کا کامل یقین ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی روح قدسی کیسے ممکنات وحادثات میں سے ہو سکتی ہے۔

ع حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

"(بس) حیرت میں حیرت اور حیرت ہے۔"

اے یاران جلسہ! اگر تم تھوڑی دیر کے لیے خام خیالی کا دامن چھوڑو، اور ظاہری حال دیکھنے والی آنکھ کو بند کر کے باطن کی آنکھ سے (اگر روشن ہے تو) دیکھو کہ ذاتِ واجب تعالیٰ کشوف ہوتی ہے یا نہیں؟ —— اگر کسی کی آنکھ پھوٹ رہی ہے تو خدا کے حوالے، پھر کسی طبیب یا ڈاکٹر حاذق سے علاج کرائے۔ تاکہ وہ علاج کامل سے تمہاری

چشم باطن کو پرنور کر کے اس پر عینک حق بین (حق دیکھنے والی عینک) چڑھا دے۔ تاکہ تم کو حق ہی حق دکھائی دینے لگے۔ اسی کو نورِ ظلی نور کہتے ہیں۔ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ —— بزرگانِ دین نے جو کچھ واجب و ممکن کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے، وہ اپنے علم و انکشاف و مراتب کی داد دی ہے—— ورنہ ذات و صفات واجب تعالیٰ کی حقیقتِ علم و انکشاف و ادراکاتِ عقول و افہام سے برتر ہے۔

؎ نیست کس را راز حقیقت آگہی جملہ می میرند با دست تہی

"رازِ حقیقت سے کسی کو بھی آگاہی نہیں ہے، سب کے سب بس خالی ہاتھ مرجاتے ہیں۔"

البتہ یہ حواس ہمیشہ دھوکا کھانے اور دھوکا دینے کے عادی ہیں—— محسوسات میں بلاتحقیق حکم لگا دینا ان کا کام ہے۔ جیسے انسان کوری میں سانپ، سیپ میں چاندی اور سراب میں پانی کا دھوکا ہو جاتا ہے—— غرض کہ یہ حواس دھوکا دیئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ انسان بھی انہیں کے دھوکے میں جو پہلے ہی سے اسی طلسمات میں گرفتار ہو رہے ہیں، ذاتِ واجب تعالیٰ میں جو ہوا اس کے ادراک سے بعید و برتر ہے، اور ممکنات جو محسوساتِ طلسمی ہیں، ان میں کچھ گڑبڑ کر کے دلائلِ عقلیہ سے کام لیتے ہیں، بعید از قیاس ہے—— راقم نے اس کتاب میں متقدمین و متاخرین بزرگانِ دین کے مقامات جمع کئے ہیں، ان بزرگواروں نے ممکن و واجب میں ظلال و اصل، آئینہ و عکس، دریا و موج، حباب و قطرے کی نسبت قائم کر کے کم عقلوں کو سمجھایا ہے۔ تاکہ غلط فہمی سے بچیں اور زندقہ والحاد کے گڑھے میں نہ گریں۔ چنانچہ احقر کو بھی وہی طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ ورنہ وہ سبحانہ، تعالیٰ عکوس وظلال وغیرہ سے مبرہ و منزہ ہے۔ توہمات کو اس ذاتِ مقدس میں کچھ دخل نہیں۔ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَنْ مَّا یَصِفُوْنَ——

یہ چند اقوال وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کے بارے میں مشتے نمونہ از خروارے طالبین کی مزید آگاہی کے لیے نقل کئے گئے ہیں۔ اگر کسی کو زیادہ شوق ہو تو مطولات میں دیکھے یہاں گنجائش نہیں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ وَتَوَکَّلْتُ عَلَیْہِ۔

فصل سوم

تنزلات وتعینات

خمسۂ ذاتِ بحت بالاجمال:

واجب چو تنزل کند از حضرت ذات   پنج است تنزلات او را درجات

وحدت و واحدیت است و روح و مثال   والخامس، جمعیت است اے بحر صفات

''جب واجب حضرت ذات سے تنزل (مظاہرہ شہود) کرتا ہے تو اس کے تنزلات کے پانچ درجات ہیں:

☆ ——— وحدت ☆ ——— واحدیت ☆ ——— روح

☆ ——— مثال ☆ ——— جمعیت

یہ پانچوں مختصر طور پر، بحر صفات کہلاتے ہیں۔''

ذاتِ بحت یعنی عالم لاہوت:

بحت کے معنی ہیں ''خالص'' ——— یعنی وہ ذات جو اسم و رسم، نعت و وصف سے منزہ و مبرا ہو۔ اسی کو ''ذاتِ بحت'' کہتے ہیں یعنی ''ذاتِ خالص'' ——— اسی کو: ☆ ——— احدیت صرف ☆ ——— لاتعین ☆ ——— وجود مطلق ☆ ——— وراء الوراء ☆ ——— منقطع الاشارات ☆ ——— کنہ حق ☆ ——— ہویت حق اور ☆ ——— حقیقت حق بھی کہتے ہیں ——— یہ مقام تنزیہ ہے۔ اور اسی کا نام ''عالم لاہوت'' ہے۔ ——— اس مرتبہ میں ذات کا کوئی نام مقرر نہیں۔ لیکن اہل تصوف نے دوسروں کو سمجھانے کے لیے ذاتِ مطلق کے نام رکھ لیے ہیں۔

وحدت یعنی عالم جبروت:

اس ذاتِ بحت نے جب اسم و رسم، نعت و وصف پایا تو اس کا نام ''وحدت'' ہوا

یعنی ذات ذوالجلال والجمال ـــــ اسم سے مراد ہے ذاتِ باصفات۔ وہ صفات وجودی ہوں یا عدمی ـــــ رسم سے مراد ہے خلق اور صفات خلق ـــــ نعت عبارت ہے صفات وجودی سے ـــــ وصف سے مراد ہے صفات وجودی و عدمی ـــــ یہ مرتبہ خالقیت ہے ـــــ حدیث قدسی:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَ تَعَرَّفْتُ اِلَيْهِمْ فَبِيْ عَرَفُوْنِيْ وَعُرِفْتُ بِهِمْ

''میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، تو خلقت کو پیدا کیا، اور میں نے ان کو اپنا شناسا کیا۔ پس انہوں نے مجھ کو مجھ سے پہچانا، اور میں ان کے سبب سے پہچانا گیا۔''

یہ اسی مقام کا بیان ہے کہ جب اس ذات نے ظہور کا ارادہ کیا تو اوّل نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور میں آیا ـــــ اس مرتبہ میں ذات کا نام ''وحدت'' رکھا ـــــ جس کو:

☆ ـــــ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☆ ـــــ عالم جبروت

☆ ـــــ برزخ کبریٰ ☆ ـــــ منزل اوّل

کہتے ہیں۔ یہاں ذات کو علم بالا جمال ہے ـــــ اب یہاں حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خیال آتا ہے کہ یہ کیا شے ہے؟ ـــــ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ ـــــ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی کیا قدر ہے؟ ـــــ وہ کن اوصاف سے موصوف ہیں؟ ـــــ اللہ تعالیٰ سے ان کی کیا نسبت ہے؟ ـــــ سنیئے۔:

حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

کیا لکھوں اور کس سے کہوں کہ دنیا میں دانشور کم ہیں، اور عوام الناس کو اَلْحَقُّ مُرٌّ کا اثر ایسے ہوتا ہے جیسے تیر جگر کے پار ـــــ لیکن کچھ کہے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔ کیونکہ حق کو چھپانا بھی منع ہے۔ خیر بطور اشارہ کچھ بیان کرتا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللهِ وَالْخَلْقُ مِنْ نُوْرِیْ

''میں اللہ کے نور سے ہوں اور خلقت میرے نور سے ہے۔''

دوسری حدیث میں اس اجمال کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرح سے بیان فرمائی ہے، کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورانور سے دریافت کیا:

''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے اوّل شے کی خبر دیجئے جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔۔۔''

یہ حدیث بہت طویل ہے۔ اس میں یہ بیان ہے کہ مجھ سے پہلے کوئی چیز یعنی لوح وقلم وغیرہ نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا میرے نور کو پھرایا۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ خلقت کو پیدا کروں تو میرے نور سے فلاں فلاں چیز کو پیدا کیا۔۔۔ اس حدیث پاک میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کل اشیاء میرے نور سے پیدا کی گئیں۔ اور یہ حدیث مبارک:

اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَا مِنَ اللهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ

''میں اللہ کے نور سے اور مومن میرے نور سے ہیں۔''۔۔۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ''میں اللہ سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں۔''

یہ کمال شفقت اور اتحاد کی بات ہے۔ مومنین چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی میں بال برابر فرق نہیں کرتے، اور اتحاد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کمال شفقت سے انہیں اپنے ساتھ شامل فرمایا ہے۔ ورنہ کل مخلوق نورِ محمدی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ظاہر ہوئی ہے —— ہرگاہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور ذاتی کو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے موسوم فرمایا —— اسی کو حقیقت محمدیہ وتعین نزول اوّل کہتے ہیں —— اس گفتگو سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کوئی چیز نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ وہ نور ذاتی ہے، سے خالی نہیں —— اور کل اشیاء میں اسی ذات احدیت کا جلوہ ہے۔ اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اللہ کے نزدیک کیا مرتبہ اور کیا قدر ومنزلت ہے یا ذاتِ خدا سے کیا نسبت رکھتے ہیں —— اس سوال کے جواب میں اس سے زیادہ ہم کچھ نہ کہیں گے کہ وہ حبیب خدا ہیں اور مرتبہ محبوبیت رکھتے ہیں —— حدیث پاک میں ہے کہ کسی صحابی کے سوال کے جواب میں بھی آپ نے فرمایا:

''ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اور میں حبیب اللہ ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی یہ قدر ومنزلت ہے کہ حدیث قدسی میں یہ فرمایا:

لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ، لَوْ لَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّتَ

''اگر تجھ کو پیدا نہ کرتا (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو البتہ میں ظاہر نہ کرتا اپنی ربوبیت کو۔''

یعنی تیری خاطر ہر دو جہان کو پیدا کیا —— اب اس سے زیادہ اور کیا قدر ومنزلت ہو سکتی ہے۔

اب ذرا گوش ہوش سے سنو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ذات الٰہی سے کیا نسبت ہے —— اب وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآن شریف میں اپنے اسماء حسنیٰ سے موسوم کیا ہے:

(۱) —— اللہ: وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (پ ۹ ع ۱۴)

''اے محبوب! اور تم نے نہیں پھینکی مشت خاک ولیکن اللہ نے پھینکی۔''

یعنی مٹی تم ہی نے پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے کافروں کے منہ میں خاک ڈالی۔ تیرا پھینکنا اے محبوب اللہ تعالیٰ کا پھینکنا تھا۔

(۲) —— اِنَّ اللّٰهَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ

"جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں دراصل وہ لوگ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔" یعنی تیرا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔

نُـوْرٌ

(۳)—— لَقَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ

"تحقیق تمہارے پاس آیا اللہ کی طرف سے نور اور قرآن (کتاب) روشن"(پ۲،ع۱۰)

(۴)—— يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (پ۲۶،ع۹)

"کافر چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے، حالانکہ اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو، اور اگرچہ کافر ناخوش ہوں۔"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور اللہ ہیں اور نور الٰہی کسی سے بجھ نہیں سکتا۔

حَقٌ

(۵)—— يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ

"اے لوگو! آیا تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف۔"(پ۱۱،ع۱۶)

(۶)—— فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ (پ۷،ع۷)

"پس تحقیق جھٹلایا انہوں نے حق کو جب آیا ان کے پاس۔"

یعنی یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسم حق سے موسوم کیا ہے۔

شَهِيْدٌ

(۷)—— وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (پ۲،ع۱)

"اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہ ہے۔"

رَؤُف و رحیم

(۸)—— حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ الرَّحِيْمُ (پ۱۱،ع۵)

''تم پر حریص ہیں مومنوں کے ساتھ اور رؤف و رحیم ہیں۔''

شَاھِد''

(۹)—— یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا

''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تحقیق ہم نے تم کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' (پ۲۰،ع۳)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا۔

کَرِیْم''

(۱۰)—— اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (پ۲۹،ع۶)

''تحقیق وہ البتہ قول رسول کریم کا ہے اور نہیں ہے وہ قول شاعر کا۔''

علیٰ ہذا القیاس خَبِیْر''۔ فَتَّاح''۔ شَکُوْر''۔ عَلِیْم''۔ هَادِی''۔ مُؤمِن''۔ مُهَیْمِن''۔ دَاعِیْ۔ عَظِیْم'' وغیرہ۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بتیس (۳۲) اسماء حسنیٰ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن شریف میں موسوم کیا ہے۔ یہاں گنجائش بیان نہیں، تفصیل کے لیے شفا شریف قاضی عیاض، شرح مشکوٰۃ شریف اور مدارج النبوت'' میں ملاحظہ فرمائیں —— چونکہ اللہ تعالیٰ سے نسبت و اتحاد ذاتی و صفاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ذاتی و صفاتی اسماء سے موسوم کیا ہے۔

اس گفتگو سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم العیاذ باللہ خدا تھے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ تعین کفر ہے—— البتہ اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ رسول اللہ اگرچہ خدا نہیں، لیکن خدا سے غیر وجدا بھی نہیں—— ارشاد نبوی ہے:

مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ

''جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے حق کو دیکھا۔''

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَیِّدَ الْبَشَرْ — مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ

لَا یُمْکِنُ الثَّنَآءُ کَمَا کَانَ حَقُّهٗ — بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

''اے صاحبِ جمال! اور بنی آدم کے سردار! —— آپ ہی کے رُوئے مبارک

کے انوار سے چاند روشن ہے۔ کوئی آپ کی تعریف جیسا کہ حق ہے نہیں کر سکتا (یہ ناممکن ہے) بس قصہ مختصر یہ کہ خدائے بزرگ و برتر کے بعد آپ ہی کی ذات اقدس کا مرتبہ (سب سے بڑا و اعلیٰ ہے)۔"

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم　　　کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

"اے غالب ہم حضور خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اقدس پر چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ وہی ذاتِ پاک (اپنے پیارے محبوب) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و مرتبہ کو خوب جانتا ہے۔"

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ

"اللہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور کی طرف، جسے چاہتا ہے۔"

واحدیت کیا ہے؟:

جس وقت اس ذات نے تعینات اقسام وانواع عالم کو اپنی ذات میں موسوم کیا تو اہل توحید نے اس کا نام "واحدیت" رکھا —— یہ مرتبہ ربوبیت والہیت ہے جس کو:

☆ —— حقیقتِ انسان ☆ —— اعیانِ ثابتہ ☆ —— حقائقِ ممکنات

☆ —— صورِ علمیہ ☆ —— برزخ صغریٰ

بھی کہتے ہیں —— یہ تعین وتنزل ثانی ہے —— یہاں ذات کو علم بالتفصیل ہے۔ اس مرتبۂ ذات تک صوفیہ کرام کے دونوں گروہ یعنی "وجودیہ" اور "شہودیہ" متفق ہیں —— تعین اوّل اور تعین ثانی مرتبۂ وجوب میں ہیں۔ اس میں کسی کو اعتراض و گفتگو نہیں۔ دونوں فریق بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں۔

تعین روحی یعنی عالم ملکوت:

قرآن کریم میں فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (پ ۲۳، ع ۴) اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے —— عالم ارواح جسے ملکوت بھی کہتے ہیں —— روح ایک وجود صرف بسیط ہے۔ جس کی کوئی صورت نہیں، مگر جس صورت

میں چاہتا ہے نمودار ہوتا ہے —— اور یہ معنی ہر ایک صورت میں ظاہر ہے۔ اس کو ''روح ربانی'' کہتے ہیں۔

؎ روح در مرأۃ قالب از ظہور وجہ اوست شخص رابہ شناس کاں ہم اوّل وہم آخراست
از ازل روئے برآں حسنِ ابد کرداست باز درپے معراجِ دل شوقاب قوسین ایں سراست

''قالب وجسم کے آئینے میں روح اس کے رُخِ روشن کے ظہور کی وجہ سے ہے۔ بس تو اس شخص (ہستی) کو پہچان۔ جو کہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ اس نے ازل سے اس ابدی حسن پر اپنا چہرہ دکھایا ہے۔ اب تو پھر ''معراجِ دل'' حاصل کرنے کی کوشش کر کہ تنزقاب قوسین کا راز یہی ہے۔''

اس کو تنزل وتعینِ سوم کہتے ہیں —— اس مرتبہ میں ذات باسم ''روح'' موسوم ہے۔ آیہ کریمہ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ میں اسی مقام کا بیان ہے۔

تعین مثالی یعنی عالم مثال:

عالم مثال کو ''لوحِ محفوظ'' بھی کہتے ہیں۔

؎ لوحِ محفوظ است پیشانی یار ہست دروے سر جاناں آشکار

''اس محبوبِ حقیقی کی منور پیشانی ہی لوح محفوظ ہے۔ بس اسی میں اس محبوب جاناں کا راز ظاہر ہے۔''

بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ۔ عالم مثال، صورِ مرکباتِ لطیفہ سے عبارت ہے جو قابل تجزیٔ وتبعیض نہیں، نہ ان کو خرق والتیام ہے۔ اسے:

☆ —— خیال منفصل ☆ —— تنزل وتعین چہارم

بھی کہتے ہیں —— یہاں ذات بمنزلہ مثال ہے۔

تعین جسدی یعنی عالم ناسوت:

صورِ مرکبات کثیفہ سے عالم اجسام مراد ہے جن میں تجزی وتبعیض وخرق والتیام

کی قابلیت ہے۔اس کو:

☆ ——عالم ناسوت ☆ —— عالم حس ☆ —— عالم شہادت

☆ —— مرتبۂ جامعیہ ☆ —— تعین و تنزل پنجم

بھی کہتے ہیں —— جو بھی حرکت یا حس اس عالم میں موجود ہے، عالم مثال کے واسطے سے ہے۔ یعنی فیاضِ مطلق کا فیض پہلے عالم ارواح میں پہنچتا ہے۔ پھر عالم مثال میں، پھر عالم حس و شہادت میں —— عالم شہادت صورِ حسی ہے جبکہ عالم مثال صور خیالی —— عالم ارواح ان دونوں سے لطیف تر، اور حق سبحانہٗ تعالیٰ سب سے اُلطف۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ.

؎ شنیدم کہ جمال تو دیدہ اند بسے ولے چنانکہ توئی آں چناں ندید کسے

"میں نے سنا ہے کہ تیرا جمال تو بہت سوں نے دیکھا ہے، مگر حقیقت میں جیسا کہ تو ہے ایسا کسی نے نہیں دیکھا۔ یعنی تیرے کمال کی حقیقت کو کسی نے نہیں جانا۔"

خلاصہ کلام تعینات:

علم اجمالی سے مراد تعین اوّل ہے، جس کو وحدت کہتے ہیں —— دوسرا تعین علم تفصیلی سے مراد ہے۔ جس کو "واحدیت، اعیان ثابتہ، صورعلیہ اور حقائق ممکنات" بھی کہتے ہیں —— تیسرا تعین روحی ہے، —— چوتھا تعین مثالی اور پانچواں تعین جسدی —— تمام صوفیہ کرام کے نزدیک تعین اوّل و ثانی مرتبۂ وجوب میں ہے —— باقی تین تعین یعنی روحی و مثالی و جسدی مرتبۂ امکان میں ہیں۔ لیکن راقم کے نزدیک روح قدسی یعنی روح اللہ ممکنات و مخلوقات میں داخل نہیں ہیں، بلکہ وہ ذاتی جلوہ ہے۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے —— اعیان ثابتہ و حقائق ممکنات کا وجود ظہور خارج میں نہیں ہے —— باقی تین تعین جو امکانی ہیں، وہی خارج میں نمودار ہیں —— یہ بھی فرماتے ہیں کہ اعیان ثابتہ کا سرمایہ ہیں۔ یہی محل جزا و سزا اور تکالیفِ شرعیہ ہیں —— صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ موجوداتِ امکانیہ خارجیہ، اعیان ثابتہ کا سایہ ہے ——

اعیانِ ثابتہ کیا ہیں؟

صور علمیہ یعنی ذات کا تفصیلی علم اور مفہوم کے لحاظ سے عین ذات نہیں۔ لیکن وجود کے لحاظ سے غیر ذات بھی نہیں ہے —— بعض کے نزدیک علم عین ذات ہے اور ذات عین علم ہے۔

مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صفات تعالیٰ مِنْ حَیْثُ الْمَعْقُوْلُ غیر ذات ہیں۔ اور مِنْ حَیْثُ التَّحْقِیْقِ وَالْحُصُوْلِ عین ذات اور تعین ذاتی کے اعتبار سے حضرت علم میں ہر شے کے وجود کی حقیقت کا تعین ہے۔ یعنی اعیان ثابتہ کا عکس یا سایہ ہے —— وہ آثار و احکام جن کی تکلیف دی گئی ہے، موجوداتِ خارجی کے لیے ترتیب دیئے گئے ہیں نہ کہ اعیانِ ثابتہ کے لیے —— کیونکہ احکام کی ترتیب وجودِ مفصل کے لیے ہے —— اور اعیانِ ثابتہ کا زوال و انفصال ہستیٔ باری تعالیٰ سے محال ہے۔ کیونکہ حقائق ہمیشہ وجود کے باطن میں پوشیدہ ہیں، اور ان کے آثار و احکام ظاہر وجود پر ظاہر ہیں —— صور علمیہ کا زوال وجود کے باطن سے محال ہے۔ ورنہ خدا کی ذات میں جہل لازم آتا ہے۔ چنانچہ مفہوم کے اعتبار سے صفت غیر موصوف ہے۔ اس بیان میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جاتی۔

ہمسایہ و ہم نشین و ہمرہ ہمہ اوست —— در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
درانجمنِ فرق و نہاں خانۂ جمع —— باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

”ہمسایہ و ہم نشین اور سب کے لیے بس وہی ہے۔ فقیر بے نوا کی گدڑی میں اور اطلسی زرکار قبائے شاہی میں بھی وہی ہے۔ محفل و تنہائی اور گھر کے مجمع میں بھی خدا کی قسم وہی چھپا ہوا ہے، اور وہی اللہ ہے۔“

الحق کہ نہیں ہے غیر ہرگز موجود —— جب تک کہ ہے وہم غیر حق ہے مفقود
حق یہ ہے کہ وہم کا بھی ہونا حق ہے —— حق ہے تو ہر ایک طرح سے حق ہے مشہود

حقیقت میں کثرت وجود کی اقسام سے نہیں، کثرت کو غلطی کے باعث وجودات میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیسے وحدت کی اصل کثرت کا وجود ہے اور عدم پر مبنی ہے۔ کیونکہ

ہم دیکھتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شے واحد ہے۔ اگر دیوار میں ایک مکان کے کئی روشن دان برابر ہوں تو اندھیرے کے باعث ہر روشن دان کا نور جدا معلوم ہوگا۔ غرض یہ کثرت اندھیرے کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اگر اِدھر اُدھر بیچ میں اندھیرا نہ ہو، یعنی دیوار کو مکان کے بیچ میں سے اٹھالیں تو سب جگہ نور ہی نور ہو جائے —— اور یہ فرق و امتیاز و تعدد جس کا نام کثرت ہے باقی نہ رہے۔ اندھیرا چونکہ نور کے نہ ہونے کو کہتے ہیں، اور یہی عدم ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ کثرت عدم کے باعث معلوم ہوتی ہے، وجود کی اقسام میں سے نہیں —— القصہ کوئی یوں نہ دھوکا کھائے کہ کثرت بھی تو وجود کی اقسام میں سے ہے۔ وجود عالم عارضی ہے۔ تو یہ بھی کسی موجودِ حقیقی کا فیض ہوگا تو لازم آئے گا کہ کثرت بھی خدا کے اندر ہو —— کیونکہ فیض اسی چیز کا ہوتا ہے جو اپنے اندر ہوتی ہے۔ آگ میں اگر گرمی نہ ہو تو دوسروں کو کیا گرم کرے —— اس گفتگو سے یہ بھی ثابت ہوا:

☆ —— جو اوصاف وجود کی اقسام میں سے ہیں، اور عالم میں پائے جاتے ہیں جیسے بینا ہونا، وہ ضرور ہے کہ خدا میں بھی ہوں۔

☆ —— جو اوصاف عدمی ہوں جیسے نابینا ہونا، وہ ضرور ہے کہ خدا میں بھی نہ ہوں۔

☆ —— یہ بھی ثابت ہوا کہ جو موجود اصلی ہو، اس میں کسی طرح کثرت کی گنجائش نہ ہو۔

نہیں تو وحدت جو اوصاف وجودی میں سے ہے (چنانچہ ابھی ظاہر ہوا) اس میں اصلی نہ ہو۔ حالانکہ یہ محال ہے کہ وجود تو اس کا اصلی ہو۔ موجودات کو سب قسم کا وجود اس سے پہنچے، اور ہر طرح کے وجود کا معدن اور منبع وہ ہو —— پھر اس میں بعض قسم کے وجود اصلی نہ ہوں۔

اِس گفتگو سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وجود اس کا عین ذات ہے اور ذات اس کی عین اوصاف ہے، اور اوصاف اس کے عین وجود ہیں —— یہ نہیں کہ ذات اس کی اور ہے

اور اوصاف اور ہیں، اور وجود اور ہے۔ ورنہ دو خرابیاں لازم آئیں گی:

(۱) ایک تو یہ کہ اس میں وحدت اصلی نہ ہو۔ حالانکہ اس کی وحدت کا اصلی ہونا ابھی ثابت ہوا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ جیسے ہمارا وجود بہ سبب اس کے کہ ہماری ذات پر ایک شے زائد ہے عارضی ٹھہرا، ایسے ہی اس کا وجود بھی عارضی ہوگا۔ پھر وہ وجود اصلی کیوں ہوگا۔

غرض یہ ہے کہ کثرت تو محض وہی نموداری ہے۔ البتہ اس میں جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ ہستی واحد کا پرتو ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث، دہلوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ آیت مبارک

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا

قاری سے سنتے تھے تو فرمایا کرتے تھے: یالَیْتَہَا تَمَّتْ یعنی کاش یہ حالت تمام ہو جاتی اور ہم نے جس جگہ سے سفر کیا ہے پھر وہاں پہنچ جاتے اور کثرت وحدت میں متلاشی ہوتی —— اور حباب دار دریائے بے پایان ازل میں نیست و نابود ہو جاتے۔ یعنی یہی حالت موہومہ موجب گرفتاری ہے۔ اور جب یہ وہم جاتا رہا پس وہی ایک ذات ہے جس کے لیے کوئی نام مقرر نہیں۔

محققین اہل وجود اور اہل شہود:

محققین اہل وجود اور اہل شہود کے درمیان جو جنگ ہے، یہ فریقین میں نزاع لفظی ہے نہ حقیقی —— کیونکہ موجود کی چار قسمیں ہیں:

☆ —— واجب الوجود ☆ —— ممتنع الوجود

☆ —— ممکن الوجود ☆ —— واحد الوجود

واجب الوجود وہ ہے کہ جس کا وجود لازمی وضروری ہو اور اس کا عدم محال —— ممتنع الوجود وہ ہے کہ جس کا عدم ضروری و لازمی ہو اور اس کا وجود محال —— ممکن الوجود وہ ہے جس کا وجود و عدم دونوں مساوی ہوں —— واحد الوجود وہ ہے کہ اس کی

ہستی کے سوا کسی کی ہستی نہ ہو۔

لہٰذا ذات احدیت کو باعتبار مرتبۂ علم اجمالی (کہ جس کو حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وملاحظہ صفت وحدت کہتے ہیں) تنزل اوّل ہے —— جب یہ مرتبۂ اسماء وصفات کی علت و مبداء ہوا، یعنی علم تفصیلی کے درجے میں آیا تو اس کا نام تنزل ثانی رکھا —— ان ہر دو تنزل کو واجب وقدیم کہتے ہیں —— اسماء صفات جبکہ اپنے ظہور میں عالم ارواح کی حاجت وضرورت رکھتے ہیں یہ تنزل ثالث ہے —— عالم مثال کہ رویا کے مانند ہے جو خواب میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ عالم ارواح وعالم اجساد کے درمیان برزخ ہے۔ اس کو تنزل رابع کہتے ہیں —— اور مرتبۂ اجساد تنزل خامس ہے۔ یہ ہر سہ تنزلات ممکن وحادث ہیں۔ ان کا حمل ہر دو تنزل سابق پر نہیں کیا جاسکتا کہ موجب کفر ہے —— کیونکہ حمل میں محمول کو اپنے موضوع کے ساتھ کسی قدر اتحادِ مطابقت و موافقت ضروری ولازمی شرط ہے، اور اس میں مادۂ مغائرت ذاتی رکھتے ہیں۔ لہٰذا حملِ کس طرح صحیح و درست ہوگا بخلاف حمل اشتقاقی کے کہ ذُوْلَـهٗ فی کے واسطے سے ہوتا ہے —— چونکہ صوفیہ کرام وجودیہ کی نظر وجودِ واحد پر ہوتی ہے، تنزلات ثلثہ ممکنہ کو مثل ظلال موجود بوجود ذی ظل بلکہ من کل الوجوہ موہوم ومعدوم مطلق جانتے ہیں، مستقل وجود نہیں جانتے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنے منشا کے اعتبار سے ان کا عین ہے ——

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ ممکن وحادث کے دو وجود ہیں: اجمالی و تفصیلی ——

صوفیہ وجودیہ فرماتے ہیں کہ ممکن بوجود اجمالی کہ منشاء سے مراد ہے، عین واجب ہے۔ —— صوفیہ شہودیہ کا کہنا ہے کہ وجود تفصیلی ممکنات واجب تعالیٰ سے بالذات مغائرت رکھتا ہے۔ اس کا حمل اس پر ناجائز ہے —— اور اسی نزاع لفظی پر فریقین کی جنگ ہے۔

حضرت مظہر جان جاناں نقشبندی مجددی شہودی علیہ الرحمہ ایک سائل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرات صوفیہ وجودیہ کا اطلاق تین معنوں پر ہے:

(۱)——ایک تو وجود معنی کون وحصول کہ وہ امر اختلافی اور معقول ثانوی ہے۔

(۲)——دوسرے وجود منبسط (وسیع و محیط) کہ وہ پہلے معنون کا منشاء انتزاع (اختلاف) ہے، اور وہ ظاہر وجود سے تعبیر ہے، اور اوّل وجود سے صادر ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں وجود حضرت حق تعالیٰ تقدس سے متاخر (بعد) ہیں ——ذاتِ حق ان دونوں وجود سے مصدر آثار نہیں ہوسکتی۔

☆——تیسرے وہ وجود جو کہ اولوں سے اوّل اور سب (تمام) ابتداؤں کی ابتداء ہے——

ایک گروہ کے نزدیک وہ عین ذات ہے، اور ذات اس وجود سے مصدر آثار ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک خود اپنی مصدر آثار ہے۔ جبکہ وجود وذات دونوں درحقیقت ایک ہوں۔ تو آثار میں خواہ وجود سے منسوب کریں۔ خواہ بذات' مطلب ایک ہی ہے۔ یہ اختلاف نزاع لفظی ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔''

فصل چہارم:

تنزلات بطرز دیگر

ہویتِ حق:

ذات کا بے اعتبار ماسویٰ ملاحظہ ہویت حق ہے۔یعنی ماسویٰ سے قطع نظر کر کے ذات کو دیکھنا۔اس کو:

☆——ہویت مطلقہ ☆——بطن کل باطن ☆——غیب الغیب

کہتے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ صحرائے ہویت میں خیال و وہم اور ادراک وفہم کے پر جلتے ہیں، کسی کو پرواز کی مجال نہیں۔

بخیال درنگنجد تو خیال خود مرنجاں ۔ زجہت بود مبرا مطلب بیچ سویش

''وہ تیرے تو خیال میں بھی ہرگز نہیں آ سکتا۔پس تو اپنے خیال کو تکلیف نہ دے۔اور جبکہ وہ سمت وجہت سے ہی مبرا ہے تو پھر تو کسی طرف اسے تلاش نہ کر۔''

احدیت ذات یعنی عالم لاہوت:

بشرط قطع نظر جمیع ماسویٰ ذات کا ملاحظہ احدیت ذات سے عبارت ہے——اس حضرت کو احدیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں کثرت مستہلک ومقہور ہے۔——اس کے احکام ظہور سلطنت وحدت کے مقابل مستور ہیں۔اس حضرت کو:

☆——مرتبہ عما ☆——حضرت جمع ☆——علم مطلق

بھی کہتے ہیں——اس لیے کہ اولوالانظار کی ابصار اور ذی الافکار کی بصائر اس حضرت کے ادراک سے کور ہیں——اسے ''حقیقت الحقائق'' اس لیے کہتے ہیں کہ جمیع حقائق و ماہیات کا قیام اس ذات میں ہے——اس حضرت میں کوئی تنزیہہ، بے شائبہ تشبیہ، اور تشبیہ بے غائلہ تنزیہہ حاصل نہیں ہوتی——اس لیے رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

تَفَكَّرُوْا فِيْ نِعْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَلَا تَفَكَّرُوْ فِيْ ذَاتِهٖ

؎ اے منزہ ز این و آں کہ توئی ــــ کہ شناسد ترا چناں کہ توئی

"اے وہ مقدس ہستی جو اس "یہ" اور "وہ" سے بری اور پاک ہے۔ بھلا کب کوئی تجھے ایسا پہچان سکتا ہے جیسے کہ حقیقت میں تو ہے۔"

؎ ساحت کبریات افزوں است ــــ زانچہ من مے برم گماں کہ توئی

"تیری کبریائی وعظمت کا شمار ومقدار اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ میں خیال وگمان کرتا ہوں کہ تو ایسا ہے۔"

ہیچ کس بے نشاں نہ گشتہ ترا ــــ در نیابد بداں نشاں کہ توئی

"کوئی شخص بھی تجھ سے بے نشاں نہیں ہوا، اس کے باوجود وہ نشان نہیں پاتا جو تو ہے۔ یعنی ہر جگہ تیری شان ونشان کے باوجود کوئی تیرا مقام ونشان نہیں پاسکتا۔"

؎ در جلابیب گرچہ پنہانی ــــ واندت جان خردہ داں کہ توئی

"اگر چہ تو (نور وظلمات کے بے شمار) حجابوں اور نقابوں میں پنہاں ہے۔ لیکن پھر بھی ہر ایک چھوٹے سے چھوٹا جاندار بھی خوب جانتا ہے کہ تو ہے۔"

؎ آشکارا بہر چہ مے نگرم ــــ بہ تواں داشتن نہاں کہ توئی

"جس طرف اور جس کی طرف بھی دیکھتا ہوں تو مجھے آشکارا وظاہر نظر آتا ہے، اور یہ سمجھنے کے باوجود (کہ ہر شے میں اگر تو عیاں ہے) تو نہاں بھی تو ہی ہے۔"

ذاتِ حق سبحانہ، تعالیٰ درحقیقت ایک ہستی ہے جو زوال ونقص سے مبرا ہے، اور تمام ہستیوں سے ظاہر تر ہے۔ کیونکہ وہ خود بخود ظاہر ہے، اور جمیع ہستیوں کا موجب وہی ذات واحد ہے۔

؎ ہمہ عالم ز نور اوست پیدا کجا او گردد از عالم ہویدا

''تمام عالم اسی کے نورِ مقدس سے پیدا وموجود ہیں۔ مگر وہ کب عالم کے ہونے سے ظاہر ہے۔ (یعنی وہ ذاتِ پاک خود ظاہر ہے، کسی کی وجہ سے ظاہر نہیں ہے۔)

؎ چو آیات است روشن گشتہ از ذات نہ گردد ذات او روشن ز آیات

''جب کہ اس کی نشانیاں اور آثار اس کی ذاتِ مقدس ہی سے روشن ہوئی ہیں، تو (ثابت ہوا کہ) اس کی ذاتِ پاک ان آیات اور نشانیوں سے روشن نہیں ہے۔ (بلکہ یہ سب اسی کے فیض و کرم سے موجود اور ظاہر ہیں۔ وہ ذاتِ پاک سب سے بے نیاز ہے۔)

وہ ہستی خود نما ہے، ہر طرح کے تغیر و تبدل سے اور شمار و کثرت سے مبرا ہے۔ کیونکہ ہستی کے سوا حقیقی نمائندگی ممکن نہیں۔ وہ ہستی تمام نشانوں سے بے نشان ہے —— نہ عیاں ہے نہ نہاں ہے —— نہ علم میں آئے نہ عیاں میں —— جمیع اشیاء کے اسماء اسی سے مدرک ہیں —— وہ احاطۂ ادراک سے باہر ہے —— سر کی آنکھ اس کے مشاہدہ جمال میں خیرہ، اور دیدہ سر اس کے ملاحظہ کمال میں تیرہ (یعنی اس کے حسن کے نظارے کی تاب نہیں رکھتی، اور اس کے کمالات دیکھتے ہوئے اندھی ہو جاتی ہے۔) —— حقیقتاً وہ ہستی اپنی دلیل آپ ہے —— اس میں کثرت کو کسی طرح دخل نہیں۔ بس اپنی خودی پر وہ خود ہی دلیل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ

''کیا تیرا رب کافی نہیں ہر چیز پر گواہ''

؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت باید از وے رخ متاب

''آفتاب اپنے ہونے کی خود دلیل اور ثبوت ہے —— اگر تو اس کی دلیل و ثبوت چاہتا ہے تو اس سے اپنا منہ نہ چھپا۔ (یعنی اس کو دیکھ تو سہی)۔''

وہ ذاتِ وجود سادہ وہستی بحت ہے —— لفظ وجود کو کبھی بمعنی تحقق و حصول یعنی

ہونا کہ معانی مصدریہ ومفہوماتِ اعتباریہ میں اطلاق کرتے ہیں ——— اس اعتبار سے معقولاتِ ثانیہ کے قبیلہ سے ہے، کہ خارج ہیں ——— اس کے مقابل کوئی امر نہیں، بلکہ ماہیات کو تعقل عارض ہوتا ہے ——— حکمائے متکلمین نے اس کی تشریح کی ہے۔ لفظ ''وجود'' سے کبھی ایک حقیقت مراد لیتے ہیں۔ کہ جس کی ہستی بذاتِ خود ہے۔ باقی موجودات کی ہستی اس کے سبب سے ہے۔ حقیقت میں اس کے سوا کوئی خارج میں موجود نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَهٗ شَيْءٌ وَالْاٰنَ كَمَا كَانَ

''تھا اللہ تعالیٰ اور نہ تھی کوئی شے اس کے ساتھ، اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔''

یہ باقی موجودات اس کے عوارض ہیں اور اسی کے ساتھ قائم ہیں ——— اقوال ارسطو ہکھیامنی، بدھ مت اور اقوالِ مت، عرفائے کاملین اسلام کا ذوق ووجدان اس پر گواہی دیتا ہے۔ ۃ

اسم وجود کا حضرت حق سبحانہ، تعالیٰ پر اطلاق بمعنی ثانی ہے ——— اس سے ثابت ہے کہ موجودِ حقیقی ایک کے سوا نہیں، اور وہ عین وجود حق، ہستی مطلق ہے ——— اکثر مذاہب کی کتبِ تصوف میں یہ مسئلہ بالتفصیل موجود ہے، ہم بھی اسی کے ثبوت کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وجود کے لیے مراتب بے شمار ہیں:

(۱) اوّل مرتبہ ''لاتعین وعدم انحصار'' ہے۔ وہ ہر قید اور ہر اعتبار سے مطلق ہے ——— اس حیثیت میں جملہ اضافات وصفات سے منزہ اور دلالتِ الفاظ ولغارت سے مقدس ہے۔ اس کے جلال کی رفعت زبان سے ادا نہیں ہو سکتی ——— اس کے کمال کی کنہہ سمجھ نہیں آ سکتی۔ اربابِ کشف وعرفان بھی اس کی حقیقت کے ادراک سے حجاب در حجاب ہیں۔ وَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ اس کے عرفان کی غایت حیرانی ونادانی ہے۔ اس مرتبہ کو:

☆ ——— حضرتِ علم مطلق ☆ ——— حضرت جمع

☆ــــــ مرتبۂ عما ☆ــــــ حقیقت الحقائق

بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ساری حقیقتیں اور کل ماہیتیں اسی سے قائم ہیں۔ اسی کو "جمع الجمع" بھی کہتے ہیں ــــ اس لیے کہ تمام اسماء وصفات اور حقائق و ماہیات اس میں مجتمع ہیں۔ کلام سرچشمہ ولایت کا اشارہ اسی مرتبہ کی طرف ہے:

اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُہٗ وَکَمَالِ مَعْرِفَتِہِ التَّصْدِیْقُ بِہٖ وَکَمَالُ التَّصْدِیْقُ بِہٖ تَوْحِیْدُہٗ وَکَمَالُ تَوْحِیْدِہِ الْاِخْلَاصُ وَکَمَالُ الْاَخْلَاصِ لَہٗ نَفْیِ الصِّفَاتِ عَنْہُ

"دین اسلام کی ابتداء خدا جاننا ہے، اور جاننے کا کمال اس کی تصدیق کرنا ہے، اور اس کی تصدیق کا کمال اس کی وحدت و واجب الوجود ہونے پر پورا یقین کرنا ہے (جو عقل و نقل دونوں سے حسب استعداد افراد الناس ثابت ہوتا ہے) اور اس کی توحید کا کمال اس کی ذات کے ساتھ خلوص پیدا کرتا ہے۔ اخلاص کا کمال ذات باری سے صفات کا نفی کرنا ہے۔"

اس مرتبہ کا نام احدیت ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ وحدت کا ہے۔ یعنی وہ ایک تعین ذات جمیع تعینات فعلیہ وجوبیہ الٰہیہ اور تعینات انفعالیہ امکانیہ کا جامع ہے ــــ اس مرتبہ کا نام "تعین اوّل" ہے۔ اس لیے کہ تعینات میں سے اوّل حقیقت وجود کا تعین ہے ــــ اس کے مافوق مرتبۂ لاتعین ہے ــــ اس مرتبۂ وحدت ہی کا نام حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔

تیسرا مرتبہ "واحدیت" کا ہے ــــ واحدیت سے مراد یہ ہے کہ جمیع اسماء و صفات کے ساتھ ذات کا ملاحظہ ــــ اس مرتبہ کو:

☆ــــ مرتبۂ الوہیت ☆ــــ مقام جمع ☆ــــ غیب مضاف

بھی کہتے ہیں ــــ مرتبۂ الوہیت کو اگر اس اعتبار سے ملاحظہ کریں کہ اعیان و حقائق جو حضرتِ خالق کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں۔ اپنی استعداد کے موافق

اکتساب کمالات کرتے ہیں تو اس کو "مرتبہ ربوبیت" کہتے ہیں ——

اگر ذات کو بشرط صور علمیہ ملاحظہ کریں تو اس کو "مرتبۂ اسم باطن مطلق و العلم" کہتے ہیں کہ رب اعیان علمیہ ثابتہ کا ہے —— اگر ذات کو بشرط کلیاتِ اشیاء فقط ملاحظہ کریں تو اس کو مرتبہ "اسم رحمٰن کہتے" ہیں۔ کہ رب عقل اول کا ہے جس کو:

☆ —— لوحِ قضا ☆ —— اُمُ الکتاب ☆ —— قلمِ اعلیٰ

کہتے ہیں ——

اگر ذات کو اس شرط کے ساتھ ملاحظہ کریں (کہ اس میں کلیات جزئیات ثابتہ مفصلہ ہوں، بغیر اس کے کہ وہ جزئیات ان کلیات میں محتجب ہوں) تو اس کو "مرتبہ اسم رحیم" کہتے ہیں کہ رب نفس کلیہ کا ہے۔ جس کو:

☆ —— لوحِ قدر ☆ —— لوحِ محفوظ ☆ —— کتابِ مبین

کہتے ہیں ——

اگر ذات کو ملاحظہ کریں (اس شرط کے ساتھ کہ صور مفصلہ اس میں جزیہ متقررہ ہوں) تو اس کو مرتبۂ اسم یحیٰی کہتے ہیں۔ جو کہ جسم کلی میں نفس منطبعہ کا رب ہے۔ جس کو لوح محو واثبات کہتے ہیں ——

اگر ذات کو اس شرط کے ساتھ ملاحظہ کریں کہ وہ صور نوعیہ روحانیہ وجسمانیہ کے قابل ہے تو اس "مرتبۂ اسم قابل" کہتے ہیں جو کہ ھیولیٰ کلیہ کا رب ہے۔ جس کو "کتاب مستور ورق منشور" کہتے ہیں ——

اگر ذات کو اس شرط کے ساتھ ملاحظہ کریں کہ اس میں تاثیر وتاثر کی قابلیت ہے تو اس کو "مرتبۂ اسم فاعل" کہتے ہیں۔ جو کہ موجد فاعل کی طرف معبر ہے اور طبیعت کلیہ کا رب ہے ——

اگر ذات کو بشرط صور روحانیہ مجردہ ملاحظہ کریں تو اس کو "مرتبۂ اسم علیم و مفصل و مدبر" کہتے ہیں۔ جو کہ عقول ونفوس ناطقہ کا رب ہے —— حکماء جسے عقل مجردہ کہتے ہیں' اہل اللہ اسے روح کہتے ہیں —— اس لحاظ سے عقل اول کو روح اللہ

کہتے ہیں ـــــ حکماء جسے نفس مجردہ کہتے ہیں، اہل اللہ اس کو قلب کہتے ہیں۔ جس وقت کہ اس پر کلیات مفصل ہوں اور شہود عیانی کے ساتھ ان کلیات کا مشاہدہ کرے ـــــ پس عقل اوّل روح اللہ ہے، اور نفس مجرد قلب، اور ان کے نزدیک نفس سے مراد نفس منطبعہ حیوانی ہے۔

اگر ذات کو بشرط صور رستہ شہادیہ ملاحظہ کریں تو اس کو "مرتبۂ اسم مصوّر" کہتے ہیں جو کہ عالم خیال مطلق وخیال مقید کا رب ہے ـــــ اگر ذات کو بشرط صور رستہ شہادیہ ملاحظہ کریں تو اس کو اسم ظاھر مطلق و آخر کہتے ہیں۔ جو کہ عالم ملک کا رب ہے۔ اسے مرتبۂ انسانِ کامل کہتے ہیں ـــــ انسانِ کامل سے مراد وہ انسان ہے کہ جس میں جمیع مراتبِ الٰہیہ، عقول ونفوس کلیہ وجزیہ اور مراتب طبیعت وجود کے آخر تنزلات تک جمع ہوں۔ اسی کو مرتبۂ عمائیہ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ مرتبہ، بمرتبہ الٰہیت مشابہت رکھتا ہے ـــــ ان دو مراتب کے درمیان فرق ربوبیت و مربوبیت کا ہے ـــــ اسی لحاظ سے سرِ خلافت حق اور جناب مطلق کے اسماء وصفات کا مظہر قرار پایا ہے۔

عالم ارواح:

یہ عالم مرتبۂ الوہیت کی تفصیل اور اس کے اسماء وصفات کا مرتبہ ہے۔ دو مراتب کا اعتبار ظاہر وجود کی حیثیت سے ہے کہ وجوب وصفت اس کا خاصہ ہے۔

عالم مثال:

یہ مرتبۂ جمیع تعینات انفعالیہ کا ہے کہ تاثر و انفعال انہیں کی شان ہے ـــــ یہ مرتبۂ کونیہ امکانیہ کا ہے۔

عالم حس وشہادت:

یہ مرتبۂ تفصیل، مرتبۂ کونیہ کا ہے کہ مرتبۂ عالم حسی ہے ـــــ ان دو مراتب کا عروض ظاہری اعتبار سے علم کے ہے ـــــ امکان اس کے لوازم میں ہے۔ یہ اس کی تجلی ہے کہ اپنے اوپر بصورِ حقائق واعیان ممکنہ تجلی فرمائی ہے ـــــ

فی الحقیقت وجود ایک ہی ہے زیادہ نہیں، جو ان تمام مراتب و حقائق میں عین مراتب و حقائق ہے —— جس طرح یہ مراتب و حقائق، مرتبۂ ذات میں عین ذات ہیں۔

وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا

''اور تحقیق پیدا کیا میں نے تجھ کو پہلے اس سے، اور نہ تھا تو کچھ۔''

شاہد حال ہے —— یہاں اسماء وصفات حق تعالیٰ کو بہ حسب کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَأْنٍ مراتبِ الٰہی میں شوق و تجلیات ہے، اور بہ حسب شوق و تجلیات، اسماء وصفات ہیں —— اس کی صفات یا تو ایجابی ہیں یا سلبی ——

☆ —— صفات ایجابی یا تو حقیقی ہیں کہ ان میں اضافت کو کچھ بھی دخل نہیں۔

جیسے: ٥ —— حیاتؑ ٥ —— وجوبؑ ٥ —— بقاء۔

☆ —— یا اضافی ہیں۔ جیسے ربوبیت، علم، ارادت۔

☆ —— یا محض اضافت ہے۔ جیسے اولیت و آخریت۔

☆ —— اور صفات سلبی جیسے غنا، سبوحیت و قدوسیت

ان میں سے ہر ایک صفت ایجابی و سلبی کا ایک وجود ہے —— یہ وجود جیسے کہ عدم پر ایک وجہ سے عارض ہوتا ہے —— معدوم پر بھی عارض ہے، وہ وجود تجلیات ذاتِ حق سبحانہ، تعالیٰ سے عبارت ہے۔ اس وجود کے مراتب کے اقتضا پر کہ تمام کو مرتبۂ الوہیت جامع ہے —— اس کا نام ''لسان شرع عما'' ہے۔ اول کثرت وجود میں واقع ہوئی ہے۔ وہ حضرت احدیت ذاتیہ اور مظاہر خلقیہ کے درمیان برزخ ہے۔ کیونکہ ذاتِ حق تعالیٰ نے صفات متعددہ متقابلہ کو بذاتِ خود بحسب مراتب الوہیت اور الوہیتِ خویش اقتضا کیا ہے۔ جیسے لطف و قہر، رحمت و غضب، سخا و رضا وغیرہ —— ان جمیع لغوتِ متقابلہ کو جمال و جلال جامع ہے۔ اس لیے کہ:

☆ —— جو کچھ لطف و رحمت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، وہ جمال ہے۔

☆ —— جو قہر و قہمت کے ساتھ متعلق ہے، وہ جلال ہے۔

☆——ہر ایک جمال کو جلال اور جلال کو جمال ہے۔

ذات کو جب باعتبار تجلی کسی معین صفت کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے تو اس کو اسم کہتے ہیں——جیسے کہ رحمٰن ایک ذات ہے موصوف بہ رحمت——قہار ایک ذات ہے موصوف بہ قہر——یہ اسمائے ملفوظ اسی ذات کے نام ہیں۔اس خیال سے کہ اسم کو عین مسمّٰی کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات پر علم، بذاتِ خود اپنے جمیع کمالات پر علم کا موجب ہو، اور محبت الٰہی نے (کہ جس کو قابلیت ظہور کہتے ہیں)۔ان کمالات میں سے ہر ایک کے ساتھ اوّل حضرت علمیہ میں، پھر حضرت عینیہ میں ظہور ذات کو چاہا۔اسی وجہ سے ظہور کثرت نمودار ہوا۔ چنانچہ بعلم ذاتی کثرت ایک راجع ہے——پھر صفات اس لحاظ سے کہ یا تو جملہ دیگر صفات پر ان کو احاطہ کلی ہے یا احاطہ کلی نہیں ہے، باہم متفاوت ہیں——

جو صفات کہ جمیع صفات کو محیط ہیں، ان کا نام ''ائمہ سبعہ'' ہے۔اور وہ

☆——حیات ☆——علم ☆——ارادہ

☆——قدرت ☆——سمع ☆——بصر ☆——کلام

ہیں——یہ سات صفات اگرچہ تمام صفات کے اصول ہیں لیکن بعضے بعض سے متاخر ہیں۔ جیسے کہ علم، حیات سے متاخر ہے، اور ارادت و قدرت دو اوّل سے متاخر ہیں۔——اور سمع و بصر ان چار سے متاخر ہیں، اور کلام سب سے آخر——مراتب اسماء بھی اس لحاظ سے کہ ان کو دوسرے اسماء پر شمولِ کلی ہے یا شمولِ کلی نہیں ہے، باہم متفاوت ہیں——

اور یہ اسم یعنی اوّل و آخر، ظاہر و باطن، ان کا نام ''ائمہ اربعہ'' ہے——اسم اللہ اور اسم الرحمٰن ان میں سے ہر ایک جامع جمیع ائمہ ہے——ارشاد باری ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

''کہو اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو، جو کہہ کر پکارو گے، سو اسی کے ہیں نام سب خاصے۔''

جمیع اسماء کو ان چار اسماء کا شمول اس وجہ سے ہے کہ جس اسم کا مظہر ازلی و ابدی ہے، ازلیت اس کے اسم اوّل سے ہے، اور ابدیت اس کے اسم آخر سے ـــــ ظہور اس کا اسم ظاہر سے، اور بطون اس کا اسم باطن سے۔

جو اسماء کہ ابداء و ایجاد کے متعلق ہیں وہ اسم اوّل کے تحت میں ہیں ـــــ جو بجز او معاد متعلق ہیں، وہ اسم آخر کے تحت ہیں ـــــ جو ظہور و بطون متعلق ہیں، وہ اسم ظاہر و باطن کے تحت ہیں ـــــ کوئی شے اولیت و آخریت اور ظہور و بطون سے خالی نہیں ـــــ چنانچہ کل اسماء ان امہات اربعہ کے تحت ہیں ـــــ اور یہ چاروں اسم، اسم اللہ و اسم الرحمن کے تحت میں ہیں۔ پس صفات بحیثیت معقولہ غیر ذات ہیں ـــــ اور بحسب تحقق عین ذات ہیں ـــــ مثلاً

☆ ـــــ حی باعتبار صفت حیات ایک ذات ہے،

☆ ـــــ سمیع و بصیر و کلیم باعتبار صفت سمع و بصر و کلام ایک ذات ہے۔

اور کچھ شک نہیں کہ یہ صفات جیسے بہ حسب مفہوم ایک دوسرے کے متغائر ہیں، ذات کے بھی متغائر ہیں۔ لیکن تحقق و ہستی کے لحاظ سے عین ذات ہیں ـــــ کیونکہ یہاں وجودات متعدد نہیں بلکہ محض وجودِ واحد ہے۔ اسماء وصفات اس کے نسب و اعتبار ہیں۔ ذات بحیثیت ذات، جمیع اسماء وصفات، نسب و اضافات سے منزہ و مبرا ہے ـــــ مگر چونکہ اوّل تجلی میں ظہور عالم کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ اس لیے ان امور میں اتصافِ ذات ہے۔ یعنی اپنی ذات پر خود بخود تجلی فرمائی، اور علم و نور، وجود و شہود کی نسبت متحقق ہوئی:۔

☆ ـــــ علم کی نسبت چاہتی ہے کہ ایک عالم ہو اور ایک معلوم،

☆ ـــــ نور کی نسبت کے لیے لازم ہے کہ ایک ظاہر ہو اور ایک مظہر،

☆ ـــــ وجود کی نسبت کے لیے ایک واجد ہو اور ایک موجود،

☆ ـــــ شہود کی نسبت کے لیے چاہئے کہ ایک شاہد ہو اور ایک مشہود۔

اسی طرح ظہور جو کہ نور کے لیے لازم ہے، اس سے پہلے بطون ہونا چاہئے ـــــ بطون چونکہ ظہور پر مقدم ہے، اس لیے بطون وظہور میں اوّل و آخر کی نسبت ہوئی ـــــ اسی وجہ سے اوّل و آخر، ظاھر و باطن کے نام ٹھہرے ـــــ اسی طرح دوسری اور تیسری تجلّی میں تعینات واضافات یعنی نسبتیں بڑھتی گئیں ـــــ ہر چند کہ اس کے نسب واسماء کا تضاعف اس کے ظہور سے پیشتر ہے، لیکن اس کا خفا اس سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ خفا باعتبار صرافت و اطلاق ذات کے ہے۔ اور اس کا ظہور باعتبار مظاہر و تعینات ہے۔

ایجادِ عالم:

عالم ماخوذ ہے علامت سے ـــــ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز رکھی جائے ـــــ یہ اسم آلہ ہے، عالم آلۂ علم ہے ـــــ جیسے خاتم آلہ ختم ـــــ اصطلاح میں "جمیع ماسوی اللہ" کو عالم کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ اس سے اسماء وصفاتِ باری تعالیٰ مفہوم ہوتے ہیں۔ تمام افراد عالم میں سے ہر فرد میں جملہ اسماء الٰہی کسی اسم خاص کا مظہر ہے۔ وہ اسم اسی فرد سے معلوم ہوتا ہے ـــــ جیسے اجناس وانواع، اسماء کلیہ کی حقیقت پر دلیل ہیں ـــــ عقلِ اوّل یعنی نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس کو:

☆ ـــــ وحدت ☆ ـــــ لوحِ قضا ☆ ـــــ ام الکتاب

☆ ـــــ قلمِ اعلیٰ

کہتے ہیں۔

ازروئے اشتمال جمیع حقائق وصور پر علی طریق الاجمال ایک عالم کلی ہے کہ اسم رحمٰن پر دال ہے ـــــ نفس کلیہ، جس کو:

☆ ـــــ لوحِ قدر ☆ ـــــ لوحِ محفوظ ☆ ـــــ کتابِ مبین

کہتے ہیں ـــــ ازروئے اشتمال ان جمیع اشیاء پر جن پر عقلِ اوّل مشتمل ہے۔ ایک عالم کلی ہے کہ اسم رحیم پر دال ہے ـــــ حضرت انسانِ کامل کو جامع جمیع حقائق ہے، اجمالاً بمرتبۂ روح وتفصیلاً بمرتبۂ قلب ایک عالم کلی ہے کہ اسم اللہ پر دلالت کرتا ہے۔

کیونکہ اسم اللہ جامع جمیع اسماء و صفات ہے —— چونکہ ہر فرد عالم اسماء الٰہی میں سے ایک اسم خاص کی علامت ہے۔ اور وہ اسم اس ذات سے عبارت ہے جو جمیع اسماء کو جامع ہے —— انسانِ کامل بھی جمیع اسماء و صفات پر مشتمل ہوا۔ اسی وجہ سے ہر ایک فرد عالم ایک عالم کلی ہے کہ جمیع اسماء پر دال ہے۔

ے نے بینم الحق یکے ہرگ کاہ — کہ در وے نہ مشہود گردد الٰہ

''حقیقت میں میں نے ایک گھاس کا تنکہ بھی ایسا نہیں دیکھا کہ اس میں میں نے ذات الٰہی کو اس میں مشاہدہ نہ کیا ہو۔''

ارشاد باری ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

''ہم شتاب دکھائیں گے ان کو نشانیاں اپنی، ملکوں اور ان کی جانوں میں یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا ان کو کہ تحقیق یہ ہے حق۔''

شاہد حال ہے۔ اگرچہ بوجوہ مذکورہ بالا عوالم کی نہایت نہیں کہ تنزلات و اعتبارات حدو حصر سے باہر ہیں۔ لیکن محقق نے حضرات کلیہ الٰہیہ پانچ مقرر کیے ہیں:

(۱) —— اوّل حضرت غیب مطلق —— جس کا نام غیب حقیقی، احدیت اور ہویت مطلقہ ہے —— اس حضرت کا عالم عالم اعیانِ ثابتہ علمیہ ہے۔

(۲) —— دوئم حضرت غیب مضاف —— یہ دو قسموں پر ہے:

☆ ایک قسم تو غیب مطلق سے قریب تر ہے، اور وہی مرتبۂ اسم علیم ہے —— اسم علیم عقول و نفوس ناطقہ کا رب ہے۔ اس کا عالم ارواح مجرد کا عالم ہے۔ اسی عالم کو ''عالم جبروت'' کہتے ہیں۔

☆ دوسری قسم عالم شہادت سے نزدیک تر ہے۔ یہ مرتبۂ اسم مصور کا ہے۔ جو عالم خیال مطلق و عالم خیالِ مقید کا رب ہے۔ اس عالم کا نام عالم مثال و عالم ملکوت ہے۔

غیب مضاف دو قسم پر اس وجہ سے ہے کہ ارواح مثالی صور میں نہیں ہیں، جو عالم

شہادت کے مناسب ہو بخلاف صور عقلیہ کے کہ غیب مطلق کے مناسب ہے۔[1]

(۴)——حضرت چہارم حضرت شہادت مطلقہ ہے جو حضرتِ غیب مطلق کے مقابل ہے۔ جس کو مرتبۂ اسم ظاہر مطلق واسم آخر کہتے ہیں—— یہ مرتبۂ عالم ملک کا رب ہے۔ یہ آخر تنزل انسانِ کامل کا مقام ہے۔ اس کا نام عالم ملک ہے۔

(۵)——پنجم حضرت جامع ہے۔ جس کو حقیقت و عالم انسانی اور انسانِ کامل و مرتبۂ عمائیہ کہتے ہیں کہ جامع جمیع عوالم ہے——

☆——عالم ملک عالم ملکوت کا مظہر ہے——

☆——عالم ملکوت، عالم جبروت کا مظہر ہے——

☆——عالم جبروت اعیان ثابتہ کا مظہر ہے——

☆——اعیان ثابتہ اسماء الٰہیہ کا مظہر ہے جس کو وحدت کہتے ہیں——

☆——وحدت، حضرت احدیت کا مظہر ہے——

☆——عالم انسان ان جمیع حضرت کا مظہر ہے——

ان مظاہر کو مجالی و مطالع بھی کہتے ہیں۔

ان مراتب و حضرات کے علاوہ جو ہر مرتبۂ وحصر میں ذات کو مذکور ہوئے، تنزلات، تجلیات اور تعینات کہتے ہیں——

☆——بعضے تنزلات وجود سے موسوم کرتے ہیں——

☆——بعضے محققین کا مقولہ ہے کہ احدیت تنزل اوّل ہے۔ یعنی ذات نے ہویت سے احدیت میں تنزل فرمایا——

☆——بعض کا ارشاد ہے کہ اوّل ذات نے احدیت سے وحدت میں منزل فرمایا۔ اس گروہ کے نزدیک ہویت اور احدیت میں کچھ فرق نہیں۔ یعنی ہویت کو احدیت پر تقدیم نہیں، ایک ہی مرتبہ ہے۔ بہر تقدیر تجلی اوّل کو مقام اَوْ اَدْنٰی وَاحِدُ الْجَمْعِ وَطَامَّةُ الْکُبْرٰی کہتے ہیں—— تجلی ثانی کو قَابَ

[1] مآخذ میں حضرت سوم مذکور نہیں۔ شاید سہو کتابت سے متن شامل کتاب ہونے سے رہ گیا۔

قَوۡسَیۡنِ۔ یہ مرتبہ تنزل میں مقدم ہے اور رجوع میں موخر —— چنانچہ سر (راز) فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی کہ بین معراج ہے محتاج شرح نہیں۔—— اسی طرح ہر تعینات میں سے ہر ایک مقتضی غیر حضرت حضرات مذکور سے ہے۔ جب کہ تحقق مرتبہ قَابَ قَوۡسَیۡنِ مراتب ذات سے ہے۔

غیب مطلق سے تا آخر مرتبہ مظاہر حق اور اطلاق وجود سے تا تقید شہود ایک ہی ذات ہے جو تجلیات اور تعینات کے اختلاف کے مطابق مختلف مراتب یا مختلف حضرات سے موسوم ہوئی ہے —— تعینات محض اعتباری اور صرف نسبتی باتیں ہیں۔ جن کی وجہ سے ذاتِ مقدس میں کوئی نقص عائد نہیں ہوتا —— تم ایک کو اگر چار کی چوتھائی کہو یا تین کی تہائی، یا دو کا آدھا، یا آدھے کا دو چند، تو ان نسبتوں سے اس کی یگانگی میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی —— اسی طرح ذاتِ پاک کو تجلیات و تعینات کے لحاظ سے مختلف ناموں اور مختلف مراتب اور مختلف حضرات کے نام سے بولنا اس کی احدیت کا مانع نہیں ہے۔ وہی ایک ذات ہے جو رنگا رنگ نظر آ رہی ہے۔

فصل پنجم

تنزلات بطریق قدمائے سالکین

تعین اوّل:

ایک وحدت صرف، قابلیت جمیع صفات اور اعتبارات سے مجرد ہو یا نہ ہو، اگر جمیع صفات و اعتبارات سے تجرد ہے تو قابلیت تجرد کو ''احدیت''۔ کہتے ہیں۔ جس کا نام بطون، ازلیت اور اولیت ہے ــــ اگر اس قابلیت کا اعتبار ہے جو جمیع صفات و اعتبارات سے متصف ہے تو وہ ''مرتبۂ واحدیت'' ہے۔ اس کے لیے ظہور، آخریت اور ابدیت ہے۔

مرتبۂ واحدیت کے بعض اعتبارات اس قسم سے ہیں کہ ان کے ساتھ ذات کا اتصاف جمع کے اعتبار سے ہے۔ خواہ وہ بعضے حقائق کونیہ تحقق و وجود سے مشروط ہوں یا نہ ہوں ــــ

○ ــــ اگر تحقق و وجود سے مشروط ہوں تو وہ حقائق کونیہ ہیں۔ مثلاً:
خالقیت ، رازقیت وغیرہ ــــ

○ ــــ اگر تحقق و وجود سے مشروط نہ ہوں تو یہ اسماء و صفات الٰہیت و ربوبیت ہیں۔ مثلاً حیات و علم اور قدرت و ارادت وغیرہ۔ ــــ

صورتِ معلومیت ذات جو ان اسماء و صفات سے ملتبس ہے، یہ حقائق الٰہیہ ہیں۔ مگر ظاہر وجود کا ان کے ساتھ ملتبس تعدد وجودی کا موجب نہیں بلکہ تعدد لباس ہے، اور وجود واحد۔

مرتبۂ واحدیت کے بعض اعتبارات اس قسم سے ہیں کہ ذات کا اتصاف ان کے ساتھ مراتب کونیہ کے اعتبار سے ہے۔ جیسے فصول و خواص اور تعینات، کہ اعیان خارجیہ

کے ممیّزات ہیں ـــــ صورتِ معلومیتِ ذات جوان اعتبارات سے ملتبس ہے، حقائق کونیہ ہے۔ ظاہر وجود کا ان کے احکام و آثار سے ملتبس ہونا تعدد وجودی کا موجب ہے ـــــ

حضرتِ ذات جامع کمالاتِ احدیت، عالم ارواح، عالم مثال میں، عالم حس و عالم شہادت میں، دنیا و آخرت میں جمیع شیون الٰہیہ و کونیہ کے ساتھ ازلاً و ابداً ان سب حقائق میں کہ مرتبۂ واحدیت کی تفاصیل ہیں، ساری و متجلّی ہے۔ ـــــ ان تمام تحقق و ظہور سے مقصود اصلی کمال اسمائی ہے، جسے "کمال جلا و استجلا" کہتے ہیں۔

☆ ـــــ کمالِ جلا یعنی اعتبارات کی وجہ سے اس کا ظہور

☆ ـــــ کمالِ استجلا یعنی انہیں اعتبارات کی وجہ سے اس کا اپنے لیے شہود

کمال استجلا کا ظہور شہودی ہے۔ اسے اعیانی و عینی بھی کہتے ہیں۔ یعنی مفصل میں مجمل کا ظہور و شہود۔ جیسے درخت میں ذاتی کمال کے خلاف تخم کا وجود کہ غیر کے بغیر اپنی ذات کا اعتبار غیریت و اپنی ہی ذات کے لیے ہے۔ اس ظہور کا نام "ظہور علمی عینی" ہے۔ جیسے مجمل میں مفصل کا ظہور مثلاً تخم کے اندر درخت کا وجود۔

غنائے مطلق ذاتی کمال کو لازم ہے ـــــ غنائے مطلق کے یہ معنی ہیں کہ ذات کے شیون و احوال و اعتبارات اس کے احکام و لوازم سمیت کلی جملی کی وجہ پر ہوں۔ ذات کو تمام مراتب حقائق الٰہی و کونی کے بطون میں دکھاتے ہوں، اس کی وحدت میں اندراج کل بہ جمیع اس کی صور و احکام کے شاہد و ثابت ہو۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔

وجود مطلق کا مستغنی ہونا اسی حیثیت سے ہے کہ اب آخر تنزل سے اصل کی طرف عروج کرے۔ مثلاً:

☆ ـــــ اگر افراد و انواع کے تشخصات و تعینات کو مندرجہ تحت الحیوان دفع کیا جائے تو اس میں ہر نوع کے افراد جمع ہو جائیں گے۔

☆ ـــــ اگر ان انواع کے ممیّزات کو (کہ وہ فصول و خواص ہیں) دور کر دیا جائے تو

حقیقت حیوان میں تمام جمع ہو جائیں گے۔

☆ ــــ اگر ممیزاتِ حیوان اور ماتحت جسم نامی کو رفع کیا جائے تو سب جسم نامی میں آ جائیں گے۔

☆ ــــ اگر جسم نامی اور ماتحت جسم کو دور کیا جائے تو حقیقت جسم میں تمام شامل ہو جائیں گے۔

☆ ــــ اگر ممیزاتِ جسم اور ماتحت جوہر (یعنی عقول و نفوس) کو اٹھا دیں تو حقیقت جوہر میں ان تمام کا شمول ہو جائے گا۔

☆ ــــ اگر ما بہ الامتیاز جوہر و عرض کو دفع کیا جائے تو کل کا اجماع ممکن کے تحت ہو جائے گا۔

☆ ــــ اگر ما بہ الامتیاز ممکن اور واجب کو مرتفع کیا جائے تو دونوں موجود مطلق میں جمع ہو جائیں گے' جو کہ عین حقیقت وجود ہے، اور بذاتِ خود موجود۔ جس کی ظاہر صفت وجود اور باطن امکان ہے۔ یعنی اعیان ثابتہ، جو تجلی علیٰ نفسہٖ سے تلبسِ شیونیہ بروئے کار ہوئے۔

یہ ممیزات خواہ فصول و خواص ہیں' خواہ تعینات و تشخصات، تمام شیون الٰہی ہیں جو وحدت ذات میں مندرج تھے۔

☆ ــــ اولاً: مرتبۂ علم میں بہ صور اعیان ثابتہ نمودار ہوئے،

☆ ــــ ثانیاً: مرتبۂ عین میں بظاہر وجود، جو وجود باطن کا آئینہ ہے۔

بواسطہ تلبس احکام و آثار اعیانِ ثابتہ نے اعیان خارجہ کی صورت پکڑی ــــ لہٰذا خارج میں کچھ نہیں مگر حقیقتِ واحدہ ــــ جو لوگ کہ ضیق مراتب میں محبوس اور ان کے احکام و آثار میں مقید ہیں، ان کو وہ حقیقتِ واحدہ شیون اور مختلف صفات کے اعتبار سے کثیر و متعددہ معلوم ہوتی ہے۔

وحدت ذات میں کثرت شیون کا اندراج جز و کل، مظروف و ظرف جیسا نہیں، بلکہ جس طرح:

☆ــــــ اوصاف کا موصوف میں، یا

☆ــــــ لازم کا ملزوم میں، یا

☆ــــــ نصفیت وثلاثیت وربعیت وخمیت

وغیرہ کا ذاتِ واحد عددی میں اندراج ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ نسبتیں اس میں مندرج ہیں ـــــ لیکن جب تک "اثنین، ثلاثہ، اربعہ وخمسہ" کا جز وواقعہ نہ ہو، اصلاً اس کا ظہور نہیں۔

چنانچہ جمیع موجودات میں ذاتِ حق کا احاطہ ایسا ہے جیسے:

☆ــــــ احاطہ موصوف بہ اوصاف یا

☆ــــــ احاطہ ملزوم بہ لوازم۔

☆ــــــ نہ احاطہ کل یا جز و یا ظرف بہ مظروف۔

حفظ مراتب کے اعتبار سے وجود کی حقیقت اگرچہ جمیع موجودات ذہنی وخارجی پر مقول ومحمول ہوتی ہے۔ لیکن مراتب میں تفاوت فَوْقَهَا بَعْضَ فَوْقٍ ہے ــــــ اس کے لیے ہر مرتبہ میں اسامی نسبتیں، صفات اور اعتبارات مخصوص ہیں، نہ سائر مراتب میں درجہ مساوات۔ مثلاً حقیقت وجود، مرتبہ الوہیت اور ربوبیت، عبوریت اور خلقیت میں فرق ہے نہ کہ مساوی درجہ ــــــ لہٰذا اسامی مرتبہ الٰہیت کا اطلاق جیسے اللہ، رحمٰن وغیرہم مراتبِ کونیہ پر عین کفر ومحض زندقہ ہے ــــــ اسی طرح اسامی مخصوصہ مراتبِ کونیہ کا اطلاق مرتبہ الوہیت پر غایت درجہ کا ضلال والحاد ہے۔

ع گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

فصل ششم:

تنزلات بطریق دیگر بالتفصیل

توحیداور اہل توحید:

طریقت میں توحید ذاتی سر عظیم (بہت بڑا راز) ہے —— توحیدِ ذاتی کا علم وہ ہے کہ نہ تحریر وتقریر کواس کی طرف راہ' نہ اشارہ وکنایہ اس جانب —— بلکہ یہ علم باطن ہے، اور باطن ہی باطن میں حاصل ہوتا ہے —— اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ دلی یقین سے جان لے کہ ماسوائے اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی وجود موجود نہیں، مگر مجالی ومظاہر حق ہے۔

اہل توحید وہ گروہ ہے کہ کوئی غیر حق وجود ان کی نظر میں نہیں آتا، نہ ہی کسی شے کو وہ غیر اللہ جانتے ہیں مگر مظاہر ومجالی حق —— وہ لوگ صاحبِ تجرید وتفرید ہیں۔ یعنی اپنے دل سے ماسوائے اللہ کو زائل کرتے ہیں اور حق کو کل میں دیکھتے ہیں —— ان کی نظر مستقل طور پر مرتبۂ احدیت میں ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس مرتبہ میں ماسوائے اللہ کا کچھ بھی نہیں —— چنانچہ تمام صدق واخلاق، تفکر وتامل کی رُو سے اہل توحید جب اس معنی کا علی الدوام لحاظ رکھتے ہیں تو نقش غیریت ان کے دل سے بالکل محو ونیست ونابود ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں پکار اٹھتے ہیں:

؎ کجا غیر کو غیر کو نقش غیر سوئے اللہ ، واللہ مافی الوجود

''کہاں غیر ہے، کون غیر ہے، اور کون سا غیر کا نقش ہے' سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ خدا کی قسم! وجود میں کوئی نہیں ہے۔ یعنی اس کی ذاتِ واحد کے علاوہ کسی کی ہستی کا وجود نہیں ہے۔''

طریقت میں اہل توحید بہت قسم کے ہیں۔ لیکن سب میں ممتاز و عامل علی

الشریعت دو گروہ ہیں: یعنی وجودی اور شہودی —— انہیں کو محققین کہتے ہیں ——

☆ —— اہل وجود کا قول "ہمہ اوست" ہے کہ کل حقائق اشیاء عین حق ہیں۔ اور

☆ —— اہل شہود "ہمہ از اوست" فرماتے ہیں کہ کل اشیاء نہ غیر حق ہیں، نہ عین حق، بلکہ مظہرِ حق ہیں۔

گروہ اوّل کا کلام مرتبۂ احدیت میں ہے —— گروہ ثانی کا کلام مرتبۂ واحدیت میں ہے —— حقیقت میں دونوں کا مقصود ایک ہے، فقط لفظی نزاع ہے، تفصیل و تشریح سے بخوبی روشن ہو جائے گا۔

خمسہ تنزلات:

بخاری شریف میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَهٗ شَيْءٌ غَيْرُهٗ

"اللہ تھا، اور نہ تھی کوئی شے اس کے غیر۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مظہرِ ذات وصفات کو ظاہر کیا۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میں پوشیدہ خزانہ تھا۔ پس میں نے یہ چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ پس میں نے خلقت کو پیدا کیا، اور میں نے ان کو اپنا شناسا کیا —— پس شناخت کیا مجھ کو مجھ سے، میں ان کے سبب سے پہچانا گیا۔"

علماء محققین کے نزدیک اللہ تعالیٰ واجب الوجود یعنی وجود مطلق ہے۔ —— اس وجود کے لیے نہ کوئی شکل ہے، نہ حد نہ حصر —— یہ وجودِ واحد ہے، اور لباس متعدد و مختلف ہیں —— یہ وجود جمیع موجودات کی حقیقت ہے۔ کوئی شے اس وجود سے خالی نہیں —— اس کا وجود خود بخود موجود ہے اور کل موجودات میں ظاہر ہے۔ —— خارج میں بھی اس کے سوا کچھ نہیں۔

واجب الوجود/ وجود مطلق کے لباس:

اس وجود کے کئی لباس ہیں:

☆——اول لباس: لاتعین وذات بحت

☆——دوئم لباس: تعین اوّل

☆——سوئم لباس: تعین ثانی

☆——چہارم لباس: تعین ثابت (عالم ارواح)

☆——پنجم لباس: تعین رابع (عالم مثال)

☆——ششم لباس: تعین خامس (عالم اجسام)

☆——ہفتم لباس: جامعیت

لباس اوّل، لاتعین:

اول لباس لاتعین و ذات بحت یعنی خاص ذاتی لباس ہے—— اس لباس میں تعین اور غیر تعین کو دخل نہیں۔ کیونکہ وہ ذات ہر قید و اطلاق سے منزہ و مبرا ہے—— ذات وجود مطلق میں کل اشیاء مندرج ہیں، بطون میں ظہور کا حکم اور ذات عزیزہ میں صفات قدیمہ مختفی ہے اور نام:

☆——عینیت[1] وغیریت

☆——اسم[2] ورسم[3]

☆——نعت[4] وصف

☆——ظہور[5] وبطون

☆——کثرت ووحدت

☆——وجوب[6] وامکان[7]

---

[1] نام عینیت وغیریت منتفی تھا۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس مرتبہ میں کثرت کو اصلاً تحقیق نہیں اور نہ یہ امور مستلزم کثرت ہیں۔ کیونکہ اثنینیت کے سوا عینیت وغیریت کا تصور نہیں۔ [2] وجودی صفات کے ساتھ ذات اسم سے عبارت ہے۔ جیسے علیم، قدیر وغیرہ۔ [3] خلق وصفات کو رسم کہتے ہیں۔ [4] وجودی صفات اور اعلام وجودی عدمی کے وصف کو نعت کہتے ہیں۔ [5] ظہور موجب کثرت ہے---ظہور کے بغیر بطون کا تصور نہیں۔ یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ [6] کلی اسماء الٰہی کو وجوب کہتے ہیں۔ [7] کونی اسماء الٰہی کو امکان کہا گیا ہے۔

منتفی تھا ــــ اہل توحید نے اس مرتبہ میں ذات کا نام ''احدیت ولاہوت'' رکھا ہے ــــ

مرتبۂ احدیت میں اسامی ذات:

مرتبۂ احدیت میں ۱۳ اسامی ذات شمار کی گئی ہیں:

۱ ــــ لاتعین:

لاتعین اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذات کو کچھ تعین نہیں ــــ نہ اسمائی، نہ افعالی۔

۲ ــــ ازل الآزال:

ازل الآزال اس لیے کہتے ہیں کہ تمام قدیمہ ازلیہ مراتب کا منشاء ہے ــــ اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں۔

۳ ــــ غیب الغیوب:

غیب الغیوب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ جمیع مراتبِ معقولہ سے مرتبۂ شہادت تک فوق ہے۔ کہ یہ تمام حس سے غائب ہے۔

۴ ــــ وجود البحت:

اس لیے کہتے ہیں کہ وجود کے معنی ہیں ''ذات'' اور بحت کے معنی ہیں ''خالص'' ــــ اس مرتبہ میں ذات، اسم و رسم اور نعت و وصف سے خالص ہے۔

۵ ــــ مجہول النعت:

اس لیے کہتے ہیں کہ نعت وصف ثبوتی سے عبارت ہے، اس مرتبہ میں وصف کا ثبوت اصلاً نہیں۔

۶ ــــ عین الکافور:

اس لیے کہتے ہیں کہ کافور کی خوشبو سب پر غالب ہے۔ جو چیز اس میں شامل ہوتی

ہے اسی کی صفت اختیار کرتی ہے —— اسی طرح جو کوئی اس مرتبہ میں پہنچتا ہے نمک کی مانند فنا ہو جاتا ہے۔

ع ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد

اور یہ کہ کافور کے غایت مزے میں کوئی نہیں پہنچتا، ایسے ہی اس مرتبہ کی انتہا کو کوئی نہیں پہنچتا۔

۷—— ذاتِ ساذج:

اس مرتبہ میں ذات کے ساتھ کوئی شے نہیں۔ یعنی یہ مرتبۂ ذات و صفات سے بالکل سادہ و معرا ہے۔

۸—— منقطع الاشارات:

اس مرتبہ میں کسی شے کی تمیز نہیں اور نہ ہی اشارے کے قابل ہے —— نہ اس مرتبہ میں کوئی غیر ہے جو اس کی طرف اشارہ کرے یا کیا جائے۔

۹—— منقطع الوجدانی:

منقطع الوجدانی اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذاتی و صفاتی وجدان ہرگز نہیں۔

۱۰—— غیب الہویت:

ہویت سے ذات بحت مراد ہے —— اس مرتبہ میں ذات صفات سے غائب ہے اور اس کے شعور سے معرا۔ بلکہ اس مرتبہ میں جملہ صفات موجود نہیں (نادارد ہیں)۔

۱۱—— عین مطلق:

اس مرتبہ میں ذات بالکل مطلق ہے۔ دیگر مراتب کے خلاف اس میں اصلاً غیر کا شائبہ تک نہیں۔ اس لیے کہ ان کا مطلق مضاف ہے۔

۱۲ ــــــ ذات بلا اعتبار:

اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذات کے ساتھ کسی چیز کا اعتبار و تقید نہیں۔

۱۳ ــــــ مرتبۂ الہویت:

ذات بحت کو چونکہ ھو کے ساتھ نسبت ہے ــــ ھُوْ اشارہ ہے، اور یہ اشارہ ذات کی طرف ہے۔ تاء کی نسبت مبالغہ کے لیے ہے ــــ یعنی وہ ذات اپنی ذاتیت میں کامل ہے۔ اس کے ساتھ غیر ہرگز شامل نہیں۔

لباس دوم: **تعین اوّل**:

اس مرتبہ و لباس میں ذاتِ مطلق کو ہر شے میں بالا جمال علم ہے ــــ اس مرتبہ میں ذات کا نام وحدت و جبروت[1] ہے ــــ اسے منشاء احدیت اور واحدیت بھی کہا جاتا ہے ــــ واحدیت، وحدت سے ناشی ہے۔ کیونکہ وحدت مرتبۂ اجمال ہے اور واحدیت مرتبۂ تفصیل ــــ چنانچہ مرتبۂ تفصیل مرتبۂ اجمال (اختصار) سے ناشی ہوتا ہے ــــ لیکن فی الحقیقت مرتبۂ احدیت ہی منشاء کل ہے۔ ــــ تمام قابلیات کا منشاء وحدت ہے کہ وہ حقائق اشیاء ہیں۔ مرتبۂ وحدت کا ظہور اور بطون یکساں ہیں۔ یہ احدیت و واحدیت کے درمیان برزخ ہے جس طرف توجہ کرتا ہے، بے واسطہ اس کا رنگ پکڑتا ہے:

☆ ــــ گاہ بطون کی طرف کہ وہ ''احدیت'' ہے،

☆ ــــ گاہ ظہور کی طرف کہ وہ ''واحدیت'' ہے۔

تعین اوّل میں اسامی ذات:

محققین نے اس مرتبہ میں ذات کے گیارہ نام رکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱ ــــ تعین اوّل:

تعین اوّل اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ذات کے نام مقرر کیے گئے ہیں۔

---

[1] جبروت: اسمائے صفات الٰہی کی عظمت و جلال کو جبروت کہتے ہیں۔

۲ ــــ علم مطلق ووجود مطلق:

علم مطلق کہ وہ وجود مطلق ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں دیگر مراتب کے خلاف، مطلق و مجمل کے اعتبارات سے ذات کا شعور و یافت ہے ـــــ اس لیے کہ ہر ایک مرتبہ نے اس سے تقید پایا ہے۔

۳ ــــ وحدتِ حقیقی:

وحدتِ حقیقی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نام نفس کے اعتبار سے تعین اوّل ہے ـــــ یعنی ذات وحدت کہ اس کی نسبت دو جانب برابر ہے، کسی اور طرف متوجہ نہ ہو ـــــ یہ ظہور کی طرف مواجہت کے اعتبار سے وحدت کے خلاف برزخ ہے ـــــ یا بطون کی طرف ہو کہ اس میں ظہور و بطون کا شائبہ ہے۔

۴ ــــ فلک ولایت مطلقہ:

اس مرتبہ میں ولایت مطلقہ کا مدار ہے۔ یعنی اس مرتبہ پر کسی مرتبۂ ولایت کو بخلاف دیگر کوئی فوقیت نہیں ـــــ انبیاء اور اولیاء کے مراتب فوق ھاہیں ـــــ بعض فوق بلکہ یہ کل مراتب اس کی طرف مضاف ہیں ـــــ ولایت کے معنی یہ ہیں کہ قائم بہ حق ہو اور اپنی ذات سے فانی ہو۔

۵ ــــ تجلی اوّل وحقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اس لیے کہتے ہیں کہ اوّل مرتبہ میں اوّل ظہور ہوا ـــــ یعنی پہلا مرتبہ ظہور یہی ہے کہ اوّل تجلی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور میں آیا۔

۶ ــــ رابطہ بین الظہور والبطون:

رابطہ بین الظہور والبطون ذات کے درمیان ہے گو صفات کے درمیان من کل الوجوہ واحد ہے ـــــ یہ مرتبۂ کثرت ہے جو رابطہ دیتا ہے۔

۷ ــــ محبت حقیقت:

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ کے اشارہ سے حقیقی محبت پائی جاتی ہے ـــــ کنز

مخفی ہویت احدیت سے عبارت ہے ـــــ اس لیے کہ غیب میں رمز مکنون ہے اور تمام بواطن کا باطن ترین ہے ـــــ جہت سے مراد خلق کی طرف توجہ ظہور ہے۔

۸ ـــــ قابلیت اوّل:

اس لیے کہ اس مرتبہ میں وہ ذات تمام قابلیت کا ماوا و مبداء ہے۔

۹ ـــــ مقام اَوْ اَدْنٰی :

یہاں قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی مراد ہے ـــــ صوفیہ کرام کے نزدیک احدیت جمع ذاتیہ سے مراد یہ مقام ہے ـــــ اس لیے کہ اس مرتبہ میں تمیز و اثنینیت اعتباریہ بہ فنائے محض مرتفع ہو جاتی ہے ـــــ ہر رسوم کے لیے طمس کلی ہے۔

۱۰ ـــــ برزخ البرازخ و برزخ کبریٰ:

یہ دو قوس کے درمیان خط برزخ ہے۔ یہ دوقوس احدیت اور واحدیت ہیں ـــــ اَوْ اَدْنٰی کو ہر دو قوسین کے اتحاد کے وقت تمیز کرتا ہے ـــــ اَوْ اَدْنٰی اتحاد قوسین سے عبارت ہے۔

۱۱ ـــــ احدیت الجمع:

اسقاط صفات کے اعتبار کے بغیر، ذات کے اعتبار مِنْ حَیْثُ هِیَ سے مراد احدیت الجمع ہے ـــــ اس کا اس حیثیت سے اثبات کہ اس میں حضرت واحدیت کی نسبت مندرج ہو ـــــ تعین اوّل واحدیت کی نسبت شامل ہونے سے باعتبار طرف ظہور ہے۔

اس لباسِ وحدت کو حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہتے ہیں کہ جب ذاتِ مطلق نے اپنے آپ کو اجمالاً مشاہدہ کیا ـــــ اور جو کچھ اس سے یا اس میں سے تمام کو اجمالاً مشاہدہ کیا ـــــ تو اوّل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشاہدہ کیا ـــــ بلکہ محض شہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحدت کہتے ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہود میں ذات کو اپنا وجدان حاصل ہے ـــــ اور کل ماسویٰ کا شہود ضمناً

حاصل ہے۔

غلبہ بطون وظہور کے اعتبار کے بغیر وحدت اس مرتبہ کا نفس ہے —— یعنی اس مرتبہ کی اصلی حالت یہی ہے کہ کسی جانب غلبہ نہ ہو —— کیونکہ احدیت ذات کا مرتبہ ہے اور واحدیت، صفات کا مرتبہ ہے —— باطن وظاہر کی طرف غیر اعتبار توجہ کہ مرتبۂ احدیت و واحدیت کا ہے —— ان ہر دو مراتب کے درمیان اس لیے ہے کہ مرتبۂ احدیت سے فیض لے، اور مرتبہ واحدیت کو فیض پہنچائے تا کہ عالم کی پرورش ہو۔

لَوْ لَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّۃَ گواہ ہے۔ چونکہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم احدیت و واحدیت کے درمیان برزخ ہے —— اس دائرہ کو دیکھیں:

قوس احدیت
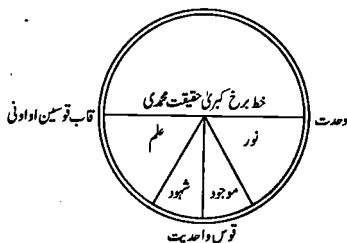
قوس واحدیت

اس دائرے میں ایک طرف قوس احدیت ہے اور دوسری طرف قوس واحدیت۔ —— درمیان میں خط برزخ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اس سے طرفین کی تمیز ہوتی ہے —— قوسِ واحدیت چار حصوں پر تقسیم ہے:

☆ —— نور ☆ —— وجود ☆ —— شہود ☆ —— علم

جیسا کہ اس دائرے میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے اوپر خود تجلی فرمائی۔ یعنی بہ تعین اوّل اپنی ذات کو ظاہر

فرمایا، اس کا نام نور ہے——

☆——اپنے آپ کو پایا، یہ وجود ہے——

☆——یہ خودی خود حضور ہوا، یہ شہود ہے——

☆——درحالاں کہ ذات کو من حیث الاسماء والصفات مجملاً شعور ہوا، وہ علم ہے——

جس مرتبہ میں ذاتِ مطلق ہے یعنی ماسویٰ ہے، اس کا نام احدیت ہے——
جب تفصیل درپے ظہور ماسویٰ ہوئی تو اس کا نام واحدیت رکھا، وَالٰی غَیْرَ ذَالِکَ مِنَ المَرَاتِبُ۔

لہٰذا یہاں ذات کو سوائے کا حادث کرنا باعتبارات جملگی حاصل ہوا ہے—— والا ذات میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا اور نہ ہوگا—— چنانچہ یہ یافت و پیدائی کہ وجود سے عبارت ہے—— پیدا کنندگی سے مراد تجلی ذات ہے—— شہود کہ باخودی خود حضور ہے، یہ کثرت اعتباری ہیں، کیونکہ اس مرتبہ میں مجملاً حاصل ہیں—— لہٰذا قوسِ واحدیت میں ان کا ثبت کرنا کہ جانب کثرت ہے بہ نسبت قوس احدیت کے، کہ انسب ہوا—— اس لیے کہ یہ اعتبارات اس حضرت میں ایک دوسرے سے ممتاز نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے ہیں—— یعنی مرتبۂ احدیت میں کسی چیز کی تمیز اصلاً نہ تھی—— جب ایک حالت شعورِ اجمالی ہوئی تو اس اعتبار سے کہ وہ حالت شعور ذات من حیث الاسماء والصفات مجملاً ہوئی ہے، اس کو علم کہتے ہیں—— اس ظہور تجلی ذاتی کے ساتھ وجودِ حقیقی ہے، اس اعتبار سے اسے نور کہتے ہیں—— یافتن خود من حیث الاسماء و الصفات مجملاً ہے، اس اعتبار سے اس کو وجود کہتے ہیں—— جو کچھ تفصیل میں الی الابد ہے، مشاہدہ مجملاً ہے، اس اعتبار سے اس کو شہود کہتے ہیں۔

چنانچہ کثرت کی جانب ثبت کرنا انسب ہوا۔ ان امور کو اعتبارات اس لیے کہتے ہیں کہ اس مرتبہ میں ان کا محض اعتبار ہی اعتبار ہے، ایسا ہی مرتبۂ واحدیت ہوگا کہ مرتبۂ تفصیل ہے۔

لباسِ سوم: تعین ثانی:

اس لباس میں اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے میں بالتفصیل ہے—— اس لباس کو واحدیت اور حقیقت انسانیہ بھی کہتے ہیں—— ان تین مراتب میں تقدم و تاخر اعتباری ہے نہ زمانی۔ یہ مراتب قدیم ہیں۔ ذاتِ مطلق اس بات کی خواہاں ہوئی کہ جس طرح مرتبۂ وحدت میں آپ نے اپنے آپ پر مجملاً جلوہ کیا، اسی طرح مفصلاً بھی جلوہ کرے—— چنانچہ وحدت کو ظہور پر توجہ حاصل ہوئی۔ یہ توجہ متضمن ذاتی و اسمائی کمال کی اجمال و کلیت کے طریق پر ہوئی۔ بحکم غلبہ وحدت کی مرتبۂ اجمال الاجمال کا ہے۔ یہاں تمیز حقائق کی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ غناء مطلق ذاتی کمال کو لازم ہے—— غناء مطلق کے یہ معنی ہیں:

''جو کچھ من الازل الی الابد در پے تفصیل ہے، اس کو شہود کلی اجمالی مشاہدہ ہو۔''

لہٰذا وہ اس شہود کلی کے سبب اس کی تفصیل سے مستغنی ہے۔ کیونکہ جو کچھ در پے تفصیل ہے، اس کا شہود حاصل ہوگیا اگرچہ اجمال کی وجہ سے ہی ہو—— لہٰذا اس مرتبۂ واحدیت میں کمال اسمائی مطلوب ہے۔ یعنی جب ذات نے ظہور کی طرف توجہ کی تو جب تک ظہور نہ ہو تو ظہور کو ہرگز قرار نہیں۔ اور پھر فنائے عالم کے بعد ظہور ہو۔ علیٰ ھذا کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ —— کمال اسمائی اس وقت حاصل ہوگا کہ جیسے مرتبۂ وحدت میں یافت ذات اور حضور ذات میں حیث الاسماء والصفات اور ظہور ذات مجملاً حاصل ہوا ہے۔ ایسے ہی مفصلاً بھی حاصل ہو۔ جب تک کہ تمیز حقائق بَعْضُھَا عَنْ بَعْضٍ اور حکم غیریت ثبوت نہ ہو، مفصلاً حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ اعتباری ہی ہوتا وقتیکہ ظہور کا اعتبار ہے۔ مثلاً: وہی ظاہر ہے جو باطن میں تھا۔ پس ظاہر عین باطن ہوا—— مرتبۂ وحدت میں تمیز حقائق و تغائر کو ہرگز راہ نہیں۔ چنانچہ کمال اسمائی جو کہ مطلوب ہے اس وقت حاصل ہوگا کہ جب تعین ثانی حاصل ہو—— اور یہ تجلی و تعین ثانی پر موقوف ہے۔ ذات نے دوسری تجلی فرمائی۔ جب ذاتِ وحدت نے ظہور کی جانب توجہ کی تو اس مرتبہ کا نام ''واحدیت'' رکھا گیا۔ ہرگاہ کہ مرتبۂ واحدیت منشاء کثرت ہے تو ایرادِ تمثیل و اطلاق

اسماء اس پر انسب ہوں گے۔

تنزل ثانی میں اسامی ذات:

مرتبۂ واحدیت میں مندرجہ ذیل گیارہ اسامی ذات ہیں:

(۱)۔۔۔تعین ثانی:

تعین ثانی اس لیے کہتے ہیں کہ اس دوسرے مرتبہ میں ذات کا نام مقرر کیا گیا ہے۔۔۔تعین بمعنی مقرر اور ثانی کے معنی دوسرا، یعنی ذات نے تنزل کا دوسرا راستہ اختیار کیا۔

(۲)۔۔۔معدن الکثرت:

اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تنزل منشاء کثرت ہے یعنی اس مرتبہ میں کثرت شروع ہوئی۔

(۳)۔۔۔منشاء سوا:

اس لیے کہتے ہیں کہ ذات اور وجود حق جو ظاہر میں بطور ممکنات کے ہے، اس لیے اس کے ظہور کے اعتبار سے بصور ممکنات اس کو سواء وغیر کہتے ہیں، ورنہ یہاں بھی وہی ذات ہے جو پہلے تھی۔

(۴)۔۔۔حضرت جمع والوجود:

اس سبب سے کہتے ہیں کہ جمع وحدت سے عبارت ہے باعتبار ظہور کی طرف۔ اور وہ اس مرتبہ کا باطن ہے۔۔۔اس مرتبہ میں ذات من حیث الاسماء والصفات پائی جاتی ہے۔ یعنی اس مرتبۂ تنزل میں ذات نے اسماء وصفات کو پایا ہے۔ یہاں اسماء وصفات کا اطلاق ذات پر صادق آیا ہے۔

(۵)۔۔۔حضرت الاسماء والصفات وحضرت الالوہیت:

یہ مرتبہ اسماء وصفات کو شامل ہے، اور الوہیت تمامی اسماء وصفات اور افعال کے حصول سے عبارت ہے۔

(۶)—قابلیت الکثرت:

اس تنزل میں اشیاء کے حقائق کا بیان ہے۔ اور وہ وجودات خارجیہ کی کثرت کا قابل ہے۔

(۷)—احدیت الکثرت:

اس کا اعتبار ظہور کی طرف ہے، جیسے احدیت الجمع۔ اس لیے اسے احدیت الکثرت کہا جاتا ہے۔

(۸)—فلک الحیات:

حیات عالم کا مدار اس مرتبہ میں ہے، جو عالم اجسام اور عالم ارواح کو متضمن ہے۔

(۹)—قابلتہ الظہور ومنشاء کثرت:

یہ مرتبہ حقائق عالم کو متضمن ہے، جو منشاء کثرت اور ظہور عالم کی قابلیت رکھتا ہے۔

(۱۰)—نفس رحمانی:

نفس رحمانی عین تجلی ثانی ہے——ظہورِ عالم نفس پراگندہ کی مانند ہوا ہے۔ جیسے متنفس کے سانس منہ سے نکل کر پھیل جاتے ہیں، یہ تجلی ثانی بھی انباثِ نفس اور رحمت عام کی مانند ہے۔

(۱۰)—منتہی العابدین:

یہ مرتبۂ الوہیت کو متضمن ہے۔
یہ تجلی ثانی نفس پراگندہ کے طریق پر متنفس شخص کے باطن سے ظاہر ہوتا ہے، حق سے متجلی ہے—— اس پراگندگی کے سبب جمیع حقائق الٰہی وکیانی وانسانی ممتاز وممیز ہوئے۔

☆——حقائق الٰہی سے مراد کلی اسماء الٰہی ہیں، مثلاً بدیع، باعث وغیرہ

☆ ـــ حقائق کیانی سے مراد اسماء کیانی ہیں۔ جیسے عقل کل، نفس کل وغیرہ

☆ ـــ حقیقتِ انسانی، آدم کی حقیقت کو کہتے ہیں۔

☆ ـــ وجود عالم کو حق کی حیثیت میں کون کہتے ہیں۔

لہٰذا جو کچھ بہ رتبۂ تفصیل تھا، وہ تجلی ثانی میں نمودار ہوا۔ جبکہ یہ تجلی ثانی نفسی وظہوری تعین اوّل سے ہے، تو ضروری ہوا کہ اسی کی صورت پر ظاہر ہو۔ یعنی جیسے وہ مرتبۂ تعین اول، احدیت، واحدیت اور برزخیت پر مشتمل تھا، ویسے ہی تعین ثانی بھی وحدت، کثرت اور ایک برزخ پر مشتمل ہو ـــ وہ دونوں کے درمیان حائل و جامع ہو' جو وحدت اس تعین ثانی کے ضمن میں ہے، اسے ظاہر وجود کہتے ہیں۔ وجود کا جو اعتبار مرتبۂ وحدت میں تھا، وہ اس مرتبہ میں ظاہر ہوا' یعنی اپنے آپ کو پانا ـــ جو مرتبۂ وحدت یعنی تعین اول میں تھا، اس کا ظہور اس مرتبۂ تعین ثانی میں ہوا۔ اس لیے کہ اس ذات کا خاص وصف ''وجوب'' ہے ـــ کلی اسماء الٰہی کو ''وجوب'' کہتے ہیں۔

اسامی کلیات: اسمائے الٰہی ارباب:

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کلی اسماء الٰہی کو ''وجوب'' کہا جاتا ہے ـــ یہ اسماء الٰہی اٹھائیس ہیں:

☆ ـ بديع	☆ ـ باعث	☆ ـ باطن	☆ ـ آخر
☆ ـ ظاهر	☆ ـ حكيم	☆ ـ محيط	☆ ـ شكور
☆ ـ غني الدهر	☆ ـ مقتدر	☆ ـ رب	☆ ـ عليم
☆ ـ قاهر	☆ ـ نور	☆ ـ مصور	☆ ـ محصي
☆ ـ مبين	☆ ـ قابض	☆ ـ حي	☆ ـ محيي
☆ ـ مميت	☆ ـ عزيز	☆ ـ رزاق	☆ ـ مذل
☆ ـ قوي	☆ ـ لطيف	☆ ـ جامع	☆ ـ رفيع الادرجات

کثرت اسے کہتے ہیں جو تعین ثانی کے ضمن میں ہو ـــ کثرت اسماء کو ظاہر علم کہتے ہیں۔ اس لیے اس کا تعلق حقائق کونیہ سے ہے ـــ کیونکہ علم کا جو اعتبار مرتبۂ

وحدت میں تھا، اس کا ظہور اس تعینِ ثانی میں ہوا۔ وہ اٹھائیس اسماء کلی مربوب ہیں جو تمام اس مرتبہ میں ہیں۔

اسامی کلیات: اسمائے کوفی مربوب:

ذات کو جو شعور من حیث الاسماء والصفات مفصل ہوا، اس لیے کہ امکان اس کے لوازم سے ہے ـــــ امکان اسماء کوفی کو کہتے ہیں۔ وہ بھی اٹھائیس اسم ہیں:

☆-عقل کل (یعنی قلم) ☆-نفس کل (لوح محفوظ) ☆-طبیعت کل ☆-جوہر ھبا
☆-شکل کل ☆-جسم کل ☆-عرش ☆-کرسی
☆-فلک اطلس ☆-فلک منازل ☆-فلک زحل ☆-فلک مشتری
☆-فلک مریخ ☆-فلک شمس ☆-فلک زہرہ ☆-فلک عطارد
☆-فلک دنیا ☆-کرہ آتش ☆-کرۂ ہوا ☆-کرہ آب
☆-کرہ خاک ☆-مرتبۂ جمادات ☆-مرتبۂ نباتات ☆-مرتبۂ حیوانات
☆-ملائکہ ☆-مرتبۂ جنات ☆-مرتبۂ انسان ☆-مرتبۂ جامعہ

اس ظاہر وجود کی جو صورت احدیت اس مرتبۂ ثانی میں سرایت احدیت کے اعتبار سے ہے، حقیقی ہے ـــــ یعنی اس سبب سے کہ:

☆ ـــــ احدیت اس میں ساری ہے،

☆ ـــــ سریان واحدیت سے اس میں کثرت نسبی ہے،

اس لیے کہ وہ اس کی وحدت ظاہر وجود ہے، جو شیونِ کلی اور اعتباراتِ اصلی کو شامل ہے ـــــ اسماء وصفات کا منشاء اس کی کثرت نسبی ہے، ظاہر علم جو اس تعینِ ثانی میں واحدیت کی صورت رکھتا ہے، اس میں سرایت واحدیت سے ایک کثرت حقیقی ہے ـــــ اس میں اثرِ احدیت سے ایک وحدتِ نسبی ہے۔ اس لیے کہ وحدت غیریت کی طرف منہ رکھتی ہے، اور یہ منشاء غیر ہیں ـــــ اس میں احدیت کے اثر سے ایک وحدتِ نسبی ہے۔ اس کثرت حقیقی کو اعیانِ ممکنات اور حقائقِ کوفی کہتے ہیں ـــــ اس وحدتِ نسبی کو حضرت ارتسام اور عالم معانی اور بحرِ امکان کہتے ہیں۔ یعنی ظاہر وجود جو اس

تعین ثانی میں ہے، اس میں ہر ایک احدیت اور واحدیت نے سرایت کیا ہے —— لیکن غلبہ حضرت احدیت کو ہے اور صورت احدیت کی ہے —— احدیت کی سرایت سے ضرور اس میں وحدتِ حقیقی ہوگی۔ ظاہر علم کے برخلاف واحدیت کی سرایت سے کثرت نسبی کہ اس میں وحدت کا غلبہ ہے اور اسی کی صورت، لہٰذا سرایت احدیت سے اس میں کثرت حقیقی ہوگی۔ اثر احدیت کے وجود سے وحدت نسبی ہے نہ احدیت کی سرایت —— چنانچہ ظاہر وجود کی وحدت جو وحدتِ حقیقی ہے، ظاہر وجود کا باطن ہے۔
اس نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں:

قوس احدیث

برزخ کبریٰ تعین اول حقیقت محمدی

وحدت

نور | وجود | شہود | علم

برزخ صغریٰ

تعین ثانی یا حقیقت آدم

کثرت وجود عالم

قوس واحدیت
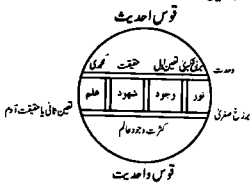
جو شیونِ کلی اور اعتبارات اصلی کو شامل ہے، نسبی کثرت اس ظاہر وجود کی ہے جو اس سے اسماء وصفات ظاہر ہوئے —— لہٰذا کثرت حقیقی کو اعیانِ ممکنات، حقائق کونی کہتے ہیں —— کیونکہ ممکنات وحقائق خارجیہ، منشاء اشخاص ہے —— وحدت نسبی کو حضرتِ ارتسام، عالم معانی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ارتسام واعیان ثابتہ اس مرتبہ میں ہیں —— اعیان ثابتہ معانی اشیاء کو کہتے ہیں۔ اس کو بحر امکان اس لیے کہتے ہیں کہ منشاء اسماء کونی اور ان کے محیط کا ہے۔ کیونکہ مرتبہ ظاہر وجود بحر کی مانند ہے، اور حقائق کونی ماہیوں کی مثل ہیں جو اس سے صورت پکڑی ہے —— وجود اور ظاہر علم کے درمیان جو برزخ ہے، وہ حقیقت انسانی ہے یعنی حقیقت آدم علیہ السلام، کہ وہ مقام ان کا ہے۔ اسے ''برزخ صغریٰ'' کہتے ہیں —— اسی طرح ''برزخ کبریٰ'' یعنی وحدت جو کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ مقام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ہے ـــــ جیسے مرتبۂ وحدت، مرتبۂ احدیت کو واحدیت تک پہنچاتا ہے کہ وہ مقام سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے یعنی واسطہ ـــــ اسی طرح علم کو وجود میں پہنچانے والی آدم علیہ السلام کی حقیقت ہے کہ برزخ و واسطہ ہے ـــــ اس سے ثابت ہوا کہ:

"جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جمیع حقائق الٰہی اور حقائقِ کونی کے جامع ہیں، اسی طرح آپ کے بعد آدم علیہ السلام جمیع حقائقِ الٰہی اور حقائقِ کونی کے جامع ہیں۔"

اسی طرح عالم کی تفصیل ہے جیسے کہ:

☆ ـــــ عالم مجردات ☆ ـــــ عالم ارواح ☆ ـــــ عالم مثال ☆ ـــــ عالم طبائع

☆ ـــــ عالم عناصر ☆ ـــــ عالم نباتات ☆ ـــــ عالم حیوانات

پھر آدم علیہ السلام ظاہر میں جمیع حقائقِ الٰہی و حقائقِ کونی کے جامع ہیں ـــــ اور تمام حقائق کلی و جزوی کو شامل ہوئے ـــــ لہٰذا انسانِ کامل میں بھی یہ تمام حقائق الٰہی و حقائق کونی ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا متجلی ان کے ساتھ ہوتا ہے، اور حقائق کو تمام موجودات میں موجود پاتا ہے ـــــ ابلیس لعین نے ملائکہ وعقول کے بخلاف آدم علیہ السلام کو اس وجہ سے سجدہ نہ کیا کہ مرتبۂ خاک میں حق کو نہ پہچانا ـــــ ذاتِ وحدت نے جب مرتبۂ واحدیت میں توجہ کی تو اہل توحید کے نزدیک مراتبِ معدودہ اور تعیناتِ معہودہ جب ایک لاکھ اور چالیس ہزار تک آئی تو آدم علیہ السلام کے قالب نے خارج میں وجود پایا ـــــ لیکن جب ازروئے حقیقت دیکھا جاتا ہے تو مرتبۂ واحدیت میں تعینات وجود حد وحصر سے زیادہ ہیں، اس لیے کہ شمار وعدد محال ہے۔ ارشاد باری ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ (پ۱۶، ع۳، سورہ کہف)

جیسے ذات نامحدود نامتناہی ہے، اسی طرح تعینات بھی نامحصور و بے انتہا ہیں ـــــ اس لیے کہ اشیاء کبیرہ وصغیرہ میں سے ہر شے کا مربی علیحدہ علیحدہ ہے۔ بلکہ ہر ذرّے کے لیے ایک اسم باری تعالیٰ ضرور ہے ـــــ جیسا کہ اہل دانش جانتے ہیں کہ تعینات

حدوحصر سے باہر ہیں۔ کیونکہ مرتبۂ واحدیت میں ذاتِ کمالِ الوہیت کے ساتھ پہنچی ہے ——— الوہیت ہمگی ذات وصفات سے عبارت ہے۔ وہ نامحصور ہیں تو تعینات بھی نامحدود ہوئے ——— لیکن کلیات اسماء وصفات اٹھائیس ہیں کہ ترتیب کے ساتھ تعین پایا ہے ——— ہر ایک کلی کے اسماء تحت میں نامحصور ہیں۔ اس لیے کہ نامحصور اشیاء اور ظاہر کنند اشیاء نامحدود کے مربی ہیں۔ یعنی کلیات اسماء الٰہی، ظاہر کنندہ، کلیات اکوان اور جزئیات ہر ایک کلی کے تحت میں ہیں ——— ظاہر کنندہ جزئیات اکوان ہیں، جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔

بعض محققین نے ذات کے چہار لباس اور زیادہ کر کے انسان تک پہنچایا ہے۔ یعنی:

☆ ——— لباس چہارم: تعین ثالث: عالم ارواح

☆ ——— لباس پنجم: تعین رابع: عالم مثال

☆ ——— لباس ششم: تعین خامس: عالم اجسام

☆ ——— لباس ہفتم: جامعیت

یعنی یہ تمام مراتب جسمانیہ ونورانیہ وروحانیہ، احدیت ووحدت وواحدیت ایک جا جمع ہو جائیں ——— یہ لباس وتجلی خیرہ ہے اور وہ انسان ہے کہ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ.

بدلا نہیں کوئی بھیس ناچاری سے ——— ہر رنگ ہے اختیار سرکاری سے
بندہ شاہد ہے اور طاعت زیور ——— یہ سوانگ بھرا گیا ہے عیاری سے

ان سات مراتب میں پہلا مرتبۂ ''لاظہور'' کا ہے، اور باقی چھ مراتب ''ظہور کلیہ'' کے ہیں، اسی کو صوفیہ کرام نزول کہتے ہیں ——— وجودِ مطلق جب درجہ بہ درجہ لباس تبدیل کرتا انسان تک پہنچا، جب انسان یہ تمام مراتب عروج میں طے کر لیتا ہے تو اس کو انسانِ کامل کہتے ہیں۔ شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

روزے دو سہ خانہ درعدم باید داشت ——— روزے دو سہ وجود ہم باید داشت
اکنون ز وجود و از عدم آزادیم ——— ماما گشتیم از کہ غم باید داشت

''ایک دن میں دو تین گھر عدم میں رکھتا تھا۔ اور ایک دن میں اس میں دو تین وجود بھی رکھتا تھا ——— اب میں اس عدم اور وجود سے بھی آزاد ہوں۔ اب میں ''میں'' ہوگیا ہوں۔ میں کب سے رنج وغم رکھتا تھا، اب میں فانی فی اللہ ہوکر بے غم و بے فکر ہوگیا ہوں۔''

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

از جمادی مردم و نامی شدم	و ز نما مردم بہ حیوان سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم	پس چہ ترسم کے زمردن کم شدم
جملہ دیگر بہ میرم از بشر	تابرآرم از ملائک بال و پر
و ز ملک ہم بایدم جستن زجو	کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ
بار دیگر از ملک قربان شوم	آں چہ اندر فہم ناید آن شوم
پس عدم گردم عدم چوں ارغنوں[1]	گویدم کَانَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

''جب میں جمادی (حیثیت سے) مرگیا، تو نامی (نباتات سے) ہوگیا ——— نامی کے (مرنے کے) بعد میں نے (مرتبۂ حیوانی میں) حیوان اور جاندار بن کر سر اٹھایا ——— پھر میں حیوانی مرتبۂ سے گزر گیا اور مر کر آدم ہوگیا ——— لہٰذا میں کیوں خوف کروں کہ میں مر کر کم یا فنا ہو جاؤں گا ——— دوسری بار میں مر کر یعنی بشری حیثیت کے بعد ملائک کی طرح پر و بال نکالوں گا، اور فرشتوں کی صفات حاصل کرلوں گا ——— پھر ملکی حیثیت سے بھی گزر کر مجھے ترقی اور سربلندی حاصل کرنی چاہئے ——— کیونکہ اس کی ذاتِ پاک کے سوا ہر شے ھَالِکٌ اور فانی ہے ——— دوسری بار جب میں ملک (فرشتے) کی حیثیت سے قربان ہوں گا، تو پھر جو عقل و فہم میں نہیں آسکتا، میں وہ ہو جاؤں گا ——— چنانچہ پھر میں عدم ہوکر عدم کے ایک باجے سے اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (بے شک ہم

---

[1] ارغنوں: ایک باجہ

کو تیری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے) کہوں گا۔"

وجود مطلق کے کمالات:

اس وجود مطلق کے دو کمال ہیں:

☆ ——— کمال ذاتی ☆ ——— کمال اسمائی

کمال ذاتی یعنی اللہ تعالیٰ کا سب شیون و اعتبارات کو اپنے آپ میں دیکھنا۔ جیسے تخم میں درخت کا وجود مع شاخ، پتے اور پھل ———

کمال اسمائی یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ ظہور، اور اس کی ذات کا تعینات خارجیہ میں شہود۔ جیسے درخت کے اندر تخم کی حقیقت۔

معلوم یہ ہوا کہ ذاتِ خدا میں جمیع موجودات، اور جمیع موجودات میں ذاتِ خدا موجود ہے۔

اخفا کے لیے ہے اس قدر جوش وخروش یہاں ہوش کا مقتضا ہے بنا مدہوش
حسن ازلی تو ہے ازل سے ظاہر یعنی ہے تجلیوں میں اپنی روپوش

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی شریف میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"قسم ہے مجھ کو اس خدا کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے۔ اگر تم رسی کو سب سے نیچے کی زمین پر ڈالو، تو اللہ تعالیٰ پر پڑے گی۔" ———

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم

"وہی اوّل ہے وہی آخر، وہی ظاہر وہی باطن، اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔"

الحق کہ نہیں ہے غیر ہرگز موجود جب تک کہ ہے وہم غیر حق ہے مفقود
حق یہ ہے کہ وہم کا بھی ہونا حق ہے حق ہے تو ہر ایک طرح سے حق مشہود

ارشاد باری ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

"اور اللہ کے ہیں مشرق ومغرب، جدھرتم دیکھو ادھر ذاتِ خدا ہے۔"

۔ یعنی آنسو کہ قصد انداری	تاحق بند گیش بہ گزاری
وجہِ حق کان بود حقیقت او	باشد آں جا بہ سوئے اوکن رو
ہیچ جائے نہ کردہ استثنا	پس بود عین حق عیاں ہمہ جا
عارف حق شناس را باید	کہ بہر سو کہ دیدہ بہ کشاید
بیند آں جا جمالِ حق پیدا	نگسلد از جمالِ حق قطعاً

"یعنی تو جس طرف بھی اپنا ارادہ کرے گا، کہ اس کی بندگی کا حق ادا کرے، اس کی حقیقت بھی رُخ حق ہوگی —— جس جگہ بھی وہ (حق) ہوتو اس کی ہی طرف اپنا رُخ کر —— اس کے سوا کسی بھی جگہ دوسرے کا وجودِ حقیقی نہیں ہے —— لہٰذا ہر جگہ "عین حق" ہی ظاہر ومشہود ہے —— عارف حق شناس کو یہ چاہئے کہ وہ جس طرف بھی اپنی آنکھ کھولے (نظر کرے) اس جگہ وہ جمالِ حق ہی کا مشاہدہ کرے۔ تاکہ وہ جمالِ حق سے بالکل محروم نہ ہو۔"

یعنی عارف ہر جگہ ذات باری تعالیٰ کو متجلی دیکھے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ

"اور خدا تمہارے ساتھ ہے جہاں رہو تم۔"

۱- یہ معیت عقل سے مفہوم نہیں ہوتی بلکہ یہ ذوق اور کشف سے نمایاں ہوتی ہے۔

۔ هُوَ مَعَكُمْ زین حقیقت حق چہ خواست	یعنی واجب راز ممکن جلوہا ست
كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ دانی چہ گفت	اے اسیری یار بی ما وشما ست

"وہ تمہارے ساتھ ہے، یہ حقیقت حق تعالیٰ نے جیسی کہ چاہی ہے، یعنی ممکن سے واجب اللہ تعالیٰ کے بہت سے جلوے ظاہر ہیں —— اور تو جانتا ہے کہ اس نے:

''تمام اشیاء اس کے (رخ) کے سوا ہلاک ہونے والی ہیں۔''

کیوں کر فرمایا ہے—— اے اسیری ! وہ محبوبِ حقیقی —— بغیر ہم اور تم کے ہے——یعنی محبت حقیقی میں وہ دوست یکتا من وتو کی ان ظاہری ضمیروں سے بے نیاز وفارغ ہے۔''

حضرت ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''یعنی روح ، عالم کون سے برآمد ہی نہیں ہوئی ہے—— اگر آئی ہوئی ہوتی تو دل کے چہرے میں آجاتی۔''

؎ ممکن زتنگنائے عدم ناکشیدہ رخت — واجب بہ جلوہ گاہ عیاں نانہادہ گام

درحیرتم کہ این ہمہ نقش عجیب چیست — برلوح صورت آمدہ مشہود خاص و عام

''ممکن نے عدم کی تنگنائے (جائے تنگ) سے اپنا چہرہ دکھایا (نکالا) ہی نہیں ہے—— اور واجب نے جلوہ گاہ عیاں (ظاہر) میں قدم ہی نہیں رکھا ہے''—— پھر میں حیرت میں ہوں کہ یہ تمام نقش عجیب وغریب کیا ہیں جو کہ لوح صورت (جہان) پر آئے ، اور مشہور خاص وعام ہوئے ہیں۔''

لفظ کُنْ پر اعتراض:

ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ

''سوائے اس کے نہیں ہمارا کہنا کسی چیز کے لیے، جب ہم نے چاہا یہی ہے کہ کہیں اس کو ''ہوجا'' تو ''وہ ہوجاتی ہے۔''

بعض احمق اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ لفظ کن شے سے خطاب کے لیے ارشاد فرمایا ہے——!

☆ ——اگر یہ خطاب شے کے وجود سے پہلے ہے تو محال ہے کہ معدوم شے قابل خطاب ہو۔ کیونکہ معدوم ہے تو خطاب کس کو؟

☆ ——اگر یہ خطاب شے کے وجود کے بعد ہے تو اس کو پیدا کرنے کی حاجت نہیں،

کیونکہ وہ موجود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کل اشیاء کے حقائق علم الٰہی میں موجود ہیں تو خطاب شے کی جانب جائز نہ ہوا کہ وہ حاضر ہے ——— اور "ہوجانا" بطون سے ظہور میں عبارت ہے اور بے صورتی سے صورت میں آ جانا ——— ہمارے نزدیک تو ایمان کی بات یہ ہے کہ ہر شے کی ذات، وصف ذاتی ہے۔ ذات قدیم ہے تو وصف ذاتی بھی قدیم ہوا ——— وصفِ ذاتی عین ذات ہے۔ تو ثابت ہوا کہ وجودِ واحد کے سوا کچھ موجود نہیں۔ اور شے کا ہو جانا صرف بے صورتی سے صورت میں آ جانا مراد ہے۔ کیونکہ اسی بے صورت ذات نے صورت پکڑلی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی:

"خود ہی مخاطب ہے، خود ہی مخاطب ہے اور خود ہی خطاب، ——— کوئی غیر نہیں۔"

یہ جو کثرتِ غیر کی صورت میں نمودار ہے، یہ محض ہماری نظر کی خرابی اور نافہمی کے آثار ہیں۔ ورنہ ہر شے میں ذات واحد ہے۔ اگر دیدۂ بصیرت میں سرمۂ توحید لگا کر نظر کرو گے تو ذاتِ واحد کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔

؎ علم توحید گشتہ حق یقین — کردم ایں نکتہ را ازاں تضمین
کہ ہمہ اوست ہرچہ ہست یقین — جان و جاناں و دلبر و دل و دین

"علم توحید" حق الیقین ہوا ہے۔ ہم نے بس اسی نکتۂ حقیقی کی تضمین و تفصیل بیان کی ہے۔ کہ جو کچھ بھی موجود ہے، سب وہی ہے اور یقیناً یہی ہے کہ جان و جاناں، دلبر و دل اور دین وہی ہے۔"

وجود عالم کی نمو:

وجود عالم ان تین چیزوں سے نمودار ہے:

☆ ——— زمان ☆ ——— مکان ☆ ——— جہات

اگر ان تین چیزوں کا تعین ٹوٹ جائے ——— یا فرض کیا جائے کہ یہ تینوں چیزیں معدوم ہیں تو باقی کیا رہ جائے گا! ——— اس کا کیا نام رکھو گے یا آنکھیں بند کر کے

دیکھو اور بتاؤ کہ اب کیا ہے؟

؎ غیرتش غیر در جہان نگزاشت　　لاجرم عین جملہ اشیاء شد

''اس کی غیرت وحمیت نے جہان میں اپنے سوا کوئی غیر نہیں چھوڑا ہے۔
اس لیے تمام اشیائے عالم کا وہی عین ہے۔''

ہاں ایک ہستی وعلم مطلق باقی رہے گا —— اب جو چاہو اس کا نام رکھو —— سچ پوچھو تو یہ سارا گورکھ دھندا اس علم کا ہی ہے —— اگر یہ علم بھی فنا ہو جائے تو سبحان اللہ تینوں تعین خود بخود ٹوٹ جائیں گے —— اگر تمہارا علم اس طرف متوجہ ہوا کہ یہ ظہور غیر اللہ ہے تو اس علم کو حجابِ اکبر کہتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ —— یعنی جہاں علم کا قیافہ ہوگا حجابِ اکبر و سد سکندر بن جائے گا۔ لیکن فی الحقیقت اگر علم کی طرف دیکھا جاتا ہے تو:

☆ —— یہی علم باعثِ نبوت ہے،
☆ —— یہی دانستگی موجبِ ولایت ہے،
☆ —— یہی آگاہی سبب کفر وشرک ہے۔

جب سمجھ جاتی رہی تو مرفوع العلم ہوگیا —— نہ شارع اس کا خواست گار، نہ حاکم طلب گار ——

☆ —— اگر یہ علم راستی کے ساتھ ہے تو سبب نجات ورستگاری ہے،
☆ —— اگر یہی علم کجی کے ساتھ ہے تو موجب ہلاکت وگرفتاری ہے۔

جبکہ عقلی ونقلی دلائل سے ثابت ہے کہ غیر اللہ کا کچھ بھی وجود نہیں۔ تو پھر ماسوائے اللہ کو موجود سمجھنا باعثِ ہلاکت وگرفتاری نہیں تو کیا ہے؟ ——

قرآن وحدیث اس بات کے دو عادل گواہ موجود ہیں کہ:

''غیر اللہ نہ کچھ پہلے تھا، نہ اب ہے۔''

یہ جو کچھ نظر آرہا ہے یہ سب صفات ذاتی کے آثار واعتبارات وتعینات ہیں۔ —— دراصل ان چیزوں کا کچھ بھی وجود نہیں۔ جو کچھ ہے سب ایک ذات ہے

——جوتھی، نہ گھٹی نہ بڑھی، نہ اتری نہ چڑھی—— یہ سب باتیں اسی علم کے متعلق ہیں۔

ایک روز جناب قبلہ سید غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہ العزیز کے سامنے ایک شخص نے کہا:

''حضرت دیکھیے فلاں شخص نے جس قدر علم پڑھا ہے، اسی قدر گمراہ ہوگیا ہے۔''

سچ ہے زیادہ علم بھی انسان کو خراب کرتا ہے، اور دین کے لیے حجابِ اکبر بن جاتا ہے۔ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرِ—— آپ نے فرمایا:

''علم کی نسبت یہ خیال ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جن لوگوں نے علم کے معنی یہ سمجھے، ان کی غلط فہمی ہے—— علم شریف ہے، اور علم کی شرافت سے انسان کو شرافت ملی ہے۔ علم کی شرافت سے تمام مذاہب وملل و ادیان کے کتب خانے معمور ہیں۔ کوئی علم کے شرف سے انکار نہیں کرسکتا۔''

عالم کا ظہور اسی علم سے ہے۔ انسان علم کے زور سے کیا کیا ایجاد کرتا ہے: ریل، تار برقی، روشنی برقی، جہاز رانی اور طرح طرح کے ہنر اور پیشے وغیرہ —— وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ۔ بلکہ اس علم کے ذریعے سے خدا تک پہنچ جاتا ہے —— بعض نے العلم حجاب الاکبر کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ:

''حجاب اشیاء کو پوشیدہ کرتا ہے، اور یہ علم بھی عیبوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔''

لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ حجاب کا کام ہے پوشیدہ کرنا، خواہ وہ چیز اچھی ہو، خواہ بری—— یہ نہیں کہ بری چیز کو پوشیدہ کرے اور اچھی کو نہیں۔ مثلاً جواہرات اور پتھر دونوں کو ایک جگہ رکھ کر اوپر پردہ ڈالو تو دونوں کو پوشیدہ کرلے گا۔ ہماری دانست میں تو علم تلوار ہے اور تلوار کا کام کاٹنا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ہو، اسے جہاں چاہے جا، بے جا استعمال کرے، دشمن کو مارے یا اپنا گلا کاٹے، اس کا کام تو کاٹنا ہے۔ کاٹے گی—— بلکہ علم مصقلہ ہے کہ جو ہر ذاتی و مادۂ اصلی کو ظاہر کردیتا ہے۔ یعنی جس انسان میں جو مادہ ہے، اس کو ایک خوبی کے ساتھ روشن متجلی کردیتا ہے—— اگر اس میں مادہ نیکی کا ہے تو

نیکی کو اور اگر مادہ برائی کا ہے تو برائی کو بھی خوبی کے ساتھ ہویدا کرے گا۔

ع عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے

ہمارے نزدیک تو اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرِ کے یہ معنی ہیں کہ علم بمعنی دانستن ہے۔ مثلاً کسی چیز کا علم حاصل کرنے کے لیے تم نے کوشش کی اور بدل یقین کرلیا کہ اس چیز کا علم مجھ کو حاصل ہوگیا ہے تو بس یہی دانستگی اس کے لیے حجابِ اکبر اور سد سکندری ہے، اب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کیونکہ خود حد مقرر کر چکا ہے۔ ورنہ علم کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا ——— جس چیز میں غور کیا جائے شاخ در شاخ نکلتی چلی آئے گی ——— یہی حال فقر کا ہے۔ جس شخص نے اپنے دل میں یہ خیال کرلیا کہ مجھ کو خدا کا عرفان حاصل ہوگیا ہے۔ بس وہ قدم آگے نہیں بڑھا سکتا، وہی علم اس کے لیے حجابِ اکبر ہوگیا۔ ورنہ محاط محیط کو کیا پا سکتا ہے ——— جو صاحبِ حوصلہ ہیں وہ ھل من مزید کا نعرہ مارتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور ہر وقت زبان پر یہ ورد رکھتے ہیں:

وَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ ——— جیسے خدا لَا اِبْتِدَاءَ لَهٗ وَلَا اِنْتِهَاءَ لَهٗ ہے ——— اسی طرح علم بھی حدو حصر سے باہر ہے۔ بلکہ یہ اس کی صفت ذاتی ہے، ذات عین علم ہے۔ ہر شے کی ذات میں موجود ہے۔ غرض علم ایک عجیب چیز ہے۔ بغیر علم کے آدمی مورکھ کہلاتا ہے ——— یہ مت خیال کرو کہ بہت سی کتابیں پڑھنے کا نام علم ہے، نہیں ، بلکہ وابستگی اور آگاہی پیدا کرنے کا نام علم ہے۔ اور یہی موصل الی المطلوب ہے ——— علم و دانائی و عقل مندی محض ہمیشہ ممتاز رہے ہیں، اسی لیے صاحبِ علم و عقل، قدیم مرجع خاص و عام چلا آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور دنیا میں جو عالم و عقل مند زیادہ ہے، وہی سر برآوردۂ قوم اور مرکز حاجات ہے۔

ع روند خلق بدید ارش از پے فرسنگ

روایت ہے مچھلیوں کا کہ ایک گروہ متفق ہو کر اور دور دراز سفر طے کر کے ایک عالم و عقل مند مچھلی کے پاس پہنچا اور دریافت کیا:

''ہم مدت سے دریا کا نام سنتے ہیں کہ اس سے ہماری زندگی ہے۔ لیکن آج تک دریا نہیں دیکھا۔ ہم کو بتاؤ کہ وہ کہاں ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''اگر تم مجھے دریا کے علاوہ کوئی چیز بتاؤ تو میں تم کو دریا بتاؤں۔ یہاں تو دریا ہی دریا موجزن ہے ——— اگر دریا کے سوا کچھ اور موجود ہو تو میں بتاؤں۔ تم کو تمہاری لاعلمی نے حجاب میں ڈال رکھا ہے۔ ورنہ ہماری تمہاری بود و نمود اسی دریا سے ہے جس میں ہم موجود ہیں۔''

الغرض علم ایک وصفِ اعظم اور مرتبۂ عالی ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نیں ——— علم کہیں باہر سے نہیں آتا بلکہ اس کا چشمہ اپنے ہی اندر سے ابلتا ہے ——— مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یک سبد پر نان تر ابر فرق سر — تو ہمی خواہی لب نان دربدر
در سر خود پیچ دہل خیرہ سری — رو در دل زن چرا برہر دری
تابزانوئی میان آب جو — غافل از خود این و آں تواب جو
برسرت نان است پایت اندر آب — و زعطش و زجوع گشتستی خراب
پیشت آب و بس ہم آب با مدد — چشم ہارا خلف سد و پیش سد
اسپ زیر ران و فارس اسپ جو — چیست ایں گفت اسپ لیکن اسپ کو
ہیں نہ اسپ است ایں بزیر تو پدید — گفت آرے لیک خود اسپم کہ دید
ہست آن وپیش روے اوست آن — اندر آب و بے خبر ز آب رواں
چون گہر در بحر گوید بحر کو — وان خیال چون صدف دیوار او
گفتن آن کو حجابش مے شود — ابر تا ابد آفتابش مے شود
بند چشم اوست ہم چشم بدش — عین رفع سد او گشتہ سدش
بند گوش اوشدہ ہم گوش او — گوش باحق دار اے مدہوش او

''اگر تو نظر حقیقت سے دیکھے تو سر پر (اس کی رزاقی و کریمی سے) روٹیوں

کا ایک ٹوکرا بھرا ہوا موجود ہے۔ مگر تو (اپنی ناسمجھی کی وجہ سے) روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے لیے دربدر مارا مارا پھرتا ہے۔

دور کے ڈھول کی آواز نے تجھے کیوں پریشان (خیرہ سر) کردیا ہے۔ تو اپنے دل کے دروازے پر خود جا اور اسی کو کھٹکھٹا۔ تو (اپنی حاجت کو پورا کرنے کے لیے) کیوں ہر کسی کے دروازے پر جاتا ہے۔

جبکہ تیرے گھٹنوں سے اوپر (زانو) تک دریا کا پانی موجیں مار رہا ہے۔ پھر تو کس لیے اپنے شیریں آب جو (دریا کے پانی) سے غافل ہو کر دوسروں سے پانی مانگتا ہے۔

اس کی رحمت و فضل سے تیرے سر پر روٹیاں (رزق مقرر) اور تیرے پیروں میں پانی موجود ہے۔ پھر تو کیوں (بے وقوفی) سے بھوک اور پیاس سے پریشان اور خراب وخستہ ہو رہا ہے۔

تیرے پیچھے بھی پانی اور سامنے بھی پانی موجود ہے۔ مگر تو نے دوسروں کی امداد کے لیے اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال لیا ہے۔ اور حجاب غفلت کی دیواریں آگے اور پیچھے کھڑی کرلی ہیں۔

تیرے زیرِران خود ایک عمدہ گھوڑا موجود ہے۔ پھر تو سوار ہو کر گھوڑے کی (خواہ مخواہ) تلاش میں ہے — یہ ''گھوڑا'' (کہنا) کیا ہے، اور وہ گھوڑا کہاں ہے؟ — کیا یہ جو خود تیرے نیچے گھوڑا ظاہر ہے، یہ گھوڑا نہیں ہے! — کہا، ''ہے تو، مگر میں نے اپنا گھوڑا کب دیکھا۔ (یعنی اپنی ناسمجھی/لاعلمی کی وجہ سے میں اپنے مرکب (گھوڑا) جسم اور سوار روح سے غافل ہوں) دیکھ تو سہی وہ تو تیرے سامنے ہے اور یہ موجود ہے۔ تو اس کے سامنے پانی کے اندر ہے۔ اور اس آب رواں سے بے خبر ہے — بھلا جب موتی (جو دریا میں ہو) وہ خود سمندر و دریا میں ہو کر بھی یہ کہے کہ سمندر کہاں ہے؟ تو پھر صدف (سیپی) کی طرح اس کا یہ خیال ہی اس کے

لیے دیوار (حجاب نظر) بن جاتا ہے۔یعنی تیرا یہ غلط خیال ہی تیرے لیے
حجاب ہے——اور یہ کہنا کہ وہ کون اس کا حجاب ہوتا ہے،تو (سمجھ لے)
کہ جس طرح ابر آفتاب کا حجاب ہوتا ہے۔
(وہ) جس کی آنکھ بند ہے اور اس کی چشم بد بھی،تو اس کی (آنکھ بند ہونے کا
حجاب ودیوار بھی) حقیقت میں اس کے حجاب ودیوار کو رفع (دور) کر دیتا ہے!
پھر جب کہ اس نے اپنی آنکھیں بھی (ماسوائے الٰہی سے) بند کر لیں اور اپنے
کان بھی،تو پھر اس کا گوش وچشم حق کے مشاہدہ وکلام میں مدہوش ہو جاتا ہے۔"

ہر شے میں ہے جلوہ تیرا:

ارشاد باری ہے:

☆——اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ۱۸،ع۴)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

☆——وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ○

"اور وہ ہر شے کو محیط ہے۔"

☆——فَلَمَّا اَتٰھَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ج اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی○ وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (پ۱۶،ع۱۰)

"پس جب آیا اس کے پاس (یعنی اس روشن درخت کے پاس) پکارا
گیا "اے موسیٰ! (علیہ السلام) تحقیق میں ہوں تیرا پروردگار۔ پس اتار
ڈال دونوں جوتیاں اپنی۔تحقیق تو بیچ میدان پاک طویٰ کے ہے (یعنی دین
ودنیا دونوں کو ترک کر کہ تو میدان پاک عشق میں آیا ہے) اور میں نے
پسند کیا تجھ کو۔ پس سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے (اور وہ یہ ہے کہ) تحقیق میں
ہوں اللہ،نہیں کوئی معبود مگر میں۔پس عبادت کر میری اور قائم کر نماز میری
یاد کے لیے۔"

☆ ——— پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی:

فَلَمَّا اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیءِ الْوَادِی الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ○ (پ۲۰ ع ۷)

''یعنی جب پہنچا اس کے پاس آواز آئی میدان کے دائیں کنارے سے برکت والی زمین میں اس درخت سے کہ ''اے موسیٰ! (علیہ السلام) البتہ میں ہوں اللہ، ہوں جہان کا رب۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادئ مقدس طویٰ میں ایک درخت سبز زیتون کو منور دیکھا۔ جب وہاں پہنچے تو اس درخت میں سے آواز آئی:

''اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں اللہ ہوں جہان کا رب!، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میری عبادت کر۔''

عیاذاً باللہ کیا یہ درخت کی آواز تھی؟ ——— نہیں نہیں ہرگز نہیں ——— بلکہ ذات احدیت بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ہے۔ ہر جگہ ظہور ذات ہے اور کچھ بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ سوائے ذات الٰہی کے کوئی چیز موجود نہیں ——— ارشاد باری ہے:

اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ (پ۲۳ ع ۱۷)

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحقیق تو اور وہ سب میت ہیں اور معدوم۔''

اور یہ نہیں فرمایا:

اِنَّكَ تَمُوْتُ وَاِنَّهُمْ تَمُوْتُوْنَ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کل موجودات فی الحال میت و نابود و معدوم ہے، حیات دائمی صرف ذات خدا کو ہے۔

؎ جملہ معشوق اوست عاشق پردہ — زندہ معشوق اوست عاشق مردہ

''سب کچھ وہ معشوق حقیقی ہی ہے۔ عاشق تو (صرف) ایک پردہ ہے، وہ معشوق ہی بس زندہ و پائندہ ہے اور عاشق مردہ ہے۔''

؎ کہتے ہیں جو اہل عقل ہیں دور اندیش — مخلوق کو ہے عدم کا رستہ درپیش

مخلوق بھلا عدم سے نکلی کب تھی ، موجود تو ہے وہی جو کم ہو نہ بیش

ارشاد باری ہے:

بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّمَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الْبَاطِلَ

''اللہ تعالیٰ بذاتِ خود واجب و ثابت ہے، اورک یہ جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا، وہ باطل ومعدوم ہے۔'' (پ ۲۱ ع ۱۲)

یعنی دونوں حق جس کی پرستش کفار کرتے ہیں وہ معدوم و غیر موجود ہے کیونکہ ذاتِ حق کے سوا کوئی اصلی موجود نہیں، اور وہ بذاتِ خود قائم و ثابت، واجب و قدیم ہے ـــــ لہٰذا اس کے سوا کسی اور کو موجود سمجھنا محض نادانی ہے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

''سچا کلمہ جو شاعر نے کہا ہے وہ لبید (نامی شاعر) کا قول ہے، اور وہ کلمہ یہ ہے کہ سن لو جو شے ماسوا اللہ ہے وہ باطل ہے۔''

یعنی فی الحال معدوم ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلاَ اللّٰہَ بَاطِلٌ'' ، ''اِنَّ فَضْلَ اللّٰہِ غَیْمٌ ھَاطِلٌ''

ملک ملک اوست اوخود مالک است ، غیر ذاتش ''کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ'' است

''تمام اشیائے عالم سوائے اس موجودِ حقیقی کے (اللہ تعالیٰ جل شانہ،) سوا باطل اور فانی ہیں ـــــ تحقیق اللہ تعالیٰ کا فضل ہی صرف درمیانی پردہ ہے۔ یہ تمام ملک (عالم) صرف اسی کا ملک ہے، اور وہی خود مالک ہے۔ اس کی ذاتِ پاک کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی اور فانی ہے۔''

ثابت ہوا کہ ذاتِ خدا کے سوا کچھ موجود نہیں۔ حدیث پاک ہے:

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا تو تو نے مجھے نہ پوچھا ـــــ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، تو نے مجھے نہ کھلایا ـــــ اے اولادِ آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وجودِ مریض اور وجودِ سائل حق ہے ـــــ کوئی وجود

ذاتِ حق سے خالی نہیں۔

ع نہ تو در ہیچ مکانی نہ مکانے ز تو خالی

''نہ تو کسی (ایک) مقام و مکان میں ہے اور نہ کوئی مکان تری ذاتِ پاک کے جلوے سے خالی ہے۔''

بخاری شریف میں ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

☆ ـــــ اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ

☆ ـــــ اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ رَبِّکُمْ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ (امام احمد)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:

''تحقیق میں پاتا ہوں خوشبو تمہارے خدا کی یمن کی طرف سے۔''

گفت پیمبر کہ ز خط یمن بوئے خدا دم بدم آید یمن

''حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے ''خطِ یمن'' سے دم بدم خوشبوئے خدا آتی ہے۔''

یعنی وہاں عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خواجہ اویس قرنی علیہ الرحمہ جو بڑے عارفِ کامل تھے، صحرائے یمن میں بحرِ شہود میں مستغرق رہتے تھے ـــــ یہ اشارہ ان کے فنا فی اللہ کی طرف ہے۔

☆ ـــــ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ

''جس نے مجھے دیکھا پس تحقیق اس نے خدا کو دیکھا۔''

☆ ـــــ ''تحفہ اثناء عشریہ'' میں شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

اَنَا حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ وَاَنَا مُقِیْمُ الْقِیٰمَةِ وَاَنَا عَاقِدُ نُطْفَةٍ فِی الْاَرْحَامِ وَاَنَا بَاعِثٌ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ

''میں زندہ ہوں نہ مروں گا میں —— اور میں قائم کروں گا قیامت کو —— اور میں باندھتا ہوں نطفہ کو ارحام میں —— اور میں اٹھاؤں گا مردوں کو قبروں سے۔''

☆ —— حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اِنِّیْ اَنَا اللہُ —— ''تحقیق میں اللہ ہوں۔''

☆ —— حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ وَسُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ

''البتہ میں ہوں، میں اللہ ہوں، کسی کی بندگی نہیں میرے سوا —— سو میری عبادت کرو۔ میں پاک اور بڑی شان والا ہوں۔''

☆ —— سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ اِلَّا اللہُ —— ''نہیں میرے جبہ میں مگر اللہ ہے۔''

☆ —— حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وَاَنَا اَقُوْلُ وَاَنَا اَسْمَعُ وَهَلْ فِی الدَّارَیْنِ غَیْرِیْ

''میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں، بھلا میرے سوا دونوں جہان میں کون ہے۔''

☆ —— حضرت غوث صمدانی قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اَنَا الرَّؤُفُ —— ''میں رؤف ہوں شفیق۔''

☆ —— حضرت شاہ منصور علیہ الرحمہ کا قول ہے:

اَنَا الْحَقُّ —— ''میں خدا ہوں۔''

☆ —— حضرت شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ من خدایم من خدایم من خدا فارغم از کبر و کینہ و ز ہوا

''میں خدا ہوں میں خدا ہوں اور میں کبر و کینہ وغیرہ سے پاک ہوں۔''

یعنی حضرت عطار علیہ الرحمہ پر فنائیت اس قدر طاری تھی کہ وہ سوائے ذاتِ مطلق

کے اور کسی شے کو موجود ہی نہ سمجھتے تھے۔اس لیے یہ نعرہ ان کی زبان سے جاری ہوا:

——"فنافی اللہ اور بقایا اللہ"

اور بہت سے بزرگانِ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کلام اسی طریق پر واقع ہوئے ہیں—— چنانچہ ان آیات واحادیث واقوال سے ظاہر ہے کہ ذاتِ خدا سب موجودات کی حقیقت ہے۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو سب انا الشمس کا نعرہ مارتے ہیں۔

؎ آفتابم آفتابم آفتاب ذرہا وارنداز من رنگ وتاب

"میں آفتاب ہوں، میں آفتاب ہوں۔ تمام ذرّے میری ہی روشنی سے چمک دمک رکھتے ہیں۔"

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ کو ایذا دیتا ہے ابن آدم۔ برا کہتا ہے زمانے کو، اور زمانہ میں ہوں۔"

☆ ——حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ:

"مخلوق معقول ہے اور حق محسوس ہے۔"

لہٰذا صوفی ظاہر کو دیکھتا ہے نہ کہ مظہر کو۔

؎ ایں نہ جہان است کہ مے بنگریں صورت آن است کہ مے بنگریں

"یہ جہان نہیں ہے کہ جس کو دیکھتے ہیں۔ صورت وشکل وہ ہے کہ جسے دیکھتے ہیں۔ (یعنی یہ جہان جو نظر آتا ہے، یہ تو جہان کی ظاہری شکل ہے، یہ جہان کی اصل وحقیقت نہیں ہے)۔"

جبکہ اوّل و آخر، ظاہر و باطن واجب الوجوب ہے تو جو کچھ ہے وہ عین حق ہے —— حق کے سوا کوئی موجود بالذات نہیں، پھر ہمہ اوست و ہمہ ازاوست، ہمہ در داست، ہمہ برداست، ہمہ بااوست، ہمہ بےاوست میں کیا شک وتردد رہا۔

؎ تراز دوست بگویم حکایتے بے پوست
ہمہ از دست اگر نیک بنگری ہمہ اوست

''میں تجھ سے (اس) دوست کی حکایت کھلم کھلا (بے پردہ) بیان کروں
—— (پس جان لے) کہ سب کچھ اسی سے ہے۔ اور اگر تو نیک وحق
دیکھے تو سب کچھ وہی ہے۔''

اگر دیدۂ دل سرمۂ توحید سے روشن اور چشم بصیرت نور یگانگی سے منور ہو تو سوائے خدا کے کچھ نہ پاؤ گے۔

ہمسایہ وہم نشیں و ہمرہ ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
درانجمن فرق ونہاں خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

''ہمسایہ وہم نشین اور ساتھی سب وہی ہے۔ فقیر و گدائے بے نوا کی پھٹی
پرانی گدڑی میں اور شاہِ وقت کی اطلسی قبا (زرگار لباس) میں بھی وہی
ہے—— اور انجمن فرق ونہاں اور خانہ جمع میں (خلوت ومجلس وغیرہ)
سب میں خدا کی قسم ''سب وہی ہے، سب وہی ہے۔''

ایک روز کسی نے اس رباعی پر جناب قبلہ قدس سرہٗ العزیز سے سوال کیا:

کہ ''حضرت جب ہمہ اوست ثابت ہے، اور اس کی ذات کے سوا کچھ
موجود نہیں اور وہ ذات مستجمع جمیع صفات کمال ہے تو ہم میں وہ قدرت وعلم،
ارادہ وحیات، سمع وبصر وکلام وغیرہ کیوں نہیں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''ہر چیز میں اس کی حیثیت کے موافق قدرت وعلم وارادہ وغیرہ موجود ہے
—— مگر چلو بھر پانی میں تو تنکا ہی تیر سکتا ہے نہ کہ جہاز۔ جہاز سمندر میں
شناوری کر سکتا ہے نہ کہ چلو بھر پانی میں۔''

پس جو طاقت کل میں ہے وہ جزو میں محال ہے—— مثلاً جو قوت ایک آدمی میں ہے وہ طاقت اس کے ایک ہاتھ میں نہیں، اور جو قوت ایک ہاتھ میں ہے وہ اس کی ایک انگلی میں نہیں—— ہر ایک صفت وقوت موالید ثلاثہ کل عالم میں ایک ہی ہے۔ مثلاً قدرت وعلم، ارادہ وحیات، سمع وبصر وکلام وغیرہ—— غرض جس صفت یا قوت کو وہ ہر

دو عالم میں ایک ہی ہے، اور کوئی جگہ اس سے خالی نہیں، یکساں ساری و طاری ہے۔ جیسے خلا۔ کہ ہر ایک چیز کو اس کے تعین کے موافق حصہ ملا ہوا ہے، جبکہ ذات بحت بلا تعین ہے —— لہٰذا یہ تعین، لاتعین سے کیسے مقابلہ کر سکتا ہے —— جس قدر اس کا تعین ہے اسی قدر اس کو قدرت وعلم وارادہ وغیرہ بھی ہے ——

اگر سب تعینات کی کوئی قوت یا صفت جیسے علم و ارادہ و قدرت، سمع و بصر وغیرہ میں سے کسی ایک قوت کو جمع کر کے دیکھا جائے تو بتاؤ وہ کیسی قوت ہو جائے گی —— چنانچہ ان کل طاقتوں کا مجموعہ خدا میں ہے —— تم میں ان کل طاقتوں میں سے قدرے قلیل ہیں تو کل وجز کا مقابلہ غیر ممکن ہے۔ بقدر تمہاری حیثیت کے، تم میں وہ صفات موجود ہیں —— اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ —— اور اگر تم اپنی انانیت کو فنا کر دو تو سب صفات تو کمال تمہارے ہی ہیں —— شعاع شمس نہ عین شمس ہے اور نہ غیر شمس۔ سب کی نمود شمس کی شعاع سے ہے۔ اگر شعاع شمس نہ ہو تو آفتاب ندارد ہے —— اسی طرح اگر صفات نہ ہوں تو ذات کا پتہ نہیں، اور وہ صفات ہم ہی ہیں —— ہم سے ذات جدا نہیں اور نہ ذات سے ہم جدا —— بلکہ ذات کا ظہور ذات سے ہی ہے۔ ایک سبب سے صفات عین ذات اور ذات عین صفات —— جیسا تمہارا علم ہوگا وہی ظہور پکڑے گا —— اور جو علم ہوگا وہی نظر آئے گا —— ہر ایک کے لیے اسی کا علم رہنما ہے۔ غرض یہ سب علم کی خوبی ہے۔ جس قدر علم زیادہ ہوگا۔ اس کو اپنا عرفان اسی قدر زیادہ ہوگا۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کو جب اپنے نفس کا علم ہوا تو ایک روز فرمایا کہ تیس برس پہلے میں خدا کو ڈھونڈتا تھا اور اپنے آپ کو پاتا تھا —— اب میں اپنے آپ کو ڈھونڈتا ہوں اور خدا کو پاتا ہوں۔''

؎ بخدا غیر خدا دو جہان چیزے نیست
بے نشان است کرد نام ونشان چیزے نیست

''خدا کی قسم! دونوں جہان میں سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی شے (موجود

حقیقی) نہیں ہے۔ (وہ) بے نشان ہے۔ (یعنی اس کی ذات قدسی کا کوئی ایک مقام ونشان نہیں ہے) اس سے نام ونشان کوئی چیز نہیں ہے۔''

حضرت طیفور شامی بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے معنی جب منکشف ہوئے، اور اپنی حقیقت وعلم کا انکشاف ہوا تو جناب باری میں عرض کی کہ:

''الٰہی! میں اتنی مدت حیران و پریشان رہا —— تمام مجاہدات میں صرف کئے۔ اب آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں کہ مجھ میں اور تمام مخلوق میں کچھ بھی فرق نہیں —— ادھر ادھر ایک حقیقت ہے۔ مجھے اس کوشش سے کیا فائدہ ہوا۔ جبکہ میں کسی طرح کا فرق وامتیاز اپنے آپ میں نہیں پاتا۔''

حکم ہوا کہ:

''یہی فرق ہے —— کہ تجھ پر یہ بھید کھل گیا اور اس سے حجاب میں ہیں، ورنہ خلقت سب کیا یک ہے۔''

؎ ساقی وہی مے کش وہی مینا بھی وہی — گویا وہی شنوا وہی بینا بھی وہی
آدم وہی بندہ وہی مولا بھی وہی — ہے بھی وہی تھا بھی وہی، ہوگا بھی وہی

جب دل سے تعینات کے آثار مٹ جاتے ہیں اور حقیقت و ماہیت اشیاء عیاں ہو جاتی ہے تو ذاتِ واحد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

؎ آثارِ تعینات چوں یافت حکے — کثرت ہمہ وحدت ست بے ہیچ شکے
چون نقطہ صفر شد نہاں از رقمت — بنگر کہ دہ وصد و ہزار ست یکے

''جب آثار تعینات (موجودات و کثرتِ مظاہر) مٹ گئے تو پھر تمام کثرت بغیر کسی شک وشبہ کے وحدت ہی ہے —— جب نقطہ صفر ہوا تو اس کی قدر و قیمت غائب ہو جاتی ہے —— تو دیکھ لے کہ دس (۱۰) اور سو ہزار (۱۰,۰۰۰۰) یعنی لاکھ ایک ہی ہے۔ (یعنی اگر دس اور لاکھ کے نقطے اڑا دیے جائیں تو پھر صرف ایک (وحدت) ہی باقی رہ جائے گی، اور

غائب شدہ صفر یعنی نقطہ کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی —— اگر بغیر (وحدتِ حقیقی) ایک کے صفر و نقطہ ہو بھی تو اس کی رقم کی کچھ قیمت نہیں ہے —— بس جو کچھ وجود سب ہے، وہ صرف الف (ذات وحدت ہی) کا ہے۔"

دو عالم چیست نقش و صورت دوست چہ جائے نقش و صورت بلکہ خود اوست
دو صد آئینہ یک روئے مقابل اگرچہ صید نماید لیک یک اوست

"اور دو عالم کیا ہے؟ —— حرف دوست (محبوبِ حقیقی) کے نقش و صورت (صفات و شان) ہی ہے۔ اور (ظاہری) نقش و صورت کا کیا مقام و مرتبہ ہے، بلکہ اصل میں تو وہ خود ہی موجود ہے —— (اسی طرح) دوسو آئینے بھی اگر ایک چہرے کے مقابل ہوں تو خواہ ان میں سینکڑوں شکلیں نظر آئیں لیکن حقیقت میں تو وہ ایک ہی ہے۔"

جملہ موجودات دو حال سے خالی نہیں —— یا تو عدم ہے، یا وجود —— اَلْعَدَمُ لَیْسَ بِشَیْءٍ وَالْوُجُوْدُ هُوَ الْحَقُّ

"عدم کوئی چیز نہیں اور وجود وہ عین حق ہے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وجودِ واحد کے سوا کچھ موجود نہیں بلکہ ایک ہی ذات ظاہر و عیاں ہے۔

بہ بین بہ دیدہ دل مظہر جمال و جلال سموم دوزخ و ہم روضہ جناں ہمہ اوست
ثنا اوست ھو الظاھر ھو الباطن عیاں بخلق نہاں در جہان جاں ہمہ اوست
زحسن و قبح مزن دم کہ اندرین عالم شرار گلخن و ہم رنگ گلستاں ہمہ اوست

"تو اپنے دل کی آنکھوں سے مظہر جمال و جلال کا معائنہ کر۔ کیونکہ (ہر شے) خواہ وہ دوزخ کی گرم ہوا ہو یا پر بہار باغ جنت، سب وہی ہے۔ وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ ہے۔ اسی کی حمد و ثنا ہے۔ تمام مخلوق میں ظاہر و عیاں اور تمام جہان میں جان بس وہی ہے۔

تو نیک و بد پر کچھ نکتہ چینی و اعتراض و عیب جوئی نہ کر۔ کہ تمام عالم میں، آگ کی بھٹی کے شراروں اور باغ و گلشن کے رنگ و بہار میں سب وہی ہے۔"

مولانا مغربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قرار یافت کہ از غیر حق وجودے نیست	نے شود کہ بنوعے و گر قرار کنم
چہ شد کہ کافر و مومن بنام ہا خوانند	یکے دو کے شود ار نام گر ہزار کنم
بخاطر دل ما نیست غیر جلوۂ حق	چو غیر نیست چرا رفع این غبار کنم
تو طالبی و ترا مطلب از ہمہ رواوست	زچیست آنکہ تفاوت بنور و نار کنم

"جب یہ قرار پا گیا (ثابت ہوا) کہ تمام عالم میں سوائے حق تعالیٰ کے کوئی اور وجود نہیں ہے۔ تو پھر یہ کس طرح ہو کہ میں کسی غیر (دوسری شے) سے قرار حاصل کروں۔

(اس میں) کیا ہوا اگر کافر و مومن بہت سے نام پڑھتے ہیں، جو ذاتِ پاک حقیقت میں ایک ہے، وہ دو کب اور کس طرح ہوگی۔ چاہے اس کے ہزار نام ہی لیں۔

ہمارے دل کی خاطر و تسکین کے لیے جلوۂ حق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جبکہ غیر ہی نہیں ہے تو پھر میں کس لیے یہ رفع غبار کروں (یعنی پردۂ ظاہر کو ہٹاؤں)۔

تو تو اس کا طالب ہے اور تیرا مطلب و مقصد تو تمام (ظاہری) صورتوں میں بس وہی ہے تو پھر کس لیے یہ نور و نار کا فرق و امتیاز کروں۔"

کر سکتا ہے نقاش سے کب نقش خلاف	ہیں نقش میں جلوہ گر اسی کے اوصاف
ہر شے میں عیاں ہے آفتاب وحدت	گر وہم دوئی نہ ہو تو ہے مطلع صاف

جب یہ بات حدیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ تھا اور کوئی شے غیر اللہ نہ تھی ——— اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا، تو غور کا مقام ہے کہ اس غیر اللہ کا ظہور کہاں سے

ہو گیا، اور کہاں سے آیا اور کدھر جاتا ہے —— حدیث پاک ہے:

كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَى أَصْلِهِ

''ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔''

اور سب کی اصل ذات الٰہی ہے —— ارشاد باری ہے:

وَإِلَى اللهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ

''سب حقائق و امور اللہ کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔''

جبکہ ذات الٰہی کے سوا کسی کی اصل پائی نہیں جاتی تو پھر یہ مخلوق کیا ہے؟ —— از روئے صورت غیر ہے، اور از روئے معنی عین، اور صورتِ معدوم محض ہے۔ لہٰذا ذات کے سوا کوئی موجود نہیں —— حدیث شریف میں ہے کہ:

''اوّل پانی کا ظہور ہوا —— پھر اس میں جوش آیا —— پھر بخارات اڑے، اور اس پر جھاگ ظاہر ہوا۔'' ——

گو ان سب کی صورت مختلف ہو گئی ہے، لیکن حقیقت سب کی پانی ہی ہے۔

—— اس اجمال کی تشریح یہ ہے کہ پانی سے مراد دریائے احدیت ہے۔

☆ —— اس میں جوش آنا ارادۂ ظہور ہے، جس کو تنزل اوّل کہتے ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور انور ظہور میں آیا۔

☆ —— بخارات کا اٹھنا تعین ثانی ہے، اس پر جھاگ نمودار ہونے سے عالم اجسام کی پیدائش مراد ہے۔

یہ تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے —— لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اپنے سے غیر پیدا کیا ہے۔ اس لیے خلقت غیر خدا ہے۔ لیکن اہل بصیرت اس راز کو خوب جانتے ہیں۔

مولانا فرید الدین عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اے پردہ برگرفتہ بازار آمدہ   خلقے درین طلسم گرفتار آمدہ
غیر تو ہر چہ ہست سراب و نمائش است   کاین جانہ اندک ست نہ بسیار آمدہ

این جا حلول کفر بود اتحاد ہم — این وحدتی است لیک بہ تکرار آمده
یک صانع است صنع ہزاراں ہزار بیش — جملہ ز نقد علم خریدار آمده
بحریست غیر ساختہ از موج ہائے خویش — ابریست عین قطرہ عدوبار آمده
این رامثال ہست بعینہ یک آفتاب — کرعکس او دوکون پر انور آمده
والاکلام حق کہ علی الحق یک یست بس — پس در نزول مختلف آثار آمده
سنگ سیہ مبین تو یمین اللہ اش بہ بین — کاین جاجہان محو جہاں دار آمده
برخود پدید کرد ز خود سر خود دے — ھودہ ہزار عالم اسرار آمده
درباغ عشق یک احدیت کریافتہ است — شاخ و درخت و برگ وگل و خار آمده
یک عین متفق نہ جزا وذرہ نہ بود — چون گشت ظاہر این ہمہ در بار آمده
برخویش جلوہ دادن خود بود کار تو — تاصد ہزار کار ز یک کار آمده
ازقہر و درماندہ و انکار خواستہ — و ز لطف قرب یافتہ اقرار آمده
چون دردوکون ازتو بروں نیست ہیچ کار — صد شور از تو در تو پدیدار آمده
زلف تو پیش روتو افتادہ دار خواہ — روئے تو پیش زلف بہ زنہار آمده
برخود جہان فروختہ از نور خویشتن — خود را دردن پردۂ خریدار آمده
اے ظاہر تو عاشق و معشوق باطنت — مطلوب را کہ دید طلب گار آمده
این خود چہ نکتہ ایست کہ گرد طواف او — ہفت آسمان مقیم چو پرکار آمده
آن کیست وآن کجاست چنین جلوہ گرشد — واں چیست واں چہ بود دراظہار آمده
گر ہر دوکون موج برآرد دوصد ہزار — جملہ یک یست لیک دوصد بار آمده
غیرے چگونہ روئے نماید کہ ہرچہ ہست — عین دگر یکے است پدیدار آمده
بوئے بجان ہر کہ رسیداست ازین حدیث — از کفر و دین ہر آئینہ بیزار آمده
این آن قلندر یست کہ ھل من مزید گفت — تسبیح در حمایت زُنار آمده
زین جا فقیر سوختہ بہ گریختہ زکفر — درچنین شد بہ علم زکفار آمده
رستم ازین حدیث شدہ زیر چادرے — پس چون زنان روئے بہ دیوار آمده

برہر کہ یک نفس شدہ زین راز آشکار انفاس بردھانش چو مسمار آمدہ

''اے وہ جو اپنے منہ پر نقاب ڈال کر اس بازار عالم میں آیا ہے، تیرے اس طلسم میں ایک عالم (ساری مخلوق) گرفتار رہے —— عالم میں تیرے سوا جو کچھ بھی ہے صرف سراب و نمائش ہی ہے۔ کیونکہ اس جگہ نہ تھوڑا اور نہ بہت آیا ہے —— صرف ایک وہی صانع عالم ہے، اس کی مصنوعات ہزار دہ ہزارے سے بھی زیادہ ہیں —— یہاں تمام نقد عالم لے کر خریدار آیا ہے —— یہ ایک ایسا بحر محیط ہے جس نے اپنی موجوں کو غیر بنایا ہے۔ یہ ایک ایسا بادل ہے جو عین قطرہ ہو کر بے شمار آیا ہے —— اس کی مثال یہ ہے کہ بعینہٖ ایک آفتاب پرانوار ہے۔ جس کے عکس سے دو عالم پرانوار ہو گئے۔

—— اصل میں حق بات تو یہ ہے کہ ''حق'' تو بس ایک ہی ہے مگر شان نزول میں مختلف آثار ظاہر ہوئے ہیں —— تو حجر اسود کو مت دیکھ۔ تو اس کے یمین اللہ (اللہ کے دست راست) کو دیکھ۔ کیونکہ اس جگہ جہان میں جہان محو ہو کر آیا ہے —— اگر تو اپنے اوپر خود اپنے اسرار ورموز کو دم بھر کے لیے بھی ظاہر کرے تو اٹھارہ ہزار عالم اسرار تجھ پر منکشف ہو جائیں گے۔ حقیقت میں باغ عشق میں صرف ایک ''احدیت'' ہی پائی گئی ہے —— اس (اصل کل) سے یہ شاخ و درخت اور پھول پتے، پھل اور کانٹے وغیرہ ظاہر ہوئے ہیں۔

متفقہ طور سے صرف ایک عین وحقیقت تھی، اس کے سوا ذرّہ بھی نہیں تھا، اور جب وہ ظاہر ہوئی تو یہ سب اغیار بھی ظاہر ہوئے۔

جب ایک عکس نے پردۂ وحدت کے نیچے سے سر اٹھایا تو وہم وخیال کے ہزاروں پردے نمودار ہوئے —— نور کا بس ایک ہی پرتو ڈالا تو تمام جہان چراغوں سے بھر گیا —— بس ایک ہی تخم بویا گیا اور یہ تمام گوہر بار

شجر پر بہار پیدا ہو گئے۔ اپنے آپ کو اپنا ہی جلوہ دکھانا بس تیرا ہی کام تھا، تاکہ ایک سے سو ہزار کام رونما ہوں۔

(وہ محبوب) قہر کے عالم میں دور ہوا اور انکار کیا —— لطف سے قرب پایا اور اقرار کیا۔ جبکہ دونوں جہان میں کوئی کام تجھ سے باہر نہیں ہے۔ (تو پھر کیوں) سینکڑوں شور و غوغا تجھ سے تیرے اندر پیدا ہوئے ہیں —— تیری زلف تیرے ہی چہرے کے سامنے داد خواہ بن کر پڑی ہوئی ہے —— تیرا چہرہ تیری ہی زلف کے سامنے پناہ مانگتا ہے —— تو نے اپنے نور سے اپنے اوپر سارے جہان کو بیچ ڈالا —— تو خود ہی پردے میں چھپ کر خریدار بن کے آیا۔

اے وہ! جس کا ظاہر تو عشاق اور باطن معشوق و محبوب ہے۔ مطلوب کو کب دیکھا۔ جو طلب گار ہو کر آیا ہے —— یہ خود کیا نقطہ ہے کہ اس کے گرد طواف کے لیے ٹھہرے ہوئے سات آسمان بھی پرکار کی طرح گھومتے ہیں۔

وہ کیا ہے؟ اور وہ کہاں ہے —— اور کیسے جلوہ گر ہوا —— اور وہ کون ہے، اور وہ کیا ہے جو کہ اظہار میں آیا ہے۔ اگر ہر دو جہان میں دو سو ہزار موجیں بھی پیدا ہوں، تو وہ سب ایک ہی ہیں لیکن دو سو بار نمودار ہوئی ہیں۔

بھلا غیر کس طرح رونما ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہے اس کی دوسری شکل (حقیقت) عین ہی ہے جو ظاہر ہوئی ہے۔

اس کلام سے ہر ایک کی جان میں جو خوشبو آئی ہے وہ کفر و دنیا سے ہر طرح بیزار ہوا ہے۔ یعنی نظر بر حقیقتِ واحد وہ کسی کے ظاہر پر نظر نہیں کرتا۔

یہ تو بس مست مئے محبتِ قلندر ہی کا ظرف ہے کہ اس نے "اور اور زیادہ" کہا۔

اس حال میں تسبیح بھی زنار کی حمایت میں آئی۔

اس مقام پر سوختہ دل فقیر کفر سے بھاگا، اور علم کے موتی چننے والا بھی کفار سے

آیا ـــــ یعنی جب اس نے حقیقت کو جانا تو وہ بھی وحدت پرست ہو گیا۔

رستم جیسا بے باک بہادر بھی اس بات کو سن کر پردے میں منہ چھپانے لگا، اور عورتوں کی طرح دیوار کی طرف رُخ کر کے شرمسار ہوا۔

یہ رازِ حقیقت جس پر بھی ایک دم کو آشکار (ظاہر) ہوا، اس کے منہ پر اس کا سانس بھی حیرت وخوف کے مارے ہتھوڑے کی طرح معلوم ہوا۔ یعنی وہ اس حقیقت کو جان کر دم بخود ہو گیا، اور اس کی تاب گویائی جاتی رہی۔"

اگر تم حجابِ تعینات کو اٹھا کر بغور تفکر وخیال کرو گے تو اس میں ذاتِ خدا کے سوا کسی کی بھی گنجائش نہ ہو گی۔ جیسا کہ شعاعِ آفتاب کی گرمی سے سمندر کا پانی بخارات بن کر اڑا، اور مختلف صورتوں میں نمودار ہوا، اور ہر تعین میں ایک علیحدہ نام پایا ـــــ غرض ہر لباس میں ایک نئی شان دکھائی، اور ہر جگہ مختلف ناموں سے نامزد ہو کر ایک نئی صورت بنائی ـــــ اگر ان ملبوسات کو پھاڑا جائے اور تعینات کو توڑ کر دیکھا جائے تو وہی سمندر کا پانی ہے، جو غیر نہیں تھا فقط اس لباس وتعین کی وجہ سے تم غیر جانتے تھے۔ ورنہ ہر لباس وتعین میں پانی ہی پانی ہے ـــــ لہٰذا تمام مخلوقات کا ظہور اس طور پر ہوا ہے کہ جب ارادۂ الٰہی حرکت میں آیا تو ہر شے کے پردۂ تعینات میں وہی ذات نئے انداز وشان اور نرالی ادا وآن سے جلوہ افروز ہوئی۔ اور رنگ برنگ کے تعینات میں طرح طرح کے ناز ونیاز سے ظہور فرمایا ـــــ پھر جب تعین ٹوٹا تو وہی ذات واحد بے کم وکاست ہے جو تھی ـــــ اس کے غیر کا خیال محال ہے۔ یہ سب وجودات وتعینات وہمی واعتباری ہیں۔ جن کا کچھ بھی ثبات نہیں، ایک آن کی آن میں درہم برہم وفنا ہو جاتی ہے۔

اے زائرِ طلسم کدہ ہوش میں آ!:

اے زائرِ طلسم کدہ ذرا ہوش میں آ ـــــ تو کہاں جا پہنچا۔ تو نے ایسے عرشِ عظیم پر کمند ڈالی ہے کہ جہاں ادراکِ سریع السیر کی رسائی نہیں۔ اور خیالِ برق رفتار کی مجال نہیں ـــــ ایسے دشوار گزار بیابان میں قدم رکھا ہے کہ شیر نر کے ہوش وحواس پراگندہ

ہیں—— مست ہاتھی کا حوصلہ پست ہے۔—— ایسے گہرے دریا میں غوطہ لگایا ہے کہ جس میں کروڑھا دانش مند انبیاء و اولیاء و حکماء و عقلا کی جانیں ہلاک ہوگئی ہیں۔مگر اس بے کنار سمندر کی تہہ کسی کو نہ ملی۔

ہاں اہلِ طلب کون سنے طعنہ نایافت — دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

کسے رہ سوئے گنج قاروں نبرد — وگر برد رہ باز بیروں نبرد

''کسی کو بھی قارون کے خزانے کی طرف (جو زمین کی تہہ میں دھنس گیا تھا) راہ نہ پائی، اور اگر اس طرف گیا تو پھر واپسی کی راہ نہ پائی۔''

اس خوں خوار موجوں والے سمندر سے نکل اور اپنی سیدھی راہ لے۔

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نہ کشود و نکشاید بہ حکمت این معمہ را

''تو شراب ناب اور گانے والے کی باتیں کر اور دنیا زمانے کے راز کو مت ڈھونڈ۔کیونکہ آج تک کسی نے بھی اپنی عقل و حکمت سے اس معمہ اور بھید کو نہیں کھولا۔''

لیکن میں کیا کروں کہ میرا اصلی مقصود یہی ہے اور اس کے بغیر مجھے چین نہیں۔ اس لیے کہ یار کی باتیں اور اس کا بیان میری غذائے روح اور راحت جان ہے۔

پھر پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

دل محبوب ہے کہ............:

جیسا کہ بیان ہوا کہ انسان جمیع حقائق الٰہی و حقائق کونی کا کامل جامع ہے—— مرتبۂ وحدت میں انسانِ کامل ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عبارت ہے۔یعنی اس کے مافوق وجود باطن میں جو کچھ ہے وہ مرتبۂ احدیت ہے—— مرتبۂ وحدت میں اجمالاً موجود ہے—— اور جو کچھ اس کے ماتحت یعنی ظاہر وجود و اسماء مرتبۂ وحدیت میں ہے، وہ مرتبۂ وحدت میں ضمناً موجود ہے——

مرتبۂ واحدیت میں انسانِ کامل سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ اگرچہ اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ بھی اس میں شامل ہیں۔ لیکن:

☆——آدم برزخ صغریٰ ہیں،

☆——ان کا مرتبہ جامع ہے مافوق خود کہ وحدت ہے۔

☆——ظہور و ماتحت خود کی جانب توجہ کہ حقائق کونیات ہیں، ان میں ضمناً موجود ہیں۔ اس لیے آدم جمیع حقائق الٰہیات وکونیات کے جامع ہیں۔

انسان کا تزکیہ نفس و تصفیہ قلب اس وقت ممکن ہے کہ:

☆——اسماء الٰہی کے ہر اسم سے عبادت کرے،

☆——سریر قلب پر (کہ عرش الٰہی ہے) غیر کو جگہ نہ دے۔

ارشاد باری ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ

''تم حفاظت کرو تمام نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور تم کھڑے رہو اللہ کے لیے خاموشی کی حالت میں۔'' (پ ۲، رکوع ۱۵)

یہ آیت تعلیم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اہل تصوف نے اس آیت کے یہ معنی لیے ہیں:

''صلوٰۃ سے مراد بدن کے تمام اعضاء دل کے سوا ہیں——صلوٰۃِ وسطیٰ سے مراد دل ہے۔''

تو یہ معنی ہوئے کہ تم امور ناشائستہ سے تمام جسم کی محافظت کرو، اور خاص کر دل کو نگاہ رکھو——یعنی جب تک تم شرک ماسویٰ اللہ سے دل کی نگرانی نہ کرو گے تو نماز ادا نہ ہوگی۔ اور جس دل میں شرک ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دل مقبول نہ ہوگا۔——

قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ کے یہ معنی ہیں کہ

''غیر اللہ اور ماسویٰ اللہ کے دور کرنے میں مستعد ہو جاؤ تصور و تفکر کی حالت میں''

اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کی جاتی۔'' (مسلم شریف)

اس کے یہ معنی نہیں کہ دل میں کفر وشرک اور طرح طرح کے فسادات بھرے ہوئے ہیں، اور منہ ہاتھ دھو کر نماز پڑھ لی، بس قبول ہوگئی ــــ یہ نہیں بلکہ جب تک تطھیر القلب عن ماسویٰ اللہ نہ ہو، خدا کے نزدیک وہ نماز قبول نہیں ــــ چنانچہ طہارت قلب عن ماسویٰ اللہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ عمل کی بنیاد دل سے متعلق ہے۔ اگر دل میں شرک بھرا ہوا ہے تو وہ عمل باطن اور مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ باطن کو دیکھتا ہے نہ کہ ظاہر کو ــــ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث قدسی روایت ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

ـــ مابروں را ننگریم و قال را ــــ مادروں را بنگریم و حال را

''ہم ظاہر کو نہیں دیکھتے اور نہ خالی باتوں کو دیکھتے ہیں۔ ہم تو اندرون (دل) کو دیکھتے ہیں اور حقیقت حال پر نظر کرتے ہیں۔''

اگر دل غیر اللہ سے پاک ہے تو محبوب ہے ورنہ مردود ــــ حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''وضو سے مراد ہے غیر اللہ سے جدا ہونا، اور نماز عبارت ہے اللہ سے وصل ہونا۔''

لہٰذا جو شخص غیر اللہ سے دور ہی نہ ہوا وہ اللہ سے ملا ہی نہیں۔ یعنی جب تک غیر اللہ و ماسویٰ اللہ سے دور نہ ہوگا، اللہ سے اتصال نہ پائے گا ــــ جب غیر حق کا وہم باطل مٹ جاتا ہے تو دل کے تخت پر حق جلوہ نما ہوتا ہے ــــ یہ رتبہ ان لوگوں کا ہے جو ہر وقت اپنے دل کی نگرانی کرتے ہیں، اور شرک ماسویٰ اللہ کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتے۔ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ

''اور وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز بر ہمیشہ قائم ہیں۔''

یعنی وصال و عرفان الٰہی ان لوگوں کے نصیب میں ہے جو غیر اللہ کو اپنے دل میں نہیں آنے دیتے۔ غرض جب تک توحید پوری نہ ہوگی عرفان و وصال محال ہے۔

فصل ہفتم:

ہندسہ الٰہیہ

نقطہ کیا ہے؟

نقطہ وہ ہے جس کے اجزا نہ ہو سکیں۔ یعنی اس کی کچھ مقدار نہ ہو اور کیفیت و کمیت کی بحث سے پاک ہو ـــ مقدار اس کو کہتے ہیں جو کم یا زیادہ ہو سکے۔ چنانچہ نقطہ وہ ہے جو مقدار سے منزہ و مبرا ہے نہ کبھی کم ہو نہ زیادہ۔ اَلْاٰنَ لِمَا کَانَ ـــ لفظ نقطہ اس معنی کے لیے عبارت ہے جس کی تعریف و توضیح مقصود ہے ـــ یعنی اس موجود غیر معلوم اور لاتعین و غیر محدود کا اسم معین کیا گیا ہے۔ جس کا علم و عرفان ابھی حاصل نہیں۔

ـ نسبت روایت اگر با ماہ و پروین کردہ اند
صورتت نادیدہ تشبیہے بہ تخمین کردہ اند

"اگر لوگوں نے تیری صورت کی چاند تارے سے نسبت کی ہے، حقیقت میں جب کسی نے تیری شکل و صورت ہی نہیں دیکھی تو یہ تشبیہ صرف قیاس اور اندازے سے ہی کی ہے۔"

نقطے کی شرح:

یہ فرضی اسم چونکہ اسی ذات غائب و لاتعین کے خیال سے پیدا ہوا ہے، اس لیے وہ ذات غیر نہیں بلکہ وہی ذات غائب جب تعین علم کی طرف متوجہ ہوئی تو لامحالہ خود ہی ایک اسم معلوم و معین کے لباس میں رونما ہوئی تا کہ اپنی ذات پر آپ دلالت کرے۔

ـ زور یا موج گونا گوں برآمد
زبے چونی برنگ چوں برآمد

"ایک دریائے ناپیدا کنار سے قسم قسم کی بے شمار موجیں پیدا ہوئیں، اور بے چونی (ذات بے مثال) سے یہ چون (مثال) کے رنگ میں نمودار

ہوئیں۔"

اگر چہ اسم کا وجود مسمّٰی کے وجود سے موخر بلکہ اس کے وجود کا پرتو ہے، لیکن تعریف و بیان کے طریقہ میں اسم اپنے مسمّٰی پر مقدم ہے لیکن حقیقت میں نہ تقدم ہے نہ تاخر —— کیونکہ وہی ذات لباس اسم وعبارت میں آ کر خود ہی دال و رہنما اور خود ہی مدلول ومفہوم ٹھہری —— چونکہ دال و مدلول ذات واحد ہے، اس لیے تعریف وتعین کے باوجود بھی غیر معلوم وغیر معین ہے —— تَعَالٰی شَانُہٗ عَمَّا یَصِفُوْنَ یعنی

☆ —— وہ ذات بن جائے
☆ —— یا عبارت میں ظاہر ہو،
☆ —— یا باطن میں عیاں ہو یا نہاں۔

کسی شان ورنگ اور کسی طور اور کسی ڈھنگ میں ہو، اس کی اصل وحقیقت میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا —— اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ۔ چنانچہ تجسس وتحقیق کے بعد حقیقتِ مقصود اور کشف وعرفان بھی ویسی ہی رہتی ہے جیسی کہ تھی۔ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ۔ اس عبارت یعنی لفظ نقطہ سے عقدہ حل نہ ہوا، اس لیے اشارت کی طرف رجوع کیا گیا اور کہا گیا کہ نقطہ وہ چیز ہے جس کی کچھ مقدار نہیں۔ یعنی وہ ذات لاتعین جو اس عبارت کی معلوم حقیقت ہے، اس قدر ظاہر وعیاں ہے کہ اس کی طرف بے اختیار اشارہ کرنے کو موجب ایقان وعرفان خیال کیا گیا۔ لیکن یہ اشارہ معلوم حقیقت کے حصول علم کے لیے واقع ہوا ہے، اس لیے اشارہ عین جہل ہوگیا —— نہ تو وہ عبارت کے تعین سے معین ہوسکے نہ اشارے کی قید میں مقید۔ کیونکہ اشارے اور عبارت کا وجود اس کے وجود باوجود کا ایک پرتو ہے، بلکہ تبدیلی لباس سے وہی خود عبارت واشارت ہے۔ اس لیے اس کی تعریف وتوصیف کا ذریعہ کسی دوسری شے کو سمجھنا ایک خیال محال اور تصور باطل ہے۔

ع کہ نتواں ترا دید اِلّا بہ تو

"تجھ کو نہیں دیکھ سکا لیکن تیرے ہی سے —— یعنی اس کی حقیقت کو دیکھنا اور سمجھنا اس قدر مشکل ہے کہ بس اس کی ذات میں محو وفنا ہو کر اسی سے دیکھا۔

☆——خود ذات نقطہ موجود ہے،

☆——خود ہی وجد و وجدان ہے،

☆——خود ہی مکشوف وعیاں، اور

☆——خود ہی معلوم وعلم،

☆——خود ہی عرفان وایقان

چونکہ خود وہ ذات ہی اصل ہے۔ اس لیے اس سے جو کچھ صادر اور متفرع ہوتا ہے وہ بھی عین اصل ہے۔

؎ ازحق جزحق دگر چہ گوید بابا ازحق جز حق دگر چہ روید بابا
درشدتِ ایں ظہور و مہجور صفت حق را جز حق دگر چہ جوید بابا

''حق سے سوا حق کے اور دوسری بات بابا کیا ہے۔ اور حق سے سوائے حق کے اے بابا اور کیا پیدا ہوا ہے—— اس ظہور ونمائش کی شدت میں مہجور کی طرح، حق سے حق کے سوا اے بابا اور دوسری شے کیا تلاش کرے۔''

ثابت ہوا کہ اس کی تعلیم وتعریف کے لیے وہی کافی ہے۔ ارشاد باری ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (پ ۲۵ ع ۱)

''کیا تیرا رب کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر حاضر وشاہد ہے۔''

؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے بایداز دے رومتاب

''آفتاب ہی خود آفتاب کی (حقیقی) دلیل ہے۔ اگر تو اس کی دلیل چاہتا ہے تو اپنا منہ اس سے نہ چھپا، تو خود آنکھ اٹھا کر اسے دیکھ لے۔''

مگر جب اس کے علم وعرفان اور حصولِ ایقان کا ارادہ کیا گیا تو وہ ذات کو ظاہر و اظہر ہے، عین اشارت وعبارت بن گئی —— اور وہ ذات کہ عین وحدت ہے، مختلف صورتوں اور رنگارنگ آثار واطوار میں ظاہر ہوئی —— لہٰذا حصولِ علم وعرفان میں ترک علم وعرفان ہے—— اَلتَّوْحِيْدُ تَرْكُ التَّوْحِيْدِ فِي التَّوْحِيْدِ۔

اس حیرانی وسرگردانی اور گم گشتگی وپریشانی سے یہ نتیجہ نکلا کہ

''نقطہ وہ ہے جس کی کچھ مقدار نہیں۔''

یعنی وہ کچھ نہیں، لَیْسَ بِشَیْءٍ کا مصداق ہے۔ جس کو کچھ چیز یا شے، معلوم و محسوس معدود و محدود، قابل تجزی و انقسام یا کمی و بیشی سمجھتے ہو، وہ ذات ان سب سے نرالی اور جدا ہے ــــ وہ حقیقت محققہ اور عین واحد خود موجود و مکشوف اور ظاہر و عیان ہے۔ نہ کسی ذریعہ سے مغلوب ہو سکتی ہے، نہ کسی واسطے اور دلیل سے مجبور ــــ اگر وہ ہے تو کسی شے کا پتہ نہیں۔ اور جب کسی شے کا وہم ناشی ہوا تو خود اس کا نشان گم ہے۔ کیونکہ:

☆ ــــ خود وہی منشا ہے وہی ناشی

☆ ــــ وہی شے ہے وہی لا شے،

☆ ــــ وہی نیست وہی ھست

☆ ــــ وہی عدم وہی وجود

☆ ــــ وہی غیب وہی شہود۔

اس لیے وہ احاطۂ قیاس و گمان اور وہم و خیال اور حس و ادراک سے منزہ و مبرا اور وراء الوراء ہے۔ کیونکہ وہ سب کے لیے اصل الاصول اور عین وحدت ہے ــــ تعین عبارت اگر کچھ اور ہے تو وہ اس سے الگ ہے ــــ اور قید اشارت کا اگر کچھ وجود ہے تو وہ اس سے بھی جدا ہے (یعنی کچھ بھی نہیں) ــــ اگر کچھ ہے تو وہ اس سے بھی پرے ہے۔ کیونکہ وہ خود موجود و وجود و وجدان ہے۔ لا و الّا کی قید میں کس طرح مقید ہو، لا بھی وہی، الا بھی وہی۔ جس طرح ''وہ کچھ ہے'' سے پاک ہے۔ اسی طرح ''کچھ بھی نہیں'' سے منزہ ہے۔

؎ لا و اِلّا ہر دو لفظے اختند خلق را در دام وہم اختند

''لا و اِلّا (نہیں اور لیکن) دو منطقی الفاظ بنا لیے، اور مخلوق کو وہم و خیال کے دام میں ڈال دیا۔''

ع نہ تو در ہیچ مکانی نہ مکانے ز تو خالی

"نہ تو کسی (ایک) مقام ومکان میں ہے اور نہ کوئی مکان تیری ذاتِ پاک کے جلوے سے خالی ہے۔"

یعنی کہ مطلب کا حصول کچھ بھی نہیں، جو کچھ نہیں وہی نقطہ ہے۔ اور جو نقطہ ہے وہ کچھ نہیں۔ یعنی جو کچھ نہیں وہی ہے ـــــ اور جو ہے وہی کچھ نہیں۔

ـ زاں سبب استادِ استادان صمد　　　کار گاہش نیستی و لا بود

"اسی وجہ سے سب استادوں کا استاد وہ صمد (بے نیاز) ہے۔ اس کی یہ کارگاہ عالم کچھ نہیں اور فانی ہے۔"

نہ تو ہے نہ نہیں۔ ہے بھی اور نہیں بھی ـــــ معدوم بھی اور موجود بھی، مثبت بھی اور منفی بھی ـــــ دال بھی مدلول بھی ـــــ معلوم بھی، مجہول بھی ـــــ

☆ ـــــ وہی ہر علم و خیال اور ہر تال و حال کی اصل الاصول اور عین العیون ہے ـــــ

☆ ـــــ وہی کاتب وہی کتاب ـــــ

☆ ـــــ وہی مبداء وہی مآب ـــــ

☆ ـــــ وہی محجوب وہی حجاب۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ـــــ

☆ ـــــ وہی ارض وسمٰوات کا نور اور

☆ ـــــ وہی جمیع کائنات اور موجودات کا ظہور ـــــ

☆ ـــــ وہی ظاہر وہی مظاہر ـــــ

☆ ـــــ وہی باطن وہی مباطن۔

لیکن وہ خود اپنی آب وتاب میں رونقاب اور زیر پردۂ وحجاب ہے ـــــ اس کے باوجود ظہور مستور اور باوجود وجود، نابود، ہست ونیست، رونما، موجود، کالعدم ـــــ چنانچہ اس کے علم وعرفان کی راہ ہے تو وہی راہ ہے، وہی رہنما ـــــ وہی علم ومعلوم ہے، وہی آگہی وآگاہ!

ـ بہر رنگے کہ خواہی جامہ درپوش　　　من از رفتار یایت می شناسم

''تو چاہے کسی طرح کے لباس میں چھپ جائے، تیری رفتار پاسے ہی میں تجھ کو پہچان لیتا ہوں۔''

پس نقطہ وہ ہے جو کچھ نہیں۔ یعنی ہر چیز کا وجود'' کچھ نہیں'' کے ذریعے قائم ہے، اور جو کچھ ہے وہ درحقیقت اسی'' کچھ نہیں'' کا ظہور ہے۔

ع کچھ نہیں سب کچھ ہے یارو اور سب کچھ، کچھ نہیں

اس سے ثابت ہوا کہ جہاں دیکھو، جس طرف نظر کرو، جس پر خیال جماؤ، نقطے کا وجود ظاہر و باطن، عیاں و آشکارا ہے ـــــ یعنی بلاتعین و تشخص اور بلاتحدید و تعدد نقطہ ہی نقطہ ہے ـــــ یہ کثرت مظاہر عین وحدت ظاہر ہے۔ چونکہ نقطہ بالذات موجود نمایاں ہے۔ اس لیے لاعد و لانہایت نقاط پیدا ہیں جو:

☆ ـــــ کبھی بصورت خط ہویدا، کبھی بہ لباس سطح عیاں

☆ ـــــ کبھی بصورت شکل نمودار، کبھی بحالت جسم مجسم و محسوس۔

نقطے کی حرکت سے خط پیدا ہوا یعنی نرا طول، اور خط کی حرکت سے سطح، اور سطح کی حرکت سے جسم، چنانچہ نقطہ ان سب کے وجود کا باعث ہے ـــــ خط و سطح و جسم میں ہر جگہ نقطہ ہی نقطہ ہے۔ مبتدا بھی نقطہ اور منتہا بھی نقطہ ـــــ اس لیے مہندس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے نقطہ فرض کر لے۔ یعنی وہ عین واحد مختلف صورتیں اور اشکال محدودہ و معدودہ ہیں، عیاں و مشہود ہے ـــــ اگرچہ نقطہ بے مقدار ہے لیکن ہر ایک مقدار جب ہی ممیز و معین ہوتی ہے کہ نقاط فرض کئے جائیں ورنہ مقدار خود کوئی چیز نہیں ـــــ لہٰذا نیستی ہر ایک ہست اور اس کی ہستی کا سرچشمہ ہے اور خود کچھ نہیں۔ مگر جو کچھ ہے اسی سے ہے۔

یک عین متفق کہ جز او نقطہ نہ بود گردہ ظہور زان ہمہ اغیار آمدہ

''صرف ایک منقطہ اصل و حقیقت نے کہ اس کے سوا کوئی نقطہ بھی نہ تھا، ظہور کیا۔ اور اس سے یہ سب اغیار ظاہر ہوئے۔ یعنی مختلف و متضاد اشیائے عالم کا ظہور ہوا۔''

جب سطح پر نقطے کا نشان بنایا گیا تو یہ لفظ'' کچھ نہیں'' کی شان سے نکل کر'' کچھ

ہے" کے لباس میں جلوہ گر ہوا۔ تو وہ نقطہ جو "کچھ نہیں" تھا۔ اس سے الگ ہو گیا —— نہیں نہیں یہ نقطہ باوجود "کچھ ہونے" کے بھی عین "کچھ نہیں" کی شان میں داخل و مستغرق ہے —— کیونکہ "ہے" اور "نہیں" سب میں نقطے کا وجود ثابت ہے —— چنانچہ یہ نقطہ بھی اس نقطہ کے وجود سے خالی نہیں۔ کیونکہ اس کی ہستی "کچھ نہیں" کے ظاہر کرنے کو پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے اس کی ہستی بھی عین نیستی ہے، اور نیستی عین نقطہ ہے —— پس یہ بھی جو نقطہ نہیں وہی حقیقی نقطہ ہے —— اگر وہ نقطہ جو "کچھ نہیں" ہے نہ ہوتا تو یہ نقطہ جو "کچھ ہے" کہاں ہوتا، اور کیوں ہوتا —— یعنی جو "کچھ ہے" وہی نقطہ اور جو "کچھ نہیں" ہے وہی نقطہ —— اس لیے نقطہ ہی نقطہ ہمہ نقطہ ہمہ از نقطہ ہمہ در نقطہ —— ہمہ با نقطہ ہمہ بے نقطہ جو "ہے" وہی "نہیں" اور جو "نہیں" وہی "ہے"۔

تل کی اوٹ میں پہاڑ —— کل موجودات نے اسی نقطہ وجود یعنی ذات بحت سے جس کو "کچھ نہیں" کہتے ہیں، وجود و نمود پائی ہے۔ یعنی کثرت میں وحدت نمودار اور وحدت میں کثرت آشکار —— جیسے نقطہ موہوم "ام الدماغ" جسے "خفی الاخفا" کہتے ہیں وہ "مقام محمود"، اور ہندی میں "برہم منڈا، تربنی" اور فلاسفر "فوکس" کہتے ہیں —— تمام جہان کی مختلف صورتیں اس میں مندرج اور نقطہ چشم سے آمد و رفت رکھتے ہیں —— ہر شے میں وہ نقطہ اور اس نقطے میں کل اشیاء۔ جیسے درخت میں گٹھلی اور گٹھلی میں درخت مندرج ہے۔

☆ —— یہی نقطہ سویدائے قلب ہے،
☆ —— یہی نقطہ حقیقتِ انس و جان ہے،
☆ —— یہی نقطہ ماہیت کون و مکاں ہے،
☆ —— یہی نقطہ ابعاد ثلثہ کی جان ہے،
☆ —— اسی نقطہ سے ظہور کن فکاں ہے۔

باوجود نہ ہونے کے یہ شور و غوغا ہے۔ اگر کچھ ہوتا تو کیا ہوتا ——

---

[1] مہندس: علم ریاضی کے جاننے والا۔

اب اس مثال پر ذرا غور وفکر کرو تا کہ وحدت کی کثرت میں اور کثرت کی وحدت میں حقیقت منکشف ہو جائے —— اکثر عکسی تصویر کھینچتے دیکھا ہوگا۔ وہ اس طرح کھینچتے ہیں کہ آئینے میں ایک موہوم نقطہ ہے جس کو فوکس کہتے ہیں —— اس میں یہ کمال ہے کہ جملہ موجودات کی تصاویر بلا فرق و امتیاز اس میں مندرج ہیں۔ جب کوئی مجمع اس کے مقابل ہوتا ہے تو دوسرے آئینے کے ذریعے سے صفحہ قرطاس پر بعینہٖ نقش کر دیتا ہے۔ اور وہی نقطہ دماغ میں جہاں دونوں آنکھوں کا خط نظر تقاطع کرتا ہے، موجود ہے —— اس میں بھی کل عالم کی تصاویر فرق و امتیاز کے بغیر مندرج ہیں —— اگر کوئی چیز اس کے مقابل میں پڑتی ہے تو آئینہ چشم کے ذریعہ سے فوراً صفحہ عالم میں صورت ثبت کر دیتا ہے —— بالکل اسی طرح نقطہ ذات بحت ہے جس میں کل کائنات مختفی ہے —— حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آڑ میں آئینہ حقیقت مختلف اشکال کو صورتِ حقیقتِ انسانی وغیرہ پر ثبت کر دیتا ہے —— طرفہ ماجرا یہ ہے کہ وہی نقطہ ذات بحت ہر شے میں خود بھی موجود و مختفی ہے۔ پھر وہی کچھ نہیں جو سب کچھ ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

؎ توبہ کردم زانچہ گفتم زاں کہ نیست ۔۔۔ در سخن معنی و در معنی سخن

''میں نے توبہ کی جو اس سے کہا (کہ ہے) اور جو اس سے نہیں ہے۔ بس کلام میں معنی ہے اور معنی میں کلام ہے۔ یعنی حقیقت نا قابل ادراک و بیان ہے۔''

دیگر الٰہیہ ہندسے:

نقطے کے بعد دیگر الٰہیہ ہندسے درج ذیل ہیں:

☆ —— ۲ حد ۲: ظہور نقطہ یعنی اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ ۔ یہ نزول اوّل ہے۔

☆ —— ۳ حد ۳: کثرتِ نقطہ یعنی اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنْ نُّوْرِیْ ۔ یہ نزول ثانی ہے۔

☆ —— ۴ حد ۴: خط مستقیم یعنی توحید

☆ ــــ۵حد ۵: سطح مستوی یعنی عالم ارواح

☆ ــــ۶حد ۶: زاویہ یعنی مذاہب

☆ ــــ۷حد ۷: زاویہ قائمہ یعنی اسلام

☆ ــــ۸حد ۸: عمود یعنی پیغمبر

☆ ــــ۹حد ۹: خطوط متوازی یعنی ازل وابد

☆ ــــ۱۰حد ۱۰: شکل یعنی عالم مثال

☆ ــــ۱۱حد ۱۱: جسم یعنی عالم شہود

☆ ــــ۱۲حد ۱۲: دائرہ یعنی عالم کون

☆ ــــ۱۳حد ۱۳: مرکز یعنی وہی نقطہ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ

☆ ــــ۱۴حد ۱۴: محیط دائرہ یعنی وہی نقطہ جب کہ اپنے اوپر آپ گردش میں آیا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ

اصول موضوعہ:

☆ ــــ اختیار ہے کہ ذات صفات میں ظہور کرے

☆ ــــ کن فیکون

☆ ــــ اختیار ہے کہ صفات اسمائیہ آثار میں جلوہ گر ہوں۔

علوم متعارفہ:

(۱) ــــ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ یعنی موجود اصلی ایک سے زیادہ نہیں۔

(۲) ــــ اَللّٰہُ الصَّمَدُ یعنی موجود اصلی کسی کا محتاج نہیں۔

(۳) ــــ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ یعنی نہ تو اس کے اولاد نہ وہ کسی کی اولاد۔

(۴) ــــ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ یعنی نہ اس کا کوئی شریک

(۵) ــــ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ یعنی کوئی شے اس کی مثل نہیں

(۶) ــــ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ

اشکال

☆ ـــــ ثابت کرو کہ اَلْوَجُوْدُ وَاحِدٌ غَیْرُهٗ لَیْسَ بِمَوْجُوْدٍ:

فرض کرو کہ زید غیر ہے۔ مطلوب یہ ہے کہ زید موجود نہیں یعنی موجود اصلی نہیں۔

بحکم (۱): اصل موضوعہ کے ذات کو متصف بہ صفت خالق سمجھو

بحکم (۲): اصل موضوعہ کے مخلوق کو مظہر اسم خالق سمجھو۔

اب زید چونکہ ایک مخلوق ہے۔ لہٰذا مظہرِ اسم خالق ہے، اور چونکہ خالق اسم صفت ہے اور صفت میں ذات نے ظہور کیا ہے۔ لہٰذا خالق وہی ذات ہے۔ اور پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ زید مظہرِ اسم خــالق ہے، اس لیے زید بھی مظہرِ ذات ہے۔ یعنی وجودِ زید عین وجود ذات ہے اور بحکم اعلوم متعارفہ کے ذات ایک سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اَلْوَجُوْدُ وَاحِدٌ'' یعنی زید جس کو غیر فرض کیا گیا تھا، موجود نہیں بلکہ وہی ذات موجود اصلی ہے جو بالضرور واحد ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وجود غیر باطل ہے فَهُوَ الْمَطْلُوْبُ

؎ اس ذات کا ظہور شہود و صفات ہے نزدیک عارفوں کے بھی عین ذات ہے

زیادہ اشکال کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہندسہ الٰہیہ کے طالب اگر ذوق سلیم اور وجدانِ صحیح رکھتے ہیں تو وہ خود ہزاروں شکلیں ثابت کر سکتے ہیں ورنہ اشکال ثابتہ بھی بے کار محض ہیں۔

؎ یک چشمۂ خورد از درونِ خانہ بہ زاں جوئے کہ از بروں می آید

''وہ چھوٹا سا ایک چشمہ جو گھر کے اندر ہو اس ندی سے بہتر ہے کہ جو باہر سے آتی ہو۔''

؎ دیدہ ے باید کہ بیند در نظر سر وحدت درصفات ہر بشر

''وہ آنکھ ہونی چاہئے جو اپنی نظر سے اس سر وحدت کو دیکھے جو ہر بشر کی صفات میں نظر آتا ہے۔''

؎ چو آدم را فرستادیم بیروں جمال خویش در صحرا نہادیم

جمال ما بہ بیں ایں راز پنہاں　　اگر چشمت بود پیدا نہادیم
وگر چشمت زباشد آں چناں داں　　کہ گوہر پیش نابینا نہادیم

”جب ہم نے آدم علیہ السلام کو باہر بھیجا تو ہم نے اپنا جمال جہاں آراء (کھلے عام) صحرا میں دکھایا——تو ہمارے جمال کو دیکھ یہ ایک پوشیدہ راز ہے——اگر تیری آنکھ حقیقت نگر ہے تو ہم نے سب کچھ ظاہر کردیا ہے، یعنی اپنا جمال دکھادیا ہے——اگر تیری آنکھ حقیقت بین ہی نہیں ہے تو پھر تو یہ سمجھ کہ گوہر بے مثال کسی اندھے کے سامنے پڑا ہوا ہے۔ اور وہ اس کی آب وتاب کے باوجود اسے دیکھنے سے قاصر ہے۔“

دوسرا باب

عین الیقین

وادی طلب سے اگلی منزلیں:

مقامِ طریقت میں جب پیرِ کامل طالبِ صادق کو وادیٔ طلب سے نکال کر اس بادشاہی کے رسم و رواج کے موافق اذکار و اشغال و مراقبات کی تعلیم فرماتا ہے تو یہاں دو منزلیں درپیش آتی ہیں:

☆——وادی عشق

☆——وادی عرفان

وادیٔ عشق کا سفر:

پیر کامل پہلے وادی عشق میں لا ڈالتا ہے تاکہ اس میں جو کچھ کدورت باقی رہی ہو، جل جائے —— یہ منزل نہایت حیرانی و سرگردانی کی ہے —— اس منزل میں مسافر عشق کی تپش و بے قراری سے روتا ہے، شور و غل مچاتا ہے۔ درد و غم از حد بڑھ جاتا ہے —— اکثر مسافر اپنی کم ہمتی سے اس وادی میں ہلاک ہو جاتے ہیں اور مطلوبِ حقیقی سے محروم رہ جاتے ہیں —— اگر بہ ہمت تمام اس وادی سے نکل جاتے ہیں تو وادی عرفان میں سیر وجودی سے تسکین پاتے ہیں۔

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ے بعد ازاں وادی عشق آید پدید   غرق آتش شد کسے کا نجا رسید

کس دریں وادی بجز آتش مباد ۔۔۔ واں کہ آتش نیست عشقش خوش مباد
عشق آں باشد کہ چوں آتش بود ۔۔۔ گرم رُو سو زندہ و سرکش بود
عاقبت اندیش نہ بود یک زماں ۔۔۔ درکشد خوش باتش صد جہاں
لحظ نے کافری داند نہ دین ۔۔۔ لحظ نے شک شناسد نے یقین
نیک وبد در راہ او یکساں بود ۔۔۔ خود چوعشق آمد نہ ایں نے آن بود
ہرچہ دارد جملہ در بازد بہ نقد ۔۔۔ در وصال دوست می تاز د بہ نقد
دیگراں را وعدہ در فردا بود ۔۔۔ عارفاں را نقد ہم این جا بود
عشق جاناں آتش اوست عقل دور ۔۔۔ عشق آمد در گریز و عقل زود
مرد کار افتادہ باید عشق را ۔۔۔ مردم آزادہ باید عشق را
نے تو کار افتادۂ نے عاشقی ۔۔۔ مردۂ تو عشق را کے لائقی

''اس کے بعد''وادیٔ عشق'' ظاہر ہوتی ہے اور جو وہاں پہنچتا ہے وہ غرق آتش ہو جاتا ہے ــــ اس وادی میں سوائے آگ کے کوئی نہ ہو، اور جو مجسم آگ نہ ہو اس کو عشق خوش اور مبارک نہ ہو۔

عشق وہ ہونا چاہیے کہ جو بالکل آگ کی طرح ہو۔ اگر گرما گرم، جلانے والا اور سرکش ہو ــــ وہ ایک لحظ کے لیے بھی عاقبت اندیش نہ ہو اور اس کا خون اپنی آتش سوزاں سے سینکڑوں جہان کو سوختہ کر دے۔

وہ ایک لحظ بھر کو بھی نہ کافری کو جانے اور دنیا و ایمان کو سمجھے اور ایک لحہ کو بھی نہ شک کو پہچانے اور نہ یقین کو جانے ــــ اس کی راہ محبت میں نیک و بد سب برابر ہوں۔ کیونکہ جب خود عشق ہی اس کے اندر آ جائے تو پھر نہ یہ رہے اور نہ وہ رہے۔

وہ جو کچھ بھی رکھتا ہو، سب نقد مال عشق کی بازی پر لگا دے اور دوست کے وصال کو نقد حاصل کرے۔

کیونکہ دوسروں سے توکل کا (عاقبت کا) وعدہ ہوتا ہے مگر اہل محبت اور سوختہ جان عارفوں کو اسی جگہ نقد مشاہدۂ جمال ہوتا ہے۔

اس کی زبان تجھ کو بتا دے گی —— اس جگہ جو تیرا قدم عشق نے کھینچا ہے،
اس تحفہ پر عشق بہت کچھ لکھے گا۔ یعنی تجھ کو بہت سی حیرت انگیز اور سخت
باتیں پیش آئیں گی۔

پہلا قدم جو عشق رکھتا ہے تو وہ ایک ایسا ابر ہے جو تمام کفر ہی برساتا ہے۔ یہ عشق تو
تجھ سے تیری انتہا چاہے گا —— یہ تجھ سے صرف قصہ و کہانی طلب نہیں کرے گا یعنی
عملی قربانی ''محبت'' مانگے گا۔

معشوق کہاں ہے اور عاشق کون ہے؟ —— ان دونوں علتوں سے عشق خالی
ہے۔ یعنی حقیقی جذبہ عشق ہر خیال کو بھلا دیتا ہے۔ اس میں عاشق و معشوق کا ہوش بھی
نہیں رہتا —— بس یہ ایک نقطہ ہے کہ تو ''میرے تیرے'' کے خیال کو فراموش کردے
اور اس اندیشہ این و آں (یہ اور وہ) کو چھوڑ دے۔

تیرا حاصل بحر وحدت سے ہے اور اس کو حاصل کرنے کا تجھ میں حوصلہ ہونا
چاہئے —— اس کا نشان سے مرغ کی طرح بے نشان ہے، اس کا آشیانہ پرندوں اور
وحشی جانوروں کا آشیانہ ہے۔ یعنی آشیانہ عشق بہت کٹھن اور خطرناک مقام ہے۔

وہ پیوند و تعلق بھی نہیں رکھتا اور جدا بھی نہیں ہے۔ بیگانہ بھی نہیں ہوتا اور آشنا بھی
نہیں ہے۔ یعنی وہ اور اس کی حالت ناقابل بیان ہے۔

وہ ہزاروں کھیتوں اور کھلیانوں کو جلانے والا ہے۔ اس کا رُخ کسی قبلہ کی طرف
مقرر نہیں ہے —— اس جگہ جب کوئی مرد حقیقت تک پہنچتا ہے، تب وہ کفر و دنیا کی
محبت سے یکتا ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کا نہ نفع باقی رہتا ہے اور نہ ہی نقصان ہوتا
ہے۔ بس ایک قبلہ اور ایک ہی سجدہ ہوتا ہے۔

اس جماعت کے نزدیک ملنا اور دیکھنا بھی وہم ہوتا ہے، طاعت و عبادت بھی اس
وقت شرک ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ''فنائی الوحدت'' ہو جاتے ہیں۔

ان کی کتاب و ورق میں علم و عمل بھی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ عاشقانِ حق کا یہ شیوہ
نہیں ہوتا۔ اس مقام پر تو نماز بھی بے رکوع و سجود ہوتی ہے۔ پھر وہاں اصول و فروع کا

کیا ذکر ہے۔ اس جگہ تو قبلہ بھی بغیر سمت و جہت کے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ قبلہ تو تمام کائنات سے وراء (اعلیٰ) ہے۔

اس جگہ نہ لالچ اور نہ کوئی وجہ وسبب ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی مذہب وملت اور فرقہ ہی ہوتا ہے۔

حقیقی اور مجازی ''راہ محبت'' میں بس یہی عشق بازی کا کمال ہے۔

اے کم ہمت! تو اس راہ فقر میں ہرگز قدم نہ رکھ —— یہ وادی اس کے وجہ مطلق کے جمال سے روشن ہے، اور بڑی دشوار گزار اور بے حد ہے۔ —— اس کے نیام میں شمشیر فنا پوشیدہ ہے —— اس تاریکی و گمراہی میں یہ نور سیاہ ہے —— تیرا خوشنما طاؤسی شکل پرندہ اس جگہ اپنے تمام پر جھاڑ دے گا۔ یہاں اس میں قوت پرواز ہرگز باقی نہیں رہے گی —— اس جگہ سے چشمہ کفر بھی پھوٹتا ہے —— اے تیز رفتار چلنے والے مسافر! بہت ہوشیاری اور چالاکی سے قدم اٹھا۔ یہ راہ بڑی ہی سخت اور خطرناک ہے۔

جب یہاں عشق خود اپنا چراغ روشن کرے گا تو پہلے جبریل کے پر جلیں گے۔

اس مقام عشق میں نہ شک ہے اور نہ ہی یقین ہے —— نہ خوف وامید اور کفر ودین ہی باقی رہتا ہے۔ پس اے فرزند! تو اب حقیقت عشق سن۔ اس کی نسبت خود اپنے آپ ہی سے ہے —— اس لیے تمام خطاب وکلام اپنے آپ سے ہی ہوتا ہے۔ اس مقام پر عاشق کامل خود اپنے آپ ہی سے کہتا ہے اور خود ہی جواب دیتا ہے۔

یہاں وہ خود ہی عاشق اور خود ہی معشوق ہوتا ہے۔ اس حالت عشق میں اس سے زیادہ بات نہیں چلتی۔

وصل ووصال کی لذت سے بھی اس کو کوئی راحت نہیں ہوتی اور نہ اس کو فراق میں زحمت وتکلیف ہوتی ہے۔

بس سینکڑوں قافلے وکلام رواں دواں ہیں۔ ان سب کا بس عشق ہی میر کارواں ہے۔ ایسے عشق میں کارسازی وتعلق کا کیا کام ہے —— خبردار! ہوش میں آ کہ یہاں

بس تیغ بے نیازی ہی چلتی ہے۔

اس کے اندر بلا و مصیبت اور تہمت و ملامت کے مرتبہ میں ابلیس کی سی ہمت سے قدم رکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ ہر شے سے نامرادی کا مقام ہے۔ جو دل اس عشق سے محروم ہوا، وہ دونوں جہان میں ماتم زدہ اور تباہ حال ہوا۔

مقامِ عشق میں دونوں جہان بھی ایک جو کے برابر قیمت نہیں رکھتے۔ اس جگہ تو ہر رہروانِ منزل (مسافر) کے قدم لرز جاتے ہیں۔

حضرت منصور حلاج جو ایک مردِ مطلق اور جانبازِ عشق و محبت تھے، جب اس مقام پر پہنچے تو ان کے منہ سے بھی اَنَا الْحَقُّ نکلا۔

حقیقت میں وہ تو صرف ایک ظاہری واسطہ و تعلق تھے۔ وہ ہرگز خودی نہیں رکھتے۔ یعنی وہ تو ''فنافی العشق'' ہو گئے تھے —— یہ حق ہے کہ انہوں نے عکسِ حقیقت و وحدت سے اپنے آپ کو ظاہر کیا تھا۔ وہ جوشِ عشق کی شدت سے ایسے بے خود ہوئے کہ ناگاہ انہوں نے اپنا سر پوش (کھوپڑی) شکستہ دیکھا —— ان کی آنکھ اور دل تو حالتِ ثبات اور استقامت میں رہی۔ مگر ان کی آب و گل (جسم ظاہری) پر ملامت صادر ہوئی اور ان کو سولی دے کر خاکستر کر دیا گیا۔

(بس یہ ہے مقامِ عشق و محبت، جس کی طلب بڑے حوصلہ مندوں کا کام ہے۔)''

وادئ عرفان کا سفر:

عشق کی آگ سے طالب جب دم پختہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کو وادئ عرفان میں پہنچاتا ہے —— یہاں اپنے نفس کی سیر ہوتی ہے۔ وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے معنی مراتب کے لحاظ سے منکشف ہوتے ہیں۔ طالب استغراق و سکر کے مغاک میں جا گرتا ہے۔ یہاں سے نکلنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ مدہوش و مست رہتا ہے۔ اکثر طالب اس وادی میں بیٹھ رہتے ہیں۔

وادئ عرفان کیا ہے؟

؎ بعدازاں پیش آیدت اندر نظر   معرفت را وادئ بے پا و سر

سیر ہرکس باکمال خود بود | قرب ہرکس حسب حال خود بود
چون بتابد آفتاب معرفت | از سپہر این رہ عالی صفت
ہر کسے بینا شود برقدر خویش | باریا بد از حقیقت صدر خویش
مے سرد آتش اگر روشن شود | گل خنِ دنیا برو گلشن بود
مغز بیند از درون نے پوست او | خود نہ بیند ذرۂ جیز دوست او
صد ہزار اسرار از زیر نقاب | روئے بنماید برو چون آفتاب
گر ز اسرارت شو ذوقے پدید | ہر زمانت نو شود شوقے پدید
گر بیاری دست بر عرش مجید | دم مزن یک ساعت از ھل من مزید
خویش را در بحر عرفان غرق کن | ورنہ بارے خاک رہ بر فرق کن
گر نے بني جمال یار تو | خیز و منشین اے طلب دیدار تو

''اس کے بعد تیری نظر میں معرفت کی بے سروپا وادی آئے گی اور پھر تجھ کو اس سے سابقہ پڑے گا۔

ہر کسی کی سیر و سیاحت، اس کی ہمت و حوصلہ اور تحمل و برداشت کے موافق ہوتی ہے۔ ہر ایک کا قرب و تعلق اس کے حسب حال ہی ہوا کرتا ہے —— اس عالی صفت آسمان سے جب آفتاب معرفت اپنی پوری تابانی سے چمکے گا تو پھر ہر ایک اپنی قدر وحیثیت کے موافق روشن نظر اور بینا ہوجائے گا۔ پھر وہ اپنے سینہ میں حقیقت سے باریابی پائے گا۔

تجھ کو ایسی آگ کی بھی ضرورت ہے اگر وہ روشن ہو، کیونکہ اس میں دنیا کی بھٹی بھی گلشن ہو جاتی ہے۔ پھر وہ صاحبِ نظر ہو کر چھلکے کے اندر بھی مغز کو دیکھ لیتا ہے، اور اپنے دوست ومحبوبِ حقیقی کے علاوہ اپنا ایک ذرہ بھی اس کو ہرگز نظر نہیں آتا۔

پھر اس کو سو ہزار اسرار و رموز اس نقاب میں سے نظر آتے ہیں، اور پھر حقیقت اس کو آفتاب تاباں کی طرح اپنا منور و روشن چہرہ دکھاتی ہے۔

اگر تجھ کو اس کے اسرار جاننے کا شوق پیدا ہو جائے تو پھر ہر وقت تجھے ایک نیا شوق ہوگا —— اس حال میں اگر تو اپنا ہاتھ عرش مجید کی سربلندیوں تک بھی پہنچانے میں کامیاب ہو جائے تو پھر ایک ساعت ولحہ کو بھی سوائے ''اور زیادہ، اور زیادہ'' کے کوئی دم مت مار —— تو اپنے آپ کو بحر عرفان میں بالکل غرق کر دے۔ ورنہ ایک بار اپنے خاک راہ کو اپنے سر پر (نامرادی سے) ڈال۔

اگر تو اس محبوبِ حقیقی کا جمال جہاں آراء نہیں دیکھتا تو خیر کچھ دیر تو صبر سے بیٹھا رہ اور اس کے دیدار کی طلب ہی کر۔

طالب سرے سے علی قدر استعداد جب فارغ ہوتا ہے تو پھر اس کو وادیٔ استغناء کی سیر کراتا ہے —— یہاں طالب مستغنی ہو کر خوشی مناتا ہے۔ کرامات کا خواہ مخواہ ظہور ہوتا ہے —— یہ وادی چہارم ہے۔ بعض طالب یہاں متوطن ہو جاتے ہیں۔''

فصل اوّل:

ذکراذکار کیا ہیں؟

ذکر کی تعریف:

ذکر کے معنی ہیں کسی کو یاد کرنا —— اذکار' ذکر کی جمع ہے۔ —— کسی کو یاد کرنے کے پانچ انداز ہیں۔

(۱)—لسانی (۲)—قلبی (۳)—روحی (۴)—سری (۵)—خفی

ایک عارف کہتا ہے:

ذِكْرِ اللِّسَانِ لَقْلَقَةٌ —— ذِكْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ —— ذِكْرُ الرُّوْحِ مَشَاهِدَةٌ —— ذِكْرُ السِّرِ مُعَائِنَةٌ —— ذِكْرُ الْخَفِيُّ مَغَايِبَةٌ۔

یعنی "زبانی ذکر کڑکڑا —— اور قلبی ذکر بخیال و تصور —— ذکر روح مشاہدہ —— ذکر سر معائنہ یعنی دیدار —— اور ذکر خفی ہے فنا ہو جانا۔"

ارشادات باری تعالیٰ:

☆ —— فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ (پ۲،ع۲)

"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔"

☆ —— وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (پ۳'ع۱۲)

"اور یاد کرو اپنے رب کو بہت، اور تسبیح کر شام اور صبح کو۔"

☆ —— وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (پ۱۵'ع۱۶)

"اور یاد کر اپنے رب کو جب کہ تو بھول جائے۔"

یعنی اگر تم ان شآء اللہ یا بَلٰی شَهِدْنَا کو بھول گئے تو اب پھر تم کو یاد دلایا جاتا

ہے۔ جو شخص اللہ کو یاد نہیں کرتا، دنیا و آخرت میں اس کے لئے خرابی ہے۔

☆ —— وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی (پ۱۶' ع۱۶)

''اور جس نے رُوگردانی کی میری یاد سے، پس تحقیق اس کے لیے معیشت تنگ ہے، اور ہم اس کو اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا۔''

☆ —— تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

''دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر میں ہے۔ خبردار رہو اللہ کی یاد میں دلوں کا اطمینان ہے۔'' (پ۱۳' ع۱۰)

؎ ذکر کن ذکر تا ترا جان است   صافی دل ز ذکر یزدان است

''جب تک تیری جان میں جان ہے تو اس کا ذکر کر، ذکر کر —— کیونکہ دل کو پاک و صاف کرنے والی چیز صرف ذکر الٰہی ہے۔

ارشاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

مسلم شریف میں ذکر کی فضیلت سے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے اور یاد کرنے کو بیٹھتے ہیں تو ان کو چاروں طرف سے فرشتے گھیر لیتے ہیں —— اور اللہ کی رحمت ان کو چھپا لیتی ہے، اور اترتا ہے ان پر آرام و چین —— اور اللہ ان کا ذکر کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں یعنی فرشتے اور ارواح انبیاء اکرام۔''

اور بہت سی آیات و احادیث میں ذکر کی فضیلت آئی ہے۔ کیونکہ غفلت کا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

غیر حق کی رغبت:

جب تک انسان غیر حق کی طرف مشغول ہے تو اللہ سے غافل ہے۔ یہی غفلت موجب عذاب ہے —— غیر حق کی طرف مشغول ہونا ایک قلبی مرض ہے۔ جو تین قسم کا ہوتا ہے۔

☆ ——حدیثِ نفس:

یعنی نفس ہمیشہ بالقصد کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی چپ نہیں ہوتا۔

☆ ——خطرہ:

کہ بغیر اختیار اور ارادے کے دل میں آ جاتا ہے۔

☆ ——علم اشیاء پر دل کی نظر:

جس کی وجہ سے دل کو ثبات و قرار نہیں ہوتا۔

سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ حدیثِ نفس کے موقع پر اسم ذات (اللہ) کو خطرہ کے موقع پر اسماء امہات صفات کو قائم کر کے دل کی نظر کو جمال مرشد سے (جو آئینہ حق ہے) روشن رکھے—— ایک تاریک تنگ جگہ میں تنہا سیدھی پشت کر کے قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور آنکھیں بند کر کے نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ یادِ الٰہی میں مشغول ہو—— ایسا مشغول ہو کہ گرمی اذکار تمام گوشت و پوست، خون و استخوان، رگ و پے میں اثر کر جائے—— اس وقت مکاشفات و انوار کی آنکھ کھلتی ہے، اور حجابِ قلبی رفع ہو جاتا ہے۔ محض زبانی شور و غل سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

امہات صفات:

امہات صفات سات (۷) ہیں:

☆ ——حیات ☆ ——علم ☆ ——ارادت ☆ ——قدرت

☆ ——سمع ☆ ——بصر ☆ ——کلام

اسماء امہات صفات:

ان صفات کی نسبت سے سات (۷) اسماء ہیں:

☆ ——حی ☆ ——علیم ☆ ——مرید ☆ ——قدیر

☆ ——سمیع ☆ ——بصیر ☆ ——کلیم

فصل دوئم

ذکر کے طریقے

قربِ الٰہی کا حصول:

وہ اذکار جو امراضِ قلب[1] کے لیے مفید نام ہیں، ترکیب کے ساتھ مفصل تحریر کیے جاتے ہیں۔ تاکہ طالبانِ حق ماسویٰ اللہ کو ترک کر کے قربِ الٰہی حاصل کریں اور قلب کی بیماریوں سے نجات پا کر حیات جاودانی میں آرام و چین پائیں۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

☆ ——اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ترمذی شریف)

''اذکار میں سے بہتر ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔''

☆ ——وَمَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مُّخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ

''جس نے خلوص دل سے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وہ جنت میں داخل ہوا۔''

---

[1] علم طب میں مرض کی تعریف یہ ہے کہ:

''مزاج کا نقطۂ اعتدال سے ہٹنا یا کسی غیر طبعی امر کا پیش آنا مرض کہلاتا ہے''۔

چنانچہ روح کی حالتِ اعتدال یہ ہے کہ اس کی رب اکرم کے ساتھ نسبت قائم ہو اور کوئی دوسرا علاقہ اپنی مقناطیسی کشش سے اسے اپنے مقام سے جدا کرنے والا اور ہٹانے والا نہ ہو''۔

اس رب کے منشا کے خلاف جس قدر امور ہیں' وہ سب امور غیر طبعی روحانی ہیں۔ اس لیے روح کا ماسوا اللہ کی طرف میلان اور معاصی کی جانب رجحان' یہی وہ بلائیں ہیں جن کو طبِ روحانی میں ''امراضِ روحانی'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے —— فلسفیانِ اخلاق نے انہی کو ''ذمائم'' سے یاد کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی تدبیریں اور علاج کے لیے دوائیں تعلیم فرمائیں۔

(محمد عبدالعلیم صدیقی' شاہ: کتاب التصوف' ص ۲۹/۳۰' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء)

کلمۂ طیبہ کے فرائض:

اس کلمہ میں چار فرائض ہیں:

☆ ——تمام زندگی میں کم از کم ایک بار کہنا

☆ ——کلمہ کے الفاظ درست کہنا

☆ ——اس کلمہ کے معنی یاد رکھنا

☆ ——انہی معنی پر مرنا۔

ذکر کے طریقے:

ذکر پانچ چیزوں سے کیا جاتا ہے:

☆ ——زبان ☆ ——دل ☆ ——روح ☆ ——سر ☆ ——خفی

ان کو بالترتیب:

☆ ——ناسوت ☆ ——ملکوت ☆ ——جبروت ☆ ——لاہوت

☆ ——ہاہوت بھی کہتے ہیں۔

☆ ——ذکر لسانی یعنی ناسوت:

ذکر کلمہ شریف لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ زبان سے کہنا سند ہے۔ کیونکہ دارومدار، ظاہری شرع شریف پر ہے۔

☆ ——ذکر قلبی یعنی ملکوت:

ذکر کلمہ طریقت ملکوتی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دل سے کہنا سند ہے۔

☆ ——ذکر روحی یعنی جبروت:

ذکر کلمہ حقیقت جبروتی اَللّٰهُ رُوح سے کہنا سند ہے۔

☆ ——ذکر سری یعنی لاہوت:

ذکر کلمہ حقیقت لاہوتی هو سر سے کہنا سند ہے۔

☆ ——ذکرِ خفی یعنی باہوت:

ذکر کلمۂ معرفت باہوتی اَنَا خفی سے کہنا سند ہے۔

☆ ——خفی الاخفی:

حقیقت الحق خفی الاخفی ہے۔اس میں کہنا سننا کچھ نہیں۔

طریقۂ ذکر ''نفی و اثبات چہار ضربی'':

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ

(پ ۵ ع ۱۴)

''جب نماز ادا کر چکو تو یاد کرو اللہ کو، کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔''

اس سے ثابت ہے کہ ذکر ہر طرح جائز و درست ہے——اسی لیے صوفیاء کرام نے اذکار کے طریق انواع و اقسام سے بیان فرمائے۔چنانچہ ان کا بیان کیا جاتا ہے۔
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ

سب سے پہلے طریقۂ ذکر ''نفی و اثبات چہار ضربی'' پیش ہے:

کلمہ لَآ اِلٰـهَ کو جانب بائیں سے کھینچے اور دائیں طرف لائے——مد (آ) کو ایسا دراز کرے کہ بیک دم ضربات ثلاثہ (تین ضربیں) کو ادا کر کے ضرب چہارم: اِلَّا اللّٰهُ کی فضا دل پر مارے۔

اس کلمہ میں لَآ اِلٰـهَ تین خطرات کا اشارہ نفی ہے:

☆ ——نفی خطرۂ شیطانی

☆ ——نفی خطرۂ نفسانی

☆ ——نفی خطرۂ ملکی

اور اِلَّا اللّٰهُ میں، دل میں ذاتِ پاک کا اشارہ اثبات ہے۔

اس ذکر میں ضربات کی تفصیل اس طرح سے ہے:

☆——ضرب اوّل:

سر کو جھکا کر بائیں گھٹنے کے محاذی لا کر لا کو شدت وقوت کے ساتھ بائیں گھٹنے کی طرف سے خطرات شیطانی کی نفی کا تصور کرتے ہوئے اٹھائیے۔

☆——ضرب دوئم:

ضرب اوّل سے سر کو بائیں گھٹنے کی طرف کھینچتے ہوئے دائیں گھٹنے تک لائیے۔ یہاں سے الٰہ کے ہمزہ کو شدت وقوت کے ساتھ اٹھائیے۔ یہاں خطرات نفس کی نفی ہے۔

☆——ضرب سوم:

ضرب دوم میں نفسانی خطرات کی نفی کرتے ہوئے لہ کھینچتے ہوئے دائیں کندھے تک پہنچائیے۔ یہاں خطرات ملکی کی نفی ہے۔ یہ مقام خیر کے کاتب فرشتے کا ہے۔

☆——ضرب چہارم:

الـہ کی ھا کی ضرب دائیں شانے پر لگاتے ہوئے خوب اچھی طرح منہ پھیرتے ہوئے دے کر چوتھی ضرب الا اللہ انوارِ فیض الٰہی کو ساتھ لیے ہوئے بہ شدت تمام قلب پر دیجئے ——یہ ذات پاک کے اثبات کا اشارہ ہے۔

دوران ذکر لاَ مَعْبُوْدَ—— لاَمَقْصُوْدَ —— لاَ مَطْلُوْبَ —— لاَمَوْجُوْدَ کا تصور کرے——کلمہ الا اللہ میں دل پر ذاتِ پاک کا اثبات کرتا ہے۔

پہلی تینوں ضربیں اچھی طرح کھینچنے کے باوجود ایک سانس میں ہونی چاہئیں۔

آواز نہ بہت بلند ہو نہ بہت پست۔

اس کی اس قدر کثرت کرے کہ مستغرق ہو جائے۔

طریقۂ ذکر نفی اثبات دوضربی:

ذکر دوضربی میں دوضرب ہیں یعنی:

☆——ضرب اول: لَآ اِلٰـہ

☆ ـــــ ضرب دوئم: اِلَّا اللّٰہُ

لَا اِلٰـــــہَ کو ایک ہی ضرب میں تینوں خطرات کی نفی کے ساتھ اٹھائیں اور اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب قلب پر لگائیں۔

اور ہر تین بار ـــــ یا پانچ بار ـــــ یا سات بار کے بعد مُحَمَّد" رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہیں۔ تاکہ کلمہ طیبہ کے ہر سہ رکن پورے ہو جائیں ـــــ اسی کو "ذکر سہ رکنی" کہتے ہیں۔

جب یہ ذکر ختم کریں تو تھوڑی دیر کے لیے گردن جھکا کر تواضع کے ساتھ اس انتظار میں ٹھہریں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے دل میں کیا وارد ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ:

☆ ـــــ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ـــــ ذکر ناسوتی ہے۔

☆ ـــــ اِلَّا اللّٰہُ ـــــ ذکر ملکوتی ہے، اور

☆ ـــــ اللّٰہ الـصَّـمَـدُ اَللّٰہُ اَحَـدُ حَیٌّ قَیُّوْمُ ـــــ ذکر جبروتی یعنی اسم ذات باصفات ہے۔

☆ ـــــ اَللّٰہُ اَللّٰہُ بغیر صفات کے ذکر لاہوتی ہے ـــــ اس ذکر میں ہمیشہ ہفت صفات سلبیہ وایجابیہ کا ملاحظہ رکھے۔

صفات سلبیہ وایجابیہ:

صفات کے بغیر ذکر، ذکر لاہوتی ہے یعنی اللّٰہ اللّٰہ ـــــ اس ذکر میں سات صفات مذکور ہیں جو کہ "صفاتِ سلبیہ وایجابیہ" کہلاتی ہیں:

(۱) ـــــ لَامَـرْغُـوْبِیُ اِلَّا اللّٰہُ

(۲) ـــــ لَا مَشْـهُـوْدِیُ اِلَّا اللّٰہُ

(۳) ـــــ لَا مَقْصُوْدِیُ اِلَّا اللّٰہُ

(۴) ـــــ لَا مَحْبُوْبِیُ اِلَّا اللّٰہُ

(۵) ـــــ لَا مَـعْبُوْدِیُ اِلَّا اللّٰہُ

(۶)——لَا مَطْلُوْبِیْ اِلَّا اللّٰہُ

(۷)——لَا مَوْجُوْدِیْ اِلَّا اللّٰہُ

اس راہ میں عروج ونزول بھی نہایت تاثیر رکھتا ہے۔ مثلاً نزل میں کہے:

☆——اوّل بار: لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ

☆——بار دوم: لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ

☆——بار سوم: لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ

پھر عروج میں یوں کہے:

☆——لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ

☆——لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ

☆——لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ

اور پھر نزول میں:

☆——لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ

☆——لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ

☆——لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ

یہ نو (۹) اسم بیک دم کہتا رہے۔ تاکہ صفائی قلب حاصل ہو۔

ایک ذکر سے دوسرے ذکر کی طرف منتقلی:

جب ایک ذکر سے دوسرے ذکر کی طرف انتقال کرے تو:

☆——اول تین بار:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ بِہٖ وَاسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِہٖ تُبْتُ عَنْہُ وَاَقُوْلُ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ——

☆——اور بست و یکبار استغفار:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ غَفَّارُ الذُّنُوْبِ سَتَّارُ

الْعُیُوْبِ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ ——

☆ —— اور یہ درود شریف طاق عدد میں:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ. اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ.

☆ —— پھر تین بار کلمہ طیبہ بسم اللہ شریف کے ساتھ پڑھے ——

☆ —— پھر ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں بالملاحظات مذکورہ مشغول ہو ——

جب تھک جائے تو تھوڑی دیر خاموش ہو کر متوجہ الی اللہ ہو —— پھر ذکر اِلَّا اللّٰہُ کو اس قدر کہے کہ تھک جائے —— پھر خاموش اور متواضع و متوجہ ہو کر بیٹھے —— پھر دم لے کر ذکر اللہ میں ایسا مشغول ہو کہ مستغرق ہو جائے۔

ہر ذکر میں صفاتِ سلبیہ و ایجابیہ، شدومد، اور صحتِ حروف (حروف کی صحیح طور پر ادائیگی) کا ہمیشہ لحاظ رکھے —— نفی و اثبات میں سے اثبات زیادہ، اور اثبات سے زیادہ اسم ذات (اللہ) کہے —— بوقت اتمام درود و فاتحہ بارواح پیران عظامؒ صاحبِ سلسلہ و جملہ خاندان اہل اللہ، ودعا مزید ذوق وشوق طلب کر کے فارغ ہو۔

طریق ذکر نفی واثبات:

دو زانو بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں زانو پر رکھے —— زبان کو تالو سے چسپاں کر کے حبسِ دم بہ حرکات ثلاثہ اور وقوفِ ثلاثہ، خمسہ اسماء صفات اس طور سے ذکر کرے کہ:

سر کو نیچے لے جا کر لَا کو ناف سے کھینچے —— اور لَا کے ساتھ سر کو دائیں شانے کی طرف بلند کرے (مائل بہ کتف راست) —— حتیٰ کہ کسرۂ ہمزہ لا کو بہ سر کتف اور فتح ہائے اِلٰـــہَ کو دماغ میں پہنچائے —— سر کو ذرا پیچھے کی طرف مائل کر کے یہ خیال کرے کہ جمیع ماسویٰ اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے —— پھر ضرب ضمہ ہائے اِلَّا اللّٰہُ کو بہ زور تمام قلب پر مارے۔

وقوف ثلاثہ:

وقوف ثلاثہ یہ ہیں:

☆——وقوفِ عددی ☆——وقوفِ زمانی ☆——وقوفِ قلبی

وقوف عددی یعنی ذکر کو طاق اعداد میں رکھے۔ یعنی تین بار، پانچ بار، یا سات بار—— جب تک کہ دم وفا کرے، حتیٰ کہ ایک سو ایک مرتبہ تک پہنچائے[1]۔ محل نتیجہ یہ ہے کہ فنائے وجود یہ بشریہ۔

☆——وقوفِ زمانی:

یعنی حبسِ دم و کشائشِ دم کے وقت اور نفسین کے درمیان آگاہ رہنا کہ غیر حق دل میں نہ آئے۔

☆——وقوفِ قلبی:

یعنی نفی کے وقت غیر اللہ کی نفی اور اثبات کے وقت ذاتِ حقیقی کا اثبات کرتا رہے۔

اسمائے صفات خمسہ:

یہ ہیں: لَا مَعْبُوْدَ —— لَا مَطْلُوْبَ —— لَا مَقْصُوْدَ —— لَا مَحْبُوْبَ —— لَا مَوْجُوْدَ

یعنی نفی کے وقت ان اسماء میں سے ایک اسم کو دل میں تصور کرے:

مبتدی: لَا مَعْبُوْدَ / لَا مَطْلُوْبَ

متوسط: لَا مَقْصُوْدَ/ لَا مَحْبُوْبَ

منتہی: لَا مَوْجُوْدَ

---

[1] پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہے اور سمجھے کہ میں اس سرکار کی غلامی میں داخل ہوا اور حضور کا فیض میرے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا۔

ذکر نفی اثبات دو حلقی:

ذکر دو حلقی سے مراد دنیا و آخرت دونوں سے ہے کہ دل سے لَا اِلٰہَ کو نکالے۔ اور سر کو آسمان کی طرف بلند کرے۔ سر کو بلند ہونے کے بعد سر کو دو حلقہ دے:

☆ ——— اول میں تصور دنیا ☆ ——— دوسرے میں آخرت

مراد رکھے، اور سر کو پس پشت مائل کرے ——— اس میں یہ خیال ہو کہ ہر دو جہان کی محبت کو قلب سے نکال کر پس پشت ڈال دیا ——— پھر اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب دل میں اس تصور سے لگائے کہ یہ محبوب اور موجودِ حقیقی کا ثبوت ہے ——— اس وقت یہ بھی خیال رکھے کہ:

''خدا مجھ کو دیکھتا ہے اور میں خدا کو۔''

اور نفی میں اسماء خمسہ کا بھی خیال رکھے۔

نفی و اثبات اور لطائف قلب:

ارشاد باری ہے:

اِنَّ فِیْ جَسَدِ اٰدَمَ لَمُضْغَةٌ وَفِی الْمُضْغَةِ قَلْبٌ وَفِی الْقَلْبِ فَوَادٌ وَفِی الْفُوَادِ رُوْحٌ وَفِی الرُّوْحِ سِرٌّ وَفِی السِّرِّ نُوْرٌ وَفِی النُّوْرِ اَنَا۔

اسی طرح ذکر نفی و اثبات کے بھی سات درجے ہیں:

اول ذکر زبانی ناسوتی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ ——— اس میں ایسا مشغول ہو کہ ذکر کے سوا کچھ باقی نہ رہے ———

سالک جب یہاں سے ترقی کر کے نفس میں پہنچے وہاں ذکر لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ بالفکر ہے ——— چنانچہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ایسا مشغول ہو کہ لَآ اِلٰـهَ نفی ہو جائے اور اثبات کے سوا کچھ نہ رہے۔

نفس سے ترقی کر کے مقامِ دل میں پہنچتا ہے۔ دل کا ذکر اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ دل میں اپنی ذات و صفات کو ذات و صفات حق سے ربط دے کر اس ذکر میں ایسا مشغول ہو کہ استثنا یعنی اِلَّا بھی نفی ہو جائے۔ اللہ کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

جب سالک کو یہ مقام ملا تو خطرۂ ملکوتی سے نکل کر مرتبہ دل کو طے کر کے مرتبہ روح میں پہنچتا ہے—— ذکرروحی اسم ذات یعنی اللہ ہے۔ یہ اسم ذات جامع جمیع صفات ہے۔ یعنی اللہ میں جو حرف الف اور لام ہے، یہ افعال و اسماء ذات کی طرف اشارہ ہے اور حرف ھا جو اللہ میں ہے یہ ذات کی طرف اشارہ ہے—— لہٰذا سالک اس ذکر میں ایسا مشغول ہو کہ الف اور لام جو اسم اَللّٰہ میں ہیں، وہ بھی نفی ہو جائیں اور ھُوْ کے سوا کچھ باقی نہ رہے—— یہاں ذاکر خود ذکر ہو جاتا ہے۔

مرتبہ روح سے ترقی کر کے ذاکر مرتبہ سر میں پہنچ گیا ہے اس مقام پر ذکر ھُوْ میں ایسا مشغول ہو کہ خود مذکور ہو جائے۔ فنا در فنا یہی مقام ہے۔ وَبِیْ یُسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ کا ظہور یہی ہوتا ہے۔ سالک خود یہاں نورٌ علٰی نور ہو جاتا ہے۔ آگے جو کچھ ہوتا ہے، بیان کا یارا نہیں۔ جو دیکھتا وہی جانتا ہے۔

دیگر نشست مربع:

چہار زانو رو بہ قبلہ دائیں پاؤں کے انگوٹھے سے رگ کیماس[1] کو جو کہ زبائیں ران کے نیچے ہے، خوب مضبوط پکڑے—— اپنے دونوں ہاتھ دونوں زانو پر رکھے، اور پشت سیدھی کر کے ذکر نفی و اثبات شروع کرے—— نفی کے وقت دونوں ہاتھوں کی دو انگلیاں اس خیال سے اٹھائے کہ غیر اللہ سے ہاتھ اٹھایا—— اور اثبات کے وقت ثبوت ہستی مطلوب حقیقی کے خیال سے انگلیوں کو ران پر رکھے۔

اب اس طرح سے ذکر شروع کرے کہ سر کو بائیں زانو پر لے جائے، اس حد تک کہ پیشانی بائیں زانو کے قریب پہنچ جائے، اور کلمہ لَآ اِلٰـہَ کا آغاز کرے—— پھر سر کو زانوئے راست پر لا کر دورہ تمام کتف راست پر پہنچائے—— اور دم کو اس قدر دراز کرے کہ ضربات ثلاثہ یکدم میں آ ئیں۔ یعنی بہ تصور:

☆—— بایاں گھٹنا محل شیطان' یہاں پر شیطانی خطرات کی نفی،

☆—— دایاں گھٹنا محل نفس' یہاں پر نفسانی خطرات کی نفی،

[1] رگ کیماس: گھٹنے کے جوڑ کے قریب پٹھے کے نیچے۔

☆ ——— دایاں شانہ محل فرشتہ کاتب اعمال خیر' یہاں پر ملکی خطرات کی نفی

☆ ——— قلب محل وردِ انوارِ الٰہی

سر، پشت اور کمر برابر کر کے سر کو اس خیال سے پس پشت قدرے خم کرے کہ تمام خطرات ماسوی اللہ کو میں نے پس پشت ڈال دیا ——— وہاں سے تمام زور وقوت سے دل پر کلمہ اِلاَّ اللہ کی ضرب لگائے، اور یہ تصور کرے کہ عشق اور نور الٰہی کو دل میں لایا ہوں ——— نفی کی حالت میں آنکھیں بند رکھے اور اثبات کی حالت میں کھلی ——— لیکن کلمہ نفی میں:

مبتدی: لاَ مَعْبُوْدَ یا لاَ مَحْبُوْبَ

متوسط: لاَ مَقْصُوْدَ یا لاَ مَطْلُوْبَ

منتہی: لَا مَوْجُوْدَ خیال کرے۔

اور کلمہ اثبات میں نور الٰہی اور ہمہ اوست کا تصور کرتا رہے ——— اور دس بار مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللہِ کہے۔ اسی طرح دو سو بار کہے ——— پھر تھوڑی دیر مراقب ہو کر یہ تصور کرے کہ عرش سے نور الٰہی میرے دل میں آتا ہے ——— پھر ذکر میں مشغول ہو۔

اس طرح سے بھی ہے کہ لَا کو دل سے نکالے اور اِلٰــہَ کو کتف راست (دائیں شانے) پر لائے، اور سر کو مائل بہ پشت کر کے یہ تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل سے نکال کر میں نے پس پشت ڈال دیا ——— مذکورہ بالا ملاحظات سے زور وقوت سے دل پر اِلاَّ اللہُ کی ضرب لگائے ———

☆ ——— لَا مَعْبُوْدَ ملاحظہ شریعت ہے ———

☆ ——— لَا مَقْصُوْدَ یا لَا مَطْلُوْبَ ملاحظہ طریقت ہے ———

☆ ——— لَا مَوْجُوْدَ ملاحظہ حقیقت، ہمہ اوست اور ملاحظہ معرفت ہے۔

یاد رہے کہ:

☆ ——— خطرۂ شیطانی، خطرۂ معصیت ہے،

☆ ـــــ خطرۂ نفسانی، خطرۂ شکم لذات وشہوات ہے،

☆ ـــــ خطرۂ ملکی، خطرۂ عبادت وطاعت ہے،

☆ ـــــ خطرۂ رحمانی، خطرۂ درد ومحبت اور عرفان حق تعالیٰ ہے ـــــ

اور عرفان ہمیشہ مشاہدۂ حق میں رہتا ہے۔

ذکر آورد (ح)، ذکر برد (ق):

اس کو ذکر فنا وبقا اور ذکر جبروتی وذکر لاہوتی بھی کہتے ہیں ـــــ

یہ دو طریقہ پر ہے:

☆ ـــــ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے قبلہ رُخ مربع نشست رگ کیماس بائیں پاؤں کو انگشت نر دائیں پاؤں سے مضبوط پکڑے، دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر رکھے ـــــ اور مقعد کو اس طرح اوپر کھینچے کہ ہر دو سرین ایک ہو جائیں ـــــ شکم کو پشت سے ملا دے اور سر، سینہ اور کمر کو برابر کر کے اس طرح ذکر کریں۔

☆ ـــــ دائیں شانے کی طرف منہ پھیر کے ھا کہے، اور

☆ ـــــ بائیں شانے کی طرف ھُوْ، اور سر جھکا کر دل پر ھی کی ضرب لگائے۔

اسی طرح پیاپے مشغول ہو ـــــ

☆ ـــــ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ھا کی ضرب ناف میں، ھُوْ کی ضرب دماغ میں اور ھی کی ضرب دل پر لگاتے ہیں ـــــ سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہٗ العزیز ہر دو طرح ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اس تصور سے ذکر کرے۔ لاتعین کو ھـای ھُـویت کہتے ہیں ـــــ اوّل حرف ہ حرف بسیط ہے، جیسے بغیر حرکت پڑھنا دشوار، لہٰذا یہ اشباع حرکت فتح بحرف ہ رجوع کیا۔ الف پیدا ہوا ـــــ مرتبۂ احدیت میں الف احـد سے عبارت ہے ـــــ اسم اعظم ھـا پر مد (آ) بہ صورت تعین اور تقید احد اس کا نام یکتا ہوا۔ ایک مرتبہ حاصل ہوا ـــــ پھر اس حرف نے دوسری حرکت طلب کی، فتح سے ضمہ کی طرف مائل ہو کر منضم بہ واؤ ہوا ـــــ واؤ سے یہ مراد ہے کہ وہ بہ شش مراتب کے موجود ہے اور یہ مراتب واجب الوجود کی طرف اشارہ ہے۔ اس کو ھُوْ کہتے ہیں۔ یہ

شش مراتب یہ ہیں:

☆ ——علم ☆ ——نور ☆ ——وجود

☆ ——شہود ☆ ——روح ☆ ——مثال

واجب الوجود نے ان مراتب کے ساتھ تعین پایا ہے —— پھر وہ حرف ھ مخفف بہ صورت ھی مثقل مبدل ہوا۔ مرکب یا فتح اور ضم نے حرف یا سے شدت کے ساتھ صورت پکڑی۔ اس لیے کہ جامع کون و مکان ہے، اس سے مراد عقول عشرہ ہے۔

چنانچہ ذکر کے وقت کلمۂ ھا میں مرتبۂ احد تصور کرے —— اور ھُوْ کہنے میں واجب الوجود کو بہ شش مراتب مذکورہ ثابت کرے، —— اور کلمہ ھِیَ صورت مثال، کہ غیب و شہادت ایک بند میں پیوند ہیں۔

—— اثبات کرے تو تمام کرۂ عرش کو ایک ذی حیات حیوان تصور کرے ——

حضرت غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے کلمہ لَآ اِلٰـهَ سے ھا —— اور اِلَّا اللّٰهُ سے ھُوَ —— اور مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ سے ھِیَ اختصار فرمایا ہے ——

اس ھی کو حیی کے ساتھ مبدل فرمایا —— ابوالارواح کہ ابوالاجساء کی حقیقت مرتبۂ جامع میں بہ تصور حیی ثابت کرے —— جب تعین و تقید سے باہر آئے گا تو کرۂ عرش ایک حیوان کی صورت میں ظاہر ہو کے انسانی زبان میں حی کہے گا۔ اس وقت اِس ذکر کے بے حد و حصر ثمرات و فوائد ظہور میں آئیں گے۔

ذکر مکاشفہ:

جلسہ مربع بائیں زانو سے یَـا ھُـوْ کہتے ہوئے سر کی گردش دائیں زانو اور کتف راست، بائیں زانو تک پہنچائے —— پھر اسی طرح یَامَنْ ھُوْ کی گردش بائیں زانو سے دائیں زانو تک پہنچائے —— پھر یہاں سے یَـامَنْ لَآ اِلٰـهَ کی گردش با ملاحظہ و واسطہ بائیں زانو سے بہ نفی پر سہ خطرات دائیں شانے پر تمام کرکے اِلَّا کو دماغ میں لے جا کر دل پر ھو کی تین ضربیں لگائے۔[1]

[1] اس ذکر کی مشق سے کشف بڑھے گا۔ بلید طبیعت بھی کھل جائے قبض اگر لاحق ہو گیا ہو تو بسط پیدا ہو جائے گا

ذکر بارہ تسبیح:

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ تسبیح نفی اور چار تسبیح اثبات —— اور چھ تسبیح اثبات، اور چھ تسبیح اسم ذات ہمیشہ بالملاحظہ و واسطہ پڑھتا رہے —— انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں نورِ حق سے منور ہوگا۔

ذکر کڑکا حیدری:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ —— پیرومرشد سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری فرمایا کرتے تھے کہ یہ ذکر ہمارا خاندانی، آبائی واجدادی ہے —— اس کی ترکیب یہ ہے کہ دو زانو ہو کر اپنے دونوں ہاتھ زانوؤں پر رکھے —— اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی ضرب دائیں طرف اور پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی ضرب بائیں طرف لگا کر لاکوناف سے نکالے —— بائیں زانو، دائیں زانو اور دائیں کندھے سے اوپر تین ضربیں لگائے:

☆ —— لَآ اِلٰـہَ کی ضرب دماغ میں،

☆ —— اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب قلب پر،

بالملاحظہ و واسطہ لگائے —— اور

☆ —— وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کی ضرب دائیں کندھے پر،

☆ —— اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی ضرب بائیں کندھے پر

☆ —— وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ کی ضرب دماغ میں لگائے

اس طرح بار بار کرتا رہے تا کہ بے خودی طاری ہو۔

ذکر حدادی:

۔ دونوں زانوؤں پر ہاتھ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو جیسے لوہار کھڑا ہوتا ہے۔ ہر سہ خطرات کی نفی کرتے ہوئے بائیں طرف سے بالملاحظہ و واسطہ ذکر لَآ اِلٰـہَ شروع کرے، —— بیٹھتے وقت تمام قوت سے دل پر اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب پوری شدت سے لگائے اور

دونوں ہاتھ سے اس طرح اشارہ بھی کرے جیسے لوہار ہتھوڑے کو لوہے پر مارتا ہے۔ برابر لگاتار اس طرح کھڑے ہوں اور بیٹھیں اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مبارک ذکر کرتے ہوئے معاصی سے آلودہ قلب پر ضربات لگائیں اور ماسوا اللہ کا زنگ دور کریں۔ کثرت و مداومت ضرور ہے اور فائدہ بے شمار!

ذکر آیت الکرسی:

ہرسہ خطرات کی نفی کرتے ہوئے بالملاحظہ و واسطہ دل پر اُللہ کی ضرب لگائے —— لَآ اِلٰـهَ میں سر کو بائیں طرف سے دائیں طرف حرکت دے کر اِلَّا کو دماغ میں لے جائے —— اور دل پر ثبوت ذاتِ پاک ھو کی ضرب لگائے —— اَلْحَیُّ کی ضرب دائیں طرف اور اَلْقَیُّوْمُ کی ضرب بائیں طرف لگائے —— اسی طرح ہر روز ہزار بار تکرار کرتا رہے —— انشاء اللہ چند دن میں انکشاف ملکوتی شروع ہو جائے گا۔

ذکر پاس انفاس:

لَآ اِلٰـهَ کو زور سے سانس کے ساتھ کھینچ کر مغز میں لے جائے —— جب سانس میں تنگی و دشواری ہو تو اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ دم (سانس) کو آہستہ سے چھوڑے کہ معلوم نہ ہو، بارعایت ملاحظہ و واسطہ۔ اور نظر ناف پر رکھے —— اسی طرح ہمیشہ دھن بستہ پاس انفاس میں مشغول رہے —— سانس کو آہستہ چھوڑنے کو ''آرامکی'' کہتے ہیں —— جب سانس اوپر نیچے بادم حیات ہو کر ایک ہو جاتا ہے تو اسے ''مجمع البحرین'' کہتے ہیں۔ یہ مقام ''آب حیات'' ہے۔ اس وقت کا لروح ہو جاتا ہے، عالم طیر و سیر پیش آتا ہے —— اور علم لدنی وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا رونما ہوتا ہے —— عمر کی درازی اور خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوتی ہے —— صاحبِ تجرید و تفرید اور صاحبِ تصرف روزگار ہوتا ہے —— لیکن اس میں ترک جماع شرط ہے، اس کے بغیر ممکن نہیں —— ذکر پاس انفاس مذکورہ شرف عظیم اور برکت ہائے عمیم رکھتا ہے۔ یہ ذکر عارفانِ خدا کا ذکر ہے۔

ذکر فنا و بقا:

ذکر فنا و بقا آٹھ قسم کا ہے:

(۱)——دائیں زانو کو کھڑا اور بائیں زانو کو طے کر کے بیٹھے۔ کلمہ اِلَّا اللّٰہُ کی ایک ضرب کھڑے زانو پر اور ایک ضرب دل پر لگائے—— دمادم اسی طرح کرتا رہے لیکن نفی کو مفہوم رکھے۔

(۲)——دونوں زانو کھڑا کرے—— پھر نیم خیز ہو کر حالتِ ضرب میں سینہ کو پیش کر کے ضرب لگائے۔

(۳)——کھڑے ہو کر دائیں پاؤں کو تھوڑا آگے کر کے رکھے۔ اور حالتِ رکوع میں پہلی ضرب زمین پر اور دوسری ضرب کھڑے ہو کر دل پر لگائے۔

(۴)——چار مصحف ہر چہار طرف اور ایک اپنے سامنے کھول کر رکھے۔

☆——دائیں طرف کے مصحف پر یَا حَیُّ کی ضرب،

☆——بائیں طرف کے مصحف پر یَا قَیُّوْمُ کی ضرب،

☆——سوئم مصحف پر یَا سَمِیْعُ کی ضرب،

☆——چہارم مصحف پر یَا عَلِیْمُ کی ضرب لگائے

☆——اول پیش مصحف پر اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب اور دوسری ضرب دل پر لگائے۔

(۵)——آگ کی انگیٹھی سامنے رکھے—— پہلی ضرب آگ پر اور دوسری ضرب دل پر لگائے—— اس میں انکشاف بہت ہے، کسی سے نہ کہے۔

(۶)——سیدھا لیٹے۔ اوّل ضرب دائیں طرف اور دوسری ضرب دل پر لگائے۔

(۷)——دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھول کر پیشانی پر رکھے اور ضرب لگائے —— پھر کتف راست پر دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں رکھ کر ضرب لگائے —— پھر کتف چپ پر رکھ کر ضرب لگائے—— پھر دل پر رکھ کر اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب لگائے۔

(۸)——فنائے خود اور بقائے ذاتِ حق کے تصور سے قدم آگے بڑھا کر ضرب

لگائے —— پھر قدم ہٹا کر دل میں ضرب لگائے۔

ذکر کشف روح مبارک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

نماز عشاء کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مثالیہ کا تصور کر کے پہلے درود شریف پڑھے —— پھر اس طرح ذکر میں مشغول ہو کہ:

☆ —— دائیں طرف یَا اَحْمَدُ

☆ —— بائیں طرف یَا مُحَمَّدُ، اور

☆ —— دل پر یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

کی ضرب لگائے —— گیاہ سو گیارہ (۱۱۱۱) مرتبہ ذکر کر کے، قبلہ رُخ منہ کر کے بہ صورت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو جائے۔ دیدار پرانوار سے مشرف ہوگا۔[1]

ذکر برائے کشف ملائکہ و ہر روح کہ باشد:

نماز عشاء کے بعد اوّل بست و یکبار یَا رَبُّ وَ یَا رُوْحُ الْاَرْوَاحِ کی ضرب دل پر لگائے —— پھر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دس بار یَا رُوْحَ یَا رُوْحَ کہے —— پھر اس طرح ذکر میں مشغول ہو کہ:

☆ —— دائیں طرف "سُبُّوْحٌ"

☆ —— بائیں طرف "قُدُّوْسٌ"

☆ —— آسمان کی طرف رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ

☆ —— دل میں وَالرُّوْحُ کی ضرب لگائے۔

حصولِ مراد تک اسی طرح ہر روز گیارہ سو گیارہ (۱۱۱۱) بار پڑھتا رہے۔ روزانہ ذکر کرنے سے انشاء اللہ کشف ملائکہ و کشف ارواح جلد حاصل ہو۔ حصول مقصود تک برابر کیے جائیں۔

---

[1] دورانِ ذکر جب نیند کی کیفیت طاری ہونے لگے امید کہ اگر سرکار کرم فرمائیں تو اپنا جمالِ انور خواب میں دکھائیں بلکہ اگر ذوق وشوق بڑھ جائے۔ اس ذکر میں بھی ایسی محویت طاری ہو جائے کیا عجب کہ بَیْنَ النَّوْمِ الْیَقْظَہ اسی حالت میں پردہ اٹھائیں اور جمالِ انوار دکھائیں۔

کشف ارواح:

حسب معمول چہارزانو بیٹھے۔دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر پہلے اکیس بار یـا رب کہیں (دل پر ضرب دیتے ہوئے) پھر آسمان کی طرف یـا رُوْحُ اور دل پر یَـا رُوْحُ الرُّوْحُ ضرب کرتے رہیے' جس قدر ہو سکے۔اس کے بعد مراقب ہو کر مطلوب کی روح کی طرف دھیان جمائیں۔امید ہے کہ وہ ملاقی ہو اور جو باتیں آپ کرنا چاہیں' اس سے کرلیں۔مگر یہ اسی وقت ممکن ہے کہ یک سوئی کی عادت ہو چکی اور قلب جلا پا چکا ہو۔

ذکر برائے کشف قبور:

جب یکسوئی کی عادت بڑھ جائے' قلب میں جلا پیدا ہو جائے کسی قبر کے پاس بیٹھ کر پہلے صاحبِ قبر کی روح کو ثواب بخشے۔—— پھر اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو کر کہے: اِکْشِفْ لِیْ یَا نُوْرُ —— پھر دل پر اسی کی ضرب لگائے، پھر قبر پر عَنْ حَالِهٖ کی ضرب لگائے—— اسی طرح گیارہ سو گیارہ (۱۱۱۱) دفعہ ضرب لگا کر اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو جائے۔انشاء اللہ تعالیٰ مفید مطلب ہوگا اور صاحبِ قبر کی حالت مکشوف ہو جائے گی' ان سے باتیں بھی ہوں' فیض بھی ملے۔

ذکر برائے کشف دقائق آئندہ وحصول امور مشکلہ:

نماز مغرب یا نماز تہجد کے بعد اس طرح سے ذکر کرے:

o—— ایک ترکیب یوں ہے:

☆—— دائیں طرف یَا حَیُّ

☆—— بائیں طرف یَا قَیُّوْمُ

☆—— آسمان کی طرف یا وَهَّابُ، اور

☆—— دل میں یَا اَللّٰہُ کی ضرب لگائے۔

اسی طرح گیارہ سو گیارہ (۱۱۱۱) بار حصول مراد تک کہتا رہے۔

o—— دوسری ترکیب اس طرح سے ہے:

☆ —— دائیں طرف یَا اَحَدُ

☆ —— بائیں طرف یَاصَمَدُ

☆ —— کتف راست جانب یَا حَیُّ

☆ —— دل میں یَا قَیُّوْمُ

کی ضرب لگائے۔ اور حصولِ مراد تک گیارہ سو گیارہ بار پڑھتا رہے۔

اوّل خمسہ اورادِ قادریہ غوثیہ:

☆ —— بعد نماز فجر:

یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ ——
ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار یا تین سو ساٹھ (۳۶۰) بار پڑھے۔ لیکن:

o —— جب یَـا حَـیُّ یَـا قَیُّوْمُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ کہے تو اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھائے۔

o —— جب اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ کہے تو منہ سینہ وقلب کی طرف لائے مگر ضرب نہ لگائے۔

جب اس ورد کی تعداد پوری ہو چکے تو آخر میں گیارہ بار:
فَاسْتَجَبْنَا وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ پڑھ لیا کرے۔

☆ —— بعد نماز ظہر:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ: —— ایک سو گیارہ یا تین سو ساٹھ بار۔

☆ —— بعد نماز عصر:

فَسَهِّلْ یَا اِلٰهِیْ کُلَّ صَعْبٍ بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْاَبْرَارِ سَهِّلْ:
ایک سو گیارہ بار یا تین سو ساٹھ بار

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ وَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ:

ایک سو گیارہ بار یا تین سو ساٹھ بار

☆ —— بعد نماز مغرب:

o —— دس مرتبہ یہ اعتصام پڑھے:

اَللّٰہُ الصَّمَدِیْ مِنْ عِنْدِکَ مَدَدِیْ وَعَلَیْکَ مُعْتَمَدِیْ

o —— پھر یہ درود شریف پڑھے:

زَادِ عَلِیًّا مَظْهَرُ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَکَ فِی النَّوَائِبِ لِیْ اِلَی اللّٰہِ حَاجَۃٌ مِّنْ کُلِّ هَمٍّ وَّغَمٍّ سَیَنْجَلِیْ بِنُبُوَّتِکَ یَا مُحَمَّدُ وَبِوَلَایَتِکَ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ —— اسے دس سے زیادہ نہ پڑھے۔

o —— پھر اس اعتصام کو دس بار پڑھے:

یَا اَبَا الْغَیْثُ اَغِثْنِیْ وَیَا عَلِیُّ اَدْرِکْنِیْ بِمُحَمَّدٍ وَعِتْرَتِهِ الطَّاهِرِیْنَ۔

o —— پھر اس آیت کو ایک سو گیارہ بار پڑھے:

رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

☆ بعد نماز عشاء:

o —— ایک سو گیارہ بار یا تین سو ساٹھ بار پڑھے کہ:

یَا شَیْخَ عَبْدُ الْقَادِرْ جِیْلَانِیْ شَیْئًا لِلّٰہِ

o —— ایک سو گیارہ بار اس آیت کو پڑھے:

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

ہر ورد کے اول و آخر ایک سو گیارہ بار درود شریف پڑھے ——

تعلیم خمسہ اذکار:

جب طالب صادق اوراد کی محنت کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اس کو خمسہ اذکار کی تعلیم دیتے ہیں۔ مثلاً

☆ —— صبح کی نماز کے بعد ذکر نفی واثبات بموجب لطائف قلب

☆ —— نماز ظہر کے بعد ذکر ارہ نفی واثبات۔

☆ —— نماز عصر کے بعد پاس انفاس نفی واثبات

☆ —— نماز مغرب کے بعد ذکر مکاشفہ اور

☆ —— بعد نماز عشاء ذکر تکبیر مجاہدین یعنی کڑکا حیدری

اور اس کے بعد یہ خمسہ تعلیم ہوتا ہے:

ذکر سہ پایہ، دورۂ قادری:

☆ —— ذکر روح ☆ —— ذکر پاس انفاس اسم ذات

☆ —— ذکر ارہ پاسم ذات

ذکر آور دبرد جو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مخصوص تھا —— ان کے علاوہ اور قسم کے اذکار کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔

ذکر اسم ذات:

یہ ذکر قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ اللّٰہُ وَلَہٗ سے ماخوذ ہے —— واؤ، الف سے بدل گیا تو اَللّٰہُ ہوا —— اَللّٰہُ کے معنی ہیں:

''جاذب، جذب کنندۂ عالم واشیاء کل عالم —— جملہ عقول کو اپنی حقیقت سے حیرت میں ڈالنے والا۔''

ذکر اسم ذات سات ضربوں (ہفت ضربی) سے کیا جاتا ہے:

☆ —— **ایک ضربی**: قبلہ رُخ ہو کر منہ دائیں طرف پھرا کر دل پر اَللّٰہ کی ضرب لگائے۔

☆ —— **دو ضربی**: روح اور دل پر ضرب لگائے۔

☆ —— **سہ ضربی**: چپ وراست اور دل پر ضرب لگائے۔

☆ —— **چہار ضربی**: راست، چپ، پیش اور دل پر ضرب لگائے۔

☆ ـــــ **پنج ضربی:** راست، چپ پیش وپس اور دل پر ضرب لگائے۔

☆ ـــــ **شش ضربی:** راست، چپ، پیش وپس، فوق اور دل پر ضرب لگائے۔

اسی طرح بار بار کرتا رہے ـــــ اگر ضربات کے بغیر زبانی ذکر کرے تو ہر روز ایک لاکھ پچیس ہزار بار پڑھتا رہے۔

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبِ بِذِكْرِ اللهِ اَلاَ بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبِ

ذکر قلندری:

دائیں طرف سے کلمہ اَللّٰہُ کو شروع کرے اور دل پر ھــو کی ضرب لگائے۔ ابتداء میں آہستہ آہستہ پھر جیسے جیسے جوش آتا جائے، آواز کو بلند کرتا جائے ـــــ پھر ذکر خفی بہ حبس دم کرے۔ یعنی:

هُوَ اللهُ کو ناف سے لے کر ام الدماغ تک لے جا کر حبسِ دم کرے، اور هُوَ اللهُ کی جنبش ناف میں دے ـــــ جب تنگی نفس (سانس میں دشواری) ہو جائے تو بہ لفظ اَللّٰہُ ھو دم کو چھوڑ دے۔

اسی طرح بار بار کرے ـــــ اس میں بہت کچھ اثر ہے، جو کرے گا دیکھے گا۔ طیر وسیر وساز سب کچھ اپنے جسم میں پائے گا۔

ذکرِ قلبی اسم ذات:

اگر چالیس دن تک ہر روز وشب دل سے اسم ذات کا ذکر کرے ـــــ چالیس روز میں انکشاف عالم ناسوت وملکوت وجبروت ولا ہوت وھاہوت ہوگا، اور ایک ایسی حالت پیدا ہوگی کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ غرض سوائے ذات بحت کے اسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔

ذکر ارہ جلسہ مربع:

قبلہ رُخ آنکھیں بند کرکے زبان تالو سے لگائے، اسم ذات ناف سے بہ شدت تمام بہ دم واژگوں کھینچ کر دائیں شانے پر لائے ـــــ اور ھــو کی ضرب بہ قوت تمام

دل پر لگائے جیسے ارہ کش لکڑی پر ارہ کو کھینچتا ہے ــــ اسی طرح دمادم نفس کو بزور آواز سخت، بالملاحظہ وصفات امہات د واسطہ جاری رکھے ــــ اور یہ تصور کرے کہ میرے قلب پر ارہ چلتا ہے اور برادے کی بجائے دل سے نور کے صاف ذرات ھو کے ساتھ گرتے ہیں، اور ان سے میرا تمام جسم منور ہوتا جاتا ہے ــــ اسی طرح ذکر ارہ نفی و اثبات میں بھی کیا جاتا ہے۔

ذکر اسم ذات یک ضربی:

اللہ کہتے ہوئے منہ دائیں شانے کی طرف بلند کرکے دل پر ھُـوْ کی ضرب ایسے زور سے لگائے کہ بایاں پہلو خم ہو جائے ــــ اَنْ - لَا - ھُـــوْ - پہلی اور دوسری ضرب معمولی اور تیسری ضرب بہت سخت ہو اسم ذات کو ایک اسم اسماء صفات امہات سبع سے متصف کرے، اور دمادم اس کو کرتا رہے، یہاں تک کہ بے خودی طاری ہو۔

ذکر روح:

اس کی ضربات اس طرح سے ہیں:

☆ ــــ دائیں پہلو پر ھُوَ الْاَوَّلُ کی ضرب

☆ ــــ بائیں پہلو پر ھُوَ الْاٰخِرُ کی ضرب،

☆ ــــ دونوں زانوؤں کے درمیان ھُوَالظَّاھِرُ کی ضرب،

☆ ــــ دل پر ھُوَ الْبَاطِنُ کی ضرب لگائے

بار بار اسی طرح کرتا رہے۔

ذکر پاس انفاس اسم ذات:

جب سانس نیچے جائے اَللّٰہُ کہے، اور ھُوْ کے ساتھ باہر آئے ــــ ہمیشہ دل پر خیال رکھے اور دل کو نور سے معمور دیکھے ــــ چند روز میں ذاتی انوار سے مشرف ہوگا۔ لیکن ہر وقت یہی تصور رکھے۔

ذکر سہ پایہ دورۂ قادریہ:

قبلہ رُخ دوزانو بیٹھے۔ آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگائے، حبسِ دم کر کے خط نورانی کو نور سے ملاحظہ کرتے ہوئے دل سے اس طرح ذکر کرے کہ:

اَللّٰہُ سَـمِیْعٌ" کو ناف سے وسط سینہ میں لائے (کہ مقام لطیفہ سر ہے)۔ پھر سینہ سے اَللّٰہُ بَـصِیْرٌ" کہتا ہوا ام الدماغ تک لے جائے ـــــ وہاں سے اَللّٰہُ عَـلِیْمٌ" کو عرش تک پہنچائے۔ پھر اَللّٰہُ عَـلِیْـمٌ" کو عرش سے ام الدماغ میں ـــــ اور دماغ سے اَللّٰہُ بَصِیْرٌ" کو سینہ میں ـــــ اور سینہ سے اَللّٰہُ سَمِیْعٌ" کو ناف میں لائے ـــــ یہ ایک دورہ ہوا۔

اسی طرح بار بار عروج و نزول کرتا رہے ـــــ اس کے ثمرات قلم میں نہیں آسکتے۔

ذکر سہ پایہ دورۂ قادریہ (ایضاً):

ذکر سہ پایہ کے تین رکن ہیں:

☆ ـــــ اسم ذات کو مقام حدیث نفس میں،

☆ ـــــ ملاحظہ صفات امہات کو محل خطرہ میں،

☆ ـــــ نظر دل اس کے مرکز میں قائم کرے۔

اس لیے اس کا نام سہ پایہ ہے ـــــ جب اسماء صفات کو اسم ذات میں ملاتے ہیں تو اصطلاح صوفیہ کرام میں "ملاحظہ اور ارادہ" کہتے ہیں ـــــ اس منظور کو "تصور و واسطہ و رابطہ و برزخ" کہتے ہیں ـــــ

اس ذکر میں آٹھ شرطیں ہیں:

☆ ـــــ چار داخلی یعنی: شد، مد، تحت، فوق

ان کے بغیر ذکر نہیں ہوتا۔

☆ ـــــ پنجم محاربہ ـــــ ششم مراقبہ،

یہ دو شرطیں متداخلی ہیں ــــ تداخل محاربہ شد میں ہے، اور تداخل مراقبہ ملاحظہ میں۔

☆ ــــ ہفتم محاسبہ ــــ ہشتم مواعظہ

یہ دو شرطیں خارجی ہیں۔

؎ برزخ وذات وصفات، شدومد وتحت وفوق
می نماید طالباں را کُلُّ نَفسٍ ذوق وشوق

''برزخ اور ذات وصفات، شد و مد اور سب نشیب وفراز اور ہر نفس کی فنا کا تماشا طالبوں کو ذوق وشوق پیدا کرتا ہے۔ اور پھر وہ حقیقت کا نظارہ کرتے ہیں۔''

اقسام برزخ:

برزخ یعنی واسطہ ورابطہ تین اقسام پر ہے:

(۱) ــــ ذکر کے وقت صورت مرشد کو دل کی نظر میں رکھے۔ دل جمال مرشد سے منور ہے کہ صورتِ مرشد جمالِ الٰہی ہے۔

(۲) ــــ اپنی صورت کو آئینے میں دیکھ کر دل کی نظر اپنی صورت پر قائم کرے۔

(۳) ــــ اسم اللہ کے نقش کو طلائی رنگ میں تصور کر کے دل کی نظر اس پر رکھے۔

کیونکہ واسطے کے بغیر اثر کم ہوتا ہے ــــ اول قسم متعدی، دوئم لازمی اور سوئم متوسط ہے۔

ــــ ذات سے مراد اسم ذات ہے۔ اس کے معنی دل میں موجود رکھے یعنی جذب کنندہ جمیع عوالم اور صفات عبارت اسماء ائمہ سے ہے یعنی ''سَمِیۡعٌ'' ''بَصِیۡرٌ'' ''عَلِیۡمٌ''

ــــ ''احوال واقوال وافعال بلحاظ معانی شنوندہ، بنیندہ، دانندہ''

یعنی تمہارے احوال واقوال وافعال کو خوب سنتا، دیکھتا جانتا ہے۔

اور شد مراد برآوردن ہمزہ اسم ذات بہ تختی جانب فوق ــــ اور مد، عبارت کشیدن الف اسم ذات ــــ جو لام کے آگے اس کے کھینچنے سے پیدا ہوتا ہے ــــ اور تحت مراد ہے سر کو ناف کی طرف لے جانا ــــ اور فوق برداشتن سر بہ طرف ام

الدماغ۔

اقسام محاربہ:

محاربہ:—— یہ دوقسم ہے:

☆—— ایک صغیر ☆—— دوسرا کبیر

محاربہ صغیر یہ ہے کہ منہ بند کرکے زبان کو تالو سے لگا کر س انس کو ناف کے پاس روکے اور دل سے اسم ذات اللہ کا ذکر باملاحظہ وواسطہ، شد و مد ' تحت و فوق کریں۔ ایک سانس کے روکنے کی مدت میں جس قدر آسانی سے ہو سکے' پھر آہستہ آہستہ سانس کو چھوڑ دیئے اور بتدریج ہر حبس میں ذکر کی تعداد بڑھائیں' حتیٰ کہ ایک حبس میں چالیس بار ہو جائے۔

چالیس سے زیادہ سو تک محاربہ کبیر ہے—— جب ایک سو سے دو سو تک شرائط مذکورہ کے ساتھ ذکر اللہ بڑھ جائے تو یہ مقام محویت واستغراق کہلاتا ہے۔

دیگر طریق محاربہ یہ ہے کہ:

منہ بند کرکے سانس کو ناف کے پاس (جو محل نفس ہے) روک کر ناف سے لا کو اٹھائیں اور خیال ہی خیال میں کھینچتے ہوئے دائیں شانہ تک لائیں۔ دائیں شانہ سے اللہ کے ہمزہ کو اٹھا کر لا کو کھینچ کر دماغ تک پہنچا کر ہ کو عرش تک لے جائیں۔ وہاں سے انوار الٰہی کو لیے ہوئے الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائیں۔ پوری رعایت ملاحظہ و واسطہ و شد و مد وتحت و فوق کے ساتھ اوّل دم میں ایک بار کہیے۔ پھر آہستہ سے سانس چھوڑ دیئے اور زبان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیے۔ دو ایک دن اسی کی مشق کریں۔ ایک جلسہ (نشست) میں اس قسم کا حبس دس بار کریں۔ جب جم جائے تب تعداد بڑھائیں کہ ایک حبس میں تین بار ہو۔ دو تین دن بعد ایک حبس میں پانچ بار کریں۔ اسی طرح مشق کرتے ہوئے بتدریج دوسرے تیسرے دن بڑھاتے رہیں۔ مگر تعداد ہمیشہ طاق رہے۔ ایک حبس میں تین بار مجموعی تعداد دس مرتبہ کے حبس میں تیس ہو جائے گی اور پانچ بار ہو گا تو پچاس ہو جائے گی۔ ذکر کی تعداد یہاں تک

بڑھائیں کہ محویت و استغراق حاصل ہو جائے۔

محاربہ میں ضروری ہدایت ہے کہ دونوں طریقوں میں ذکر سے فارغ ہونے پر فوراً ٹھنڈا پانی نہ پئیں ——— ٹھنڈی ہوا میں نہ نکل آئیں ——— پسینہ آ جائے تو کپڑے نہ اُتار ڈالیں۔ یہ ظاہری رعایتیں اشد ضروری ہیں۔

سلطان الاذکار:

مقام محویت و استغراق کے بعد سلطان الاذکار ظہور کرتا ہے ——— اس کی ترکیب یہ ہے کہ مربع نشست میں دم کو ناف سے کھینچ کر ام الدماغ میں حبس کر کے:

☆ ——— بِیْ یَسْمَعُ کے تصور میں اَللّٰہُ سَمِیْعٌ کی ضرب دماغ میں،

☆ ——— بِیْ یُبْصِرُ کے تصور میں اَللّٰہُ بَصِیْرٌ کی ضرب دل میں

☆ ——— بِیْ یَنْطِقُ کے تصور میں اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کی ضرب ناف میں لگائے

——— پھر دماغ میں: اَللّٰہُ عَـلِـیْـمٌ ——— ٥ ——— دل پر: اَللّٰہُ بَـصِـیْـرٌ ——— اور ٥ ——— ناف میں: اَللّٰہُ سَـمِـیْـعٌ کی ضرب لگائے ———

اس طرح عروج و نزول کرتا رہے۔ معانی اسماء صفات دل میں رکھے تاکہ مفہوم ملاحظہ بخوبی حاصل ہو ——— خیال کو ملاحظہ میں رکھے تاکہ خطرہ مسدود ہو ——— نظر دل مدام واسطے پر رہے تاکہ فنا فی اللہ میسر آئے اور ذاکر و مذکور باقی نہ رہے۔

اذکار میں احوال کی رونمائی:

ان اذکار میں تین حال رونما ہوتے ہیں:

☆ ——— قرب نوافل ☆ ——— قرب فرائض ☆ ——— عین رویت اللہ

(۱) طالب صادق جب اذکار جہریہ، خفیہ و سریہ سے بفضلہ تعالیٰ ترقی کرتا ہے تو ذکر روحی اور مشاہدہ میں پہنچتا ہے تو یہاں پر غلبہ اور ہیبت و جلال الٰہی سے بے ہوش ہو جاتا ہے ——— جب ہوش میں آتا ہے تو اپنے آپ کو حقیر و عاجز دیکھتا ہے ——— پھر ترقی کرتا ہے، اور انوار و جمال الٰہی میں مستغرق سالک کے حواسِ خمسہ معطل و بے کار

ہو جاتے ہیں۔ اور طالب کے دل میں تجلی قرار پکڑتی ہے ـــــ پھر سالک کی دید و شنید، علم و فعل، ارادہ و کلام وغیرہ عین خدا ہوتا ہے ـــــ اس مقام میں خدا آلہ اور سالک اس کا فاعل ہوتا ہے، اور جمیع اشیاء میں دیدۂ باطن سے ہستی حق کو مشاہدہ کرتا ہے ـــــ اس مرتبہ کو "قرب نوافل و مقام مشاہدہ" کہتے ہیں۔ اور اس کی نہایت نہیں۔ اس مرتبہ میں سالک کی نظر صنعت کی معرفت سے صانع کی طرف جاتی ہے ـــــ اس مرتبۂ کمالیت میں طالب کو "سالک مجذوب" کہتے ہیں۔ مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ۔

(۲) اس مرتبہ سے پھر ترقی کرتا ہے اور تجلی الٰہی بصورت اجسام سالک کے دل پر ظہور ہوتی ہے ـــــ اس مرتبہ میں سالک کی نظر معرفت صانع سے صنعت کی طرف ہوتی ہے، اور تجلی ذاتی عاشق کے دل پر ظہور کرتی ہے ـــــ اس تجلی میں نورِ الٰہی کو بے مثل و مانند دیکھتا ہے ـــــ ہستی حق کو کثرتِ اشیاء کے حجاب میں مشاہدہ کرتا ہے، جو کچھ صفات و افعال از خود یا دیگر موجودات سے دیکھتا ہے تو یقین کامل سے جانتا ہے کہ یہ صفات و افعال خدا تعالیٰ کے ہیں ـــــ اس مقام کا نام "قرب فرائض" ہے۔ جو اس مرتبہ کمالیت کو پہنچتا ہے اس کو "مجذوب سالک" کہتے ہیں ـــــ اس مقام میں تمام اشیاء میں ہستئ ذاتِ حق کو جلوہ گر دیکھتا ہے۔ مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ ـــــ یہ مقام بھی لانہایت ہے۔

(۳) طالب جب اس سے بھی ترقی کرتا ہے تو تجلی ذات بہ جمیع صفات ظہور پکڑتی ہے، اور فنا در فنا حاصل کرتا ہے ـــــ مرتبہ سوئم میں صانع کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ۔ پھر بذاتِ حق بقا حاصل کر کے روح کی آنکھ کے نورِ ذاتی سے ذاتِ حق کو بے پردہ معائنہ کرتا ہے۔ اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے ـــــ

دل کی آنکھیں:

دل اگر کان رکھتا ہے تو اس کی دو آنکھیں بھی ہیں: ایک اوپر، ایک نیچے ـــــ

☆ —— بالائی چشم کشادہ ہے اور وہ جسم سے متعلق ہے ——

☆ —— اور چشم پائیں جو مسدود ہے، اس کا روح سے تعلق ہے۔

سالک جب ذکر جہر میں بہ کوشش تمام مد و شد، تحت و فوق کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو کچھ دیر بعد بالائی چشم بند ہونا شروع ہوتی ہے۔

—— اور چشم زیریں ذکر خفی میں حبسِ دم سے مفتوح ہونے لگتی ہے۔

خاندانِ قادریہ و چشتیہ میں رضوان اللہ علیہم اجمعین حبسِ دم اصل الاصول اور شرط اعظم ہے۔ اس لیے کہ حبسِ دم کے بغیر چشم روح کشادہ نہیں ہوتی —— لہٰذا ہر طالبِ صادق کو لازم ہے کہ ذکر جہر و ذکر خفی میں حبسِ دم کی بلیغ کوشش کرے۔ تاکہ چشم دل عالم بین مسدود ہو، اور چشم روح ذات میں کشادہ —— چشم روح کی کشادگی کے بغیر انوارِ ذاتی کا حصول محال ہے۔

فصل سوم:

ذکر صلوٰۃِ دائمی

صلوٰۃ دائمی کیا ہے؟

اذکار الٰہی میں سے ایک ذکر کا نام ''صلوٰۃِ دائمی'' ہے۔ یہ ذکر اسم ذات اللہ کے ساتھ کیا جاتا ہے ـــــ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ذکر کے معنی ہیں:

''یادالٰہی'' ـــــ صلوٰۃ بمعنی: نماز اور دائمی سے مراد ہمیشہ ـــــ مفہوم یہ ہوا کہ ذاکر اسم ذات اللہ کے ساتھ ہمیشہ اور ہر وقت حالت نماز میں ہے۔

اقسام نماز:

نماز دو قسم ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ جس میں تعین وقت اور رکوع وسجود وغیرہ کی شرط ہے۔ جیسے نماز پنجگانہ وغیرہ ـــــ اگر اس نماز پنجگانہ کے نمازی نے:

اَنْ تَعْبُدُ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ کو قائم کر کے نماز ادا کی ہے یعنی بامشاہدہ یا بامراقبہ، تو بے شک یہ نماز مقبول اور فلاح دارین کا موجب ہے ـــــ اور جس نماز کی یہ شان وشوکت نہیں تو بقول شخصے: مجرا برباد گناہ لازم خالی از علت نہیں۔

(۲) دوسری قسم نماز کی یہ ہے کہ جس میں تعین وقت اور رکوع وسجود وغیرہ کی شرط نہیں ہے۔ اس نماز کا نمازی تعین وقت کے بغیر اور بغیر رکوع وسجود ہر وقت اپنی نماز میں مشغول رہتا ہے ـــــ اس کو ''ذکر اللہ دوامی'' کہتے ہیں اور اسی کا نام ''صلوٰۃِ دائمی'' ہے۔

فضائل صلوٰۃِ دائمی:

یہ نماز جمیع عبادات سے افضل و بہتر شمار کی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ

''تحقیق نماز بے حیائی و بدکرداری سے روکتی ہے، البتہ اللہ کا ذکر سب سے افضل ہے۔'' (پ۲۱ ع۱)

یعنی جو نماز کہ بہ نظر مشاہدہ یعنی کَاَنَّکَ تَرَاہُ —— یا بطور مراقبہ یعنی فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ادا کی گئی ہے، وہ نماز بے حیائی اور بدکرداری سے روکتی ہے —— اگر وہ نماز بغیر مشاہدہ و مراقبہ کے ہے تو وہ بے سود اور برباد ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ ذکر الٰہی جمیع اعمال پر بدرجہا فضیلت رکھتا ہے —— رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی ذکر اللہ کی فضیلت میں بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ جسے خیر و برکت کے لیے باب چہارم میں پیش کیا جاچکا ہے۔

صوفیاء کرام اللہ کے دوامی ذکر کو صلوٰۃِ دائمی ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ اس نماز میں اطمینان قلب بدرجہ غایت نصیب ہوتا ہے —— جیسا کہ ارشاد باری ہے:

تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

''دلوں کا اطمینان اللہ کی یاد میں ہے، خبردار رہو اللہ کی یاد میں دلوں کا اطمینان ہے۔'' (پ۱۳ ع۱۰، سورہ رعد)

اس نماز میں زیادہ خوبی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اس نماز سے نمازی کا قلب کبھی خدا سے غافل نہیں رہتا —— اس کی قلبی حالت کسی طرح اور کسی حال میں متغیر نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی اصلی حالت پر ہمیشہ قائم و برقرار رہتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَائِمُوْنَ.

(پ۲۹، ع۷، سورہ معارج)

''تحقیق انسان بے صبر پیدا کیا گیا ہے —— جب لگتی ہے اس کو برائی

اضطراب کرنے والا ہے ــــ اور جب لگتی ہے بھلائی، منع وبخل کرنے والا ہے۔ مگر وہ نمازی جو ہمیشہ اپنی نماز میں رہنے والے ہیں۔"

یعنی وہ نمازی جو ہمیشہ اپنی نماز میں ہے، کوئی برائی یا بھلائی ان کے دل کو ہلا نہیں سکتی (یعنی ان کی ذات استقامت وعزیمت کی شان رکھتی ہے) وہ اپنی اصلی حالت پر قائم و برقرار رہتے ہیں۔

لہٰذا اگر نماز سے نماز پنجگانہ مراد ہے تو اس نماز کے نمازی کی قلبی حالت برائی یا بھلائی کے پہنچنے پر قائم رہنی چاہئے۔ حالانکہ یہ حالت قائم نہیں رہتی ــــ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نماز کے علاوہ کوئی اور نماز بھی ہے کہ جس کے پابند (نمازی) کی قلبی حالت ہر دو حال میں اپنی اصل حالت میں برقرار رہتی ہے ــــ اور اس نماز کا نمازی تعین وقت کے بغیر اپنی نماز میں ہمیشہ مشغول رہتا ہے۔ صوفیاء کرام اسی نماز کو "صلوٰۃِ دائمی" کہتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے، اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی ایک صحابی کو اسی صلوٰۃِ دائمی کی تعلیم فرمائی ہے ــــ ابن ماجہ میں عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! تحقیق اسلام کے احکام مجھ پر بہت ہیں۔ لہٰذا مجھے خبر دیجئے ایک ایسی چیز کے ساتھ کہ میں اس کے ساتھ بھروسہ کروں۔"

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تیری زبان ہمیشہ ذکر خدا سے تر رہے۔"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ احکام شریعت سے جس شخص کا پورے طور پر اطمینان قلب نہ ہوسکے تو وہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھے ــــ اہل تصوف نے اس ذکر کا نام "صلوٰۃِ دائمی" رکھا ہے۔ یہ ذکر پیر کامل کی تعلیم کے بغیر میسر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اسے چاہئے کہ وہ اہل تصوف کی طرف رجوع کرے ــــ ارشاد باری ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۱۷ ع ۱ انبیاء)

اہل ظواہر فرماتے ہیں کہ پہلوں سے دریافت کرو —— جبکہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اہل تصوف و اولیاء اللہ سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو —— اہل تصوف چونکہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لیے ان کا نام اہل الذکر رکھا گیا ہے ——

حدیث پاک میں ہے:

''جو شخص یہ ارادہ کرے میں اللہ کے ساتھ بیٹھوں، پس وہ صوفیوں میں بیٹھے کہ وہاں ذکر خدا کے سوا کچھ ذکر نہیں ہوتا''۔

یہ لوگ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ سے موصوف و بذکر الٰہی مشغول رہتے ہیں۔

؎ ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا　　　او نشیند در حضور اولیاء

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا تقرب اور ہم نشینی حاصل ہو جائے، اسے کہہ دو کہ وہ اولیاء اللہ کی حضوری میں (مودب) بیٹھے''۔

بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَكَرَنِیْ وَ تَحَرَّكَتْ شَفَتَاهُ

''میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے، اور اس کے دولب میری یاد میں حرکت میں رہتے ہیں''۔

ایک اور حدیث قدسی شرح مثنوی میں ہے:

اَنَا جَلِيْسٌ مَنْ ذَكَرَنِیْ وَاَنِيْسٌ مَنِ اسْتَاْنَسَ

''میں اس شخص کا ہم نشین ہوں جو مجھ کو یاد کرتا ہے، اور میں اس کا انیس ہوں، جو مجھ سے طلب انس کرتا ہے''۔

؎ گر باہمہ چو بے معنی بے ہمہ　　　ور بے ہمہ چو با معنی با ہمہ

''اگر کوئی شخص سب کے ساتھ ہے اور میرے بغیر ہے تو وہ کسی کے ساتھ نہیں ہے —— اور اگر کوئی کسی کے ساتھ نہیں ہے اور میرے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو وہ گویا سب کے ساتھ ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کل سے تعلق ہی حقیقت میں تمام کا تعلق اور حصول ہے۔

ذکر صلوٰۃِ دائمی کے پانچ وجود:

صوفیاء کرام ذکر صلوٰۃِ دائمی کی پانچ وجود میں ہر وجود کی استعداد کے مطابق تعلیم فرماتے ہیں۔ وہ پانچ وجود یہ ہیں:

(۱)——واجب الوجود

(۲)——ممکن الوجود

(۳)——ممتنع الوجود

(۴)——عارف الوجود

(۵)——واحد الوجود

ان وجودات میں ذکر صلوٰۃِ دائمی کا طرزِ عمل اس طرح پر ہے:

ذِكْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَةٌ وَ ذِكْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ وَ ذِكْرُ الرُّوْحِ مُشَاهِدَةٌ وَ ذِكْرُ السِّرِّ مُعَائِنَةٌ وَذِكْرُ الْخَفِيِّ مُغَايِبَةٌ

(۱)——واجب الوجود:

واجب الوجود عنصری ناسوتی میں ذکر لسانی کیا جاتا ہے، ذکر لسانی کو لقلقہ بھی کہتے ہیں—— یعنی زبان خدا کے ذکر میں ہمیشہ تر اور متحرک رہے، کسی وقت بند نہ ہو—— لقلقہ کے معنی ہیں "حرکت کنندہ، حرکت پذیر"—— اس وجود میں ذکر لسانی کا نام صلوٰۃِ دائمی ہے۔

(۲)——ممکن الوجود:

روحانی مثالی ملکوتی میں ذکر قلبی ہوتا ہے، جسے وسوسہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی قلب میں ذاتِ حق کو موصوف بہ جمیع صفاتِ کاملہ منظور رکھے—— اور قلب کو ذاتِ حق سے کبھی غافل نہ ہونے دے—— اس وجود میں اس کا نام صلوٰۃِ دائمی ہے۔

(۳)——ممتنع الوجود:

ظلماتی جبروتی میں ذکرِ روحی مقرر ہے، جسے مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہر شے کی حقیقت میں ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتا رہے، غفلت کو کبھی راہ نہ دے——حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللہَ فِیْہِ

''ہر شے کی حقیقت میں میں نے خدا کو دیکھا۔''

یہ ممتنع الوجود مانع صورِ اشیاء ہے——اسی کو حقائق اشیاء اور اعیانِ ثابتہ بھی کہتے ہیں کہ جس کا ظہور اب تک نہیں ہوا، اور نہ ہو——یہ موجودات اس کے آثار ہیں۔ اس وجود میں ہمیشہ ہر شے کی حقیقت میں ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتے رہنے کا نام صلوٰۃِ دائمی ہے۔

(۴)——عارف الوجود:

نورانی لاہوتی میں ذکر سری معین ہے——یعنی ہر شے کی حقیقت کو ذاتِ حق میں دوام معائنہ کرتا رہے۔ جیسے دریا میں موجیں، بلبلے——اس وجود میں حقائق اشیاء کو ذاتِ حق میں ہمیشہ (مسلسل) ملاحظہ کرنے کا نام صلوٰۃِ دائمی ہے۔

(۵)——واحد الوجود:

احدیتِ ذات ھاہوتی میں محو در محو، فنا در فنا ہو جانے کا نام ذکر مغائبہ اور صلوٰۃِ دائمی ہے۔

؎ جب حباب اپنی گرہ کے بند سے وا ہو گیا
صاف کہتا ہوں حقیقت میں وہ دریا ہو گیا

غرض صوری و حسی تعینات میں یہ موجیں، بلبلے اور قطرے نامزد ہیں——اور جب تعینات حسی و صوری ٹوٹ گئے تو نہ یہ موجیں، بلبلے اور قطرے رہے، اور نہ وہ دریا——فقط ایک ذات ہے جس کا نہ کوئی نام ہے نہ نشان۔

سجود فی القلب:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلوٰۃِ دائمی اور صوم دائمی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

؎ سُجُوْدُ الْقَلْبِ فِیْ ذَاتِ صَلٰوۃٌ دَائِمٌ وَصْلٌ
هُوَ الْمَسْجُوْدُ فِیْ قَلْبٍ صِیَامٌ صَائِمٌ اَصْلٌ

''ذاتِ الٰہی میں قلب کا سجدہ، یہ صلوٰۃِ دائمی اور وصال ہے، اور وہی ذات مسجود فی القلب ہے—— یہی اصل صیام (روزہ) اور صائم (روزہ دار) ہے—— اہل تصوف کے نزدیک عبادت کے وقت ذاتِ الٰہی کی دید میں فنا ہو جانے کا نام نماز ہے۔''

مولانا عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ در نماز آں نگار را دیدن ظاہر و باطن اے پسر بے شمار
در عبادت کسے شریک مکن زاں کہ لا یشرک است حکم نگار

''نماز کے وقت اس محبوبِ حقیقی کو دیکھنا، ظاہر و باطن میں اے فرزند حقیقی نماز ہے—— تو اسے حاصل کر اور اپنی عبادت میں تو کسی غیر کو شریک نہ کر۔ کیونکہ اس نگار بے مثال کا یہی حکم ہے کہ ''شرک نہ کر''

چنانچہ ظاہری و باطنی حواسِ خمسہ کو خواہشاتِ حیوانی و شہوانی سے روکنے کا نام اصلی روزہ ہے۔

؎ روزہ حفظ دل است از خطرات پس بود از مشاہدہ افطار

''دل کے تمام خطرات اور وسواس سے روزہ حفاظت کرتا ہے۔ اس کے بعد مشاہدۂ حق سے افطار ہوتا ہے۔''

یعنی جب تک دل کو ہوا و ہوس اور باطنی خطرات سے صاف نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک دیدارِ الٰہی ہرگز نصیب نہیں ہوگا۔

سجود فی القلب کی حالتیں:

قلب کا سجدہ چونکہ ذاتِ الٰہی میں ہے، اور ذاتِ حق عین حقیقتِ قلب ہے ــــ یوں حقیقتِ قلب ''ساجد'' اور ذاتِ الٰہی مسجود ہوئی۔

☆ ــــ اول حالت کا نام سجودِ قلب فی ذات، صلوٰۃِ دائمی اور وصال ہے۔

☆ ــــ حالت دوئم کا نام مسجود فی قلب اور روزہ اصلی ہے۔

سجدہ کے معنی یہ ہیں کہ:

''اپنی ذات کو عاجز خیال کر کے کسی کے سامنے اپنا سر جھکا کر محو ہو جانا۔''

چنانچہ سالک جب مقامِ توحید میں پہنچتا ہے تو اس کا قلب ذاتِ الٰہی کے عظیم جاہ و جلال میں اپنی ذات کو بندگی و بے چارگی کی حالت میں بہت حقیر و فقیر اور ذلیل محتاج دیکھتا ہے ــــ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کے حکم کے مطابق اپنی انانیت و تعیناتِ حسی کو قطع کر کے ذاتِ الٰہی میں سجدہ کرتا ہے، اور محو و فنا ہو جاتا ہے۔ یہ انتہائے قرب ہے ــــ اس حالت کو سجود فی قلب، صلوٰۃِ دائمی اور وصال حقیقی کہتے ہیں ــــ

جب سالک کے قلب سے انانیتِ قلبی اور تعیناتِ حسی مرتفع ہو جاتے ہیں تو جملہ لذائذِ محسوسات جمیع اور خواہشاتِ نفسانی بھی معاً منقطع ہو جاتے ہیں ــــ یہ روزہ اصلی ہے ــــ اس وقت قلب سالک اپنی ذات میں صفات الٰہیہ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (پ ۲۲، ع ۱۴، ق) کی شان پاتا ہے ــــ اس حالت کو سجود فی قلب اور اصلی روزہ کہتے ہیں۔

ــــ لہٰذا:

☆ ــــ تعینات میں شانِ عجز ہے،

☆ ــــ لاتعین میں شانِ غیوری۔

درحقیقت ایک ذات ہے جو ہر شان میں جلوہ گر ہے ــــ:

☆ ــــ کہیں ساجد ہے اور کہیں مسجود،

☆ ــــ کہیں عابد ہے اور کہیں معبود،

☆ ——کہیں طالب ہے تو کہیں مطلوب،

☆ ——کہیں عاشق ہے تو کہیں معشوق!

بہ لحاظ حقیقت ہر شانِ شیونات عالم میں:

☆ ——خود ہی ساجد ہے، خود ہی مسجود،

☆ ——خود ہی عابد ہے، خود ہی معبود،

☆ ——خود ہی طالب ہے، خود ہی مطلوب،

☆ ——خود ہی عاشق ہے، خود ہی معشوق!

پس خود بخود ایک ذات ہے جو متجمع بہ جمیع صفات ہے اور کچھ بھی نہیں۔

——اہل باطن اپنے حوصلہ واستعداد کے موافق مذکورہ بالا پانچ قسم میں سے کسی نماز کی مشغولی ضرور رکھتے ہیں—— لہٰذا اہل ظواہر اگر کسی درویش شوریدہ سر، ژولیدہ موکو ظاہری صوم وصلوٰۃ کا پابند نہ دیکھیں تو اپنی زبان کو بدگوئی اور سخت کلامی سے روکیں—— شاید کہ وہ کسی وجود میں صلوٰۃِ دائمی جو تمہاری نماز سے ہزار ہا درجہ بہتر و افضل ہے، پڑھتا ہو—— ظَنُّ الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا پر اکتفا کریں۔

؎ کار درویشی ورائے فہم تست	سوئے درویشاں تو منگر ست ست
زاں کہ درویشی ورائے کارھاست	دم بدم از حق مرایشاں را عطاست
زاں کہ درویشاں ورائے ملک و مال	روزی دارند ژرف از ذوالجلال

"درویشی کا کام تیرے فہم وعقل سے بالا اور باہر ہے۔ تو اس لیے درویشوں کی طرف بری نگاہ سے نہ دیکھ—— درویشی سب کاموں سے اعلیٰ وافضل ہے۔ کیونکہ ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے دم بدم عطا وبخشش ہوتی ہے—— اور اس وجہ سے بھی کہ درویش لوگ ملک ومال سے بھی اعلیٰ و برتر ہیں—— وہ اپنی بہتر واعلیٰ روزی اس رزّاقِ عالم ذوالجلال سے (مخفی طور پر) پاتے ہیں۔"

فصل چہارم:

اشغال

شغل کیا ہے؟

اشغال جمع ہے شغل کی ـــــ شغل بمعنی ''مشغول شدن و توجہ کردن: بکارے ـــــ بگفتارے ـــــ بآوازے ـــــ باخیالے''۔[1]

اقسام اشغال:

یہ چار قسم ہے:

☆ ـــــ دستی ☆ ـــــ لسانی ☆ ـــــ سمعی ☆ ـــــ نظری

(۱) ـــــ شغلِ دستی:

مثلاً دستکاری وصنعت، پیشہ وحرفہ ہے۔

(۲) ـــــ شغلِ لسانی:

گفتگو وتقریر، کتاب خوانی وقصہ خوانی، وعظ وقرآن خوانی اورورد واذکارالٰہی ہے۔

(۳) ـــــ شغلِ سمعی:

قوت سامعہ کا آواز وحرکت کی جانب متوجہ ہونا، اوراس میں سے معانی الفاظ خود پیدا کر کے محو ہونا ـــــ فقراء اسی قسم کے اشغال کرتے ہیں مثلاً:

☆ ـــــ شغلِ سرمدی ☆ ـــــ شغلِ منصوری

☆ ـــــ شغلِ قلبی وغیرہ

---

[1] شغل کو مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔ طاہر

(۴)——شغلِ نظری و بصری:

یعنی قوت باصرہ کو کسی مرئی چیز کی جانب متوجہ کرنا یہاں تک کہ وہ قوت نظر قائم ہو جائے، جنبش نہ کرے—— اور وہ نظر ہر شے منظورِ نظر سے اثر اخذ کرنے لگے—— اور نظر میں اس قدر اثر پیدا ہو جائے کہ اگر کسی شے پر اثر ڈالنا چاہے تو خیال کے ہوتے ہی اثر پڑنے لگے۔

الحاصل اس کا عشرِ عشیر قواعد مس مریزم ہیں، جسے علم مقناطیسی کہا جاتا ہے—— فقراء میں اس قسم کے اشغال معمول ہیں:

☆——شغلِ آفتابی/آفتاب

☆——شغلِ ماہتاب

☆——شغل مَقَامًا مَحْمُوْدًا

☆——شغل سُلْطَانًا نَّصِيْرًا

☆——شغلِ روحی وغیرہ

توجہ قلبی کو ان چار اقسام کے اشغال میں شرکت ہے۔ فقراء کے نزدیک ان اشغال کا آخر وانجام، ابتدائے مراقبہ ہے——

جو شخص کہ اشغال سے عاری ہے، اور ان میں دل کی کچھ قوت پیدا نہیں کی، وہ فوائد ونتائج علیا مراقبہ سے بھی بے بہرہ اور محروم رہے گا—— کیونکہ اس میں فقط تصور و خیال کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے قواعد سے ناواقف محض ہے۔ گو وہ اپنے دل میں کچھ ہی کیوں نہ سمجھے، لیکن کمالِ محویت کو نہیں پہنچے گا—— ہاں یہ بات اور ہے کہ کوئی زبردست کامل اس کے حواس عشرہ کو قوی وقائم کر دے۔ مگر ہر ایک کو اس کا میسر آنا دشوار ہے۔ البتہ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

تعلیم اشغال:

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ فِي شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ (پ۲۳ ع ۳)

''اصحابِ جنت آج کے روز شغل میں خوش ہیں۔''

شغلِ آفتابی:

سب سے پہلے روئی دار ٹوپی ایسے سلوائے کہ دو آنکھوں کے سوراخ کے علاوہ اس میں کوئی جگہ کشادہ نہ ہو——اس شغل کو ابتدائے موسم سرما میں شروع کرے—— اس کی ترکیب یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت مشرق کی طرف منہ کر کے بلندی پر ایسے مقام پر کھڑا ہو جہاں آفتاب اُفق سے نمودار ہوتا ہوا معلوم ہو اور ٹوپی چڑھا کر آفتاب کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھے، پلک نہ جھپکائے۔ اور دیکھتے وقت یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا تصور رکھے——روز بروز وقت کو بڑھائے جب تک نظر ٹھہر سکے' ٹھہرائے تا وقت کہ آنکھوں میں آنسو بھر آئیں۔ اگر بے اختیار پلک جھپک جائے' پھر اسی طرح جمائے۔ یہاں تک کہ آفتاب کی روشنی تیز ہونے لگے اور نظر کا ٹھہرنا اس پر دشوار ہو جائے۔ اس وقت فوراً کسی تاریک حجرہ میں آئے اور اُسی قرص خورشید کا تصور اپنے قلب میں جمائے اور اسی طرح منور تصور فرمائے۔ جب آفتاب خط استوا پر پہنچے تو پھر چند لحظہ اس پر اسی طرح نظر جمائے۔ پھر حجرۂ تاریک میں جائے اور وہی تصور جمائے۔ غروب کے وقت پھر اسی طرح دیکھے اور اس کے بعد حجرۂ تاریک میں بیٹھ کر اسی سورج کی صورت کو اپنے قلب میں پائے——چند روز میں آفتاب کا قرص سیاہ ہو کر چکر کھاتا ہوا نظر آنے لگے گا، اور ہر روز قریب آتا جائے گا——یہاں تک کہ چھ ماہ میں منہ سے داخل ہو کر قلب میں قیام کرے گا——بے شمار انکشاف و تصرفات ہوں گے——یہ آفتاب پرستی نہیں بلکہ ایک عادت ڈالنے کے لئے نور پر نظر ٹھہرانا ہے تاکہ نور السموات والارض کا حقیقی نور جب جلوہ فرمائے تو چکا چوند نہ ہو جائے۔

دوران عمل خوارک دودھ چاول اور ہمیشہ تبرید کا استعمال رکھے——بوقت شغل آنکھوں میں مسکہ گادی سلائی سے ہر روز لگاتا رہے۔

شغلِ ماہتاب:

ایامِ بیض کی راتوں یعنی تیرہ چودہ پندرہ تاریخوں کے ماہتاب پر نظر جمائے۔ اس

طرح کہ پلک نہ جھپکے۔ جب تک ہو سکے اس شغل کو کریں۔ جب تھک جائے تو حجرہ تاریک میں آ جائیں' اور اسی صورتِ ماہتاب کا تصور اپنے دل میں جمائیں۔ یہاں تک کہ نقطہء دل ماہتاب کامل بن کر تمام اسرارِ مغیبات کو مکشوف کردے۔ اور اس کے اور میں تمام عوالم کی سیر کرتے ہوئے انوارِ ذات کی صورت نظر آئے۔ اس عمل سے یہ ظاہری فائدہ بھی حاصل ہو جائے کہ بینائی بھی کم نہ ہو اور آنکھیں بھی نہ رکھنے پائیں۔

شغلِ منصوری:

بغیر بالین زمین پر لیٹ جائے، اور ہر دو شہ رگ گردن پر دو انگلیاں رکھے۔ ان کی حرکت محسوس ہوگی ——— اس تڑپ پر تصور انا الحق قائم کرے ——— چند روز میں زور و شور سے آواز آنے لگے گی، اور دریائے عشق موجزن ہوگا ——— ذوق و شوق روز افزوں ہوتا جائے گا ——— یہاں تک کہ خودی سے بے خود ہو کر فنا فی اللہ ہو جائے گا۔

اسی طرح شغلِ اسم ذات بھی کرتے ہیں یعنی اس تڑپ پر "اللہ" کا تصور قائم کرے۔

شغلِ روحی:

آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگائے اور قلب کو اللہ و غیر اللہ سے خالی کرے ——— کسی قدر عرصہ کے بعد حقیقت بے نشانی و گم گشتگی طاری و ساری ہو جاتی ہے۔ جس کے بیان سے زبان عاجز ہے۔

شغلِ برزخ اکبر:

یہ شغل تین قسم ہے ——— حبس دم کر کے:

(۱) ——— نظر کو دو ابرو کے درمیان رکھے۔

(۲) ——— نظر ہوا میں رکھے،

(۳) ——— بائیں آنکھ کو بند کر کے دائیں آنکھ کی نظر کو پرۂ راست بینی پر قائم کرے۔

اور نور بے کیف و وجود مطلق کا تصور کرے کہ تقیدات سے منزہ ہے، ظہور پکڑے گا ـــــ حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری علیہ الرحمہ یہ شغل کیا کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات کا اسی میں خاتمہ ہوا ـــــ

ہر سہ قسم شغل میں پلک نہ جھپکائے۔ جو کچھ دیکھے یقین جانے کہ میرا یہ مقصود ہے ـــــ اسے شغلِ ہوائی بھی کہتے ہیں۔

شغلِ برزخ کبیر:

انسانِ کامل کے ظاہر و باطن کو اپنا ظاہر و باطن قرار دے ـــــ یعنی اس کے ظاہری وجود کو اور اس کے باطنی وجود کو اپنا باطنی وجود تصور کرے۔

قلیل عرصہ میں اس کے اسرار خود میں نمایاں دیکھے گا ـــــ لیکن ہمہ تن مصروف ہو ـــــ شب و روز یہ مشغلہ رکھے۔

شغلِ اسم ذات:

اس کی ترکیب یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے قلبِ صنوبری میں طلائی رنگ کے اسم ذات کا نقش تصور کرے، یہاں تک کہ محو ہو جائے ـــــ اس میں بہت اسرار ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

> کاغذ کی لوح پر قلبِ صنوبری کی صورت بنوائے ـــــ اسم ''اللہ'' کو اس کے اندر طلائی حروف میں لکھوائے ـــــ پھر اس منقش لوح کو اپنے سامنے رکھ کر اسم مذکور کو غور سے دیکھے، اور آنکھیں بند کر کے اپنے آئینہ دل میں اس اسم طلائی کو نورِ ذات کے رنگ میں نقش ہوا دیکھے ـــــ

چند روز میں وہ نور خیال مشکل ہو جائے گا۔

اس حالت میں سالک اپنے آپ کو اس نقش کے مقابل یا بجانبِ تحت یا بطرف یمین و شمال سمجھے گا ـــــ اس وقت سالک کو لازم ہے کہ بہت جدوجہد کر کے اپنے

آپ کو اس نور ذات تک پہنچائے۔ اس کو سیر الی اللہ کہتے ہیں۔ ـــــ جب اپنے آپ کو الف اور لام کے درمیان دیکھے تو پھر اس سے ترقی کر کے اپنے کو دو لام کے درمیان پہنچائے، اور قیام کرے ـــــ وہاں سے بھی کوشش تمام سے اپنے آپ کو لام اور ھا کے درمیان پہنچائے ـــــ یہاں سے بھی ہمت کر کے حلقہ ھا میں پہنچ جائے ـــــ اور قیام کرے ـــــ وہاں سے بھی کوشش تمام سے اپنے آپ کو لام اور ھا کے درمیان پہنچائے ـــــ یہاں سے بھی ہمت کر کے حلقہ ھا میں پہنچ جائے ـــــ ابتدائے سیر وسلوک میں سالک اپنے سر کو حلقہ ھا میں داخل پائے گا ـــــ آخر کار اپنے تمام جسم کو حلقہ ھا میں پائے گا۔ اس وقت سالک جمیع آفات و بلیات اور خطرات سے محفوظ ہو کر حق تعالیٰ کو محیط اور اپنے آپ کو محاط دیکھے گا ـــــ اس کا نام سیر فی اللہ ہے۔

جب قطرہ دریا میں فانی اور ذرۂ نور آفتابِ ذاتی سے منور ہو کر، اور پھر اس مقام عالی سے اپنے پایہ اسفل کی جانب نزول کرے گا۔ اس وقت اپنے ابنائے جنس کو اپنے ہمراہ عروج ونزول کرائے گا ـــــ اس آمد ورفت اور عروج ونزول کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں۔

شغلِ شطاری:

ص	ـــــ	ب	ـــــ	ا
ذات	ـــــ	برزخ	ـــــ	اللہ

اسم ذات اللہ جو جلال و جمال کی صفت رکھتا ہے، حواس کو بند کر کے اپنے دل میں ایسا تصور کرے کہ مستغرق ہو جائے، اور محویت طاری ہو ـــــ جب قدرے ہوش میں آئے تو اس مقام سے برزخ کبریٰ میں کہ جس کو وحدت صرف اور حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کہتے ہیں' تنزل کرے ـــــ یعنی اس مقام میں سالک اپنے باطن کو وحدتِ صرف و حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تصور کرے' اور جانے کہ اس ذات نے جو صفت جلال و جمال رکھتی ہے، مجھ میں نزول فرمایا ہے ـــــ یہاں

آنکھوں کے سوا جمیع حواس کو کھول دے، تاکہ اس مقام میں ساکن ہو — جب اس مقام سے تنزل ہو اور دانائی و بینائی وغیرہ ظہور پکڑے تو آنکھیں کھول کر اپنے بدن پر نظر ڈالے — ظاہر اپنے کو برزخ صغریٰ (کہ وحدتِ جامعیہ اور حقیقتِ آدم ہے) قرار دے، بعد میں جو صفتِ صفاتِ سبعہ سے رونما ہو —

صفت عبارت ہے صفات سبعہ الٰہی سے — قرب نوافل کے طریق پر سالک یہ تصور کرے کہ: "میں فاعل ہوں، اور حق آلہ ہے" — اپنے جمیع حواس کو اس کی صفات جانے — وَخَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ معائنہ کرے تاکہ سالک پر جمیع اسرار باطنی ظہور پکڑیں — پھر حقیقتِ انسانی سے ترقی کر کے ذات بحت میں قرار پائے — اسی طرح عروج و نزول کرتا رہے تاکہ کل مقامات کی سیر ہو جائے اور ذات آفتاب میں ذرہ فنا ہو۔

شغلِ معیت:

ا ض ی ا ظ ری ع ی

خ ——— ن ——— م

اول دل سے اَللّٰہُ حَاضِرِیْ کہے اور شش جہات پر نظر کرے — فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ دل میں تصور کرے کہ: "وہ مجھ میں حاضر ہے بایں حضور" — پھر دل سے اَللّٰہُ نَاظِرِیْ کہے۔ اپنی نظر اور جمیع موجودات کی نظر اپنے اوپر رکھے۔ اور دل میں تصور کرے کہ وہ ہماری نظر کے ساتھ ناظر ہے — پھر دل سے اَللّٰہُ مَعِیْ کہے اور آنکھیں بند کر کے فکر کو سر میں کہ فِی السِّرِ اَنَا ملاحظہ ہو — وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ متوجہ کرے اور دل میں یہ تصور کرے کہ "وہ ہمارے ساتھ ہے"۔

شغلِ آئینہ:

نظر سے ذرا بلند ایک بڑے آئینے کو اپنے روبرو رکھے، اور ٹکٹکی باندھ کر آئینے کو دیکھنا شروع کرے اور پلک نہ جھپکائے — دل میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ پڑھتا رہے،

اور وقت کو بڑھائے یہاں تک کہ تین گھنٹہ کی نوبت پہنچے ــــ اور پتلی یعنی مردمِ چشم پر نگاہ کو قائم کرے ــــ ہر گاہ کہ طالب کی نگاہ مردم چشم کی مردمک پر پڑے گی، اس وقت جو حال وارد ہوگا اس کا بیان نہیں ہوسکتا ــــ ہاں اتنا کہتا ہوں کہ آنکھوں کی پتلیاں صعود کر کے ام الدماغ کے نقطۂ اخفی میں داخل ہو کر سویداء قلب میں قائم ہوں گی، اور ظاہر و باطن ایک ہو جائے گا۔

شغلِ نیم خوابی:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ بوقتِ خواب اپنے دل میں یہ مضبوط ارادہ کرلے کہ: میں خوابِ غفلت میں غافل ہو کر نہ سوؤں گا ــــ دل میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا خیال رکھے ــــ نیند کا غلبہ ہو، آنکھیں کھول دیا کرے۔ اس عادت کو بڑھائے ــــ ایک سال میں خواب و بیداری یکساں ہو جائے گی۔

ع دلش بیدار و چشمش در شکر خواب

''اس کا دل بیدار اور اس کی آنکھیں خوابِ شیریں میں بند ہوتی ہیں۔''

کا مضمون ہو جائے گا ــــ اس شغل کا بھی وہی اثر ہے جو شغلِ آئینہ میں ہوتا ہے ــــ اگر دونوں شغل کیا کرے تو سبحان اللہ جلد فائدہ ہو۔

شغلِ صوتِ سرمدی:

جسے انہد اور آوازِ کُن بھی کہتے ہیں ــــ یہ وہ آواز ہے کہ ازل الازال سے جاری ہوئی اور ابد آلاباد رہے گی ــــ اس کی ترکیب یہ ہے کہ جنگل یا کسی تنہا مکان میں جہاں کچھ شور و غل نہ ہو، خاموش بیٹھ جائے اور کان لگائے ــــ ایک جھینگے کی سی آواز آئے گی۔ اس آواز پر خیال کو جمائے ــــ بعض آدمی کان کے سوراخ کو انگلی سے بند کر دیتے ہیں۔ یا کالی مرچ روئی میں لپیٹ کر کان کے سوراخ کو بند کر کے بیٹھتے ہیں۔ تاکہ وہ آواز واضح طور پر سننے میں آئے ــــ پھر چند روز میں وہ آواز ہر جگہ چلتے پھرتے خود بخود آنے لگتی ہے ــــ پھر اس کا زور و شور اس قدر ہو جاتا ہے کہ اس

آواز کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا ـــــ پھر یہ دس آوازیں ہو جاتی ہیں، اور ہر ایک جدا جدا معلوم ہوتی ہے ـــــ پھر چند مدت کے بعد نو آوازیں فنا ہو کر ایک آواز ایسی خوش الحانی کے ساتھ سنائی دیتی ہے کہ آدمی مست و مدہوش ہو جاتا ہے ـــــ اس پر طرح طرح کے اسرار ایسے منکشف ہونے لگتے ہیں کہ عقل حیران ہے۔ جو کرے گا، سونے گا اور دیکھے گا، مجھے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔

ان اشغال سے علاوہ خاندانِ قادریہ محبوبیہ غوثیہ میں یہ خمسہ اشغال معمول و مخصوص ہیں:

شغلِ میت:

بغیر بالین زمین پر مردے کی طرح چت لیٹ جائے اور خیال کرے کہ میں مردہ ہوں ـــــ اور موت کو یاد کر کے خاموش پڑا رہے۔ یعنی خیال کرے کہ میرے پاؤں سے جان نکل کر زانو میں آئی، اب ران میں، اب کمر تک، اب سینے تک، اب گلے میں آئی، اور اب نکل گئی ـــــ دل میں "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" کا تصور کرے۔ چند روز کے بعد حالت موت طاری ہونے لگے گی، اور عجیب وغریب حالات پیش آنے شروع ہوں گے ـــــ اگر منظور خدا ہے تو ایک عرصہ کے بعد مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا مرتبہ حاصل ہو کر موت وحیات یکساں ہو جائے گی۔

شغلِ بساط:

ام الدماغ میں ایک نقطہ آفتاب کی مانند "ہ" کی صورت میں ھـــــو درخشاں ہے ـــــ اس کی ترکیب یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگالے، اور دم کو ام الدماغ میں لے جائے ـــــ وہاں حلقہ ہ کو آفتاب کی صورت میں منور تصور کرے، اور خیال کرے کہ یہ حلقہ ھو (کہ عین ذاتِ الٰہی بے جہت وکیف ہے) ایسا کشادہ ہوا ہے کہ میرے وجود کو مٹا کے اس کا قائم مقام بن گیا؛ بلکہ تمام عالم کو محیط ہو گیا ہے ـــــ اس کا نام "شغلِ اخفیٰ" بھی ہے ـــــ

اسی طرح کا ایک نقطہ قلب میں ہے، جسے سویدائے قلب کہتے ہیں —— اس میں بھی مندرجہ بالا طریقے سے تصور کرے تاکہ دونوں نقطے ایک ہو جائیں۔ —— یہاں تجلی ذات ہوتی ہے اور سالک فنا در فنا حاصل کرتا ہے۔ مگر اس نقطہ سے باہر آ جانا پیرِ کامل کے بغیر امر محال ہے۔

شغلِ آورد برد:

نفی و اثبات کے ساتھ اول دونوں گھٹنے اس طرح کھڑے کرے کہ پاؤں اور سرین زمین پر رہیں —— پھر چادر یا چمڑے کے تسمے یا رسی وغیرہ سے اپنی کمر اور دونوں زانوؤں کو باندھ کر بیٹھے، جیسے گاؤں کے چودھری اپنی کمر اور گھٹنوں کو چادر سے باندھ کر بیٹھا کرتے ہیں —— پھر دونوں کہنیوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے، اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے سوراخ بند کرے —— پھر دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیوں سے دونوں آنکھیں، اور درمیان والی انگلیوں سے دونوں سوراخ بینی —— اور ہر دو خنصر و بنصر سے ہر دو لب بند کرے —— بینی کے دائیں سوراخ کو بند کر کے خاموش بیٹھا ہوا جب تک سانس کے ضبط کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اپنے دل کو دیکھتا رہے —— اور جب دم ٹوٹنے لگے تو بینی کے بائیں سوراخ سے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تصور اور خیال سے دم کو بآہستگی تمام چھوڑ دے —— دم کو اچانک چھوڑنے سے دماغ کو نقصان پہنچتا ہے، —— بار بار اسی طرح کرتا رہے —— اگر حبسِ دم کے وقت اور حبسِ دم کے درمیان اور کشادگی دم کے وقت تصور میں قلبِ صنوبری کی زبان سے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا رہے تو اس کا نام ''زد برد بالتمام'' ہے۔

شغلِ آورد برد باسم ذات بھی اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ مندرجہ بالا انداز میں بیٹھ کر دم کو اسم ذات کے ساتھ ناف سے کھینچ کر (یعنی اللہ کہتے ہوئے) دم کو ام الدماغ میں لے جائے۔ اور دم کو روک کر دماغ میں قرار پکڑے —— جب تنگی نفس ہو دم کو کلمہ ھو کے ساتھ بآہستگی تمام اسی طرح پر چھوڑے کہ اگر ناک کے مقابل روئی بھی ہو تو جنبش نہ کرے —— جس دم کے دوران اگر اللہ کی ضرب قلب

کے تصور سے دماغ میں لگاتار رہے تو اس کو "بالتمام زد برد" کہتے ہیں۔

اگر زیادہ کشائش منظور ہو تو دورہ سہ پایہ قادریہ اسی ترکیب سے کرے —— اور دماغ میں یہ تصور:

اَللّٰہُ سَمِیْعٌ —— اَللّٰہُ بَصِیْرٌ —— اَللّٰہُ عَلِیْمٌ

پھر: عَلِیْمُ اللّٰہِ —— بَصِیْرُ اللّٰہِ —— سَمِیْعُ اللّٰہُ

پھر: اَللّٰہُ سَمِیْعٌ —— اَللّٰہُ بَصِیْرٌ —— اَللّٰہُ عَلِیْمٌ

کی ضرب لگائے —— یہ ایک دورہ ہوا۔ یعنی عروج الطرفین —— اسی طرح اگر ایک دم میں سو دورے تک پہنچ جائے تو فنا کلی حاصل ہوگی —— اس شغل میں خوارک: نمک کے بغیر نرم کھچڑی و روغن ہے۔

ے چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی سر حق برما بخند

"تو اپنی آنکھیں، کان اور لب بند کر لے۔ اور پھر اگر تو سرِ حق نہ دیکھے تو مجھ پر ہنس۔"

یعنی اگر آنکھیں کان اور لب بند کر کے سب سے یک سو ہو کر ذکر الٰہی کیا جائے تو پھر مشاہدۂ تجلیات الٰہی ہوتا ہے۔

حبسِ دم:

حبسِ دم میں دو امر ضروری ہیں۔ یعنی:

☆ —— حبس نفس ☆ —— حصر نفس

حبس نفس دو طرح پر ہے:

☆ —— ایک بہ تخلیہ ☆ —— دوسرا بہ تملیہ

---

[1] حبس دم ایسے وقت میں ہو جبکہ نہ معدہ بالکل خالی ہو نہ بالکل پر۔ ایسے مقام پر ہو جہاں پر نہ تیز ہوا ہو نہ بالکل حبس۔ نہ زیادہ روشنی ہو بلکہ تاریکی اولیٰ۔ فاتحہ و درود کے بعد سچے دل سے توبہ و استغفار کرتے ہوئے ظاہری و باطنی طہارت کے ساتھ دل کو تکدرات ماسواء اور خیالات این و آن سے حتی الوسع خالی کر کے اس طرح ذکر میں مشغول ہوں۔

دم کا بطن و ناف سے اور ان کے اطراف سے پشت کی طرف کھینچنا، اور دم کا سینہ یا دماغ میں روکنا تخلیہ سے عبارت ہے۔

دم کا شکم میں کھینچنا اور شکم کو ہوا سے پر کر کے دم کو بطن میں بند کرنا تملیہ ہے۔

اول ترکیب میں گرمی زیادہ ہے، اور دوسرے میں ہضم طعام۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں حد درازی نفس سے قطع نفس کم کرنا "حصر نفس" ہے—— یعنی حصر نفس میں دم کو مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں درازیٔ معہود تک نہیں کھینچتے —— اس میں شک نہیں کہ حبسِ نفس میں کششِ دم کی حرارت حد حرارت تک حصر نفس سے زیادہ اثر رکھتی ہے، لیکن نقصان کے ساتھ —— اس شغل کی اصل ترکیب یہ ہے کہ: پانی میں غوطہ لگا کر اس شغل کو کرے۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو پانی میں اس شغل کے کرنے کا حکم فرمایا تھا۔—— اس صورت میں آنکھ، ناک، کان، منہ کو انگلیوں سے بند کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی —— اگر غوطہ لگانے کے قابل پانی نہ ملے تو یہ شغل مذکورہ بالا ترکیب سے کرے۔

اشغال میں سے بہترین ولب لباب شغلِ کن فیکون ہے:

فَاِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (پ ۲۳، ع ۵)

شغلِ مقاماً محموداً و اسلطاناً نصیرا:

ارشاد باری ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ٥ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ط وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ط (پ ۱۵، ع ۹)

"اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! قائم رکھو نماز کو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک—— اور قرآن پڑھو فجر کو—— بے شک

قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو ——— اور کچھ رات جاگتا رہ۔ اس میں یہ بڑھتی ہے تجھ کو یہ بات۔ قریب ہے کہ کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب مقامِ محمود میں ——— اور کہہ تو کہ اے رب بٹھا مجھ کو سچا بٹھانا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا ——— اور کر میرے واسطے اپنی جانب سے غلبہ قوۃ۔''

یہاں چار مقام پر علماء ظواہر و باطن کا اختلاف ہے:

(۱) ——— مقاما محموداً
(۲) ——— ادخال صدق
(۳) ——— اخراج صدق
(۴) ——— سلطاناً نصیراً

(۱) ——— مَقَامًا مَّحْمُوْدًا:

علمائے ظواہر فرماتے ہیں کہ یہ وہ مقام عزت ہے جہاں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت کے دن باستدائے طلب شفاعت قائم ہوں گے۔ اور سجدہ میں جا کر شفاعت طلب کریں گے۔ اس کا نام شفاعتِ کبریٰ ہے۔

(۲) ——— اَدْخَال صِدْقٍ:

مدینہ منورہ سے مراد ہے کہ ہجرت کے بعد جہاں آپ کا قیام ہوا۔

(۳) ——— اَخْرَجَ صِدْقٍ:

مکہ معظمہ سے مراد ہے کہ جہاں سے آپ نے ہجرت فرمائی۔

(۴) ——— سُلْطَانًا نَّصِيْرًا:

اس غلبہ و نصرت سے مراد ہے کہ جو ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار پر حاصل ہوئی جس کی تصدیق اس آیہ کریمہ میں موجود ہے:

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

''اب کہہ دے (اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) یہ بات کہ آیا حق اور نکل بھاگا باطل۔ بے شک باطل تھا نکل بھاگنے والا۔''

یعنی دین جاگا، کفر بھاگا۔

صاحب ''تفسیر لباب'' نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ محمود کی یہ تشریح کی ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ مجھ کو قریب کرے گا اور اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔''

تفسیر ''بحر الحقائق'' میں لکھا ہے کہ مقام محمود اللہ ہے اور قیام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بحق بنفس خود ہے۔ زبان اشارت میں اس کا نام مقام محمود ہے۔

صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا وہ مقامِ قرب اور خلعتِ خاص ہے جو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معراج میں حاصل ہوا۔

سُلْطَانًا نَّصِيْرًا وہ غلبہ قوت ذاتی اور اسرارات الٰہی ہیں جو شب معراج میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے ——— یہ ایک شغل بھی ہے جو امت مرحومہ کے لیے تحفتاً عنایت ہوا تاکہ وہ بھی آپ کے اسرار معراج سے واقف ہوں۔

ادخال صدق سے مراد ہے توحید ذاتی میں پورا قیام ——— اور اخراج صدق سے مراد ہے تنزلات وتعینات جسمانی وحسی اور ماسویٰ اللہ سے پورا نکلنا ——— رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الٰہی سے جب اہل مکہ کو توحید کی تعلیم شروع کی تو کفار مکہ کہنے لگے:

''لوسنو! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں ——— ہمارے اتنے خداؤں کو تو ملیا میٹ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سوائے ایک ذاتِ الٰہی کے سب باطل ہیں ——— بھلا ایسی بات کب ہو سکتی ہے، اور یہ باتیں ہم کب سن سکتے ہیں۔ کہ اتنے بہت خدا تو باطل ہوں اور ایک ذاتِ حق حق ہو ——— یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، اور ہم کبھی نہیں مانیں گے۔''

اور ایذا رسانی کے درپے ہوئے ——— کفار کی یہ باتیں سن کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بدرجہ غایت غمگین ہوئے۔ حکم ہوا:

"اے دوست! اس میں کچھ فکر مت کر اور غم مت کھا۔ یہ لوگ اندھے ہیں اور حقیقت توحید سے جاہل اور راہِ راست سے بہت دور —— ان کو قیامت کے دن بھی اپنے دیدار سے محروم رکھوں گا۔ یہ کوئی رنج کی بات نہیں تم کوشش کیے جاؤ —— اس کوشش کے بدلے ہم تم کو باعزاز وتکریم معراج میں بلائیں گے، اور خلعت قرب عطا فرما کر تمہاری بزرگی ظاھراً و باطناً سب پر عیاں کردیں گے —— اور تمہاری امت کے لیے بھی مقاما محموداً وسلطاناً نصیرا کا تحفہ عنایت فرمائیں گے۔ جس کی وجہ سے وہ تمہارے معراج کی کیفیت حاصل کرے گی۔ جس کی تعلیم آپ کے اختیار میں ہوگی —— تم ہماری جناب سے ہمیشہ مقامِ محموداً و ادخال صدق و اخراج صدق و سلطاناً نصیرا کی دعا طلب کرتے رہو۔"

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا جب قبول ومنظور ہوئی، اور بشرف تمام معراج میں بلائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے تھے، پورے کر دیئے —— چنانچہ قرآن شریف کہتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (پ ۱۵ ع ۱)

"پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کہ جس کو ہماری برکتوں نے گھیر رکھا ہے۔ تا کہ ہم دکھائیں اسے اپنی قدرت کی نشانیاں۔"

اہل ظاہر کے نزدیک مسجد حرام کعبہ شریف ہے، اور مسجد اقصیٰ بیت المقدس —— اہل باطن فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے مراد ہے تنزلات جسمانی وتنزلات حسی ماسویٰ اللہ —— مسجد اقصیٰ سے ذات وحدت عبارت ہے —— باقی حال معراج واسرارات وانعامات کا سورہ والنجم میں مفصل مذکور ہے —— رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے معراج میں قربِ الٰہی پایا، اور تنزلات جسمانی وتعینات حسی ماسویٰ اللہ سے پاک وصاف ہوگئے تو اجازت ملی کہ اب آپ تشریف لے جائیے اور معراج کا

حال بیان فرما کر کہہ دیجئے کہ:

''آیا حق اور نکل بھاگا باطل، بے شک باطل تھا نکل بھاگنے والا۔''

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معراج سے مشرف ہو کر جب لوگوں کی نظروں میں پھر تعینات و اعتبارات کی حالت میں واپس تشریف لائے اور سب کے سامنے کیفیت معراج بیان فرمائی تو کفار بہت متعجب ہوئے۔

حکم الٰہی ہوا کہ:

''یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ ہمارا انعام ہے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سچ کہتا ہے۔ اور جو کچھ دیکھا ہے، ٹھیک دیکھا ہے۔ اس میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ آئندہ فرماں برداری اختیار کرو۔ آپ کے سامنے مودب رہو ——— زور سے مت بولو، اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرو کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ عین خدا کا ہاتھ ہے۔''

اس بیان سے غرض یہ ہے کہ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا وَسُلْطَانًا نَّصِيْرًا ایک شغل ہے جو شب معراج امت مرحومہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مرحمت ہوا ——— جو شخص اسے کرتا ہے حال قیامت اور کیفیت معراج سے بخوبی واقف ہو کر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ جس کو شک ہو کر کے دیکھ لے ——— البتہ ہر عمل میں استاد کامل کی ضرورت ہے، اس سے اس کے نشیب و فراز دریافت کر کے عمل میں لائے ورنہ جسمانی نقصان ہوگا ——— اس لیے فقراء میں اور خصوصاً خاندان قادریہ غوثیہ میں اس شغل کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آج تک برابر چلی آتی ہے ——— بلکہ فقراء ہنود میں بھی اس شغل کا بہت رواج ہو گیا ہے، اور نہایت عمدہ طریقے سے کراتے ہیں اور اپنی زبان میں اس کو ''ترکٹی دھیان'' کہتے ہیں۔ ——— جو شخص یہ کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس شغل ''ترکٹی دھیان'' یا ''صوتِ سرمدی'' سے (جسے انہدا بھی کہتے ہیں) معراج نصیب ہوئی ہے، وہ بڑا کذاب اور مفتری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان باندھتا ہے۔ العیاذ باللہ!

ترکیب شغل مقاماً محموداً وسلطاناً نصیراً:

کپڑے کی اینڈوی پر مربع نشست اس طرح سے بیٹھے کہ دایاں پاؤں بائیں ران پر، اور بایاں پاؤں دائیں ران پر رکھے—— اس طرح سے بیٹھنے کو ہنود "پدم آسن" کہتے ہیں—— اپنے حواس کو یکسو کر کے چند دن چراغ یا آئینہ یا سفید گلاس بلور یا پھٹک کو نظر کے مقابل مگر قدرے اونچا رکھے اور اس پر نظر کو جمائے اور پلک نہ جھپکائے۔ اس دوران دل میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ورد رکھے——

جب نظر جم جائے بلکہ کچھ صعود بھی کرنے لگے تو پھر ذرا منہ اونچا کرے اور دونوں آنکھوں کی نظر کو بہ گوشہ قوسین ابرو، بینی کی جڑ کے ساتھ قائم کرے،—— پلک نہ جھپکائے اور دل میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ورد برابر جاری رکھے تا کہ چراغ کی روشنی کی طرح انوارِ حق نمودار ہوں——

پھر نظر کو سہولت کے ساتھ آہستہ آہستہ قلب صنوبری کی طرف (جسے لطیفہ قلب کہتے ہیں) گردش دے۔ تا کہ اندھیری رات میں آفتابی تجلی نمودار ہو، اور رنگ برنگ کے عجائبات ظہور میں آئیں۔

پھر کوشش تمام سے نظر کو منظور مستک یعنی پیشانی کے تصور پر لائے۔ (کہ مقام لطیفہ خفی اور خانہ مہتاب ہے)—— جب دونوں آنکھوں کی تپلی گوشہ قوسینِ ابرو سے نکل کر مثلث بنا کر لطیفہ خفی میں پہنچ جائیں گے۔ اس کا نام قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ہے۔

اے طالب حق! اگر تو اسی طرح سعی اتم کرے گا تو کچھ تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے وہ تحفہ

[1] جیسا کہ ایک ہندو نے اپنی کتاب "مخزن برہم گیان" ص ۱۰۱۔ منشی فضل رسول اور حافظ امداد حسین میرٹھی نے اپنی کتاب "ریاض الفقر" کے ضمیمہ ص ۲۱ میں اپنی نادانی و کم فہمی کی داد دی ہے--- کیا یہ معراج کسی ذکر و شغل کا نتیجہ تھا؟--- ہرگز نہیں! محض رحمت الٰہی و خاص عنایت و لطف پروردگار کا ثمرہ تھا۔ ذکر و شغل پر اگر معراج کا ہونا منحصر ہوتا تو اکثر فقراء ہنود و مسلمان معراج نبوی سے مشرف ہو جاتے۔ حالانکہ یہ شرف آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا"۔

کرامتِ قرب جو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج میں انعام ہوا تھا، تجھ کو بھی تیرے حسب لیاقت عطا فرمادے۔

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

”قریب ہے یہ بات کہ تیرا رب تجھ کو مقام محمود عطا فرمادے(یعنی قرب حق)

جو شخص سال بھر فجر کے وقت چار گھڑی روزانہ یہ عمل کرے گا تو روز روشن میں آسمان پر ستارے دیکھے گا —— اور لطیفۂ خفی میں (کہ خانۂ مہتاب ہے) مہتاب نظر آنے لگے گا —— جب مہتاب نظر آنے لگے تو اس کے بعد شغلِ آفتابی جو پہلے بیان کیا گیا ہے، کرے۔ کیونکہ جو اس مقام پر شغلِ آفتابی نہیں کر لیتا، آئندہ انوار و تجلیات کی تاب نہیں لاسکتا —— پھر اس کو خالی ہاتھ لوٹنا پڑتا ہے، اور چشم ظاہری پھوٹ جاتی ہے۔—— لیکن جب آفتاب گز بھر کے فاصلے پر آجائے تو شغلِ آفتابی کو ترک کر کے نظر کو لطیفۂ خفی سے ام الدماغ کی طرف (جسے لطیفۂ اخفی کہتے ہیں) بڑھائے۔

—— جب دونوں پتلیاں لطیفۂ خفی سے صعود کرنے لگیں تو راستے میں دو کنڈ یعنی تالاب اور دو پہاڑ حائل ہوں گے —— ان کے درمیان میں سے ہوتا ہوا نکلے —— پھر آگے چل کر تین دریا راستے میں رکاوٹ ہوں گے۔ یعنی ظاہر سوراخ بنی کے آخر میں ذرا اوپر کی جانب تین سوراخ ہیں۔ ہر ایک سوراخ سے ایک دریا جاری ہے:

☆ —— دائیں طرف کے سوراخ سے سفید و شفاف شیریں پانی جاری ہے،

☆ —— بائیں طرف کے سوراخ سے آتش خیز و شعلہ زن سرخی مائل دریا جاری ہے۔ جس کو خواہشاتِ نفسانی و شہوانی کہتے ہیں۔

☆ —— ان دونوں دریاؤں کے درمیان دریائے آبِ حیات ہے۔

دائیں طرف کے دریا میں غسل کرے، اور دریائے آبِ حیات سے پانی پیتا ہوا، اسی دریا کا دایاں کنارہ پکڑ کر روانہ ہو --- بائیں طرف کے دریا سے بہت دور بھاگے کہ جل مرنے کا خوف ہے' اسی لئے دریائے آبِ حیات کا بھی دایاں کنارہ لے کر چلتے

ہیں، بائیں جانب نہیں چلتے۔ کہ کہیں کوئی لپٹ نہ لگ جائے۔

—— پھر کئی منزل کے بعد ایک مقام ملے گا جہاں دس چتر ہار یعنی حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی سحر کار نہایت خوش الحانی سے انہد کے سرود بجا رہے ہیں —— یہ مقام حواسِ ظاہری و باطنی کا مخزن ہے۔ لیکن ان کے راگ رنگ پر مائل نہ ہو کہ ابھی دور جانا ہے —— مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی پر عمل کر کے کشوفات وتکوینات سے روگردانی کرے —— کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی کی برکتوں میں سے کچھ عنایت فرمائے —— اس مقام میں چھ ماہ کے بعد الہام شروع ہو جاتا ہے۔

پھر ام الدماغ یعنی لطیفہء اخفیٰ کی طرف رجوع کرے۔ جسے "بحرظلمات" کہتے ہیں —— اور مذکورہ بالا تینوں دریا اسی بحرظلمات میں آ کر گرتے ہیں —— یہاں ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مضمون اور تاریکی محض ہے۔ گھبرائے نہیں۔

ع آب چشمہ حیوان درون تاریکی است

"آبِ حیات کا چشمہ تاریکی میں ہے۔"

باہمت ہو کر قدم آگے بڑھائے اور خداوند کریم سے یہ دعا: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ مانگتا ہوا روشنی کا تصور کرے —— اچانک ہزارہا آفتاب کی روشنی نمودار ہو جائے گی —— جو شخص پہلے شغلِ آفتابی کر چکا ہوگا وہ تو اس روشنی تاب لا سکے گا، ورنہ بے مراد واپس جانا ہوگا، اور آنکھیں بھی پھوٹ جائیں گی یہاں پر سلوک کے تین درجے طے ہو جاتے ہیں یعنی:

۱—— ناسوت ۲—— ملکوت ۳—— جبروت

اسی کا نام مقامِ محمود ہے۔ یہاں طرح طرح کے کشف وکرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور قیامت کا حال عیاں ہو جاتا ہے۔

لیکن یہاں سے جلد تر قدم آگے بڑھائے، اور پتلی کو نزول میں گدی کی طرف اتارے۔ اب "منزلِ لاہوت" شروع ہوئی —— سالک جب اپنے کشف وکرامات

سے روگردانی کر کے ذاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ ذات اس کو اپنے غلبۂ عشق میں سرگرم کر دیتی ہے، اور فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی کی کیفیت چکھا کر اپنی ذات میں فنا کر دیتی ہے—— یعنی تنزلات جسمانی و تعینات حسی سے فنائے مطلق حاصل کر کے باقی بخدا ہو جاتا ہے—— پھر پر توئے رسالت سے خلعتِ عبدیت و خلافت حاصل کر کے عالم تنزلات میں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ کا رتبہ پاتا ہے۔ اسی کا نام سُلْطَانًا نَّصِیْرًا اور نصرت نامہ ہے۔

دھیان رہے کہ کبھی کسی خرابی کی وجہ سے جب پتلی کو چڑھاتے ہیں تو فوراً گر جاتی ہے—— ہر چند کوشش کی جاتی ہے لیکن کچھ پیش نہیں جاتی۔ بہت حیرانی و پریشانی دامن گیر ہو جاتی ہے—— ایسی حالت میں چت لیٹ جایا کرتے ہیں اور دونوں ہاتھ سر کی جانب دراز کر دیتے ہیں۔ پتلی فوراً چڑھ کر قائم ہو جاتی ہے۔

اس عمل میں غذا دودھ چاول ہے—— آنکھوں کو مسکہ گاوی لگاتے رہتے ہیں تا کہ پٹھے نرم رہیں۔

فصل پنجم

مراقبات

مراقبہ کیا ہے؟

مراقبات جمع ہے مراقبہ کی —— محققین کے نزدیک مراقبہ کے معنی ہیں:

(۱) ''ایک دوسرے کو دیکھنا اور اپنی قلبی توجہ کو رقیب کی طرف پھیرنا۔''

(۲) منتظر ہونا اور نگہبانی کرنا ——

(۳) اصطلاح صوفیا میں دل کی نگہبانی کرنے اور فیض الٰہی کے لیے منتظر ہونے کو مراقبہ کہتے ہیں۔

جب بمصداق اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ذکر کی قوت و برکت سے قلب کو طمانیت نصیب ہو۔ یا یہ کہ ذکر کی مشق کرتے کرتے یکسوئی پیدا ہونے لگے اور کسی ایک امر پر دھیان جم سکے' اس وقت مراقبہ کیا جائے۔ اسی حالت میں فکر کی حقیقی لذت سے بہرہ اندوز ہوسکتا ہے۔ ارشاد ربانی:

وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳:۱۹۱)

کی تعمیل میں اور اس حالت میں سالکین طریقت تفکر فی الصفات فرماتے ہیں۔ لہٰذا ذکر کے بعد اگر سالک میں صلاحیت خاص پیدا ہو جائے تو جس آیت قرآن کریم کے معنی یا موجودات ارضی و سمائی میں سے جس چیز میں فکر کرے گا اور جس چیز کے لیے مراقب ہوگا' بحول اللہ وقوتہٖ اس کی حقیقت مکشوف ہوگی۔ اور اس کی کفیات دل پر وارد ہوں گی۔

رقیب اسماء حسنٰی میں سے ایک اسم الٰہی ہے —— بعض محققین فرماتے ہیں کہ شغل و مراقبہ میں کچھ فرق نہیں۔ اس لیے کہ دونوں میں تصور و خیال سے کام لیا جاتا

ہے —— مراقبہ سے اہل تصوف کی مراد وہ حالت قلبی ہے جو ایک قسم کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے —— اس حالت سے کچھ اعمال اعضاء میں اور کچھ دل میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔

مراقبے کی اقسام:

یہ حالت دو قسم پر ہے:

(۱) —— ایک تو یہ حالت ہے کہ ہر وقت رقیب قلب کو تکنا اور اس کی طرف مشغول و ملتفت و متوجہ رہنا، اور ہمیشہ اسی کو ملاحظہ کرنا ——

جس معرفت سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل میں خفیہ و ظاہر باتوں اور باطن کے احوال کا پورا عالم جاننا، اور بندے کو اپنے جمیع احوال وکل نفوس کے تمام اکتساب پر زبردست رقیب سمجھنا۔ کیونکہ اس پر اسرار قلوب اپنے عیاں ہیں۔ جیسے شمس نصف النہار، بلکہ ذرّے کی حرکت بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔

(۲) —— دوسری حالت یہ ہے کہ اسماء الٰہی میں سے کسی اسم کے معنی یا کسی لفظ و آیت قرآنی یا غیر قرآنی کے معنی میں دل کے خیال وتصور وتوجہ کو ایسا متوجہ کرے کہ وہی حالت اس کے قلب پر ایسی طاری ہو کہ وہ خود معانی بن جائے، اور اپنی خبر بھی نہ رہے۔

ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

''ہر فرد و بشر کی فکر اس کی ہمت وحوصلہ کے موافق ہوتی ہے۔''

مراقبے کا انحصار:

مراقبے کا انحصار دل پر ہے۔ دل جب متوجہ الی اللہ یا غیر اللہ ہوتا ہے تو سب اعضاء بھی اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب دل کے تابع ہیں ——

مراقبے کا نتیجہ یہ ہے کہ محبوب کے تصور میں ایسا مستغرق ہو کہ پھر کسی کی خبر نہ

رہے —— حضرت ابن مبارک علیہ الرحمہ نے ایک شخص سے فرمایا:

''ہمیشہ اسی طرح پر رہ کہ تو خدا کو دیکھتا ہے۔''

حدیث پاک میں ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کر کہ گویا تو اس کو دیکھتا ہے۔''

اس حدیث پاک میں پہلا مقام مشاہدہ ہے، اور دوسرا مقام مراقبہ۔

ارشاد باری ہے:

☆ —— اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ

''کیا تو نے نہیں دیکھا کیسے دراز کیا تیرے رب نے سایہ کو۔''

☆ —— اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی

''یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے۔''

☆ —— اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا

''ضرور اللہ تم کو دیکھتا ہے۔''

جب یہ معرفت یقینی ہو جاتی ہے، اور شک سے خالی، تو وہ معرفت دل پر غالب ہو کر دل کو دبا لیتی ہے —— اور رقیب و محبوب کے پاس لے جاتی ہے۔ لہٰذا فقیر کو ہر وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ:

''خدا مجھ کو دیکھتا ہے اور میں خدا کو۔''

اگر ہمیشہ نہ ہو سکے تو عبادت کے وقت تو ضروری ہے کہ اس بات کا خیال رکھے ——

مراقبے کے دوران:

مراقبے کے دوران مناسب ہے کہ:

☆ —— بادب تمام قبلہ رخ ہو کر بیٹھے،

☆ —— دوزانو یا جس طرح آرام دیکھے، بیٹھے،

☆ —— آنکھیں بند کر کے دل کی طرف متوجہ ہو،

☆ ——— اس کلمہ، آیت یا اسم کے معنیٰ کا تصور کر کے ایسا مشغول ہو کہ محو در محو ہو جائے۔

چنانچہ طالبِ صادق جب نماز و ذکر سے فارغ ہو تو مراقبہ کرے تاکہ توحید میں فنا حاصل ہو۔

فرمانِ الٰہی ہے..................:

یہاں مراقبے سے متعلق آیات کریمہ پیش ہیں:

☆ ——— اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی

''کیا نہ جانا اس نے یہ کہ اللہ دیکھتا ہے۔''

☆ ——— اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

☆ ——— وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ

''وہ ہر شے کو محیط ہے۔''

☆ ——— وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

''اور تمہارے نفسوں میں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے۔''

☆ ——— كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

''جو اوپر زمین کے ہے، فنا ہونے والا ہے، اور باقی رہے گی ذات تیرے رب صاحب بزرگی اور صاحب انعام کی۔''

☆ ——— فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

''جدھر کو رخ کرو، ادھر رخ اللہ کا ہے۔''

☆ ——— هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

''وہی اول و آخر ہے وہی ظاہر و باطن، کوئی نہیں مگر وہ ہے۔''

مختلف مراقبات:

یہاں کچھ مراقبات درج کئے جاتے ہیں:

☆ ——— مراقبہ قدس ☆ ——— مراقبہ ہفت گام پنج مراتب
☆ ——— مراقبہ بحری ☆ ——— مراقبہ قرب نوافل
☆ ——— مراقبہ قرب فرائض ☆ ——— مراقبہ عین
☆ ——— مراقبات خمسہ قادریہ محبوبیہ غوثیہ

مراقبہ قدس:

تنگ و تاریک حجرہ ہو جس میں کھلی آنکھوں سے نظر کو ایک جگہ قائم کرے ——— اور دل میں:

اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی

کا تصور رکھے ——— دل سے اِنِّیۡ اَنَا اللّٰہُ کی آواز سنائی دے گی اور انوارِ مقدس سے مشرف ہوگا۔

مراقبہ ہفت گام پنج مراتب:

ہفت گام سبعہ صفاتی ذاتی سے عبارت ہے۔ یعنی:

(۱) ——— حیات (۲) ——— علم (۳) ——— ارادت (۴) ——— قدرت
(۵) ——— سمع (۶) ——— بصر (۷) ——— کلام

اور پنج مراتب سے مراد ہے:

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت (۵) ہاہوت

ہر مراتب میں یہ تصور کرے کہ وہ ذات پاک:

☆ ——— خود حَیّ ہے بہ حیات خود،
☆ ——— خود عَلِیْم ہے بہ علم خود
☆ ——— خود مُرِیْد ہے بہ ارادت خود،

☆——خود قَدِیْر ہے بہ قدرت خود،

☆——خود سَمِیْعٌ ہے بہ سمع خود،

☆——خود بَصِیْرٌ ہے بہ بصر خود،

☆——خود کَلِیْمٌ ہے بہ کلام خود

جو چیز نظر آئے وہ ناسوت میں ہے——اور ناسوت، ملکوت کی صورت ہے——اور ملکوت، جبروت کی صورت——اور جبروت ہے لاہوت کی صورت——اور لاہوت ھاھوت کی صورت ہے——اور ھاھوت عین ذات ہے۔

پس حقیقت میں وہ شے بھی عین ذات ہے۔

مراقبۂ بحری:

اپنے آپ کو ذات کے سوا سمجھے اور باقی اشیاء کو حباب——کہ یہ سب اشیاء ظاہر ہو کر مجھ میں فنا ہو جاتی ہیں۔ سب کی اصل میں ہوں۔

مراقبۂ قربِ نوافل:

سالک یہ تصور کرے کہ میں فاعل ہوں اور خدا آلہ ہے یعنی:

☆——سالک حَیّ ہے بہ حیات حق،

☆——سالک عَلِیْم ہے بہ علم حق،

☆——سالک مرید ہے بہ ارادت حق،

☆——سالک قَدِیْر ہے بہ قدرت حق

☆——سالک سَمِیْع ہے بہ سمع حق،

☆——سالک بَصِیْر ہے بہ بصیر حق،

☆——سالک کَلِیْم ہے بہ کلام حق،

مراقبۂ قرب فرائض:

یعنی خدا فاعل اور بندہ اس کا آلہ ہے——یہاں سالک یہ تصور کرے کہ:

☆ — حق سمیع ہے بہ سمع سالک،

☆ — حق موجود ہے بہ وجود سالک،

☆ — حق کلیم ہے بہ کلام سالک،

☆ — حق بصیر ہے بہ بصر سالک،

☆ — حق قدیر ہے بہ قدرت سالک

☆ — حق حاضر ہے بہ حضور سالک،

☆ — حق ناظر ہے بہ نظر سالک،

☆ — حق حی ہے بہ حیات سالک،

☆ — حق مرید ہے بہ ارادت سالک۔

مراقبہ عین:

مراقبہ نہ قربِ نوافل نہ قربِ فرائض بلکہ عین ہے یعنی سالک یہ تصور کرے کہ وہ خود "حی، سمیع، کلیم، قدیر، علیم، بصیر، مرید" وغیرہ ہے۔

مراقباتِ خمسہ قادریہ محبوبیہ غوثیہ:

از کار واشغال و مراقبات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ یعنی:

(۱) — صفاتی (۲) — ذاتی (۳) — مشترک

چنانچہ انہی اقسام میں سے ایک خمسہ پیش ہے۔ داند کہ داند و ہو ھذا:

(۱)۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" ——— اَللّٰہُ قَادِرِیْ

(۲)۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا ——— اَللّٰہُ مَعِیْ

(۳)۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ——— اَللّٰہُ شَاھِدِیْ

(۴)۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ——— اَللّٰہُ نَاصِرِیْ

(۵)۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ——— اَللّٰہُ حَاضِرِیْ

ان سب سے بہتر اور عمدہ مراقبہ لفظ انا ہے ——— بہ شمار بست یکبار ——— اور قادری گیارہ اسم الٰہی کے موافق کہ جو خاص ورد اور شغلِ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ تھا، وردو شغل رکھے۔۔۔۔ خاندانِ قادریہ محبوبیہ غوثیہ میں سرالاسرار مراقبہ کُنْ فَیَکُوْنَ بہ خسہ وجودات ہے۔

اذکار واشغال ومراقبات میں درپیش کفریات:

طالبِ صادق جب اذکار واشغال ومراقبات کرتا ہے تو اس راہ میں اسے چار کفریات پیش آتے ہیں۔۔۔۔ ایک تو انکشاف سے پہلے، اور تین انکشاف کے بعد:

(۱)۔۔۔۔ کفرِ شرعی:

جو کفر انکشاف سے پہلے آتا ہے وہ کفرِ شرعی ہے۔۔۔۔ یعنی:

☆۔۔۔۔ اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا۔

☆۔۔۔۔ اللہ کے فرائض سے منکر ہونا۔ جیسے کفار ومشرکین بت پرست ہیں۔

☆۔۔۔۔ اپنی انانیت کو اس کے سامنے رکھنا۔ جیسے ابلیس لعین ہے۔

انکشاف کے بعد جو کفر پیش آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۲)۔۔۔۔ کفرِ نفسی (۳)۔۔۔۔ کفرِ قلبی (۴)۔۔۔۔ کفرِ روحی

(۲)۔۔۔۔ کفرِ نفسی:

کفرِ نفسی وہ ہے کہ اس راہ میں طالبِ صادق کو پہلے نورِ نفس انکشاف ہوتا ہے۔ اسے خدا نہ سمجھے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا تھا۔

قرآن کریم میں ہے:

☆۔۔۔۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ (پ ۷ ع ۱۵)

''پس جب ڈھانپ لیا اس کو رات نے ، دیکھا ایک تارہ (یعنی نورِ نفس) کہا: ''یہ میرا رب ہے۔''

☆۔۔۔۔ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ

''پس جب وہ چھپ گیا، کہا: میں دوست نہیں رکھتا چھپ جانے والے کو۔''

یعنی جب اس رتبہ سے ترقی پائی اور نورِ نفس فنا ہوا تو کہا کہ میں فانی کو دوست نہیں رکھتا۔

☆——— فَلَمَّا رَا الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ

''پھر جب دیکھا چاند کو روشن، کہا: یہ میرا رب ہے۔''

یعنی جب نورِ نفس سے ترقی پا کر نورِ قلب نمودار ہوا (لطیفہء قلب کی روشنی قمر لیلۃ البدر کی مانند ہے) تو کہا: ''یہی میرا مطلوب ہے''۔

(۳)——— کفرِ قلبی:

☆——— فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ

''پھر جب چھپ گیا تو کہا: اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو میرا پروردگار تو البتہ میں ہو جاؤں گا قوم گمراہوں سے۔''

یعنی جب نورِ قلب بہ سبب ترقی کرنے کے فنا ہوا تو گھبرا کر کہنے لگے کہ اللہ بچائے، ایسا نہ ہو کہ گمراہ ہو جاؤں۔

۴——— کفرِ روحی:

☆——— فَلَمَّا رَا الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَا اَكْبَرُ

''پھر جب دیکھا سورج کو روشن، کہا: یہ میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔''

یعنی جب نورِ قلب سے ترقی پائی اور نورِ روح کا انکشاف ہوا تو کہنے لگے کہ: بس یہی میرا پروردگار ہے سب سے بڑا روشنی والا۔ (لطیفہء روح کا نور شمس کی مانند روشن ہے۔)

☆——— فَلَمَّا اَفَلَتْ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ

''پھر جب چھپ گیا کہا: اے قوم میری میں بیزار ہوں اس چیز سے کہ تم

شریک کرتے ہو۔" میں تم مشرکین کے ہمراہ نہیں ہوں۔

یعنی جب نورروح سے ترقی پائی اور نور سبحانی بے کیف منکشف ہوا تو کہا:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

"تحقیق میں نے متوجہ کیا اپنے منہ کو واسطے اس کے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو، توحید کرنے والا ہو کر۔ اور میں نہیں مشرکین سے۔"

چنانچہ طالب کو لازم ہے کہ نیرنجات کو ہمیشہ نفی کرتا ہوا میدان توحید میں علم گاڑے ——— اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کفر کے بعد ہے۔

ہنوز از کاف کفرت خود خبر نیست ۔۔۔ حقائق ہائے ایمان را چہ دانی

کفر و ایمان قرین یک دگراند ۔۔۔ ہر کرا کفر نیست ایمان نیست

اولاً کفر باید اے درویش ۔۔۔ ورنہ بے کفر کس مسلمان نیست

"ابھی تو تجھ کو اپنے کفر کے کاف کی بھی خبر نہیں ہوئی ہے، تو دین و ایمان کے حقائق بھلا کیا جانے گا۔ کفر و دین و ایمان ایک دوسرے کے نزدیک ہیں۔ جس کو کفر کی پہچان نہیں ہے اس کا ایمان بھی نہیں ہے۔"

یعنی جو نیک و بد اور حق ناحق کو نہ سمجھے گا وہ غلط فہمی سے کب بچے گا اور حقیقت کو کس طرح پہچانے گا۔

"اے درویش پہلے کفر چاہئے ورنہ بغیر کفر کے کوئی مسلمان نہیں ہوتا۔ یعنی کفر و دین کے جھگڑے ایک حجاب ہیں۔ حقیقت کی پہچان ہونی چاہئے۔

جب تک طالب کفر سے نہیں گزرتا مومن کامل نہیں ہوتا۔ بلکہ جب تک کفر و ایمان کے جھگڑے میں محجوب ہے۔ چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"کفر و ایمان ہر دو مقام ہیں عرش سے آگے ۔۔۔ ہر دو حجاب ہیں خدا اور بندے کے درمیان"

عشق را با کفر و ایمان کار نیست ۔۔۔ عاشقان را جز خدا درکار نیست

ہرکرا در معرفت محکم قدم — درگزشت از کفر و از ایمان ہم
چون ترا ایں کفر و این ایمان نماند — این تن تو گمشدہ این جان نماند
مرد میداں می شوی این کار را — مرد باشی این چنیں اسرار را
پائے درنہ ہمچو مردان و مترس — در گزر از کفر و از ایمان مترس
چند ترسی دست از طفلی بدار — باز شو چون شیر مرداں سوئے کار

''عشق کو کفر و ایمان سے کوئی تعلق اور کام نہیں ہے۔ عاشقوں کو تو سوائے محبوبِ حقیقی (ذاتِ الٰہی) کے اور کسی کی ضرورت نہیں ہوتی ——— جو شخص معرفتِ الٰہی میں مضبوطی سے قدم رکھتا ہے وہ کفر و ایمان ہی سے گزر جاتا ہے۔ یعنی اس کو سوائے جذبۂ عشق کے سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے۔

جب تجھ کو یہ کفر اور یہ ایمان ہی حاصل نہ رہے گا۔ تو تیرا یہ جسم ظاہری اور یہ تیری جان (مقید) بھی باقی نہیں رہے گی، اور تو سب سے بے نیاز ہوگا۔

اس اہم اور سخت و دشوار کام کے لیے تو مردِ میدان ہی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تو ان اسرارِ حقیقی کو سمجھنے کے لیے مرد بن جا۔

اور تو اس راہ حق میں مردوں کی طرح قدم رکھ اور کسی بات سے نہ ڈر۔ تو اس ظاہری کفر و ایمان سے گزر جا اور بے باک ہو جا۔ بھلا تو کب تک ڈرتا رہے گا۔ بچپن کی ان باتوں سے ہاتھ اٹھالے اور شیر مردوں کی طرح پھر اپنے اصلی کام پر لگ جا۔''

بہرنا میکہ در اسلام بودیم — بجملہ بر مغان ایثار کردیم
چو از کونین ہر دو دیدہ بستیم — میان دیدہ خود دیدار کردیم

''اس تمام عزت و آبرو اور نام و نمود سے جو مجھے اپنے دین میں حاصل تھی، میں اپنے محبوب پیر مغاں پر نثار و قربان ہوگیا۔

جب میں نے دونوں جہان سے اپنی آنکھیں بند کرلیں تو میں نے اپنی آنکھوں (چشم باطنی) کے درمیان خود کو بیدار و ہوشیار کرلیا۔

یعنی میں ظاہری زہد و تقویٰ اور مذہبی ریاکاری کو چھوڑ کر اپنے محبوبِ حقیقی پر جب خدا ہوا اور تمام ماسوا سے آنکھیں بند کر لیں تو پھر مجھے شاہدِ حقیقت کا جلوہ نظر آنے لگا۔"

فصل ششم

تجلیات الٰہی وتنزلات وتعینات، خمسہ وجودات

زمانہ سابق میں یہ تعلیم خاندان قادریہ و چشتیہ میں بڑے زور سے ہوا کرتی تھی۔لیکن فی زمانہ سوائے اوراق کے کہیں نظر نہیں آتی۔ بلکہ خمسہ وجودات کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔افسوس صد افسوس۔ میں بھی اوراق ہی میں درج کرتا ہوں——

ظہورات عالم:

احدیت ذات نے اپنی تجلیات سے وجودات عالم کا ظہور کس طرح پر فرمایا،اور ہر درجہ وجود میں ذات کو ظہورات عالم سے کیا نسبت ہے؟—— اہل معرفت خوب آگاہ ہیں کہ ذاتِ حق اپنی اصلی حالت پر اَلْآنَ کَمَا کَانَ قائم و برقرار ہے،اور عروج ونزول وتعینات سے منزہ ومقدس!—— سالک مبتدی کے سمجھانے کے لیے صوفیاء کرام نے تنزلات وتعینات،تجلیات وخمسہ موجودات احدیت ذات مقرر فرمائے ہیں یعنی:

☆—— **تجلی اوّل**: واحد الوجود بہ تعین اطلاق عالم ھاہوت

☆—— **تجلی دوئم**: عارف الوجود بہ تعین وحدت وحقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، عالم لاہوت

☆—— **تجلی سوم**: ممتنع الوجود بہ تعین واحدیت واعیان ثابتہ عالم جبروت

☆—— **تجلی چہارم**: ممکن الوجود بہ تعین ارواح جمیع مخلوقات عالم ملکوت

☆—— **تجلی پنجم**: واجب الوجود بہ تعین اجساد واجسام عالم ناسوت

چنانچہ ذاتِ حق کو ہر درجہ وجود میں اپنے ظہورات سے جداگانہ نسبت ہے۔یعنی:

☆ــــ عالم ناسوت واجب الوجود میں ذات کو اپنے مظہر صفات کے ساتھ حاکم ومحکوم کی نسبت ہے۔

☆ــــ عالم ملکوت ممکن الوجود میں ایسی نسبت ہے جیسے باپ کو اولاد سے ہوتی ہے۔

☆ــــ عالم جبروت ممتنع الوجود میں نسبت محبوبیت کی ہے۔

☆ــــ عالم لاہوت عارف الوجود میں نسبت عاشقی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ظہورات کو ان پانچ وجوات میں ختم کیا ہے۔ یعنی:

(۱) واحد الوجود (۲) عارف الوجود (۳) ممتنع الوجود (۴) ممکن الوجود (۵) واجب الوجود

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ذات بحت نے اول بہ تعین اطلاق ''واحد الوجود'' نام پایا ــــ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَهٗ ''اللہ تھا اور نہ تھی اس کے ساتھ کوئی شے۔''

ــــ پھر اس ذات مقدس نے بہ تعین عارف الوجود (جس کا نام نامی نور وحقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے) بعلم اجمالی ظہور فرمایا ــــ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مَا نُوْرِیْ

''سب سے پہلے اللہ نے میرے ہی نور کو اپنا مظہر بنایا۔''

پھر اپنے نور کے اس جمال بے مثال کو ملاحظہ فرما کر خود کو عاشق بنایا، اور اس نور قدسی کو اپنا محبوب بنایا ــــ چنانچہ یہ حدیث قدسی:

لَوْ لَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّةَ

''اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگر تو نہ ہوتا تو میں البتہ اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔''

اللہ تعالیٰ کو اس درجہ وجود میں اپنے مظہر کے ساتھ نسبت عاشقی کی ہے ــــ پھر اس نور لطیف کو عرفان بخشا تاکہ اپنے نفس کی معرفت سے اپنے آپ کی معرفت حاصل

کرے اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی تصدیق ہو جائے ---- چنانچہ اس عرفان کی وجہ سے اس نور مقدس کو روحِ قدسی کا خطاب عنایت ہوا --- عالم جبروت حقیقتِ انسانی میں بہ تعین ممتنع الوجود بعلم تفصیلی ظہور فرمایا ---- اس وجہ وجود میں وہ روحِ قدسی سے شناخت کے خود ذاتِ واحد کو موصوف بہ صفات شبہ شناخت کر کے ذات پر عاشق ہوگئی۔ اس مرتبہ میں ذات کو اپنے مظہر سے محبوبیت کی نسبت ہے۔ یعنی اس مقام میں ذاتِ الٰہی محبوب ہے اور مظہر عاشق۔

پھر بہ تعین ممکن الوجود جس کو ''عالم ملکوت'' کہتے ہیں، ظہور فرمایا۔ شان محبوبی کے کمال کی وجہ سے خود روحِ قدسی سے ارواح غیر متناہی آئینہ ہائے مختلف الالوان کو ظہور میں لایا۔ ارشاد باری ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (پ۲۱، ع۶)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور اختلاف تمہاری بولیوں کا اور تمہارے رنگوں کا ---- البتہ اس میں نشانیاں ہیں عالموں کے لیے یعنی عارفوں کے لیے، تا کہ اپنے حسن و جمال کو ان مختلف آئینوں میں ملاحظہ فرمائیں۔''

ذاتِ حق کو اس مقام ممکن الوجود میں اپنے ظہور سے ایسی نسبت ہے جیسے باپ کو اولاد سے، اور اولاد کو باپ سے۔ یعنی اس مرتبۂ ملکوتیہ میں ذاتِ حق باپ کی مانند رحیم و کریم اور تربیت و پرورش کنندہ ہے، اور اولاد کی طرح مخلوق کو نہ خوف عذاب ہے نہ امید ثواب، نہ خیال عطا، نہ طلب عرفان، نہ آرزوئے حصول کمالات ---- ذاتِ حق نے اثبات ربوبیت کے لیے، اور حکم قضاء قدر کے اجرا کے لیے، خود ان ارواح کی تربیت کے لیے اپنے قہر و عطا، رحم و کرم کو ارواح پر اظہار فرما کے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا عبودیت کا اقرار لیا ---- اور سب کو وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کے خطاب سے مشرف فرمایا۔ اور ہر ایک کو اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِی الْاَرْضِ اپنی نیابت و خلافت

کا حکم سنا دیا۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ —— پھر عالم جسمانیات میں بھیج کر قیام کا حکم فرمایا۔ یہاں عالم ناسوت میں پہنچتے ہی ہر ایک کو دعویٰ خلافت ہوا۔ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَا اٰتٰىكُمْ

''اسی نے تم کو کیا ہے نائب زمین میں، اور تم میں بلند کئے درجے ایک کے ایک پر کہ آزمائے تم کو اپنے دیئے حکم میں۔''

اس سے ہر ایک کو علم ہو گیا کہ ''ہم نائب ہیں'' —— اس لیے ہر ایک نے دعویٰ نیابت کیا۔ آپس میں ہر طرح کے نزاع و فساد شروع ہوئے —— پھر ذاتِ حق نے بشانِ احکم الحاکمین اپنے بندگانِ خاص کی معرفت احکام بھیجنے شروع کر دیئے۔

چنانچہ ذاتِ حق بدرجہء واجب الوجود عالم ناسوت میں بمنزلہ حاکم کے ہے۔ —— ذات سبحانہ، تعالیٰ نے یہ خمسہ وجوداتِ عالم ظہور فرمایا، اور ہم نے ان تنزلات کا نام خمسہ وجودات رکھا ہے۔

معرفت واجب الوجود بہ تعین اجسام (تجلی پنجم):

تن خاکی —— روح نامی —— مؤکل میکائیل۔ اس مؤکل کا یہ کام ہے کہ اوپر سے فیض لے اور اجسام کو دے، یعنی پرورش اجسام اس کا کام ہے۔

علمائے شریعت کی اصطلاح میں وجودِ باری عز اسمہ، کو واجب الوجود کہتے ہیں۔ جو بذاتِ خود قائم و دائم ہے، اور تغیر و تبدل، حدوث وفنا کو اس کے پردۂ عزت کے گرد راہ نہیں اور کونین کے جملہ موجودات کے وجود اس کے ذاتی وجود سے نمود میں آئے ہیں —— صوفیا کرام کی اصطلاح میں اس جسد عنصری کو واجب الوجود یعنی ''لازم الوجود'' کہتے ہیں۔ یہاں وجود بمعنی جسم ہے —— حیوانی، طبعی و نباتی نامی روح کو جسم عنصری کے ظہور کے بغیر ہرگز قیام و قرار نہیں۔ اس لیے یہ جسد عنصری روح کے لیے واجب ولازم قرار پایا —— یہ عنصری وجود نزولِ رحمت، مورد ورود و فیضانِ الٰہی کا

موجب ہے۔ اور حصولِ مراتب اور غیر متناہی مقاصد کا سبب ہے ـــــ اگر یہ عنصری وجود نہ ہوتا تو کوئی شخص مرتبۂ نبوت و رسالت اور ولایت وغیرہ کو نہ پہنچتا۔ اس جسد عنصری میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عجیب وغریب حکمت بالغہ کا اظہار فرمایا ہے کہ عقل جزوی اس کے ادراک میں حیران و پریشان ہے ـــــ متضاد عناصر کو ایک جگہ پر جمع کر کے ان میں مختلف حواس کو پیدا کرنا، اور حواس میں لذائذ اور لذائذ میں کیفیات کو قائم رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔ جو فہم و قیاس عقلا و حکماء زمانہ سے بالاتر ہے ـــــ یہ عجیب وجود ہے کہ جمیع وجودات یعنی:

"ممکن الوجود، ممتنع الوجود، عارف الوجود اور واحد الوجود"

سب اس میں موجود ہیں۔ پھر یہ خود ہر ایک وجود میں موجود ہے ـــــ یہ عجیب عالم صغیر ہے کہ عالم کبیر بھی اس کے اندر لپٹا ہوا ہے۔ یہ طلسم الٰہی ہے' اس کا راز آج تک کسی پر منکشف نہیں ہوا۔ لَا یَعْلَمُ حَقِیْقَتَهٗ اِلَّا هُوَ۔

یہ واجب الوجود پانچویں تجلی اور ممکن الوجود کا مظہر و پرتو ہے ـــــ تن خاکی اور روح حیوانی کے اتصال سے قلبِ مضغہ گلِ صنوبری مع مدارج کمالات ظہور میں آیا۔ حدیث قدسی میں ہے:

اِنَّ فِیْ جَسَدِ اٰدَمَ لَمُضِغَةً وَفِی الْمُضْغَةِ قَلْبٌ وَفِی الْقَلْبِ فُوَادٌ وَفِی الْفُوَادِ ضَمِیْرٌ وَفِی الضَّمِیْرِ سِرٌّ وَفِی السِّرِ اَنَا

یعنی اس قلب مضغہ صنوبری میں یہ خود اور ممکن الوجود، ممتنع الوجود، عارف الوجود اور واحد الوجود جو روح حیوانی، روحِ متحرک، روحِ ناطق، روحِ قدسی اور ذاتِ احدیت کے نام سے موسوم ہیں، موجود ہیں۔

سبحان اللہ! یہ مضغہ صنوبری ہے یا خانہ طلسمات ـــــ جس چیز کو ڈھونڈو وہ سب اس میں موجود، بلکہ احدیت ذات کا پتہ بھی اس میں ہی لگتا ہے۔ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ پھر اس مضغہ صنوبری میں ایک قابلیت رکھی گئی ہے۔ جس کا نام نفس امارہ ہے یعنی خواہشاتِ مذمومہ۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ ـــــ جب روح حیوانی طبعی

نامی اس جسدِ عنصری میں قائم ہوئی، تو چونکہ جسد پہلے ہی سے متضاد عناصر کے طلسمات کا مجموعہ مختلف حواس اور عجیب و غریب' لذائذ کا پتلا بن رہا تھا۔ روح آتے ہی گرفتار طلسمات ہوگئی اور ناجنسوں کی صحبت میں لذائذ کی طرف میلان کیا، اور دل کی معین ومددگار بن گئی۔ سچ ہے:

؎ صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

''اچھی اور نیک صحبت تجھے نیک بنائے گی، اور بری صحبت تجھے خراب کردے گی۔''

دل میں امارگی کی صفت تو پہلے ہی سے موجود تھی، ''دیوانہ را ہوئے بس است'' کا مضمون ہوگیا ـــــ اس کی اشتعالی صفت سے دل ذمیمہ خصائص اور ملعونہ خواہشات کا مخزن بن گیا۔ اسی لیے انسان حواسی لذائذ اور حیوانی شہوانی خواہشات میں مبتلائے بلا رہتا ہے۔ اسی کو نفس امارہ کہتے ہیں ـــــ یہ مقام روحِ نامیہ کا ہے۔ اور جسم میں دل مضغۂ گوشت بہ صورتِ گل صنوبر مقام نفس امارہ ہے ـــــ اگر کوئی طالبِ صادق اس قید جسمانی وکید نفس امارہ سے خلاصی، وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے راز سے آگاہی' منزل اَسْفَلَ السَّافِلِيْنَ سے ذاتِ احدیت کی طرف عروج کرنا چاہے ـــــ اوّل ذمیمہ صفات قلبی کو بتوحید اقوالی لَآ اِلٰــــهَ اِلَّا اللهُ عامل علی الشریعت ہو، اور ارشاد پیر کامل کے مطابق ذکر لسانی میں (جس کو لقلقہ کہتے ہیں) مشغول رہے۔ تاکہ کید نفس امارہ سے نجات پائے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ مِصْقَلَةٌ وَمِصْقَلَةُ الْقَلْبِ ذِكْرُ اللهِ تَعَالٰى

تاکہ آئینۂ قلب ذمائم کے زنگ سے پاک و صاف ہو کر عکس قبول کرنے لگے ـــــ پھر مراقبہ شرعی جس کا نام احسان ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ کو ہر وقت مدنظر رکھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے اقوال و اعمال و احوال پر سمیع و بصیر و حاضر و ناظر جانے ـــــ پھر نفی و اثبات سے اسم ذات اللہ

کی طرف رجوع کرے، اور اسم ذات مجرد از صفات زبان کو ہمیشہ متحرک رکھے۔ تاکہ ذوق وشوق پیدا ہو۔ یہاں تک کہ مستغرق ہو جائے۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی تصور رکھے کہ میرا یہ جسم خاکی مجھ سے علیحدہ ہوگیا ہے —— اس تصور کو یہاں تک بڑھائے کہ یہ جسم ناسوتی جدا نظر آنے لگے۔ پھر تجرید و تفرید کو اختیار کرے ——

☆ —— تجرید: ذمائم سے مجرد ہونے کا نام ہے،

☆ —— تفرید: علائق سے منفرد ہو جانے کا نام

ان کو اپنی ذات پر مضبوطی سے لازم سمجھے کہ پھر لغزش نہ ہو —— اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر درجہ وجود میں سالک کو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے معنی جداگانہ کیفیت سے منکشف ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے نفس کی معرفت کے ذریعہ سے معرفت رب حاصل کرتا ہے۔ سب مدارج کے اختتام رب الارباب کی معرفت ہوتی ہے۔ ذٰلِکَ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔

مثلاً عالم ناسوت میں معرفت نفس اور معرفت رب فہم و قیاس سے مطابق ہے۔ یعنی اپنے نفس کی شناخت پر معرفت رب قیاس کرتا ہے —— چنانچہ اس درجہ میں سالک:

☆ —— شق اول کے یہ معنی قیاساً مفہوم کرتا ہے کہ ''میں عبد ہوں، بندہ ہوں، محکوم ہوں، مصنوع ہوں''۔

☆ —— شق ثانی کو اسی پر قیاس کرتا ہے کہ ''رب میرا معبود ہے، مالک ہے، حاکم ہے، صانع ہے''۔

اور قیاس کرتا ہے کہ اس عالم کا کوئی صانع ضرور ہے جو اپنی صنعت کاملہ سے اس کو بوقلموں طرز سے صفحہ اظہار میں لایا ہے —— وہی میرا پروردگار ہے۔ غرض اس درجہ وجود میں صانع کو صنعت سے شناخت کرتا ہے —— سالک کو تن خاکی جب الگ نظر آنے لگے تو اس حالت والے کو عارف کہتے ہیں —— پھر اسم ذات میں ایسا مشغول ہو کہ ہر بال کی جڑ سے سلطان الاذکار جاری ہو جائے۔ اس کے بعد وہ تن خاکی جو تصور

میں جدا آنے لگا ہے، اس تصور کو یک لخت اٹھا دے، اور خواب ناسوتی سے بیدار و ہوشیار ہو کر حصول ممکن الوجود کے لیے بلیغ کوشش کرے ـــــ ممکن الوجود وہ وجود مثالی ہے جو حالت خواب میں اسی وجود کے مثال سیر کرتا ہوا نظر آتا ہے ـــــ یہ وجود مثالی شہادت مبداء میں حاصل ہوتا ہے۔ واجب الوجود ترک کرنے کے لیے اور ممکن الوجود حاصل کرنے کے لیے شہادت مبداء مقرر ہے۔

شہادت مبداء:

شہادت مبداء وہ ہے کہ تن خاکی کی تمام حرکات و سکنات کو نگاہ میں رکھے، اور ساکن ہو کر باطن کی طرف متوجہ ہو جائے اور خوب بغور دیکھتا رہے کہ جسد عنصری میں بوقت سکون جو وسوسہ و حرکت و خطرہ ظاہر ہو، بالیقین جانے کہ یہ ممکن الوجود کی طرف سے ہے۔

اقسام شہادت مبداء:

شہادت مبداء دو قسم ہے:

(۱) ـــــ رسمی (۲) ـــــ عینی

☆ ـــــ شہادت مبداء رسمی:

وہ ہے کہ اپنے تصور کو اس وجود خاکی سے اٹھالے، اور وجود مثالی روحانی جو خواب میں سیر کرتا ہوا نظر آتا ہے، اسے اپنی نظر تصور میں قائم کرے۔ بہ یقین خیال کرے کہ میرا خاص وجود یہی ہے نہ کہ وجود خاکی ـــــ اس کا کمال یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے تن خاکی میں سوئی گاڑ دے تو کچھ خبر نہ ہو۔

☆ ـــــ شہادت مبداء عینی:

اپنے تن خاکی کو از سر تا قدم علیحدہ دیکھے ـــــ اس کا کمال یہ ہے کہ رنج و راحت، لذت و تلخی بدرجہ مساوات ہو جائے، بلکہ تکلیف و عذاب سے لذت زیادہ اٹھائے ـــــ جب تک سالک کو شہادت مبداء عینی میں وجود مثالی نظر نہ آئے۔ ہر

وقت وجود روحانی کے حصول میں مشغول رہے یہاں تک کہ وجود ناسوتی کو فنا و وجود ملکوتی میں بقا حاصل ہو جائے۔ اس حال کے صاحب کو واصل کہتے ہیں۔ یہ منزل ناسوت ہے۔

ممکن الوجود مسلکوتی کا حصول:

پیر کامل، واقف اسرارات وجودات خمسہ کی اجازت سے اس مراقبہ میں مشغول ہو۔

؎ چشم بند و گوش بند و لب بہ بند　　گر نہ بنی سر حق بر ما نہ خند

''تو اپنے کان اور اپنی دونوں آنکھیں اور لب بھی بند کر لے ـــــ پھر اگر تو سرحقیقت (یعنی راز الٰہی) نہ دیکھے تو بے شک تو مجھ پر خندہ زنی کرنا۔''

طریقہ حصول:

مقام تنہائی میں حجرے کا دروازہ بند کر کے قبلہ رخ بیٹھے۔ اور آنکھیں کان اور ہونٹ بند کر کے اپنی باطنی نظر اور قلبی توجہ کو اپنی نیت پر قائم کرے، اور اس کی محافظت کرتا رہے کہ علم سے پوشیدہ نہ ہو جائے۔ یعنی اپنے علم کو بھی قائم رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ مدہوشی طاری ہو جائے ـــــ اس میں نقصان ہے، ہوشیار رہے۔ یہاں تسخیرات خلائق بدرجۂ کمال ہے۔ اس طرف ملتفت نہ ہو کہ طے منازل سے رہ جائے گا۔ بلکہ ظہوراتِ ذاتِ حق کی جانب متوجہ رہے۔

اس شغل کو ہر روز بعد نماز صبح چار گھنٹہ تک کرتا رہے۔ اور نماز ظہر کے بعد پانچ بجے عصر تک مشغول رہے ـــــ اور نماز عشاء کے بعد صوت سرمدی میں اللہ کو شامل کر کے ھـــو کو کلۂ دراز کھینچ کر دماغ میں لے جائے اور حبسِ دم کرے ـــــ جب دم بہ نہایت پہنچے تو انا سمیعٌ بصیرٌ علیمٌ کہہ کر چھوڑ دے۔

پھر اسی طرح ھُوْ کو آواز سرمدی کے ساتھ دماغ میں لے جائے، اور اسی آواز پر ھُوْ کا تصور جمائے رکھے۔ ابتداء میں اپنے اوپر یہ امر لازمی سمجھے کہ اپنے خیال و نظر و دل

کو اسی آواز پر بہ لفظ ھــو قائم رکھے ـــــ تاکہ خیال ونظر اور دل مسمع میں قائم رہے، ورنہ سمع سے پوشیدہ ہو جائے گی، اور یہ نقصان ہے ـــــ جب تک حبسِ دم کی طاقت رہے، توجہ ونظر دل اسی آواز میں ھُـو کا تصور قائم رکھے۔ اور اس بات کا بھی تصور رکھے کہ:

''میں ہی سنتا ہوں، میں ہی دیکھتا ہوں، میں ہی جانتا ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔''

اس مراقبہ میں ھُـو کا تصور بآواز سرمدی اور نظر دل توجہ کی اس آواز پر، اور شنوائی، بینائی، دانائی معمول ہیں ـــــ اسی طرح نو (۹) بار دم کو روکے اور چھوڑ دے۔ ـــــ اس شمار سے کم ورزش نہ کرے کہ عدد امہات اعداد ہے ـــــ اگر ہو سکے تو اکیس (۲۱) یا اکتالیس (۴۱) بار تک نوبت پہنچائے۔

جیسی نیت ویسا پھل:

پھر اس تعداد سے فارغ ہو کر ایک رکعت نماز ادا کرے، اور جس نیت سے پڑھے گا، اس کا اثر چالیس روز میں محسوس ہونے لگے گا ـــــ یعنی اگر بہ نیت شہود و مشاہدہ ممکن الوجود، کشفِ کونی والٰہی، تصرفات وخوارقِ عادات، طی الارض، مشی علی الہواء اور دریا وغیرہ ـــــ یا حصول مال و دولت، تسخیرِ خلائق اور فتوح وغیرہ، جس نیت سے پڑھے گا، اس کا اثر بہت جلد دیکھے گا۔

اس کی ترکیب یہ ہے کہ ایک رکعت نماز ممکن الوجود کے حصول کے لیے اَللّٰہُ اَکْبَرْ کہہ کر آنکھیں بند کر کے خاموش کھڑا رہے۔ اور آواز سرمدی میں ھُـــوْ کو شامل کر کے دماغ میں لے جائے اور دل ونظر کی توجہ کو اس آواز پر قائم رکھے ـــــ پھر تھوڑی دیر کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَــرْ کہہ کر رکوع میں جائے۔ اور اس آواز میں ھُـوْ کا تصور قائم رکھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَـــرُ کہہ کر قیام کرے اور اس آواز میں ھُـــوْ کا تصور رکھے ـــــ پھر اَللّٰہُ اَکْبَـرْ کہہ کر سجدہ میں جائے، اور ھُـوْ کے تصور کو قائم رکھے ـــــ

پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر سجدہ سے سر کو اٹھائے، اور اَلتَّحِیَّاتُ کی جگہ ھُو کے تصور کو قائم رکھے۔۔۔۔ پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر دائیں طرف سلام کی نیت سے منہ پھیرے اور تصور کو قائم رکھے، پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر بائیں طرف سلام کی نیت سے منہ پھیرے، اور اسی تصور میں بیٹھا رہے۔۔۔۔ پھر جب چاہے کھڑا ہو جائے، نماز ختم ہوئی۔۔۔۔ نماز کے ہر رکن میں نو بار حبسِ دم کرے اور چھوڑے۔۔۔۔ نماز کے خاتمہ پر جو دعا طلب کرے گا قبول ہوگی۔ لیکن ہر رکن میں جس قدر دیر لگائے گا، زیادہ فائدہ ہوگا۔۔۔۔ اور اگر ان سب ارکان میں حبسِ دم کرے تو بہتر ہے۔

تجلی پنجم میں ہفت شغل بہ ہفت حروف:

شہادت مبداء عینی میں سالک کو جب وجود ملکوتی نظر آنے لگے تو تن خاکی کو بحوالہ ہفت شغل خداوند کریم و حافظ حقیقی کے سپرد کرے۔ وہ ہفت شغل بہ ہفت حروف یہ ہیں:

(۱)-ی (۲)-ہ (۳)-و (۴)-ن (۵)-م (۶)-ل (۷)-ک

(۱)۔۔۔۔ حرف ی:

حرف یا کو زیر اقدام تصور کر کے ان کلمات کو استقامت طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگے:

یَسِّرْلَنَا اِلَا سْتِقَامَۃَ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! اپنی یاد میں مجھ پر استقامت کو آسان کر، اور اپنی عبادت میں مجھے ثابت قدم رکھ۔''

(۲)۔۔۔۔ حرف ہ:

حرف ھا کو بجائے زانو مقرر کر کے یہ دعا مانگے:

ھَبْ جِلْسَتَنَا یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! میرے زانوؤں کو اپنی عبادت میں بیٹھا رکھ۔''

(۳)——حرف و:

حرف واوٗ بجائے قلبؔ ونفوس تصور کر کے یہ دعا مانگے:

وَسِّعْ قَلْبَنَا بِقَبُوْلِ فَيْضَانِكَ وَاحْفِظْ اَلْفَاسَنَا عَنِ الْغَفْلَةِ يَا اَللّٰهُ

"اے اللہ! میرے دل کو فراخی بخش تا کہ تیرے فیضان کو قبول کر سکے، اور میرے انفاس کو غفلت سے محفوظ رکھ کہ کوئی دم تیری یاد سے خالی نہ جائے۔"

(۴)——حرف ن:

حرف نون بجائے سینہ تصور کرے اور یہ دعا طلب کرے:

نَعِّمْنَا بِنِعْمَتِكَ الْحَقِّ يَا اَللّٰهُ

"اے اللہ! اپنی نعمتِ حقانی ونورانی سے میرے سینہ کو پر کر دے۔"

(۵)——حرف م:

حرف میم کو بجائے حلقوم تصور کرے اور یہ دعا مانگے:

مَرِّجِ الْحَانِيَ بِذِكْرِكَ يَا اَللّٰهُ

"اے اللہ! میرے حلق کو اپنے ذکر میں الحانیٰ عطا فرما کہ ہر وقت تیری یاد میں مشغول رہے۔"

(۶)——حرف ل:

حرف لام بجائے پیشانی مقرر ہے۔ اور اس طرح دعا کرے:

لَقِّنَا ذِكْرًا فَانِضًا لِنُوْرِكَ يَا اَللّٰهُ

"اے اللہ! مجھے ایسا ذکر تلقین فرما کہ میری پیشانی تیرے نور کے فیض سے منور ہو جائے۔"

(۷)——حرف ک:

حرف کاف کو بجائے دماغ مقرر کیا ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

كَمِّلْ مَشَامَنَا بِذِكْرِكَ يَا اَللّٰهُ

''اے اللہ! میرے دماغ کو اپنی یاد و محبت سے مکمل فرما کہ تیرے سوا سب کو بھول جاؤں۔''

شہادت مبداء عینی میں اشغال کو درگاہ حق جل وعلیٰ شانہ، میں عجز و نیاز سے ہمیشہ کرتا رہے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ اس وجود خاکی کو اپنے حفظ وامان میں رکھے، اور اپنے الطاف عمیم سے ممکن الوجود کی معرفت عطا فرما کر طریقت کی راہ دکھائے۔

تجلی چہارم بہ تعین ممکن الوجود:

تن روحانی متحرک —— روح حیوانی —— مؤکل اسرائیل —— اس موکل کا یہ کام ہے کہ ممتنع الوجود سے فیض لے اور ممکن الوجود کو پہنچائے۔

قلب منیب:

ممکن الوجود ممتنع الوجود کا مظہر و پرتو ہے —— حدیث قدسی میں فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ کا اشارہ اسی ممکن الوجود کی طرف ہے —— یہ ہر دو عالم کی جمیع مخلوقات کا منبع ہے۔ بلکہ یہ جملہ عالم اجساد اور عالم ارواح کا وجود ہے۔

ممکن الوجود وہ ہے جس کا عدم و وجود ذاتِ حق کے مساوی و قائم ہو —— یہ وہ وجود روحانی ہے جو عالم خواب میں اسی جسم خاکی کی صورت وشکل میں سیر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی کو ''روح مسافر، روح جاری اور روح سیرانی'' کہتے ہیں —— اسی روح جاری کا نام ممکن الوجود ہے —— روز میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی مخاطب یہی روح تھی، اور اسی روح نے جواب میں بَلٰی کہا تھا —— اس روح کا قیام بہ روحِ ناطق ہے کہ وہ عین روحِ قدسی ہے۔ جو پرتو ذاتِ حق ہے —— یہ ممکن الوجود ظہور اشیاء مکانیہ کی جگہ ہے —— اللہ تعالیٰ نے اس وجود کو تن روحانی یعنی وجود ملکی اور وجود مثالی جو عالم خواب میں نظر آتا ہے، اور روح متحرک و سیرانی جو حالت خواب میں اس جسم مثالی کو اٹھا کر سیر و طیر کرتا ہے، عنایت فرمایا —— اس کو خواب و بیداری میں ہرگز آرام وقرار نہیں۔

تن روحانی اور روح متحرک کے اتصال سے قلب منیب کا ظہور ہوا —— اس قلب میں قابلیت لوامگی یعنی اوصاف حمیدہِ ملکیہ کے حصول کی خواہش رکھی گئی ہے۔ اسی کا نام نفس لوامہ ہے —— ارشاد باری ہے:-

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ

یہ نفس آدمی کو برائی و ملامت اور نقص کی اصلاح اور ماسوئی اللہ سے اعراض کرتا ہے۔ اور حق کی طرف توجہ نام رکھتا ہے —— یہ قلب منیب کی قابلیت وحقیقت ہے۔

واجب الوجود عنصری کا نام ھو ا ہے۔ اور ممکن الوجود روحانی کا نام صفا —— وہ عالم ھَوا میں سیر کرتا ہے، اور یہ عالم صَفَا میں۔ روح متحرک کا مقام قلب منیب ہے۔ یہ روح ہمیشہ حرکت میں رہتی ہے۔ اس میں اس قدر قوتِ سیر وطیر ہے کہ طرفۃ العین میں مشرق سے مغرب تک اور فرش سے عرش تک پہنچ سکتی ہے۔ —— اسے اس وقت سکون ہوتا ہے کہ جب سالک متصف بہ صفاتِ نفس لوامہ سے متصف ہو کر قلب منیب میں داخل ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ن ادْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ ذٰلِکَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ

''جو شخص اللہ سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور آتا ہے قلب منیب میں، داخل ہوا اس میں سلامتی کے' یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا، گویا آج سلامتی میں داخل ہوگیا۔''

لَهُمْ مَا یَشَآؤُنَ فِیْهَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ

''اور ان کے لیے ہے جو کچھ کہ چاہیں گے بیچ اس کے، اور نزدیک ہمارے ہے زیادتی۔''

قلب منیب کی یہ خاصیت ہے کہ روحِ متحرک کی حرکاتِ طبیعہ کو اپنے آپ میں قبض و جذب کرلیتا ہے۔ یعنی روحِ متحرک اپنی اختیاری حرکات سے کہ بہ مقتضائے طبع حقیقت میں وہ اضطراری ہیں، اور دخول عالم ملکوت کی مانع باہر آجاتی ہے ——

اضطراری عادی حرکات عالم ملکوت میں نہیں ہیں، کیونکہ ملائکہ مامور بہ امر حق ہیں، حرکت اختیاری نہیں رکھتے ـــــ بس واجب الوجود عنصری کی حرکت باطن کو جو ممکن الوجود روحانی کی روح متحرک میں ابھی کچھ باقی تھی۔ قلب منیب نے جب اس کو جذب کرلیا تو قلب منیب کا کام ختم ہوا ـــــ اب نفس لوامہ کی کارروائی شروع ہوئی ـــــ سالک جب نفس امارہ کی بقیہ حرکات سے کہ وہ ذمیمہ صفات میں خبردار ہوکر آگاہی پالیتا ہے۔ اگرچہ نفس امارہ جاتا رہا ہے، لیکن جو کچھ اس کے ذمائم اور اثر باقی رہ گیا ہے۔ کیونکہ نفس لوامہ اسے زائل کردیتا ہے۔ کیونکہ اس کی صفات حمیدہ ملکیہ ہیں ـــــ سالک اس مقام پر صفات ملکوتی سے متصف ہوکر باقی ماندہ صفات امارگی سے صفائی حاصل کرلیتا ہے۔ اس وقت۔ سالک کو بہ حیثیت احاطہ معرفت حق بہ فہم وہم ہوتی ہے۔

فہم وہم:

وہ ہے کہ جو کچھ اس کے لائق حال ہو، معرفتِ الٰہی حاصل کرے۔ یعنی جیسے واجب الوجود عنصری میں فہم قیاس تھا کہ صانع کو بہ صفتِ صنعت شناخت کیا تھا۔ اب ممکن الوجود میں فاعل کو فعل سے شناخت کرتا ہے ـــــ یعنی سالک اپنی ذات کو فعل اور ذاتِ حق کو فاعل جانتا ہے۔ اس مقام میں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے یہی معنی ہیں۔

توحید افعالی:

صانع و فاعل میں یہ فرق ہے کہ صانع غیب میں ہے، اور فاعل حضوری میں ـــــ ملائکہ فہم وہم حق تعالیٰ کو بالیقین فاعل و حاضر بالفعل جانتے ہیں۔ اور امر حق کو بعینہٖ متصرف و نافذ دیکھتے ہیں، اپنے ارادے سے کچھ نہیں کرسکتے کہ مامور بہ امر حق ہیں ـــــ اس مقام میں سالک کا فہم بھی اسی قبیل پر ہوجاتا ہے، اور اپنے افعالِ طبعی کو بالکل ترک کردیتا ہے ـــــ بدون امرِ حق اپنے اختیار سے کوئی فعل نہیں کرسکتا ـــــ اس کا نام توحید افعالی ہے۔

تجرید وتفرید:

توحید افعالی کے بعد سالک کو تجرید وتفرید کا اختیار کرنا لازم ہوتا ہے —— یعنی اللہ تعالیٰ کو عالم ملکوت میں فاعل افعال دیکھ کر اپنے افعال سے مجرد ہونے کا نام تجرید ہے —— اور اپنے افعال طبعی سے مبرا ومنفرد ہوکر وجود روحانی میں داخل ہونا اور ملائکہ کے مانند طاعت وعبادت میں باامتثال امر حق میں مشغول ہو جانے کا نام تفرید ہے۔——

مراقبۂ طریقت:

سالک کی توحید افعالی تجرید وتفرید کے ساتھ جب مکمل ہو جاتی ہے تو راہ طریقت بے تکلف اس پر کشادہ ہوجاتا ہے۔ منزل فقر کا کوئی دروازہ کلید توحید کا دروازہ کشادہ نہیں ہوسکتا —— ہر منزل کی توحید جداگانہ مقرر ہے —— فقر کے ہر ایک مقام و منزل میں سالک سے اول توحید کا سوال ہوتا ہے —— اگر سالک نے شافی جواب دیا تو آگے جانے کا حکم ملتا ہے، ورنہ واپس کیا جاتا ہے —— جب حکم مل جاتا ہے تو اس پر عبادتِ طریقت لازم ہوجاتی ہے۔ یعنی:

☆ —— تجرید وتفرید تام سے خطرات کی نفی میں مشغول ہو،

☆ —— دل میں جو خطرہ آئے، ہمیشہ اس کی نفی کرتا رہے،

☆ —— مقام خطرہ میں ذکر الٰہی کو قائم رکھے۔ یعنی غیر اللہ سے اعراض کر کے متوجہ الی اللہ رہے۔ اسے مراقبہ طریقت بھی کہتے ہیں۔

یہ مقام بدرجہ غایت سیر وطیر کا ہے۔ جہاں چاہے، ارادے کے ساتھ ہی پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ ذکر قلبی میں حاصل نہیں ہوسکتا۔

مشاہدۂ طریقت:

ذکر قلبی کو وسوسہ کہتے ہیں۔ یعنی قلب منیب کو باہم ذات، صفاتِ اسماء حسنیٰ مثلاً رحمن و رحیم و کریم و قادر و رزاق وغیرہ کے تصور سے ہر وقت ذاکر

رکھے ——— یا ربان کو صفات کے تصور میں اسم ذات سے ممکن الوجود قلب غیب میں ذاکر رکھے۔ اس سے معرفت و محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اسے مشاہدۂ طریقت کہتے ہیں، اور صاحب حال کو عارف ——— اس مقام پر عالم ملکوت و صفات اسماء الٰہی کے انکشاف کا اس قدر ظہور ہوتا ہے کہ اس کے ذوق و شوق میں بالکل بے خبر و مدہوش ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت والے کو عاشق کہتے ہیں۔

کشف کو نیابت و اخبار مغیبات اس منزل ملکوت کا لازمہ ہے۔ عجائبات الٰہی کی وجہ سے سالک کو اس عالم ملکوت سے نکلنا بسا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس پر فریفتہ نہ ہو کہ منزل مقصود ابھی بہت دور ہے۔

ع   بناید بر سرِ پل ایستادن

''پل کے کنارے پر نہیں کھڑے ہونا چاہئے۔ اس سے کیا فائدہ ہے۔ یعنی جب تک پل کو عبور ہی نہ کرو گے، دریا کے پار کیسے جاؤ گے''۔

شہادت وجدا:

اگر سالک کو اس عالم سے نکلنا منظور ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ کمر ہمت باندھ کر راہ منزل حقیقت کی جستجو میں شہادت وجدا کو اختیار کرے کہ شہادت وجدا ممکن الوجود عالم ملکوت اور حصول ممتنع الوجود عالم جبروت کے انقطاع کے لیے معین ہے۔ ——— ممکن الوجود وہ ہے کہ کبھی نیست اور کبھی ہست، اور کبھی ہست بخود قیام نہیں رکھتا مگر بروحِ ناطق ——— اس کی شناخت یہ ہے کہ عالم خواب میں اپنے وجود امکانی سے کبھی نیست اور کبھی ہست ہوتا ہے۔ یعنی حالتِ خواب میں کبھی ظاہر ہو کر تماشا دیکھتا ہے، اور کبھی خواب غفلت میں معطل و معزول ہو کر پوشیدہ ہو جاتا ہے، اور کوئی شے اس کو نظر نہیں آتی ——— لہٰذا جو چیز اس کو معزول کر کے اپنے آپ میں پوشیدہ کر لیتی ہے اس کو ممتنع الوجود کہتے ہیں۔ اس کا حصول شہادت وجدا پر موقوف ہے۔

اقسام شہادت وجدا:

شہادت وجدا کی دو اقسام ہیں:

(۱)——شہادت وجدار سمی

(۲)——شہادت وجداعینی

(۱)——شہادت وجدا رسمی:

یہ ہے کہ سالک اپنے ممکن الوجود کو یک لخت ترک کر کے بھول جائے۔ اور ہوشیاری و بیداری میں خواب غفلت کی حالت اپنے اوپر طاری کرے—— اس استغراق کو یہاں تک بڑھائے کہ حواسِ وجود فنا، جو دو جود ناپیدا اور راہ خطرہ مسدود ہو جائے۔

(۲)——شہادت وجدا عینی:

یہ ہے کہ ممکن الوجود میں جو اوصاف مثل سیر وطیر، عبادتِ ملکی، صفاتِ لامہ اور معرفت وغیرہ حاصل کر چکا ہے، سب کو نفی کردے۔ کہ یہ سب راہ حقیقت میں حجاب ہیں—— سالک جب ممکن الوجود کے اوصاف سے پاک وصاف ہو جاتا ہے تو اس وقت ممتنع الوجود نظر آتا ہے——

تجلیٔ چہارم میں ہفت شغل بہ ہفت حرف:

سالک اپنے ممکن الوجود کو بہ دعوت ہفت شغل سپردخدا کرے۔ وہ ہفت شغل بہ ہفت حروف یہ ہیں:

(۱)-ق (۲)-ف (۳)-غ (۴)-ع (۵)-ظ (۶)-ط (۷)-ض

(۱)——حرف ق:

حرف قاف کلام ونطق سے متعلق ہے۔اس کی عام یہ ہے:

قَدِّسْ کَلَامَنَا فِیْ مَدْحَتِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! میرے کلام کو اپنی حمد وثناء میں پاک کر۔''

یعنی اس زبان سے پاک زیادہ اور زبان عنایت فرما جو کہ تیری مدح کے لائق ہو۔

(۲)——حرف ف:

حرف فا حسنِ شامہ سے متعلق ہے۔اس کی دعا یہ ہے:

فَرِحْنَا بِرَا حِیْئِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! اپنی رحمت وفرحت کی خوشبو سے میرے دماغ کو فرحت بخش۔ تاکہ تری محبت ورحمت میں گرفتار رہوں۔''

(۳)——حرف غ:

حرف غین بصر سے متعلق ہے۔اس کی دعوت یہ ہے:

غَنِمْنَا بِلِقَائِکَ یَااَللّٰہُ

''اے اللہ! اپنے دیدار کی غنیمت میری آنکھوں کو نصیب فرما۔''

(۴)——حرف ع:

حرف عین مہملہ سمع کے متعلق ہے۔اس کی دعوت یہ ہے:

عَلِّمْنَا الْقُرْاٰنَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! مجھے قرآن شریف تعلیم فرما تاکہ تیری معرفت حاصل ہو۔''

(۵)——حرف ظ:

حرف ظا خیمہ عقل سے ہے۔اس کی دعوت یہ ہے:

ظَهِّرْ ظَرْفَ اِسْتِعْدَادِ نَابِجَوْ هَرِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! میری عقل کے ظرف استعداد کو قوت بخش تاکہ تیرے جوہر نورِ ذاتی میں مستعد ہو کر تیری معرفت حاصل کروں۔''

(۶)——حرف ط:

حرف طا کا تعلق قلب سے ہے۔اس کی دعا یہ ہے:

طَرِّبْنَا بِطَمَا نِیْتِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! میرے دل کو اپنی رضا مندی کے ذوق وشوق میں خوش کرتا کہ اطمینانِ قلب ہو۔''

(۷)۔۔۔۔۔۔ حرف ض:

شغلِ ہفتم دعوت بہ حرف ضادمعجمہ جو تمام جسم کے متعلق ہے۔ اس کی دعوت یہ ہے:

ضَیِّتَنَا بِضِیَاءِ کَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! میرے تمام جسم کو اپنے نورِ ذاتی سے منور فرما۔ تاکہ تیرے محل قرب میں جگہ پاؤں۔''

شہادت وجدا میں ان اشغال کو درگاہ خداوندکریم میں جاری رکھے۔ اور وجود روحانی یعنی ممکن الوجود سے نظر کو بالکل اٹھا دے۔ اور کسی خطرہ وصورت کی طرف متوجہ نہ ہو سب کو نفی کرتا رہے۔ یہاں تک کہ دل میں کوئی خطرہ نہ آنے پائے ۔۔۔۔۔۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان اشغال کی برکت سے شہادت وجدا پورے طور پر حاصل ہو جائے گی۔

وصلِ طریقت:

شہادت وجدا کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ممتنع الوجود عطا فرمائے گا۔ یعنی جیسے اول وجود سے انتقال کر کے دوسرے وجود ''ممکن الوجود ملکوتی'' میں آیا تھا۔ اس طرح ممکن الوجود سے انتقال کر کے وجودِ سوم ''ممتنع الوجود جبروتی'' میں داخل ہو جائے گا ۔۔۔۔۔۔ اس وقت سالک کو واصل اور اس عمل کو وصل طریقت کہتے ہیں۔

تجلیٔ سوم بہ تعین ممتنع الوجود:

تن ظلمانی ۔۔۔۔۔۔ روحِ ناطق ۔۔۔۔۔۔ موکل عزرائیل ۔۔۔۔۔۔ اس کا کام یہ ہے کہ عارف الوجود سے فیض لے کر ممتنع الوجود کو پہنچائے۔

ممتنع الوجود عارف الوجود کا مظہر و پرتو ہے، جسے ''واحدیت اور تجلی سوم'' کہتے

ہیں —— یہاں ممتنع معدوم سے عبارت ہے اور وجود کے معنی ہیں "صورت ہستی" —— لہٰذا ممتنع الوجود وہ ہوا جس میں وجود اور صورتِ شے معدوم ہو —— یعنی وہ ظہور میں مانع صور اشیاء اور شریک باری ہے۔ ازل الآ زال میں ذاتِ خدا کے سوا کسی شے کا وجود نہ تھا، فقط خدا کی ذات تھی۔ یہ حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس پر گواہ ہے:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَهٗ شَيْءٌ

"اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔"

یہ منزل جبروت و راہ حقیقت ہے۔ اس منزل میں ذاتِ الٰہی کے سوا کسی شے کا وجود نہیں —— جن کو اعیانِ ثابتہ اور حقیقت اشیاء کہتے ہیں، وہ محض معنی ہیں۔ ان کا ظہور اب تک عدم میں ہے۔ یعنی ذاتِ حق کی ہستی و نیستی بحت ممتنع الوجود کو نصیب ہے۔ اور اسی "نہیں" کو ممتنع الوجود کہتے ہیں —— وہ ایک وجود ہے کہ نہ بخود قائم اور نہ ہی تغیر اعتبار یہ رکھتا ہے۔ ممکنہ اشیاء کے جمیع وجودات کا جو مقام ہے۔ اس کو نسبتاً "لامکاں" کہتے ہیں —— یعنی جملہ موجودات نے اسی لامکان میں ظہور پکڑا ہے ——

ظلمت کیا ہے؟

نیستی سے مراد ظلمت ہے —— یہ ممتنع الوجود تن ظلماتی رکھتا ہے۔ عظمتِ الٰہی کا جلال ظلمت کے رنگ میں نمودار ہے کہ:

ع آبِ چشمۂ حیوان درون تاریکی است

"چشمۂ آبِ حیات" تاریکی میں پوشیدہ ہے۔ یعنی جس طرح آبِ حیات تاریکی میں ہے، اسی طرح نور بھی ظلمت میں مستور ہے —— دیدۂ بینا کو ہر شے میں نور ہی نظر آتا ہے۔

جس کا کچھ رنگ نہ ہو اس کا نام ظلمت ہے۔ روحِ قدسی کی صفتِ جلالی کا نام ظلمت ہے۔ جسے "روحِ ناطق" کہتے ہیں۔

"روحِ قدسی" اور "روحِ ناطق" میں ایسا فرق ہے جیسے آگ اور گرمی میں۔

درحقیقت دونوں ایک چیز ہیں۔یعنی جو آگ ہے، وہی گرمی ہے۔آگ کی گرمی مانع دخول اشیاء ہے۔اگر اس میں کچھ آجائے تو آتش اپنے رنگ میں ہم رنگ کر لیتی ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح سالک جب اس مقام میں پہنچتا ہے تو اس کے جملہ خطرات و انانیت بھسم ہو کر ہم رنگ بن جاتے ہیں۔

ناطق بمعنی مدرک یعنی ہر دو وجود: ۱-ظاہری عنصری اور ۲-باطنی ممکنی ہیں۔۔۔۔۔ جو صورت و خطرہ و اشارہ وغیرہ پیدا ہوتا ہے، وہ بہ ادراک خود اس کا عالم و مدرک ہے۔۔۔۔۔ ممتنع الوجود مظہر ذاتِ حق اور عارف الوجود کا پرتو ہے۔۔۔۔۔ اس میں روحِ قدسی ہے اور ممتنع الوجود میں روحِ ناطق۔۔۔۔۔ یہ ایک دوسرے کے عین ہیں نہ غیر جلال۔

روحِ قدسی کا نام روحِ ناطق ہے۔ یہ سالک کے خطرات قلبیہ کو اپنے حریم کے گرد پھٹکنے نہیں دیتی۔۔۔۔۔ اسی روحِ ناطق کا نام ''ممتنع الوجود'' ہے۔۔۔۔۔ تن ظلماتی اور روحِ ناطق کے اتصال سے قلبِ سلیم نمودار ہوا۔ جو غیر اللہ کے جمیع خطرات سے سلامت با کرامت ہے۔ارشاد باری ہے:

☆۔۔۔۔۔ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ

(پ۱۹، ع۹)

''جس دن نفع نہ دے گا مال اور نہ بیٹے، مگر جو لائے اللہ کے پاس قلبِ سلیم۔''

☆۔۔۔۔۔ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ

''تحقیق تابعون اس کے سے، البتہ ابراہیم تھا جس وقت کہ آیا اپنے رب کے پاس ساتھ دل سلامت کے، یعنی حنیف و موحد بن کر۔''

(پ۲۳، ع۷)

اس قلبِ سلیم میں مطمئنی کی قابلیت رکھی گئی ہے جس کا نام نفس مطمئنہ ہے۔۔۔۔۔ روحِ قدسی کی ہستی چونکہ سب پر اپنی انانیت رکھتی ہے تو سالک کو لازم ہے کہ جب اس انانیت میں پہنچے تو باہوشیاری تمام اپنی دانائی کا تصور رکھے۔تمام خطرات کو نفی کرتا رہے،

یہاں تک کہ اپنی صورت کو بھی بھول جائے۔ کوئی شے نظر میں باقی نہ رہے۔۔۔۔ ہروقت اسی خیال میں قائم و ناظر رہے کہ ممتنع الوجود معلوم و منظور نظر ہو جائے، اور اسی کے شوق میں مستغرق رہے۔

ممتنع الوجود جب سالک کے پیش نظر ہو جاتا ہے، اور وہ اس میں غوطہ لگاتا ہے تو ایک ظلمت نمودار ہوتی ہے۔۔۔۔ درحقیقت وہ ظلمت نہیں بلکہ وہ روحِ قدسی کی ہستی کا جلال ہے جسے روحِ ناطق کہتے ہیں۔ جو ظلمت کے رنگ میں نظر آتی ہے۔۔۔۔ روحِ ناطق اپنی اور غیر کی انانیت پر ناظر و شاہد ہے۔۔۔۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ سالک کے جملہ صوری و معنوی خطرات کو خود میں قبض کر لیتی ہے، اور وجود کو قائم رکھتی ہے۔۔۔۔ اس مقام میں سالک کو بارگاہ الٰہی سے یہ ندا ہوتی ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (پ ۳۰ ع ۱ والفجر)

''اے نفس میرے ذکر میں آرام پانے والے رجوع کر (دینی و دنیاوی انانیت سے) اپنے پروردگار کی طرف، خوش ہے تو پسند کیا گیا۔ پس داخل ہو میرے بندگان شائستہ کے گروہ میں، اور داخل ہو میرے (وصال کے) بہشت میں۔''

یعنی اپنے دین و دنیا کی انانیت بالکل ترک کر کے یہاں داخل ہو۔ کیونکہ:

اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ۚ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ؕ وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی (پ ۱۶ ع ۱۰)

''تحقیق میں ہوں پروردگار تیرا۔ پس اتار ڈال دونوں جوتیاں اپنی (یعنی انانیت دینی و دنیاوی)۔ تو پاک میدان کے بیچ میں ہے کہ اس کا نام طویٰ ہے (یعنی میدان عشق و محبت) اور میں نے پسند کیا تم کو۔ پس سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔''

اس مقام پر سالک اپنی انانیت کے دور کرنے میں ہر چند کوشش بلیغ کرتا ہے لیکن

سعی مشکور نہیں ہوتی —— اس کے دفع کرنے میں قادر نہیں ہوسکتا کہ یہ انانیت بھی ذاتِ حق کا عطیہ ہے —— آخر ناچار پروردگار کے حضور میں عجز و انکساری، آہ وزاری اور دعا کرتا ہے —— چنانچہ حق سبحانہ، وتعالیٰ اس درماندہ فقیر کی دعا قبول فرماتا ہے، اور اس کی انانیت قبض کرکے سالک کو اپنی ذات میں فنا کردیتا ہے —— یہ حالت اس وقت میسر آسکتی ہے جب سالک جمیع شرائط اور لوازم ممتنع الوجود بجالا کر کما حقہ، اس کی معرفت حاصل کرلیتا ہے۔

ممتنع الوجود میں معرفتِ الٰہی کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ سالک بنفس خود ممتنع الوجود میں آئے —— اور

☆ —— روحِ ناطق جو مدرک اشیائے جزو کل ہے،

☆ —— قلبِ سلیم جو قابل معرفتِ الٰہی ہی ہے،

☆ —— نفسِ مطمئنہ جو ذوق وشوق الٰہی رکھتا ہے۔

ہر ایک کو اپنے اپنے کام میں مشغول رکھے —— اور خود بھی بکمالِ ذوق وشوق اسی کام میں مستعد ہوکر استقامت اختیار کرے۔ یہاں تک کہ ہر دو عالم جسمانی اور روحانی، نفسی وآفاقی پیش نظر رہیں۔ تاکہ تجلیات الٰہی اپنے جمالِ بے مثال سے پردہ اٹھائے اور عین بہ عین نمایاں ہوجائے۔

اس کے بعد منزلِ حقیقت میں آکر قلبِ سلیم ممتنع الوجود کی استعداد کے مطابق معرفت حق سبحانہ، وتعالیٰ حاصل کرتا ہے۔ یعنی قلبِ سلیم ہی معرفتِ الٰہی کے لیے مخصوص ہے —— اس مقام میں سالک جب ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے تو نفس مطمئنہ آرام وتسکین پاتا ہے —— قلبِ سلیم ہی معرفتِ الٰہی کے قابل اور الہاماتِ شہنشاہی کا سزاوار ہے۔

سالک جب ممتنع الوجود میں پہنچتا ہے تو علوم کی بے نہایتی اور معرفتِ خداوندی سے غایت درجہ حیران ہوجاتا ہے۔ اور خود شناسی وخدا شناسی سے بہ فہم گمان سرگرداں رہتا ہے —— یہاں فہم گمان بمعنی حیرت ہے۔ یعنی اس مقام پر کسی شے کی تمیز وتشخیص

باقی نہیں رہتی ——گردابِ حیرت میں گرفتار و متحیر ہو کر کہتا ہے کہ:

''میں کیا ہوں؟ —— ہست ہوں یا نیست —— یہ سب کچھ میں ہی ہوں۔ یہ کیا ہے کہ کبھی نیست ہوں کبھی ہست! —— اور اگر کچھ ہوں تو پھر میں کیا ہوں؟''

ایسا ہی خدا کی نسبت کہتا ہے۔ کیونکہ یہ ممتنع الوجود، ممکن الوجود اور عارف الوجود کے درمیان ایک برزخ ہے۔ جو ہر دو وجود کا جامع اور غلبہ احکام یکے بعد دیگرے کا مانع ہے —— اس کا برزخ چونکہ ہر دو جانب رہتا ہے، اس لیے اپنی نسبت اور خدا کی نسبت بہ فہم گمان ہست و نیست کا حکم لگاتا ہے۔ بہت متردد و پریشان ہو جاتا ہے۔ لیکن فہم و گمان کے بعد ہی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سالک کو توحیدِ احوالی سے متصف کر دیتا ہے۔

توحیدِ احوالی:

توحیدِ احوالی وہ مرتبہ ہے کہ سالک جملہ صفاتِ حق اپنی ذات میں پاتا ہے، اور غنا و انانیت حاصل کرتا ہے۔ جب صفاتِ حق:

☆ —— جلال و جمال ☆ —— خالقیت و رزاقیت ☆ —— قدرت و فاعلیت

وغیرہ اپنی ذات میں پاتا ہے تو اپنے احوال سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ —— پھر اللہ تعالیٰ اپنی عنایت و لطف سے سالک کو اپنی صفاتِ ذاتیہ قدیمہ:

''حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع و بصر و کلام''

عطا فرماتا ہے —— اپنی ذات میں سالک جب ان صفات کاملہ کا ظہور دیکھتا ہے تو بہ واحدانیت حق اقرار کرتا ہے۔ اس مقام میں سالک پر مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے معنی اتحادِ صفاتی منکشف ہوتے ہیں —— اس وقت خدا کے ساتھ اتحاد و یگانگی پیدا کرتا ہے، مگر عبودیت بھی باقی رہتی ہے۔ اس کا نام اتحادِ صفاتی ہے۔

پھر اس پر عشقِ الٰہی کا غلبہ زیادہ ہو جاتا ہے، اور کمال بے قراری میں ہر وقت جمالِ بے مثال کے دیدار کا مشتاق رہتا ہے۔ اور آتشِ عشق و سوز و گداز سے درگزرے

——تفرید یہ ہے کہ علاقۂ صفات سے روگرداں و مفرد ہو کر منزلِ حقیقت میں قدم رکھے۔

حقیقت کیا ہے؟

حقیقت سے یہ مراد ہے کہ اپنی ان صفات کو صفات حق کا ظلال وعکس جانے، اور اپنی ذات میں جملہ صفات کا ظہور ذاتِ حق کی طرف سے تصور کرے۔ مثلاً:

☆——احیاء وممات ☆——رزاقی وعطاوجود ☆——لطف وجبر وقہر

وغیرہ سب کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کرے، اور مراقبہ حقیقت کو اپنا معمول و ملزوم رکھے یعنی:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

قرب معیت بلکہ مظہریت کے لحاظ سے اپنی ذات میں ذاتِ حق کو عین سمجھے اور دیکھے —— اس مراقبہ والے کو عالم کہتے ہیں۔ اس مراقبہ میں ذکر روحی یعنی مشاہدۂ حق نصیب ہوتا ہے —— اس بات کا سمجھنا البتہ دشوار ومشکل ہے کہ ممتنع الوجود میں مشاہدۂ حق کیونکر حاصل ہو سکتا ہے ——

عارف کسے کہتے ہیں؟

روحِ قدسی کی دید کو مشاہدۂ حق مانا گیا ہے —— معنی کے لحاظ سے مشاہدہ فاعل ہے یا اسم مفعول، یعنی بہ نیندہ یا دیدہ شدہ تو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے یہ معنی ہوئے کہ:

"جس نے روحِ قدسی کو دیکھا، وہ بہ نیندہ خدا ہے —— یا جس کو روحِ قدسی نظر پڑا، اس نے بعینہٖ خدا کو دیکھا۔"

یہ مشاہدہ صفاتی ہے کہ روح کو صفات الٰہیہ سے متصف دیکھتا ہے۔ صفاتی مشاہدہ والے کو عارف کہتے ہیں —— مگر ابھی تمیز صفات میں ہے، کیونکہ یہاں سالک کو مشاہدۂ روح

صفات کی تمثیل میں ہوتا ہے۔

عاشق کسے کہتے ہیں؟

صفاتی مشاہدے کے بعد منزل عالم جبروت شروع ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ تحصیل یہ ہے کہ اس حدیث قدسی:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ

کا مراقبہ اس صورت سے کرے کہ روحِ قدسی کو عین ذاتِ حق' اور اس کی صفات کو عین صفاتِ حق تصور کرے —— اس تصور کو یہاں تک بڑھائے کہ روح اور اس کی صفات عین ذاتِ حق نظر آنے لگیں۔ چونکہ کلام جلال، عظمت و منزلت منزل جبروت کی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اور اپنے حال سے بے خبر ہو کر سالک حالتِ حق اختیار کرتا ہے، اور منصور وار نعرہ انا الحق لگاتا ہے۔ —— اس وقت اس کو عاشق کہتے ہیں۔

اس مرتبہ میں سالک پر جملہ صفات الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی ذاتِ حق کی طرف سے سالک کو ایسی حالت وقوت، قدرت و امداد حاصل ہوتی ہے کہ جو کچھ چاہتا ہے کرسکتا ہے —— لیکن اس حالت میں کمال لذت اور جمالِ روح کے سبب وہ کسی طرف ملتفت نہیں ہوتا۔ سالک کے لیے یہ مقام بلائے جان بے درمان ہو جاتا ہے، اور اس مقام سے نکلنا بسا دشوار، جیسے شاہ منصور علیہ الرحمہ —— اس منزل میں قیام کرنا زہر قاتل ہے۔ یہ حالت انتہائے ممتنع الوجود، منزل جبروت اور ابتدائے حالتِ عارف الوجود منزلِ لاہوت کی ہے ——

اس وقت سالک شہادتِ عمداً کو اختیار کر کے عارف الوجود میں ترقی کرے کہ شہادتِ عمداً منزل جبروت ترک کے لیے اور منزلِ لاہوت حاصل کرنے کے لیے مقرر ہے —— منزلِ لاہوت چونکہ عارف الوجود سے متعلق ہے، اور عارف الوجود میں اس وقت پہنچتا ہے کہ جب شہادتِ عمداً کے لیے نظر کو ممتنع الوجود سے اٹھائے جیسا کہ پچھلے ہر دو وجود سے نظر کو اٹھایا تھا۔ یعنی اپنی نظر کو ممتنع الوجود کے عرفان و روح کی انانیت و صفات سے اٹھائے، اور منزلِ جبروت کی کسی صفت کو خیال میں نہ لائے —— سب

سے ترکِ تعلق کر کے منزلِ لاہوت کی راہ لے۔ لیکن ممتنع الوجود سے عارف الوجود کی طرف انتقال کرنا، اور عالمِ جبروت سے عالمِ لاہوت کی طرف جانا سخت مشکل و بسا دشوار ہے۔ —— ہر ایک آدمی کا کام نہیں کہ بحرِ ناپیدا کنار ذات میں غواصی کر کے دُرِّ عزّ عرفاں کو ہاتھ میں لائے مگر ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

؎ پائے در دریا منہ کم گو ازاں ۔ برلب دریا خمش کن لب گزاں
گرچہ صد چون من ندارد تاب ھُــو ۔ لیک می نشکیم از غرقاب ھُــو

"تو دریا کے اندر اپنا قدم مت ڈال، تو اس کے متعلق کچھ نہ کہہ —— تو اس دریائے بے کنار کے کنارے خاموشی سے کھڑا رہ —— اگرچہ مجھ جیسے سینکڑوں بھی ایک ھُـــو کی تاب و مجال نہیں رکھتے۔ لیکن میں اس بحرِ وحدت کے ھو میں غرقاب ہونے سے صبر و خوف نہیں کرتا۔"

منزلِ لاہوت جس کو حقیقتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں، کثرت و احدیت کے درمیان ایک برزخ ہے۔ جس کی شان میں

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ

آیا ہے —— یہاں سالک دو نظر یعنی دو جانب توجہ رکھتا ہے:

(۱) —— ایک توجہ معرفتِ عالم کی طرف، کہ وہ ممتنع الوجود ہے —— چونکہ وہ خود بھی عین ممتنع الوجود اور مقید ہے۔ اس کی نظر معرفت بھی ذاتِ عالم کی طرف مقید ہوگی، کہ وہ ممتنع الوجود ہے —— اس لیے کہ جب وہ خود مقید و ممتنع الوجود ہے تو اس کی نظرِ معرفت بھی ممتنع الوجود اور مقید ذاتِ عالم ہی ہے۔

(۲) —— دوسری توجہ معرفتِ ذاتِ حق کی طرف کہ وہ عارف الوجود ہے جو قید عالم سے باطلاقِ حق، اطلاقیت رکھتا ہے۔ —— سالک کی نظرِ معرفت بھی ذاتِ حق کے اطلاق سے مطلق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں شہادت عدا کو اختیار کرے —— یہ دو قسم ہے:

☆ —— شہادت عدا رکی ☆ —— شہادت عدا عینی

تجلی سوم میں شہادت عمدا رسمی:

یہ ہے کہ سالک کو تینوں منزلوں میں جو کچھ معرفت حاصل ہوئی ہے، اس سے دست بردار ہو۔ اس لیے کہ علم کثرتی ہے نہ کہ وحدتی۔ اس علم کو نفی کرے ـــــ اور اس معرفت سے جو دو نظر اور توجہ رکھتا ہے منہ موڑے، اور اپنے اوپر اشیاء کی فراموشی لازم جانے، اور اپنے نفس وانانیت سے مٹائے۔

تجلی سوم میں شہادت عمدا عینی:

یہ ہے کہ شہادت عمدا رسمی سے ترقی کر کے اپنی خودی و خود بینی سے گزر کر فنا ہو جائے ـــــ لیکن نہ از علم بلکہ اپنی ہستی و نیستی کو نگاہ میں رکھے اور شناسا رہے۔ صفات سے مجرد اور صفات میں مفرد ہو جائے۔

جب یہ حالت طاری ہو تو بکمال عجز و انکساری اور بدرجہ غایت آہ و زاری بارگاہ حق سبحانہ، تقدس میں ہفت شغل کے ذریعے مناجات میں مشغول ہو۔ تا کہ وہ سبحانہ، تعالیٰ اپنے جود و کرم سے عارف الوجود کی تمام ماہیت منکشف فرمائے، اور اپنے جمال بے مثال سے حجاب اٹھائے ـــــ اس ممتنع الوجود کو سپرد خدا کرے۔

تجلی سوم میں ہفت شغل بہ ہفت حرف:

(۱)-ص (۲)-ش (۳)-س (۴)-ز (۵)-ر (۶)-ذ (۷)-د

(۱)ـــــ حرف ص:

مناجات بہ حرف صاد بہ قضائے خدا تعالیٰ:

صَبِّرْنَا فِیْ قَضَائِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! اپنی قضا میں مجھے صبر عطاء فرما۔''

(۲)ـــــ حرف ش:

حرف شین اللہ تعالیٰ کے شکر کے لیے ہے۔ اس کی مناجات یہ ہے:

شَکُرِنَا فِیْ شَھَادَتِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! اپنی شہادت میں مجھے شکر نصیب فرما۔''

(۳)——حرف س:

حرف سین مہملہ میں اسرار الٰہی کی مناجات یہ ہے:

سِرُنَا فِیْ سِرِّکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! اپنے اسرارات میں مجھے سیر کرا۔''

(۴)——حرف ز:

حرف زا، معجمہ زینت وجود کے لیے مناجات یہ ہے:

زَیِّنَا بِزِیْنَتِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! اپنی زینت میں میرے وجود کو زینت عطا فرما۔''

(۵)——حرف ر:

حرف را مہملہ طلب رحمت کے لیے ہے۔ اس کی مناجات یوں ہے:

رَحِمْنَانِیْ رَبُوْبِیَّتِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! ربوبیت کے واسطے سے خود مجھ پر رحمت فرما۔''

(۶)——حرف ذ:

حرف ذال مفقوطہ، ذوق وشوق کے طلب کے لیے ہے، اس کی دعا یوں ہے:

ذَکَرْنَا فِیْ ذِکْرِکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! اپنے ذکر میں ذوق وشوق عطا فرما۔''

(۷)——حرف د:

حرف دال مہملہ راہِ راست کی طلب اور اسرارات الٰہی میں دخول کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

دُلَّنَا اِلٰی وُصُوْلِکَ وَ اجْعَلْنَا وَخِیْلاً فِیْ سِرِّکَ یَا اَللّٰہُ

''اے اللہ! میری رہنمائی فرما۔ اپنے وصول کی طرف اور مجھے اپنے اسرارات میں داخل فرما۔''

تجلی دوئم بہ تعین عارف الوجود:

تن نورانی —— روحِ قدسی —— مؤکل جبرائیل —— اس مؤکل کا کام یہ ہے کہ احدیت ذات سے فیض لے کر وحدت وحقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچاتا ہے —— احدیت ذات سے کبھی بلاواسطہ فیض پہنچتا ہے۔

یہ عارف الوجود اور واحد الوجود کا مظہر و پرتو ہے۔ جسے وحدت وحقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور تجلی دوم کہتے ہیں —— واحد الوجود احدیت ذات نے جب کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا سے فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ کی تجلی فرمائی تو عارف الوجود یعنی ہستی بخود دانا کا ظہور ہوا۔ جس کو علم اجمالی، وحدت اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی کہتے ہیں —— اس وجود کا تن نورانی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ

''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو ظاہر فرمایا۔''

نفس ملہمہ یعنی قلب شہید:

اس وجود کے تن نورانی کو روحِ قدسی کے اتصال سے قلب شہید ظہور میں آیا۔

ارشاد باری ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ (پ۲۶ ع ۱۷)

''تحقیق اس میں البتہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے کہ اس کے لیے ہے دل آگاہ! —— یا ڈالا کان کو (جو مخبر دل ہے) اور وہ گواہی دینے والا

ہے۔"

قلب شہید میں ایک قابلیت رکھی گئی ہے جس کا نام ملہمہ ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا

"اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اس کو بنایا، پھر اس کو ملہم کیا۔"

نفس: بمعنی خواہش —— ملہمہ بمعنی: الہام کیا گیا —— یعنی یہ قلب ہمیشہ عالم غیب، کلام حق، دیدار ذات، اسرارات معرفت اور رویتِ اسرارِ الٰہی کا مشتاق اور انہیں الہامات کا ملہم رہتا ہے۔

عارف الوجود وہ ہے جو اپنی ہستی پر خود دانا ہے، اور جملہ وجودات کی ہستی اسی کے ساتھ قائم ہے، اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز —— یہ وجود اپنے ماتحت سے متصف باطلاق ہے۔ بلکہ اطلاقِ ذاتِ حق کا مماثل ہے۔ جو جمیع ہستی ہائے ممکنات سے منزہ مقدس ہے —— چنانچہ سالک جب ممتنع الوجود سے ترقی پا کر عارف الوجود میں آتا ہے تو اپنی اصلی شناخت جو مستلزم حقیقی شناخت ربّ الارباب ہے، پہنچ جاتا ہے۔ اور اس پر مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے معنی پورے طور پر منکشف ہوجاتے ہیں —— یعنی ذاتِ مطلق کو اپنے عارف الوجود میں حاصل کر لیتا ہے۔ ممتنع الوجود میں سالک اگرچہ جمیع صور و اشکال ماسوائے اللہ سے نظر اٹھا کر خود ناظر و شاہد ہوگیا ہے۔ لیکن ممتنع الوجود کی ایک صفت شاہدی وخودی وخود بینی اس میں اب تک باقی ہے —— جب اس کو بھی فنا کر دے گا تو پھر عارف الوجود میں پہنچے گا کہ وہ اپنی ذات میں اور اپنے اوپر خود بخود شاہد و ناظر ہے۔

بشارت اور ھاتف:

لازم الوجود خاکی کی روح نامی نباتی اور طبعی حیوانی ہے —— سالک جب یہ سب مراتب وجودات:

☆ —— ممکن الوجود روحانی کی روحِ متحرک،

☆ —— ممتنع الوجود ظلماتی کی روحِ ناطق، اور

☆ ـــــ عارف الوجود نورانی کی روحِ قدسی،

طے کرتا ہوا عارف الوجود میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو کچھ مشاہدہ وکلام، رویت والہام اور پیام ذوق وتجلی وغیرہ اس کو عطا فرماتا ہے ـــــ

اول عارف الوجود میں ـــــ پھر ممتنع الوجود میں ـــــ پھر ممکن الوجود میں ـــــ پھر واجب الوجود پر ظاہر ہوتا ہے۔

جو کلام مرتبہ نور میں ہے اس کو راز کہتے ہیں ـــــ جو کلام روح پر آتا ہے، اسے الہام کہا جاتا ہے ـــــ جب دل میں آتا ہے تو اسے اشارہ کہا جاتا ہے۔

کلام جو نفس میں گزرتا ہے اس کو بشارت کہتے ہیں ـــــ کلام جب جسمانی کان میں پہنچتا ہے تو اسے ھاتف کہتے ہیں۔

رُوحِ قدسی:

روحِ قدسی جو تن نورانی عارف الوجود کے متعلق ہے، یہی کلام الٰہی کے قابل اور ذاتِ حق کے مشاہدہ کے لائق ہے ـــــ گو تن روحانی اور روحِ قدسی دو نام ہیں، درحقیقت وہ ایک ہی ذات ہے۔ جیسے: شمس اور شعاع شمس۔ اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا کا اشارہ اسی مرتبے کی طرف ہے ـــــ روحِ قدسی کا مشاہدہ اس وقت متحقق ہوتا ہے کہ جب قلب شہید جو تن روحانی اور روحِ قدسی سے ظہور میں آیا ہے' گواہی دے اور اعتراف کرے۔

فہم آگاہ:

نفس ملہمہ جو قلبِ شہید کی قابلیت کا نام ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے ایک فہم عطا فرمایا ہے۔ جس کا نام فہم آگاہ ہے۔ اس کی خاصیت شک وتردّد کو رفع کرنا ہے۔ یعنی جو کلام ورویت، معرفت والہام وغیرہ نفس ملہمہ کو حاصل ہوتا ہے۔ فہم آگاہ اس کا شک وتردد رفع کر دیتا ہے۔ اور ایسی تحقیق کرتا ہے کہ سالک کو پھر کسی طرح کا شک وشبہ نہیں رہتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مقام معرفت حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم یعنی عارف الوجود میں پہنچے تو تحقیق وتفحص کے بعد نفس ملہمہ نے کہا:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

لہٰذا سالک فہم آگاہ کو مرتبۂ کلام و رویت اور معرفت والہام وغیرہ میں نگاہ رکھے تاکہ جو کچھ غیب سے پہنچے اس کو مرتبۂ آگاہی تک پہنچادے۔ یہ آگاہی مرتبۂ توحید ذاتی کی ہے——

سالک کا تحقق جب مرتبۂ آگاہی میں پہنچ جاتا ہے تو اپنی ذات کو ذاتِ حق کی موجوں کے احاطے میں بلبلے کی طرح پاتا ہے—— اس احاطہ کی شناخت ذوق ووجدان اور معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس پر توحیدِ ذاتی کھل جاتی ہے۔

مرتبۂ جمال کی تجرید:

توحید ذاتی کا تعلق جمال سے ہے۔ اس لیے کہ عارف الوجود مرتبۂ جمال میں ہے—— توحید ذاتی کے بعد سالک کو تجرید وتفرید کا اختیار کرنا لازم ہوتا ہے۔

اس مرتبہ کی تجرید یہ ہے کہ سالک روحِ قدسی، قلبِ شہید، نفسِ ملہمہ اور فہم آگاہ سے گزر جائے اور فراموش کردے۔

مرتبۂ جمال کی تفرید:

مرتبۂ جمال کی تفرید یہ ہے کہ اپنی ذات کو محض نیست و نابود جانے اور حق تعالیٰ کے ساتھ مفرد و یگانہ ہوجائے، تاکہ راہ معرفت نظر آئے——

راہ معرفت، تجرید وتفرید اور توحید ذاتی کی تکمیل کے بعد منکشف ہوتی ہے۔

—— چنانچہ سالک اپنے کمال عجز وانکساری کا اقرار کر کے اپنے اوپر اس سے نظر کو قائم کرے کہ میں صفات کے بغیر مجرد ومفرد بیچارہ دارِ ردائے کبریائی میں مخفی و مستور ہوں۔

مرتبۂ جمال میں مراقبہ:

اسی مرتبہ میں فعل عبد فعل خدا ہوتا ہے۔ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

رَمٰی —— اور حدیث قدسی: مَا زَالَ عَبْدِیْ —— گواہ ہے!

اس مقام میں لوازمِ عبودیت کے ساتھ قیام کرے۔ کیونکہ عبادت سے محبت بڑھتی ہے، اور محبت سے عشق، اور عشق سے وصال آتا ہے۔ —— اور دیدارِ الٰہی کے قابل ہوجاتا ہے۔ چنانچہ عبودیت کے جمیع لوازم بجالائے تاکہ مراقبہ معرفت میں پہنچ جائے —— حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم:

اَنْ تَعْبُدُ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کے مطابق مراقبہ معرفت اختیار کرے۔ تاکہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے معنی پورے طور پر منکشف ہوجائیں ——

یہاں مراقبہ کے معنی یہ ہیں کہ:

''میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔''

ہر وقت کلامِ الٰہی کا مشتاق اور اسی فکر میں مستغرق رہے کہ میں اس کلام پاک سے کس مستفیض ہوں گا —— اس مراقبہ والے کو عالم کہتے ہیں۔ یہاں ذکرِ سری یعنی معائنہ حق حاصل ہوتا ہے۔

ذکرِ سری:

ذکر سری یہ ہے کہ سالک جب اس مقام کے مراقبہ کو نگاہ میں رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے کمال الطاف وعنایات سے اپنی آگاہی وکلام اور معرفت اس کی استعداد کے موافق روشنی فرماتا ہے —— تاکہ کلامِ الٰہی کی حقیقت کو شناخت کرسکے ——

کلام کے بعد رازِ خفی ہے جو حق تعالیٰ کی ذاتِ خاص سے مخصوص ہے۔ —— لہٰذا ذکر سری یاد ہے اور اس کا معائنہ رازِ خفی ہے —— رازِ خفی جب عیاں ہوجاتا ہے تو منزلِ لاہوت میں پہنچ جاتا ہے۔ یعنی اس منزل کا وصول ذکر سری کے بعد ہے —— اس حالت والے کو واصل کہتے ہیں۔

منزلِ لاہوت میں واصل:

منزلِ لاہوت کے حصول کی علامت یہ ہے کہ اس منزل کا واصل رازِ خفی کے ادراک سے اپنی ذات میں ایک قسم کی قربت وعظمت پاتا ہے —— منزلِ لاہوت

مقام بے باکی ہے۔ جو شخص ابتداء میں اس میں داخل ہوتا ہے، اور کلامِ الٰہی میں محرم ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے تو اس کو بے اختیار قرب وانانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کسی دوسرے کو اس مرتبہ قرب میں اپنے برابر نہیں جانتا۔ ذاتِ حق کے سوا اسے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لہٰذا منصور حلاج علیہ الرحمہ کی طرح انا الحق کا اعلان کرتا ہے—— کیونکہ عارف الوجود مطلق نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور یہ بحر نا پیدا کنار کی ایک موج ہے۔ موج کو بحر سے انفکاک نہیں۔ یعنی بحر مجرد ہے۔

اس منزل کی ابتدائی حالت میں وصل اپنی ذات کو ذاتِ حق اور ذاتِ عالم کے ساتھ ایک جانتا اور ایک دیکھتا ہے، اور کچھ تمیز نہیں کر سکتا—— اس لیے بے اختیار انا الحق پکارتا ہے—— اہل معرفت اس کو اس منزل کی ابتدائی حالت اور ساغر اول جانتے ہیں، اس پر اکتفا نہیں کرتے کہ یہ عارف الوجود کا ادنیٰ مرتبہ اور منشاء خودی ہے —— محل قرب اخلاص اور وحدت خاص الخاص ذاتی آ گئے ہے۔ اب شہادتِ شہیدا کو اختیار کرے تاکہ مقام اختصاص قرب خاص الخاص میں داخل ہو——

شہادتِ شہیدا:

شہادت شہیدا عارف الوجود کو ترک کرنے کے لیے اور ذاتِ حق کے خاص الخاص قرب حاصل کرنے کے لیے مقرر ہے—— اس قرب کا نام "قربِ اختصاص احدیت ذاتِ واحد الوجود" ہے—— فَـکَانَ قَـابَ قَـوْسَیْـنِ اَوْ اَدْنٰـی اسی کا عنوان ہے—— اور اَوْحٰـی اِلٰـی عَبْـدِهٖ مَـا اَوْحٰـی اسی کی شان ہے—— یہ مرتبہ معشوقی ہے اور مقام انتہائے فقر۔

شہادت شہیدا بھی دو قسم ہے:

(۱)—— رسمی (۲)—— عینی

(۱)—— شہادتِ شہیدا رسمی:

یہ ہے کہ اس منزل کی ابتدا میں سالک کو جو کچھ اوصاف حاصل ہوئے ہیں، ان سب کو نفی کرے—— اور جو کچھ زبان سے سرزد ہوا ہو، اس سے بیزار ہو کر توبہ

کرے —— ان سب امور کی اضافت بذاتِ خود منسوب کرے۔ اور اپنی ذات کو نیست و نابود سمجھ کر ذاتِ حق کو موصوف بہ جمیع صفات ثابت و قائم کرے —— اپنی نظر احدیت ذات کے جلال پر رکھے، اور اپنی جملہ صفات کو شمع جلالِ احدیت ذات پر پروانہ وار جلا کر فنا کر دے۔

(۲) —— شہادت شہیدا عینی:

یہ ہے کہ فنائے شہادت رسمی کے بعد جو کچھ سالک کے وجود میں ظاہر ہوا ہے یعنی: کلام و قدرت، حیات و ارادہ، علم و سمع اور بصر، تمام کو ذاتِ حق کی طرف منسوب کرے —— جمیع صفات کو تجلیات ذات سمجھے، اپنی ذات کو درمیان میں نہ لائے۔ تاکہ بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْصُرُ وَبِیْ یَنْطِقُ کے معنی عیاں ہوں —— اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کا مضمون منکشف ہو ——

تجلی دوم میں ہفت شغل بہ ہفت حرف:

شہادت شہیدا کے بعد مجیب الدعوات کی بارگاہ میں ہفت شغل کے ذریعے عارف الوجود کو بہ امان حق سبحانہ، تعالیٰ سپرد کرے تاکہ اقرب احدیت اور مرتبہ محبوبیت حاصل ہو۔

ہفت شغل بہ جفت حروف یہ ہیں:

(۱)-خ (۲)-ح (۳)-ج (۴)-ث (۵)-ت (۶)-ب (۷)-ا

(۱) —— حرف خ:

شغل اوّل بہ حرف خاءِ معجمہ ہے جو کہ خلعت خلافت کی طلب کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

خِلْعَتَنَا فِیْ خَلَافَتِکَ یَا اَللّٰهُ

''اے اللہ! مجھے اپنی خلافت و محبوبیت کی خلعت عطا فرما۔''

(۲)——حرف ح:

شغل دوئم یہ حرف حاء مہملہ ہے جو کہ طلب محبت کے لیے ہے۔ اس کی دعا اس طرح سے ہے:

حُبِّبْنَا فِیْ حُبِّکَ یَا اَللّٰہُ

"اے اللہ! تیری محبت میں میری محبت ہو۔"

(۳)——حرف ج:

شغل سوم یہ حرف جیم معجمہ ہے۔ یہ جمال کی طلب کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

جَمِّلْنَا فِیْ جَمَالِکَ یَا اَللّٰہُ

"اے اللہ! اپنے حسن و جمال سے مجھے جمال عنایت فرما۔"

(۴)——حرف ث:

شغل چہارم یہ حرف ثاء مثلثہ ہے۔ یہ طلب ثبات کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

"ثَبِّتْنَا فِیْ ثُبَاتِکَ یَا اَللّٰہُ

"اے اللہ! مجھ کو اپنے ثبات محبت و عشق میں ثابت قدم رکھ۔"

(۵)——حرف ت:

شغل پنجم یہ حرف تاء مثناۃ فوقانیہ ہے۔ یہ اتمام نعمت کی طلب کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

تَمِّمْ عَلَیْنَا نِعْمَائِکَ یَا اَللّٰہُ

"اے اللہ! اپنی نعمتیں مجھ پر تمام کر۔"

(۶)——حرف ب:

شغل ششم یہ حرف باء موحدہ طلب نور کے لیے ہے۔ اس کی دعا یوں ہے:

بَلِّغْنَا فِیْ بَهْجَتِکَ یَا اَللّٰهُ

''اے اللہ! مجھے اپنی خوش حالی دیدار و معرفت میں منور فرما۔''

(۷)——حرف ا:

شغل ہفتم بہ حرف الف فنا کی طلب کے لیے ہے۔ اس کی دعا یہ ہے:

اَدِرْنَا الْفَنَاءُ فِیْ اَحَدِیَّتِکَ یَا اَللّٰهُ

''اے اللہ! مجھے اپنی ذاتِ احدیت میں فنا کرتا کہ تجھ میں بقا پاؤں۔''

ان اشغال کو ہمیشہ عجز و انکسار کے ساتھ کرتا رہے۔ تا کہ بابِ رحمت واحد الوجود کشادہ ہو۔

تجلی اول واحد الوجود بہ تعین اطلاق:

واحد الوجود تعینِ اوّل اور منزلِ ھاہوت ہے—— ذاتِ لاتعین نے اس مقام پر واحد الوجود مطلق کا نام پایا——

صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ جب سالک عارف الوجود سے ترقی پا کر واحد الوجود میں (جو اطلاق ذاتی ہے) آتا ہے—— تو ذاتِ حق میں فنائے اتم حاصل کر کے باقی بہ بقائے ذاتِ حق ہو جاتا ہے—— اس فنا ہونے کا نام ذکر مغائبہ ہے۔ اسے ذکرِ خفی بھی کہتے ہیں۔

صلوٰۃِ دائمی کے ذکر میں معلوم ہوا کہ واحد الوجود بمعنی واحدہ ہستی مطلق ہے چونکہ یہ مقام اطلاق ہے، یہاں دم مارنے کی جگہ نہیں کہ بیانِ زبان، ادراکِ عقول اور افہام و اذہان سے باہر ہے۔ مگر اس منزل پر سالک پر دو تجلی کا ظہور ہوتا ہے:

(۱)——تجلیٔ جلالی (۲)——تجلیٔ جمالی

ا——تجلیٔ جلالی (مرتبۂ عاشقیت):

یہ ہے کہ سالک اپنی ہستی کو علم اولین و آخرین کے ساتھ جو عارف الوجود میں حاصل کر چکا ہے، ان جملہ صفات کو اس تجلی میں محو و فنا کر بیٹھتا ہے، اور کورا مسکین و عاجز

رہ جاتا ہے ——— تجلی جلالی مرتبۂ عاشقیت ہے۔

۲ ——— تجلیٔ جمالی (مرتبۂ معشوقیت):

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات احدیت کی تجلی کو بہ ارادت خود سالک پر از سرنو عیاں فرماتا ہے۔ پھر علم اولین و آخرین اس کو نصیب و عطا فرما دیتا ہے ——— یہ درجۂ معشوقیت و محبوبیت ہے۔

یہ اوّل سے افضل و بالاتر اور اقصائے مراتبِ فقر ہے۔ اس سے آگے کوئی مقام نہیں۔ یہ مرتبہ نور ہے بلکہ نورِ علیٰ نور ہے۔ ارشاد باری ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَنُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَّهْدِی اللّٰہُ بِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ

لیکن یہاں سالک کی سعی و کوشش منقطع، جدوجہد معطل و معزول، سوائے ارادتِ الٰہی کچھ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سلوک منزل و قطع مراحل عارف الوجود کی شہادتِ شہیدا تک ختم ہوچکی۔ اب تو محض وہ سبحانہ، تعالیٰ کے فضل و کرم کا امیدوار ہے۔ وہ خواہ محبوب بنائے یا عاشق رکھے۔

اقسام نظر:

یہ بات ملحوظ رہے کہ نظر دو قسم کی ہے:

(۱) ——— نظر ظاہری (۲) ——— نظر باطنی

(۱) ——— نظری ظاہری:

جو اس جسم خاکی ظاہری کے متعلق ہے، اور یہ مسکین و حقیر، فقیر و محتاج ہے۔

(۲) ——— نظر باطنی:

دوسری نظر باطنی جو رُوحِ قدسی کے متعلق ہے اور یہ مستغنی و قادر، منزہ و مقدس ہے ——— نظر ظاہری نظر باطنی کے تابع ہے۔ وہ مقید ہے اور یہ مطلق ——— نظر باطنی جسم میں جابجا سیر کرتی رہتی ہے۔

چنانچہ عارف الوجود نظر ظاہری کے مشابہ ہے، اور واحد الوجود نظر باطنی کے۔
——— عارف الوجود کو اس کے سوا کچھ اختیار نہیں کہ وہ عجز وانکسار، عبادات ومناجات بارگاہِ واحد الوجود میں بہ الحاح کرے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ بہ عنایات والطاف خود جذب اور اپنے کلام سے محرم راز فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی سے سرفراز فرمائے——— یہ مقام معراج ومرتبۂ محبوبیت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل میسر آتا ہے۔——— شغل نفی واثبات لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللہُ یہاں ختم۔ ماسوااللہ کا اضافی وجود غیب سے منفی ہو جاتا ہے۔ ذاتِ واحد الوجود کے سوا کچھ مقصود نہیں ہوتا۔

وجدان:

سالک جب واحد الوجود میں آتا ہے تو اس کو اس منزل ھاہوت میں چند وجدان پیش آتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ مفہوم کرتا ہے کہ میں واحد الوجود میں آ گیا ہوں۔

وجدان کی چار اقسام ہیں:

(۱)- اوّل: دونظری (۲)- دوم: توحیدوقرب (۳)-سوم: نور
(۴)- چہارم: لباس باعتبارصفات

(۱)——— وجدان اول: دونظری:

یعنی نظر ظاہری و باطنی جن سے انانیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ سالک جب اس منزل میں آتا ہے تو اس کی ہر دونظر اور جمیع اشیاء خارجیہ کا وجود اس کے ادراک میں محو در محو اور فنا در فنا معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اپنا وجود بھی کھو بیٹھتا ہے۔——— یہاں واحدہ ہستی مطلق کے سوا کچھ ادراک نہیں کرسکتا۔

جیسا کہ ذاتِ مطلق پہلے اپنے پرتو ذاتی سے عارف الوجود کو (کہ وہ نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے) ظہور میں لایا، اور عارف الوجود کی ہستی سے ممتنع الوجود ظاہر ہوا——— اور ممکن الوجود سے واجب الوجود یعنی لازم الوجود ہویدا ہوا۔ جن کی تشریح پہلے بیان کی جا چکی ہے——— چنانچہ:

☆——لازم الوجود مظہر و پرتو ہے ممکن الوجود کا،

☆——ممکن الوجود مظہر و پرتو ہے ممتنع الوجود کا،

☆——ممتنع الوجود مظہر و پرتو ہے عارف الوجود کا،

☆——عارف الوجود مظہر و پرتو ہے واحد الوجود کا۔

اسی لحاظ سے واحد الوجود کی یافت لازم الوجود جسد انسانی میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ جمیع وجودات جسمانیات میں اربع وجودات یعنی:

(۱) ممکن الوجود (۲) ممتنع الوجود (۳) عارف الوجود (۴) واحد الوجود

بہ حسب وجود پائے جاتے ہیں—— بالخصوص انسانی وجود میں (جو کہ مظہر ذات و مظہر صفات الٰہی ہے) اظہر من الشمس عیاں و نمایاں ہیں۔ اسی لیے یہی وجود عنصری انسانی و اجبہ مامور بہ تحصیل عرفان ہوا ہے——

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ لِيَعْرِفُوْنَ

اس پر بین دلیل ہے—— جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہر ایک عنصری وجود میں یہ مذکورہ بالا چاروں وجود مضمر ہیں۔ تو ہر ایک لازم الوجود عنصری پر لازم ہے کہ:

☆—— اپنے وجود میں طلب یافت ذاتِ حق کرے۔ کہ یہ وجودات خمسہ ایک دوسرے کے عین ہیں۔

☆——ہر ایک وجود میں اپنی ذات کو دیکھے، اور

☆——اپنے وجود میں ہر ایک کا ملاحظہ کرے۔

البتہ پیر کامل کی تعلیم کی ضرورت ہے۔

(۲)——وجدان دوم: توحید و قرب:

اس کی علامت بے نیازی ہے کہ جب سالک مرتبۂ توحید اور قربِ واجب الوجود میں پہنچتا ہے تو ذاتِ حق کا وصف بے نیازی اس پر غلبہ کرتا ہے، اور سالک سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے—— اَلْفَقِيْرُ لَا يَحْتَاجُ اِلٰى نَفْسِهٖ وَلَا اِلٰى رَبِّهٖ اسی مقام کا

بیان ہے ـــــ یہ منزلِ قرب تمام منازل سے افضل و اعلیٰ تر ہے۔ اس لیے کہ ذاتِ حق سالک پر اپنی استغنائی کی تجلی مبذول کراتی ہے ـــــ یہ معراج نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عکس ہے۔ ـــــ اسی مقام پر سالک کو علم اولین وآخرین حاصل ہوتا ہے، اور ذکر خفی نصیب ہوتا ہے ـــــ

یہ مقام عارف الوجود کی انتہاء اور واحد الوجود کی ابتداء ہے ـــــ ذکر خفی کے معنی ہیں: ''فراموشی'' ـــــ یعنی وصال محبوب میں فنا ہو جانے کا نام ذکر خفی ہے۔

اقسام ذکر:

ذکر پانچ اقسام ہیں:

(۱) ـــــ زبانی یعنی لقلقہ (۲) ـــــ قلبی یعنی وسوسہ

(۳) ـــــ روحی یعنی مشاہدہ (۴) ـــــ سری یعنی معائنہ

(۵) ـــــ خفی یعنی مغائبہ

(۱) ـــــ ذکر زبانی یعنی لقلقہ:

کوئی عاشق دور افتادہ جب اپنے معشوق مسافر کا زبانی ذکر کرتا ہے۔ تو اس کو لقلقہ کہتے ہیں۔

(۲) ـــــ ذکر قلبی یعنی وسوسہ:

جب معشوق کے آنے کی خبر سن کر دل میں سوچتا ہے تو اسے ذکر قلبی یعنی وسوسہ کہتے ہیں۔

(۳) ـــــ ذکر روحی یعنی مشاہدہ:

معشوق کو جب قریب سے دیکھ لیتا ہے تو اسے ذکر روحی یعنی مشاہدہ کہتے ہیں۔

(۴) ـــــ ذکر سری یعنی معائنہ:

معشوق سے جب ہم کلام ہوتا ہے تو اسے ذکر سری یعنی معائنہ کہتے ہیں۔

(۵)۔۔۔۔ذکر خفی یعنی مغائبہ:

معشوق کے وصال میں سب کی فراموشی اور اپنی فنا کا نام ذکر خفی یعنی مغائبہ ہے۔

وجدان سوم: نور:

یعنی اس مقام پر سالک ہر ذرّے میں ذاتِ حق کا نور دیکھتا ہے۔۔۔۔ اور اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

وجدان چہارم: لباس باعتبار صفات:

یعنی مثلاً کافر، مومن، عابد، زاہد، عارف، ولی، نبی۔۔۔۔ یہ تمام صفاتی لباس ہیں۔۔۔۔ اور ذاتی شے واحد، جیسے: بادشاہ، وزیر، قاضی، مفتی، لشکری، گدا، وغیرہ ہیں۔۔۔۔ ان میں ہر ایک شخص صفاتی لباس سے متمیّز ہوسکتا ہے۔۔۔۔ اگر ان سب کا امتیازی لباس اتار کر ان کو بالکل برہنہ کر دیا جائے تو کوئی شخص ہرگز یہ تمیز نہیں کرسکتا کہ ان میں سے بادشاہ ولشکری اور گدا کون ہے۔

چنانچہ سالک جب منزل واحد الوجود میں قدم رکھتا ہے تو یہاں کوئی صفاتی لباس باقی نہیں رہتا۔۔۔۔ نہ اپنا نہ غیر۔۔۔۔ فقط ایک ذاتِ مطلق کا ظہور ہے جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے۔۔۔۔ سالک آخر فنائے اُتم حاصل کر کے باقی بہ بقائے حق ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ــہ پس عدم گردم، عدم چوں ارغنون   گویدم کَـاِنَّــا اِلَیْـــهِ رَاجِـعُـوْنَ

"پس میں بالکل عدم ہی عدم جب ہو جاؤں گا، تو پھر وہ ارغنون باجے کی طرح اِنَّا لِلّٰہِ رَاجِعُوْنَ (بے شک ہم کو اسی کی طرف جانا ہے) کہوں گا۔"

ع راجع آن باشد کہ باز آید بہ شہر

"واپس آنے والا وہ ہوتا ہے جو کہ شہر میں واپس آتا ہے۔"

واحد الوجود نقطۂ ذات:

واحد الوجود نقطۂ ذات ہے جس کا بیان محالِ عقل ہے۔۔۔۔ اہلِ تصوف نے نقطہ

ذات کو آٹھ ناموں سے موسوم کیا ہے۔یعنی:

(۱)مرتبۂ واحد الوجود (۲)مرتبۂ توحید ذاتی (۳)مرتبۂ خفی (۴)مرتبۂ قرب

(۵)مرتبۂ نور (۶)مرتبۂ وراء الوراء (۷)مرتبۂ احدیت (۸)مرتبۂ لاابن

(۱)——مرتبۂ واحد الوجود:

جو شخص مرتبۂ واحد الوجود میں پہنچا اس نے خدا کو شناخت کیا۔کہ یہاں ذاتِ واحد الوجود کے سوال کچھ نہیں۔

(۲)——مرتبۂ توحید ذاتی:

جو کوئی مرتبۂ توحید ذاتی میں آتا ہے وہ جملہ اشیائے عالم میں ذاتِ حق کو دیکھتا ہے——مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ اللہُ فِیْہِ کے یہ معنی ہیں۔

(۳)——مرتبہ خفی:

جو مرتبۂ خفی میں گیا وہ اپنی ذات کو ذاتِ حق میں نفی دیکھتا ہے۔اور حقائق ذاتِ الٰہی میں ایسا محو و نابود ہو جاتا ہے کہ نہ عبد رہتا ہے نہ معبود۔

(۴)——مرتبۂ قرب:

جس میں عظمت و کمال قدرت پیدا ہوگئی وہ مرتبۂ قرب میں پہنچا۔

(۵)——مرتبہ نور:

جس کو جملہ عالم نور نظر آیا وہ مرتبۂ نور میں گیا۔اور اَللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی حقیقت سے آگاہ ہوا۔

(۶)——مرتبۂ وراء الوراء:

جس کی نظر سے زمان و مکان ہر دو عالم مرتفع ہو گیا اور ذاتِ حق کو لامکان دیکھا، وہ مرتبہ وراء الوراء میں پہنچا۔

(۷)——مرتبۂ احدیت:

جس نے عالم کو ذاتِ حق میں اور ذاتِ حق کو عالم میں بمرتبہ عروج ونزول دیکھا وہ مرتبہ احدیت میں آیا۔

(۸)——مرتبۂ لا این:

جس نے عالم کو نفی اور ذاتِ حق کو ثابت دیکھا، اور ذاتِ حق کے سوا کسی شے کا کہیں کچھ نشان نہ پایا وہ مرتبہ لا این میں پہنچا۔

غرض ان علامات سے سالک معلوم کرسکتا ہے کہ میں کون سے مرتبہ میں آ گیا ہوں—— سالک کو ان تجلیات کا حسب استعداد ظہور ہوتا ہے—— ہر مرتبہ میں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے معنی اپنے عرفان نفس پر تصور کرتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ عارف الوجود بمنزلہ نظر ظاہر کے ہے—— اور واحد الوجود بمرتبہ نظر باطن—— مگر درحقیقت دونوں ایک ہی ذات ہیں۔

جیسے:

☆——آئینے میں عکسِ صورت،

☆——جسم میں عکس روح،

☆——عالم میں عکس ذاتِ حق،

☆——فوکس میں عکس صور اشیاء عالم۔

؎ اودر دل من است و دل من بدست اوست

چون آئینہ بدست من و من در آئینہ

''وہ محبوبِ حقیقی درحقیقت میرے دل کے اندر ہے، اور میرا دل اس کے ہاتھ میں ہے—— جس طرح کہ آئینہ میرے ہاتھ میں اور میں (میری صورت) آئینے میں نظر آتا ہوں۔''

یہ عجب وحدت ہے کہ بہ دیدۂ احول بین کثرت نمودار ہے—— اور یہ عجیب

کثرت ہے نہ بہ نظرِ حق بین ذاتِ واحد الوجود قائم و برقرار ہے—— جب سالک بارادہ الٰہی ذاتِ واحد الوجود میں پہنچ جاتا ہے تو پھر ذاتِ واحد الوجود کے سوا اس کی نظر میں کچھ باقی نہیں رہتا:

☆—— نہ عبد نہ معبود،
☆—— نہ عشق نہ عاشق،
☆—— نہ معشوق نہ محبت،
☆—— نہ محب نہ محبوب!

؎ عشق و عاشق محو گردد این مقام خود ہمان معشوق ماند والسلام

''یہ وہ انتہائی مقام ہے جہاں عشق و عاشق سب کچھ محو و فراموش ہو جاتا ہے—— بس صرف تمام معشوق ہی ہو جاتا ہے، اور وہی سلامت رہے۔''

لہٰذا نظر ظاہری، نظر باطنی کا پرتو و عکس ہے—— بہ حسب وجودِ جسمانی اضافی ایک دوسرے سے جدا معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہ ایک ہی ذات ہیں۔ جیسے شمع فانوس۔ کہ اس کا نور جو فانوس کے اندر ہے، وہی نور فانوس سے باہر ہے—— لہٰذا اگر فرق ہے تو صرف اضافت کا ہے—— جب حجاب اضافی بھی منتفی ہو گیا تو پھر وہی ایک نور لاتعین ہے، جو پہلے تھا۔ بندے اور ذاتِ واحد الوجود کے درمیان بھی فرق اضافی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جیسے زیور طلائی۔ جب تعین صوری ٹوٹ گیا تو پھر وہی سونا ہی سونا ہے۔

؎ حباب جب اپنی گرہ کے بند سے وا گیا
صاف کہتا ہوں حقیقت میں وہ ہو دریا گیا

حضرت ابوبکر دقاق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اَلْفَرْقُ بَیْنِیْ وَبَیْنَہُ الْعُبُوْدِیَۃُ

''میرے اور خدا کے درمیان فرق عبودیت کا ہے۔''

حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لَا فَرْقَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَبِّيْ اِلَّا بِصِفَتَيْنِ صِفَةُ الذَّاتِيَةُ وَصِفَةُ الْقَائِمِيَةُ فَقِيَامُنَا بِهٖ وَذَاتُنَا مِنْهُ

"کچھ فرق نہیں میرے اور پروردگار کے درمیان، مگر دو صفتوں کے سبب سے، ایک صفت ذاتیہ، ایک صفت قائمیہ کے —— پس ہمارے قیام اس کے ساتھ ہے، اور ہماری ذات اس کی ذات سے ہے۔"

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ فَرْقٌ اِلَّا اِنِّيْ تَقَدَّمْتُ بِالْعُبُوْدِيَّةِ

"کچھ فرق نہیں میرے اور اس کے درمیان، لیکن میں نے تقدیم کی بندگی کی طرف۔"

چہرۂ ربوبیت کا جمال عبودیت کے خال کے بغیر وصف کمال نہیں رکھتا کیونکہ عبودیت کے بغیر ربوبیت محال ہے۔

بے عاشق و عشق حسنِ معشوق کجاست تا عاشق و عشق نیست کجاست
درفتوئ عشق اگرچہ ایں قول خطاست مشاطۂ حسن یار بے صبری ماست

"عشق و عاشق کے بغیر معشوق کا حسن و جمال کہاں ہے —— جب تک عاشق و عشق نہ ہو معشوق کہاں ہوتا ہے —— اگر عشق کے فتوے کے لحاظ سے یہ بات خطا اور گستاخی کی ہے کہ حسن دوست کی تمام آرائش کرنے والی اور کشش کا باعث ہماری بے صبری ہے۔"

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اِذَا تَمَّتْ عُبُوْدِيَّةُ الْعَبْدُ فَيَكُوْنَ عِيْشَهٗ كَعَيْشِ اللّٰهُ تَعَالٰى

"جس وقت عبد کی عبودیت تمام ہوئی، پس اس کی عیش ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے عیش کی مانند۔"

اتمام عبودیت اس وقت ہوتی ہے کہ جب تقصیر و توقیر برابر ہو جائیں —— بلکہ جو کچھ خدا کے لیے ہو، اس کا بندے میں ظہور ہو —— ہرگاہ قطرہ دریا میں شامل ہو کے فنا ہو گیا اور نیست و نابود کا تعین —— پس دریا کی عیش عین قطرے کی عیش ہے۔

دعائے سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشہد میں ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ مَسِیْحِ الدَّجَالِ

''الٰہی میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ عذاب قبر سے، اور پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ کانے دجال سے۔''

یہاں قبر سے مراد قید جسمانی و بشری ہے —— اور دجال، نفس امارہ سے ہے۔ نفس امارہ کو یک چشم (کانا) اس لیے کہا ہے کہ اس کی توجہ ظاہر کی طرف ہوتی ہے، باطن کی طرف متوجہ نہیں —— جب انسان اس مقام میں پہنچ جاتا ہے، اور حبابِ دار گرہ تعین توڑ دیتا ہے تو پھر ذات کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

مقامات راہ سلوک:

واضح رہے کہ:

☆ —— معشوق ھاھوت میں ہے یعنی ذات بحت میں،

☆ —— عاشق لاہوت میں ہے،

☆ —— عارف جبروت میں ہے،

☆ —— واصف ملکوت میں ہے، اور

☆ —— واقف ناسوت میں۔

یہ نزول ہے —— اور عروج میں جب:

☆ —— واقف وقوف پاتا ہے تو وصف میں آتا ہے،

☆ ـــــ وصف سے عرفان میں،

☆ ـــــ عرفان سے معارف میں،

☆ ـــــ معارف سے رویت میں،

☆ ـــــ رویت عاشق بناتی ہے اور

☆ ـــــ جب عاشق ہوتا ہے تو اپنے آپ ہی کو پاتا ہے۔

پس ناگاہ کمین گاہ وحدت سے تیغ عشق!

؎ ایں عشق نہ جائے کار سازی است هش دار کہ تیغ بے نیازی است

"یہ عشق کسی کار سازی و تدبیر کا مقام نہیں ہے ـــــ خبردار! ہوش قائم رکھ ـــــ کہ یہاں شان بے نیازی کی تلوار ہی چلتی ہے۔"

شان بے نیازی کی تلوار جب چمکتی ہے تو ماسوائے المحبوب سب کو شربت فنا چکھاتی ہے۔ معشوق کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا ـــــ یعنی عاشق و عشق دونوں معشوق میں فنا ہوجاتے ہیں ـــــ لہٰذا

☆ ـــــ کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًا سے مراد ھاھوت ہے،

☆ ـــــ فَاَحْبَبْتُ سے مراد لاہوت ہے،

☆ ـــــ اَنْ اُعْرَفَ سے مراد جبروت ہے،

☆ ـــــ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ سے مراد ملکوت و ناسوت ہیں۔

؎ تو مباش اصلا کمال این است وبس تو درو گم شو وصال این است وبس

"تو بالکل باقی نہ رہ" فانی الحبت" ہوجا۔ بس یہی کمال ہے ـــــ تو اسی محبوب حقیقی میں گم ہوجا بس یہی تیرا وصال ہے۔"

سلطان عشق کے تخت:

سلطان عشق کے چار تخت ہیں:

(۱) ـــــ لاہوت (۲) ـــــ جبروت (۳) ـــــ ملکوت (۴) ـــــ ناسوت

(۱)——لاہوت:

لاہوت سے مراد سر یعنی نور ہے۔

(۲)——جبروت:

جبروت سے مراد روح ہے۔

(۳)——ملکوت:

ملکوت سے مراد دل ہے۔

(۴)——ناسوت:

ناسوت سے مراد جسم ہے۔

پس تن خدمت میں دل کے—— دل کی محبت میں روح کے—— روح قربت سر میں—— سر وصال خدا میں ہے جو وحدت بے کثرت ہے—— وہ منزل خاص الخاص کی ہے۔

جو وحدت با کثرت ہے، وہ مقام خاص کا ہے—— جو کثرت بے وحدت ہے، وہ منزل عام کی ہے—— چنانچہ:

☆——خاص الخاص مقام محض امن وامانی میں ہے

☆——خاص مقام حیرانی میں ہے، اور

☆——عام مقام صرف نادانی میں

☆——علم الیقین:

علم الیقین طالبوں کا مقام ہے۔

☆——عین الیقین:

عین الیقین متوسطوں کی منزل ہے۔

☆۔۔۔۔حق الیقین:

حق الیقین واصلوں کا مقام ہے۔۔۔۔ واصلوں کو موت نہیں، اس لیے کہ بہ حق باقی ہیں۔

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

''جس کا دل عشق حقیقی سے زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔۔۔۔ اسی لیے کتاب عالم کے اوراق پر ہمارا نام ہمیشہ کے لیے ثبت وباقی ہے۔''

مرتبہ واحد الوجود باعتبارات:

مرتبہ واحد الوجود کو باعتبارات یہ کہتے ہیں:

(۱)۔۔۔توحید ذاتی (۲)۔۔۔مرتبۂ ذکر الٰہی (۳)۔۔۔مرتبۂ نور

(۴)۔۔۔مرتبۂ قرب (۵)۔۔۔مرتبۂ وراء الوراء (۶)۔۔۔مرتبۂ احدیت

(۷)۔۔۔مرتبۂ لاتعین

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ!

صورت مراقبہ:

عارف الوجود وہ ہے جو اپنے وجود پر دانا ہو۔۔۔۔ یعنی وہ ہستی جو دانائے خود ہے، اور وہ ہماری تمام ہستیوں سے منزہ ہے اور اپنی ہستی میں قیام رکھتا ہے، نامتناہی ہے۔۔۔۔ واجب وممکن اور ممتنع اس کے ساتھ قائم اور اس کے محتاج ہیں۔۔۔۔ وہ ان سب سے مستغنی (بے نیاز) ہے۔ یہ وجود اپنے ماتحت کی نسبت متصل بہ اطلاق ہے۔ یعنی اس وجود کا اطلاق مماثل ومشابہ اطلاق، اور تمام ہستیوں سے منزہ ومقدس ہے۔ اسی اعتبار سے یہ مرتبہ وراء الوراء ہے۔

وراء الورا ہے کیا؟

وراء الوراء ایک مکان ہے۔۔۔۔ تمام مکان اس کے پرتو سے ظہور میں آئے ہیں۔۔۔۔ مکان اسے کہتے ہیں جس میں صورت وشکل قرار پکڑے اور نمودار ہو۔۔۔۔

یعنی مکان بمعنی بودن ہے ـــــ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا کیا ہے وہ ایک مکان ہے۔ چنانچہ عناصر یعنی:

☆ ـــــ آب: اشیاء آبی کا مکان ہے،

☆ ـــــ آتش: اشیاء بادی کا مکان ہے، اور

☆ ـــــ باد: اشیاء بادی کا مکان ہے، اور

☆ ـــــ خاک: اشیاء خاکی کا مکان ہے۔

پس یہ عناصر بھی خود بخود ایک دوسرے کے مکان و مکین ہو گئے ہیں۔ جیسے:

صفا: مکانِ باد ـــــ باد: مکان آتش ـــــ آتش: مکان خاک ـــــ خاک: مکان آب!

یعنی جو چیز جس میں قرار پائے وہ اس کا مکان ہے ـــــ چنانچہ ہر شے کا مکان ایک اسم کے ساتھ موسوم ہو گیا ہے۔ مثلاً

صفا و ہوا، مکان و لامکان اور وراء الوراء ـــــ

پس وراء الوراء اس حضرت کا بطون ہے کہ تمام قابلیات اسماء و صفاتِ الٰہی اس میں مستقر ہیں ـــــ اور ـــــ اعیان ثابتہ کا مظہر و مکان ہے۔

اے سالک! ذاتِ الٰہی کا بھی ایک مکان ہے جسے وراء الوراء کہتے ہیں ـــــ وراء الوراء کے پرتو سے لامکان پیدا ہوا ہے کہ لامکان اس کی ایک صورت ہے۔

صفا سے ہوا پیدا ہوئی ـــــ ہوا مرآۃ لازم الوجود کا مظہر ہے ـــــ لازم الوجود ہوا میں ظاہر ہے ـــــ یہ وہ ہوا ہے کہ تمام جسمانیات:

☆ ـــــ عرش سے فرش تک،

☆ ـــــ سمک سے سماک تک، اور

☆ ـــــ علی علیین سے اسفل السافلین تک

اس میں ظاہر و ہویدا ہے۔

صوفیہ کرام کے نزدیک وراء الوراء جمیع ھیولات کا ھیولا ہے۔ اس لیے کہ لامکان وراء

الوراء کے پرتو سے ظہور میں آیا ہے۔ پس وراء الوراء ایک مکان ہوا۔ علیٰ ھذا القیاس جمیع مراتبات، قابلیات، حسب مراتب ایک دوسرے کے لیے مظہر و مسکن ہیں۔ فَاعْرِفْ!

سالک کو چاہئے کہ ایک کا تماشا دوسرے میں دیکھے۔ مثلاً

صفا کو ہوا میں—— مکان کو لامکان میں—— لامکان کو مکان میں——

لامکان کو وراء الوراء میں۔

بلکہ ہمیشہ وراء الوراء کے مطالعہ و مشاہدہ میں رہے، اور اس مرتبہ کا کمال حاصل کرے۔—— اگر سالک نے یہاں دنیا میں یہ مرتبۂ نہایت حاصل نہ کیا تو پھر کب کرے گا کہ تحصیلِ کمال اسی مرتبہ میں ہے۔

جو شخص وراء الوراء میں پہنچ گیا، پس وہ احدیتِ ذات میں مل گیا—— یہ مرتبہ واحد الوجود کا ہے۔ ازل لاآزال میں اس کے سوا کسی شے کا وجود نہ تھا، اور نہ اب ہے—— یہ وہ ہے کہ جس کا نام نامی وجود مطلق احدیت ہے۔ مناسب ہے کہ طالبِ صادق اس مقام کے حصول کے لیے شغل مراقبہ بے رنگی کرتا رہے۔ مراقبات بے رنگی سے اعظم ترین مراقبہ "مراقبۂ واحد الوجود" ہے۔

مراقبۂ واحد الوجود:

غسل کر کے لباس طاہر پہنے—— دو رکعت نفل ادا کر کے قبلہ رخ بیٹھے—— استغفار اور درود شریف پڑھے—— آنکھیں بند کر کے قلبی توجہ کو حقیقتِ جامعیہ بیرنگ میں متوجہ کرے—— اس وجود کے مرأت میں (کہ جو اطلاق و تقیدات سے مطلق ہے) معائنہ کر کے باامرہٖ تعالیٰ چند دن میں فنا ہو کر شانِ بے رنگی حاصل کرے گا۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس مراقبہ کی ممارست سے جمیع ماسوی اللہ منتفی ہو جائیں گے—— اگر اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی شائبہ تعین یا کوئی دوسرا امر دل میں خطرے کا باعث ہو تو وجود مطلق کی ذات میں پناہ گزیں ہو۔ تا کہ اس میں رسوخ حاصل ہو—— پھر اس رسوخ سے آنکھ کھولے اور ہر ایک موجود کے وجود میں خاص وجود مطلق کو چشم ظاہر سے دیکھے جیسا کہ چشم باطن سے دیکھا تھا——

غرض اس مراقبہ میں بہ کوشش تمام ایسا مستغرق ہو کہ پھر کسی قاطع سے منقطع نہ ہو، بس منجمد ہو جائے ——— اس کو ذکر سرالسر کہتے ہیں۔ ——— توحید میں یہ مرتبہ علیا ہے، اور درجہ قصویٰ ——— اس کے افتتاح کے لیے ہمیشہ ذکر اسم ذات سری کرتا رہے، تا کہ ہمیشہ انشراح ہوتا رہے ——— اللہ بس باقی ہوس!

باب سوم:

حق الیقین ، قیام اقلیم حقیقت

اقلیم حقیقت کیا ہے؟

حقیقت بمعنی: اصل شے جیسی کہ وہ ہے ــــ اقلیم حقیقت میں چندے قیام اس لیے ہوتا ہے کہ اپنی حقیقت سے آگاہی ــــ نفس کی شناخت اور معرفت ذاتِ الٰہی کے ظہور کی ابتدا ہو ــــ خودی مٹے اور خدائی کے آثار نمودار ہوں ــــ

اسی مقام پر خود شناسی اور خدا شناسی کا ظہور ہوتا ہے ــــ طالب جب سیر وجود سے علٰی قدر مراتب فارغ ہوتا ہے تو پیر اسے اقلیم حقیقت میں تفکرات کی تعلیم فرماتا ہے ــــ توحید حقیقت کی مدد سے ہر ایک بلا سے بچاتے ہوئے معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔

توحید حقیقت یعنی: اسم و مسمّٰی کی تمیز اٹھا دینا۔

فصل اول:

تفکرات

اذکار و اشغال اور مراقبات کے بعد تفکر کا مرتبہ ہے ــــ یعنی جب آئینہ مصقلہ اذکار وغیرہ سے مصفا و مجلٰی ہو جاتا ہے تو اکملین ہمیشہ تفکرات میں مشغول رہتے ہیں ــــ اس میں آیات بینات اور عجیب و غریب اسرار الٰہی کا ظہور ہوتا ہے ــــ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دانشوروں کو عبرت و تدبر اور تذکر و تفکر کی بہت کچھ ترغیب فرمائی ہے، اور اہل عقل کو اپنی آیاتِ بینات اور قانونِ قدرتِ کاملہ کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ مفتاحِ انوارِ ربانی اور مبداء بصیرتِ رحمانی ہے——اور علوم و معارف کے لیے حال بے زوال——

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی تفکر کی فضیلت کو بڑے شدومد سے بیان فرما کر لوگوں کو بڑے زور سے اس طرف متوجہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے توحید ذاتی اور کمالِ وحدت حقیقی کا ظہور پورے طور پر ظاہر و نمایاں ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (پ۴، آل عمران، ع ۱۰)

”آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا بدلتے آنا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔“

اور فرمایا کہ خرابی ہے اس کو جو اس کو پڑھے اور فکر نہ کرے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم:

ابن ابی الدنیا سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اُعْطُوْا اَعْیُنَکُمْ حَقَّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ

”اپنی آنکھوں کو عبادت میں ان کا حصہ دو۔“

کسی نے عرض کیا:

”آنکھوں کا عبادت میں کیا حصہ ہے؟

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

”کلامِ الٰہی میں نظر و فکر کرنا اور اس کے عجائبات سے عبرت پکڑنا۔“

(۱) فکر کی دولت وہ زبردست نعمت ہے جس کے لئے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ

''ایک گھڑی کا فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے''۔

اس تفکر سے مراد وہ غور وخوض ہے جو اپنی ذات کے مختلف احوال طفولیت' بلوغ' کہولت و پیری' زمانے میں نفس خبیث کے اغوا سے معائب سئیات کبائر وصغائر ظہور پذیر ہونے پر کیا جائے ـــــ یہ عام لوگوں کا فکر ہے ـــــ

(۲) ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةٍ

''ایک گھڑی کا فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے''۔

یہ وہ غور وخوض ہے جو شیطان کے شیر اور نفس و ہوا کے وساوس پر کیا جائے۔ حرص و ہوا کے بندھنوں کا توڑنا اور نجات حاصل کرنا یقیناً ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

(۳) ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ

''ایک گھڑی کا فکر جن وانس کی مشترکہ عبادت سے بہتر ہے''۔

یہ دل کو خطرات ما سویٰ اللہ سے قطعاً پاک رکھتا ہے۔ یقیناً ایسی ایک آنِ واحد جس میں ما سویٰ اللہ سے قطعاً انقطاع ہو' دنیا و مافیہا کی عبادت سے بہتر ہے۔[1]

ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا:

''کیا دنیا میں آپ کا کوئی ثانی ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! ـــــ جس کی گفتگو ذکر ہو ـــــ سکوت فکر اور نظر عبرت''۔

---

[1] محمد عبد العلیم صدیقی' شاہ: کتاب التصوف' ص ۹۵/۹۶' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

ارشاد حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ:

آپ نے فرمایا کہ جس کے کلام میں حکمت نہ ہو اور وہ لغو ہے ـــــ جس کا سکوت فکر نہ ہو وہ سہو ہے ـــــ جس کی نظر عبرت کے لیے نہ ہو وہ لہو ہے۔

مزید فرمایا کہ اہل عقل ہمیشہ ذکر سے فکر کے عادی ہوا کرتے ہیں، اور فکر سے ذکر کے ـــــ یہاں تک کہ ان کے دل گویا ہو جاتے ہیں، اور حکمت بولنے لگتے ہیں۔

ابو سلیمان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

دنیا کے لیے فکر کرنا آخرت کی آڑ ہے ـــــ اولیاء اللہ کے حق میں عذاب اور آخرت میں فکر کرنا مورث حکمت اور دلوں کو زندہ کرتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سب سے اشرف و اعلیٰ مجلس یہ ہے کہ توحید کے میدان میں فکر کے ساتھ بیٹھ کر معرفت کی ہوا کھائے ـــــ جام محبت کو اتحاد کے دریا سے نوش کرے۔ ـــــ اور اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کے ساتھ نظر کرے ـــــ

پھر فرمایا: ان مجالس کا کیا ہی کہنا ہے۔ بہت عمدہ ہیں ـــــ اور اس پینے کی چیز کا کیا ہی کہنا ہے، نہایت لذیذ ہے ـــــ خوش حال ہے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ بات نصیب کی ہو ـــــ

تفکرات جمع ہے تفکر کی ـــــ یہ بھی ایک قسم کا مراقبہ ہے ـــــ

تفکر کے معنی ہیں:

"کسی کار، یا امر میں، یا شے، یا لفظ و عبارت، کلام و گفتگو میں غور و تامل اور خوض و فکر کرنا۔"

شاعر کہتا ہے:

اے پردہ نشیں ایں گزر گاہ ؎ بے عشق بسر نے شود راہ

قومے کہ ز خود بریدہ رفتند — ایں بادیہ را جریدہ رفتند
در فکر بہ کوششے در آویز — تا خود کششے رسد کہ برخیز
سر بر بخط لو نہی زمانے — تا یابی ازیں سخن نشانے
چوں فکر ترا بتور ساند — پس عشق تر از تو ستاند
یک جذبہ او ترا دراں دم — بہتر ز عبادت دو عالم
باید کہ سر از کشش نتابی — تابو کہ کشند را بیابی
فکر است کلید ایں معانی — تارہ نہ بری بخود ندانی
مذکور طلب چہ خواہی از ذکر — ایں است خلاصہ ہمہ فکر
دانستن فکر مشکل آمد — بے داری دیدہ و دل آمد
فکر تو ہنوز خار خار است — چوں فکر نماند عین کا راست
از فکر بفکرے تو ان رفت — آنکس کہ برفت و بے نشاں رفت
یک بار مجرد از صفت شو — در بحر محیط معرفت شو
اے خواجہ دے قلندری کن — از محنت جسم جان بری کن
یا یک نفس اندریں خرابی — بے منت جان حیات یابی
بر بند بچشم دیدہ آز — تا ہمدم شاہ گردی اے باز
بر ساعد و قرار ے کن — در صحن بقا شکارے کن
اے گم شدہ خویش را طلب کن — گر یافتہ مرا ادب کن

''اے اس گزرگاہ (منزلِ حقیقی) کے پردہ نشین! یہ راہ دشوار عشق و محبت کے بغیر ہرگز بسر نہ ہوگی۔

ایک گروہ نے اس راہ کو اپنے آپ سے فراموش ہو کر طے کر لیا ہے۔ اس صحرائے محبت میں وہ پیدل مصیبتیں اٹھاتے ہوئے گئے ہیں۔

تو اپنی فکر و جستجو میں بڑی سعی و کوشش سے لگا رہ —— تا کہ تو ایسی کشش منزل کو حاصل کرلے کہ تو راہ پر اٹھ کر چل پڑے۔

تو ایک عرصے تک اس محبوب کے خط (پیام) پر سر جھکا کر غور وخوض کر۔ تاکہ تو اس مکتوب کی تحریر کا نشان اور بھید معلوم کرلے۔

جب تیرا فکر تجھ کو تیری حقیقت کے اندر پہنچائے گا، پھر تیرا عشق تجھ کو مقام اعلیٰ پر پہنچا دے گا۔ اس وقت تیرا ایک دم کا جذبۂ صادق بھی دونوں عالم کی عبادت سے افضل و بہتر ہوگا۔

تجھے چاہئے کہ سعی وکوشش سے مطلق سرتابی نہ کرے۔ تاکہ تیرا محبوب تجھ کو طلب کرے اور کہے کہ مجھے حاصل کر۔ یعنی اس کی کشش محبت تجھے منزل مقصود پر پہنچا دے۔

دراصل فکر ہی ان تمام معانی کی کنجی ہے۔ جب تک تو اپنے آپ راہ نہ حاصل کرے گا، اس حقیقت کو تو ہرگز نہیں جانے گا۔

اگرچہ حقیقی فکر جاننا نہایت مشکل ہوا۔ مگر وہ صحیح معنوں میں دیدۂ دل کی بیداری اور حقیقت سے واقفیت کا باعث ہوگیا۔

تو اس ذکر سے کیا چاہتا ہے۔ تو اس مذکور (خدائے تعالیٰ) کو طلب کر۔ بس یہی تمام ذکر وفکر کا مقصد اور خلاصہ ہے۔

تیرا فکر ابھی خار خار ہی ہے۔ جب یہ (ماسوائے الٰہی) کا فکر باقی نہیں رہے گا، تو بس وہ حقیقی کام ہے —— تیرا فکر حقیقی فکر سے ہی دور ہونا چاہئے۔

جو بھی گیا ہے وہ بے نشان ہی گیا۔ یعنی تو تمام فکروں سے بے نیاز ہوکر فکر حقیقی میں مستغرق ہوجا۔ اور اس نام ونمود کو چھوڑ کر بے نشانی سے راہ محبت پر گامزن ہوکر منزل مقصود پر پہنچ جا۔

ایک مرتبہ تو ان تمام صفات ظاہری سے جدا ہوکر مجرد دیکھتا ہوجا پھر معرفت حقیقی کے بحر محیط میں غرق ہو۔

اے خواجہ! تو ایک دم کو قلندری و بے باکی سے کام لے، اور اس جسم و جان کی محنت سے بری ہوجا۔ تاکہ ایک نفس کو اس خرابی کے عالم میں بغیر ظاہری جان کے، اصلی

حیات حاصل کرلے۔

اس حرص ولالچ کی آنکھ کو بالکل تو بند کرلے تا کہ اے باز! تو ہمدمِ شاہ ہو کر شہباز بن جائے۔

تو اس (مرشد کامل) کے دستِ اقدس پر پکا اقرار کر اور پھر صحن بقا میں آزادی سے سیر و شکار کر۔

اے اپنے آپ سے کھوئے ہوئے خود فراموش! تو خود اپنی طلب کر۔ اگر تو اس ذاتِ اقدس کو پالے تو ادب اختیار کر۔"

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فکر کے معنی یہ ہیں کہ دو معرفتوں کو دل میں موجود کر کے تیسری معرفت کو حاصل کرنا۔

دنیا کی نسبت آخرت اختیار کرنا کس طرح بہتر ہے؟

کوئی دنیا دار اگر یہ معلوم کرنا چاہئے کہ دنیا کی نسبت آخرت اختیار کرنا کس طرح بہتر ہے تو اس کے دو طریق ہیں:

(۱)—— ایک یہ کہ اپنے کسی بزرگ سے یہ سنے کہ دنیا کی نسبت آخرت بہتر ہے—— اور سنتے ہی اس کو سچا جان کر بغیر اس کے کہ حقیقت امر پر اس کی بصیرت کچھ کارگر ہوئی ہو، یقین کرلے—— صرف اس کے کہنے پر اعتبار کر کے اپنے عمل سے آخرت کی ترجیح کا مائل ہو جائے تو اس کو معرفت نہیں بلکہ تقلید کہتے ہیں۔

(۲)—— دوسرا طریق یہ ہے کہ اول اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ پائیدار چیز کا اختیار کرنا بہتر ہے—— پھر اس کا علم ہوا کہ آخرت بہتر ہے—— ظاہر ہے کہ اس تیسری بات کا معلوم کرنا، پہلی دو معرفتوں کا موجود کرنا تفکر و اعتبار، تذکر و نظر اور تامل و تدبر کہلاتا ہے—— یہ تینوں یعنی تفکر، تامل و تدبر مترادف الفاظ

ہیں مگر ان کا معنی ایک ہے۔ جبکہ تذکر، اعتبار اور نظر کے معنی میں فرق ہے۔

☆——اعتبار:

دو معرفتوں کے موجود کرنے کو اعتبار کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں سے تیسری معرفت کی طرف عبور کر سکتے ہیں۔

☆——تذکر:

اگر دو معرفتوں پر آگاہی ہوئی ہو مگر تیسری معرفت کی طرف عبور نہ ہوا ہو تو اسے تذکر کہتے ہیں۔

☆——نظر و تفکر:

دو معرفتوں کے ہونے کو نظر و تفکر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں تیسری معرفت کی تلاش ہے—— جو شخص تیسری معرفت کا طالب نہیں، اسے ناظر نہیں کہیں گے۔

☆——تذکر و تفکر میں فرق:

جو شخص متفکر ہوگا وہ متذکر بھی ہوگا—— یہ ضروری نہیں کہ جو متذکر ہو وہ متفکر بھی ہو—— تذکر میں یہ فائدہ ہے کہ دل پر معارف مکرر جم جائیں اور اس میں سے محو نہ ہوں—— تفکر کا یہ فائدہ ہے کہ علم بڑھتا جائے، اور جو معرفت حاصل نہ تھی وہ حاصل ہو جائے۔ تذکر و تفکر میں بس یہی فرق ہے۔

سب معارف دل سے متعلق ہیں:

معارف بے شمار ہیں اور وہ سب دل سے تعلق رکھتے ہیں—— دل میں جس قدر طاقت ہوتی ہے، اسی قدر عرش عرفان پر پرواز کرتا ہے——

دل ایک سوار ہے، اس کا زادِ راہ اور تسکین واطمینان دهندہ ذکر الٰہی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

(پ ۱۳ ع ۱۰، رعد)

"دلوں کا اطمینان ذکر الٰہی میں ہے۔ آگاہ ہو کر دلوں کا اطمینان ذکر الٰہی میں ہے۔"

فقر کے کنز مخفی کے حاصل کرنے کے لیے یہ سوار (کہ جس سے کُنتُ کَنزًا مَّخفِیًّا مراد ہے) تیار کیا جاتا ہے ــــ علم محافظ، عقل مدرکہ سواری اور فہم و فراست اس کے اسلحہ ہیں ــــ اور جمیع مجاہدات واشغال، مراقبات وتفکرات اس کے مخبر وراہنما۔

چنانچہ ان حوائج ضروری کے انجام دینے میں جس قدر تغافل وسستی کرے گا، فقر کے گنج مخفی سے (جو مقصود اصلی ہے) اسی قدر دور و درماندہ رہے گا ــــ ہاں اگر خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے چھت پھاڑ کر کچھ عنایت فرما دے تو یہ اس کی بخشش ہے۔

ع ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج (سعدی)

"بے وقوف نے ویرانے کھنڈر میں خزانہ پالیا۔"

پھر کسی چیز کی حاجت وضرورت نہیں۔

۔ جب لاگیں برسن کے چاؤ پرلا دیکھیں نہ پچھوا باؤ

مگر یہ شاذ ونادر ہے۔

معرفت در معرفت:

غرض جب دل میں معارف جمع ہوتے ہیں، اور ایک خاص ترکیب سے ملتے ہیں تو ان سے ایک اور معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی ایک معرفت پہلی معرفت کا ثمر ہوتی ہے، اور جب یہ نئی معرفت حاصل ہوتی ہے، جب وہ دوسری معرفت سے ملتی ہے تو اس سے ایک اور نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اسی طرح ثمرات بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور علوم بھی زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں، اور فکر بھی بے انتہا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ــــ غرض دل جو خالص نور ربانی واسرار الٰہی ہے۔ اس میں یہ قدرت رکھی گئی ہے کہ ان وسائل کے ذرائع سے وہاں تک پہنچ سکتا ہے، ورنہ ذات الٰہی میں کسی حس کی رسائی نہیں ــــ

کیونکہ وہ ذات شمس نصف النہار کی طرح بلکہ اس سے بھی کروڑوں درجہ زیادہ بین واظہر ہے کہ کثرت شعاع سے حواسِ عشرہ، خیرہ واماندۂ دید ہیں ـــــ البتہ یہ اسی دل میں قوت ہے کہ اپنی خاص توجہ سے کسی شعاع کے وسیلہ سے (کہ وہ حبل المتین ہے) کنگرۂ تقدیس پر کمندڈال کر اس سلطانی گنج مخفی (خفیہ شاہی خزانہ) میں جاپہنچتا ہے۔

تفکر کے معنی اور اس کے درجے:

تفکر کے معنی ہیں دل میں دو معرفتوں کو جمع کر کے ان سے تیسری معرفت حاصل کرنا ـــــ اس میں پانچ درجے ہیں:

(۱) ـــــ اول تذکر: یعنی دل میں دو معرفتوں کو جمع کرنا

(۲) ـــــ دوم تفکر: یعنی ان دو معرفتوں سے معرفت مقصود کا طلب کرنا

(۳) ـــــ سوم: معرفت مطلوبہ کا حصول: اور اس سے دل کا متجلی ہونا

(۴) ـــــ چہارم: حصول نور معرفت سے دل کا حال بدل جانا

(۵) ـــــ جس طرح دل کا حال بدلتا جائے، اسی طرح جمیع اعضاء وجوارح ظاہری و باطنی دل کے تابع وخادم رہیں۔

مرکز فکر:

فکر کبھی تو ایسے امر میں ہوتا ہے جو دین سے متعلق ہو ـــــ اور ہم اسی کو بیان کرتے ہیں۔

دین سے ہماری مراد یہ ہے کہ جو معاملہ اللہ اور بندے کے درمیان ہو وہ دین ہے ـــــ اس صورت میں فکر دو حال سے خالی نہیں:

(۱) ـــــ یا تو وہ فکر خدا کی ذات وصفات وافعال سے متعلق ہوگا۔

(۲) ـــــ یا انسان کی ذات وصفات وافعال سے متعلق ہوگا۔

اور جو فکر کہ خدا سے متعلق ہے وہ:

☆ ـــــ یا تو اس کی ذات واسماء حسنیٰ میں ہوگا،

☆ —— یا اس کی صفات وافعال، ملک وملکوت اور تمام آسمانوں، زمینوں اوران کے درمیان کی چیزوں کا ہوگا۔

لیکن اس کی ذات میں فکر کرنا ایک شرعی ممنوع، دوسرا یہ کہ اس کی کنیہ/ذات میں عقل جزوی انسانی حیران وسرگرداں ہے، ناکامی وبدنامی کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

؎ توان در بلاغت بہ سحبان رسید نہ در کنیہ بے چون سبحان رسید

''فن شعروادب میں نصاحت وبلاغت کے لحاظ سے سحبان بن وائل مشہور شاعر عرب تک پہنچ سکتے ہیں۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ اس ذاتِ بے مثل وبے مثال ربِّ سبحان کی کنیہ (حقیقت) تک کسی کی عقل وفہم کی رسائی ہوسکے۔''

جوذات کہ عقل وقیاس، گمان ووہم، فہم وادراک وخیال سے برتر ہو، اس میں فکر کرنا محض نادانی نہیں تو کیا ہے —— اور جو دریا کہ بے پایاں ہو، جس کی نہ کوئی حد ہو نہ کنارہ، نہ کوئی ابتداء ہو نہ انتہا، ایسے بحرمحیط کی موجوں میں اپنی فکر کی زروق چلانا اور عقل ناقص کی بانس بلی لگانا اپنی تباہی کا سامان —— ہلاکت کا باعث نہیں تو کیا ہے —— جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ:

تُفَكَّرُوْا فِیْ خَلْقِ اللهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِیْ ذَاتِ اللهِ

''تم فکر کرو اللہ کی مخلوقات میں، اور مت فکر کرو اللہ کی ذات میں۔''

پھر ایسی جگہ ہم کیوں فکر کریں جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وآلہ وسلم کی نافرمانی ہو۔ —— اور عقل کی حس باطل ہو —— مناسب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ہم بھی مخلوقات میں (جو ہماری نظروں کے سامنے موجود ہے) فکر کریں —— کیونکہ جوغرض ہماری ذات کے فکر کرنے میں ہے، وہ مخلوق میں بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ کہ مخلوق بھی ظہورِ حق ہے ——

اپنے آپ کو پہچانو:

مخلوقات میں سے بہتر وبرتر خلقت انسان ہے —— جیسا کہ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

''البتہ ہم نے آدمی کو پیدا کیا اچھی سے اچھی صورت میں۔''

کیونکہ جمال صورت وکمال معنی رکھتا ہے ——— پھر ہم کو یہ مژدہ سنا دیا کہ!

وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

''اور تمہارے نفسوں میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے۔''

یعنی جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو وہ تمہاری ہی ذات میں موجود ہے ——— اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

''جس نے اپنے نفس وذات کو پہچانا، اسے عرفان رب حاصل ہوگیا۔''

کیونکہ اس میں نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ شان ہے ——— حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں کہ اگر شوق ومحبت کا حال پیدا کرنا چاہے، اور اپنی ہستی کو ذاتِ الٰہی میں فنا کرنا تو اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت اور کبریائی میں فکر کرے ——— اس میں چند مقام ہیں۔ سب سے بڑا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے ناموں کے معانی میں غور کریں ——— لیکن ایسا کرنا شرع شریف میں ممنوع ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ——— کیونکہ عقلیں اس کی ذات کی حقیقت میں حیران ہیں۔ صدیقوں کے سوا کوئی اور اس طرف آنکھ کھول کر دیکھ نہیں سکتا۔ اور وہ بھی ہمیشہ نہیں، بلکہ جب ان کی نظر جمال لایزال پر پڑتی ہے تو وہ خود بھی تاب نہ لاکر ذاتِ الٰہی میں فنا ہوجاتے ہیں ——— اکثر عقلوں کو تو اس کی ذات وصفات سننے کی بھی تاب نہیں ہوتی۔ بلکہ تھوڑی بات جس کی تصریح بعض علماء نے کی ہے:

''اللہ تعالیٰ مکان واطراف وجہات سے پاک ہے ——— نہ وہ عالم کے اندر ہے نہ باہر ——— نہ ملا ہوا ہے نہ جدا۔''

اتنی بات سننے سے بعض لوگوں کی عقل ایسی حیران ہوئی ہے کہ وہ اس کی ذات سے بھی منکر ہوگئے ——— کیونکہ:

☆——نہ سننے کی طاقت،

☆——نہ شناخت کا ادراک،

بلکہ اتنی بات بھی برداشت نہ کر سکے۔ جب ان سے کہا گیا کہ:

''اللہ تعالیٰ کے نہ سر ہے نہ پاؤں——نہ ہاتھ ہے نہ آنکھ،——نہ عضو ہے نہ جسم——نہ معین نہ مقدار و حجم۔''

تو کہہ اٹھے کہ یہ بات تو خدا کے جلال و عظمت میں نقصان پیدا کرتی ہے——یہ ان کے فہم کا قصور ہے نہ رات کا نقصان، بلکہ وہ ذات ادراکات ابصار اور افہامات عقول سے برتر والطف ہے——جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ ذات، صفات سے باہر نہیں——اور انسان اعلیٰ ترین صفات الٰہیہ میں سے ہے، اور اس میں ظہور روحِ قدسی ہوا ہے۔ تو پھر ہم کیوں بے ٹھکانے بھٹکیں اور خالی تکے لگاتے پھریں۔

اے عزیزو! اگر تم صفات و مخلوق کا راستہ اختیار کر کے ذات کا سراغ لگاؤ گے تو ضرور کسی ٹھکانے لگ جاؤ گے۔

فصل دوم:

تعلیمات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مقام الٰہی:

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم ذات وصفات میں فکر کریں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے جگر گوشہ وفرزند دل بند کو تعلیم فرمایا:

یَا وَلَدِیْ فِکْرُکَ فِیْکَ یَکْفِیْکَ فَلَیْسَ شَیْءٌ خَارِجًا مِّنْکَ

وَدَائُکَ فِیْکَ وَمَا تَشْعُرُ دَوَائُکَ مِنْکَ وَلَا تُبْصِرُ

وَتَزْعَمُ اِنَّکَ جِسْمٌ صَغِیْرٌ وَفِیْکَ انْطَوٰی عَالَمٌ اَکْبَرُ

وَاَنْتَ اُمُّ الْکِتَابِ الَّذِیْ مَا حَرْفَہٗ یُظْهِرُ الْمُضْمَرُ

''اے میرے فرزند! تیرا فکر تجھ میں تیرے لیے کافی ہے۔ کیونکہ کوئی شے تجھ سے خارج نہیں ہے۔

اور تیرا درد تیرے اندر ہے اور تو نہیں جانتا، تیری دوا تجھ میں ہے اور تو نہیں دیکھتا۔

اور تجھ کو گمان ہے کہ تو چھوٹا جسم ہے۔ حالانکہ تیرے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے۔

اور تو وہ ام الکتاب ہے کہ اپنے حرفوں سے دل کی بات جانتا ہے۔''

اس کلام فیض نظام کی تشریح یہ ہے کہ یَاوَلَدِیْ فِکْرُکَ فِیْکَ یَکْفِیْکَ یعنی اے میرے فرزند! ترا فکر تجھ میں ہی ترے لیے کافی ہے۔ یعنی تو اگر خدا کا دیدار اور اپنی شناخت چاہے تو اپنے اندر فکر کر کہ خدا تجھ میں ہے نہ کہ تجھ سے جدا —— جیسا کہ

ارشاد باری ہے:

وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

''اور تمہارے نفسوں میں ہے، کیا تم نہیں جانتے۔''

ایک روز عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا:

اِیْنَ اللّٰہُ یعنی اللہ کہاں ہے؟

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فِیْ قُلُوْبِ عِبَادِہٖ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فِی الْعَمَاءِ

یعنی ''اس کے بندوں کے دل کی تاریکی میں ہے۔''

جو سویداء قلب انسانی سے مراد ہے۔

نباشد عیب پرسیدن ترا خانہ کجا باشد
نشانے وہ اگر یابم کہ آن اقبال ما باشد

''یہ پوچھنا کوئی برائی یا گستاخی کی بات نہیں ہے کہ تیرا مقام و مکان کہاں ہوگا —— تو ہم کو اپنا پتہ و نشان بتا۔ اگر ہم نے پالیا تو یہ ہمارا اقبال و خوش نصیبی ہوگی۔''

حدیث پاک میں ہے:

قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی

''مومنوں کا دل اللہ کا عرش ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی

''اللہ تعالیٰ عرش پر مکیں ہے۔''

جب مومن کا دل عرش ٹھہرا تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دل پر مکیں ہے۔

انسان کی اصل کیا ہے؟

اے فرزند! دل میں سوچ، اور اپنے نفس میں فکر کر کہ تو کون ہے، —— کیا تھا؟

—— کیا صورت پائی؟ —— تیری اصل کیا ہے؟

ذرا ہوش سے سن! —— کہ تیری اصل ذات بحت ہے —— اول منزل میں حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نام پایا —— دوسری میں حقیقتِ انسانی، تیسری منزل میں روح —— پھر منزل مثال، —— پھر تیرے رہنے کو یہ جسم کثیف ملا۔ تاکہ تو اپنی اصل کو بھول جائے —— اس جسم کثیف نے اپنی کثافت کا اثر ڈالا۔ اس اثر صحبت نے تجھ کو اپنے ساتھ شامل کرلیا اور تو کہنے لگا:

''یہ میرا جسم ہے، میں جسم ہوں —— میں فلاں کا باپ ہوں، —— فلاں کا بیٹا ہوں —— میں بھوکا ہوں، میں پیاسا ہوں —— میں ننگا ہوں —— میں اندھا ہوں —— میں لنگڑا ہوں —— میں عاجز ہوں!''

اے فرزند! تو جسم ہے، نہ تیرا جسم ہے —— نہ تو کسی کا باپ نہ بیٹا —— نہ بھوکا ہے نہ پیاسا ہے —— نہ اندھا نہ لنگڑا نہ عاجز —— غرض جو کچھ ہے ان صفات سے موصوف یہ جسم ہی جسم ہے۔ باپ ہے تو جسم، بیٹا ہے تو جسم، کل عیوب اس جسم میں ہیں —— تجھ میں کوئی عیب نہیں۔ تو روح پاک وصاف ہے —— تو خلیفۃ اللہ ہے۔ یہ جسم ایک اعتباری وخیالی لباس ہے —— جب تو نے ایسے ہزاروں لباس بدل ڈالے، ایک دن اس کو بھی اتار دے گا —— اس کے نہ ہونے سے تیرا کسی طرح نہ پہلے حرج و نقصان تھا، نہ پھر ہوگا —— تو جیسا تھا ویسا ہی رہے گا —— بلکہ اس کے ساتھ محبت کرنے سے پستی میں گرے گا، اور ہمیشہ مبتلائے غم والم رہے گا —— لہٰذا بالقصد اس سے محبت کا رشتہ توڑ، اور اس کی الفت سے منہ موڑ تاکہ عذابِ سرمدی کے سفر سے چھوٹے اور اپنے اصلی وطن میں پہنچ کر آرام پائے حب الوطن من الایمان۔

؎ حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر   خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی مے کرد   مے گفت گدا بودن کنعان خوشتر

''وطن کی محبت سلیمان سے بھی زیادہ اچھی ہے، اپنے وطن کا کانٹا بھی سنبل

دریحان سے زیادہ اچھا ہے ــــ یوسف علیہ السلام نے اگرچہ مصر میں بادشاہی کی۔ مگر وہ بھی یہی فرماتے تھے کہ اپنے وطن "کنعان" کا گداوفقیر ہونا اس سے بھی زیادہ اچھا ہے۔"

؎ آن وطن مصر و عراق و شام نیست   آن وطن شہرے است کا ترا نام نیست

"وہ حقیقی وطن مصروشام اور عراق نہیں ہے، وہ وطن تو ایک ایسا شہر ہے کہ جس کا کوئی نام ہی نہیں ہے۔"

جب تم اوپر کے تنزلات وتعینات واضافات کو اپنے سے الگ کر کے فکر کرو گے تو یقین کامل ہے کہ تم اپنی اصل حقیقت کو پہنچ جاؤ گے ــــ عاقل کو ایک اشارہ ہی کافی ہے۔

فَلَيْسَ شَيْءٌ خَارِجًا مِّنكَ

"کوئی شے تجھ سے باہر نہیں۔"

سب چیز تیرے اندر موجود ہے ــــ حکیم سنائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ آسمان ھاست در ولایتِ جان   کار فرمائے آسمان جہان
در رہ روح پست و بالا ھا است   کوہ ھائے بلند و دریا ھا است

"جان کے ملک وولایت میں بہت سے آسمان ہیں۔ جو اس دنیا جہان کے آسمان میں کارفرما ہیں ــــ روح کے راستے میں بہت سے نشیب و فراز ہیں۔ اور بہت سے بلند و بالا پہاڑ اور بڑے بڑے دریا ہیں۔"

اکثر علماء محققین ان آیات کریمہ:

☆ ــــ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (پ ۲۸، ع ۱، تغابن)

☆ ــــ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (پ ۳۰، التین)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ انسان فی الحقیقت ظاہری و باطنی جمال رکھتا ہے ــــ اور یہ نسخہ جامعہ و مجموعہ کاملہ ہے ــــ اس میں جمیع موجودات عالم خلق، امر ملکوتی، علوی، سفلی ومنطوی مندرج ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو نسخہ جامع جمیع کمالات ظاہری و

باطنی پیدا کیا ہے —— یہ جمیع علوم وفنون وصنعت وغیرہ کا جامع مجموعہ ہے —— کوئی علم، کوئی ہنر، کوئی پیشہ، کوئی صنعت اس سے باہر نہیں —— جو کچھ موجود ہے اسی کی نمود ہے، سب چیز اس کے اندر موجود ہے —— حقیقت میں انسان گنج مخفی کا نمونہ ہے —— خلیفۃ اللہ اس کا خطاب ہے۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی اس کا مقام ہے —— فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی اس کا کلام ہے —— وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا یَعْلَمُ (پ۳۰ علق)، وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (پ۱۵ ع۹ کہف)، وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (پ۱ ع۴)، اس کا علم ہے —— یہ مخزن اسرار ربانی ہے —— یہ مطلع انوار سبحانی ہے —— سب شے اس میں موجود ہے، کوئی چیز اس سے خارج نہیں۔

اے نامۂ نسخہ الٰہی کہ توئی — وے آئینہ جمال شاہی کہ توئی
بیرون ز تو نیست ہر چہ در عالم ہست — در خود بطلب ہر آں چہ خواہی کہ توئی

"اے وہ کہ تو ہی کتاب الٰہی کا ورق ہے، اور وہ جمال شاہی کا آئینہ تو ہی ہے —— جو کچھ بھی دونوں جہان میں ہے، وہ تجھ سے باہر نہیں ہے —— تو بس اپنے اندر ہی طلب کر۔ جو کچھ تو چاہتا ہے تو ہی ہے۔"

اپنا مطلوب خود میں ہی طلب کر:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اے فرزند! اپنے اندر فکر کر۔ جو چیز تجھ کو مطلوب ہے، اپنے ہی میں طلب کر، وہ اپنے ہی اندر پائے گا۔ —— کوئی شے تجھ سے باہر نہیں کہ جسے خارج میں تلاش کرے۔

دوائک فیک وما تشعر — وداءک منک ولا تبصر

"اور تیرا مرض تیرے اندر ہے، اور تو نہیں جانتا —— دوا بھی تیرے ہی پاس ہے اور تو نہیں دیکھتا —— یعنی تیرا درد اور تیری دوا تجھ ہی میں ہے۔"

کفر اور شرک تیرے لیے درد ہے۔ ارشاد باری ہے:

☆ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً ۢ بَعِيْدًا

"اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک لایا جائے، اور بخشتا ہے سوائے اس کے، جس کے واسطے چاہتا ہے، اور جو کوئی شرک لائے اللہ کے ساتھ، تحقیق وہ گمراہ ہوا گمراہی دور کا۔" (پ ۵ ع ۴ نساء)

☆ —— إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (پ ۲۱ ع ۲۰ لقمان)

"شرک البتہ بڑا ہی ظلم ہے۔"

توحید و معرفت اس کی دوا ہے —— جب یقین دل سے تم نے جان لیا کہ حقیقتاً ذات پاک کے سوا کوئی موجود فی الخارج نہیں —— اور یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے کل موجودات فقط ایک وہمی، خیالی اعتبارات پر وابستہ ہے —— یہ معدوم محض ہے —— مگر موجود حقیقی اول و آخر، ظاہر و باطن ذات پروردگار ہے —— بس یہی اس درد کی دوا ہے۔ یعنی اس کی ہستی کے باوجود اپنی ہستی کا ثبوت کرنا یہ درد ہے، اور اپنی ہستی کو اس کی ذات میں فنا کر دینا یہ دوا ہے۔

انسان میں عالم اکبر ہے:

وَتَزْعَمُ أَنَّكَ جِسْمٌ صَغِيْرٌ وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ

"اور تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے، حقیقت میں تیرے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ انسان میں عالم اکبر مندرج ہے۔ جو شخص سلوک نقشبندیہ ابتداء سے انتہا تک طے کر چکا ہے —— یا جس نے سیر انسانی کی ہے، وہ میری اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے کہ عالم کون اور عالم امر دونوں ہر انسان میں مندرج ہیں، بلکہ روح اللہ بھی اس میں موجود ہے —— جو ذات و صفات اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی ذات و صفات روح اللہ کی ہے —— اللہ تعالیٰ جب سب اشیاء پر حاوی و محیط ہے، تو اسی طرح روح اللہ بھی حاوی و محیط ہے ——

لہٰذا انسان عالم صغیر ہے مجملاً از روئے صورت،—— اور آفاق عالم کبیر ہے مفصلاً از روئے معنی —— لیکن از روئے مرتبہ انسان عالم کبیر ہے، اور آفاق عالم صغیر!

اے آں کہ تراست ملک سکندر و جم — از حرصِ مباش درپے نیم درم
عالم ہمہ درتست ولیکن از جہل — پنداشتہ توخود را در عالم کم

''اے وہ کہ تیرا ہی وہ تمام ملک سکندر و جم ہے، تو حرص و ہوس میں آدھے درہم کے لیے پریشان نہ ہو—— تمام عالم حقیقت میں تیرے ہی اندر ہے۔ لیکن تو اپنی جہالت سے اپنے آپ کو عالم سے کم تر سمجھتا ہے۔ یعنی تو اپنی اصل وحقیقت کو سمجھ۔ کہ تو بحر حقیقت کا ایک قطرہ ہے۔''

کتابیں بھی دو، عالم بھی دو:

وانــتَ اُمُّ الْکِتٰـبِ الَّذِیْ — مَـاحَـرْفُـهٗ یُـظْهِرُ الْمُضْمَرُ

''تو وہ ام الکتاب ہے کہ اپنے حرفوں سے دل کی بات جاتا ہے۔''

معلوم ہونا چاہئے کہ کتابیں دو ہیں:

۱—— ایک ام الکتاب: جس میں مجمل حال مندرج ہو—— جیسے قرآن شریف میں سورہ فاتحہ، کہ تمام قرآن مجید بطریق اجمال اس میں مندرج ہے۔

۲—— دوسری کتاب مبین: کہ جس میں اس مجمل حال کی تفصیل ہے۔ جیسے قرآن شریف الم سے والناس تک سورہ فاتحہ کی تفصیل ہے۔ اب یاد رہے کہ عالم بھی دو ہیں:

۱—— ایک عالم امر۔ یعنی جو قسمت پذیر نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔
قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (پ۱۵ ع۹، بنی اسرائیل)

۲—— دوسرا عالم حق۔ جس کی تقسیم و مساحت ہو سکے۔ چنانچہ انّ اللہ خالق کلّ شیء میں اس طرف اشارہ ہے——

انہی دو عالم کو ''عالم آفاقی وانفسی'' بھی کہتے ہیں—— ارشاد ربانی ہے
سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

(پ ۲۵، ع ۱، حم سجدہ)

''اب ہم دکھادیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں، اور آپ ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے۔''

پس انسان ام الکتاب ہے یا عالم امر یا عالم انفسی ——— جملہ موجودات کتاب مبین ہے، یا عالم خلق یا عالم آفاقی ——— یعنی وہ مجمل ہے اور یہ سب اس کی تفصیل ——— یہ سب اسی کی تفصیل اور اس اجمال وتفصیل کا مرجع ومآب ذاتِ باری ہے:

اَلاَ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ. اِنَّ الْحَقُّ مُبْدَاءُ لِکُلِّ وَمَعَادُہٗ وَاِلَیْہِ یُرْجِعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ وَاِلَی اللہِ عَاقِبَۃُ الْاَمُوْرِ (پ ۸، ع ۱۳، اعراف)

''اللہ تعالیٰ سب کا مبداء ومعاد ہے۔ اور تمام امور اسی کی طرف پھر جانے والے ہیں۔ کل امور کا انجام اللہ کی طرف ہے۔''

تو اب ضرور ہے کہ کل موجودات اپنی ہستی سے پہلے ذات خدا میں، یا ذات خدا کل موجودات میں موجود ہو ——— لیکن یہ امر محقق ہے کہ ازل الآزال میں صرف ذات خدا تھی اور کچھ نہ تھا۔ ——— حدیث پاک میں ہے:

کَانَ اللہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْءٌ

''اللہ تعالیٰ موجود تھا، اور کوئی شے اس کے ساتھ موجود نہ تھی۔''

اور مضمون اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ سے ظاہر ہے کہ جیسا تھا ویسا ہی اب ہے ——— معلوم یہ ہوا کہ عالم امر اور عالم خلق غیر ذات نہیں بلکہ اعتبارات ہیں۔

حق ز ایجاد جہان افزوں نشد   آں چہ اول آن نہ بود اکنوں نشد
در اثر افزوں شد و در ذات نے   ذات را افزونی و آفات نے

''حق تعالیٰ جہان کی ایجاد سے کچھ زیادہ نہیں ہوا۔ وہ ذات پاک جو کچھ پہلے نہیں تھا، اب بھی وہ نہیں ہوا ——— اگر اثر واعتبارات کے لحاظ سے زیادہ ہوا۔ مگر اپنی اصل وذات میں نہیں ہوا۔ کیونکہ اس ذاتِ مطلق کو کمی و

زیادتی اور آفات وغیرہ نہیں ہیں۔“

قلم ام الکتاب، لوحِ محفوظ کتاب مبین:

ذاتِ حق اس اعتبار سے کہ کل موجودات اس میں مجملاً مندرج ہیں، اُم الکتاب ہے ـــــ اور علم حق اس اعتبار سے کہ جو کچھ ذات میں مجمل تھا، وہ علم الٰہی میں مفصل ہے، اور جو کچھ اس میں پوشیدہ تھا، وہ اس میں ظاہر ہے، کتابِ مبین ہے۔

لہٰذا ذات کا ذاتی علم تمام اشیاء کے علم کو مستلزم ہے ـــــ تمام اشیاء ذاتِ حق میں اس طرح ہیں جیسے گٹھلی میں درخت ـــــ یعنی علم حق، ذاتِ حق کا آئینہ ہے، اور ذاتِ حق، علم حق میں ظاہر ہے ـــــ اس لیے حقائق الٰہیہ میں ذاتِ حق، اُم الکتاب ہے ـــــ اور علم حق، کتاب مبین!

اسی طرح حقائق موجودات میں قلم اُم الکتاب ہے، اور لوحِ محفوظ کتابِ مبین ـــــ یعنی جو کچھ قلم میں مجمل تھا، وہ لوح محفوظ میں مفصل ہوا۔ نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

ذات بحت مبداء کل	ذاتِ حق	علم حق
ذاتِ حق	اُم الکتاب	کتاب المبین
حقائق الٰہیہ	ذاتِ حق	علم حق
حقائق الموجودات	قلم	لوح محفوظ

عرش اُم الکتاب، کرسی کتاب مبین:

ذاتِ حق اور قلم میں اجمال اور کلیت کے سبب مشابہت ہے ـــــ کیونکہ دونوں اُم الکتاب ہیں ـــــ اس لیے مرتبہ کونیہ میں قلم ذات کا آئینہ ہوا ـــــ یعنی جو کچھ ذات میں اجمالا درج ہے، وہی قلم میں موجود ہے ـــــ مرتبہ کونیہ میں لوح محفوظ علم الٰہی کا آئینہ ہے۔ یعنی جو کچھ جزوی اور تفصیلی طور پر علم حق میں موجود ہے، وہی لوح محفوظ میں ظاہر ہے ـــــ لہٰذا عالم امر میں عقل اول، جس کو قلم کہتے ہیں، اُم الکتاب ہے ـــــ اور روح، جس کو لوح محفوظ کہتے ہیں، کتاب مبین ہے ـــــ اسی طرح

عالم خلق ہے کہ جس میں عرش اُم الکتاب ہے، اور کرسی کتاب مبین۔

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

حقائق الموجودات	اُم الکتاب	کتاب المبین
عالم امر	عقل کل یعنی قلم	روح یعنی لوح محفوظ
عالم خلق	عرش	کرسی

ذاتِ انسان بالفعل کامل ہے:

یعنی جو کچھ عرش میں مجمل ہے، وہی کرسی میں مفصل ہے—— چنانچہ اجمال کے سبب عرش وقلم میں مشابہت ہے—— اسی طرح تفصیل کی وجہ سے لوح محفوظ اور کرسی میں مناسبت ہے۔ اس لیے مرتبۂ حس میں عرش قلم کا آئینہ ہے اور کرسی لوح محفوظ کا——

چنانچہ قلم یعنی عقل، نسخۂ ذات —— اور لوح نسخۂ علم —— اور عرش، نسخۂ قلم —— اور کرسی، نسخۂ لوح ہے —— اور انسانِ کامل بالفعل —— اور عام انسان، بالقوۃ —— ایک ایسا نسخہ ہے جو تمام نسخوں کا جامع ہے اور تمام میں متخرج و مستنبط یعنی چیدہ و برگزیدہ ہے۔

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

ذات بحت مبداء کل		ام الکتاب	کتاب المبین
حقائق الٰہیہ		ذاتِ حق	علم حق
حقائق موجودات	عالم امر	قلم یعنی عقل نسخۂ ذات	لوح یعنی روح نسخۂ علم
	عالم خلق	عرش نسخۂ قلم	کرسی نسخۂ روح
		انسان جامع کمالات	

آئینۂ مشابہت:

جیسے ذاتِ حق بالا جمال اُم الکتاب، اور اس کا ذاتی علم بالتفصیل اپنی ذات کی

کتاب مبین ہے —— ایسے ہی ذاتِ انسانِ کامل بالفعل، اور عام انسان کی ذات بالقوۃ اُم الکتاب ہے —— اس کا ذاتی علم اپنی ذات کی کتاب مبین ہے۔

جس طرح علم الٰہی، ذاتِ الٰہی کا آئینہ ہے —— اسی طرح انسان کا علم ذاتِ انسان کا آئینہ ہے —— لہٰذا ذاتِ حق تعالیٰ اور انسان کی ذات میں باعتبار کلیہ واجمال مشابہت ہے —— کیونکہ دونوں میں تمام اشیاء بہ وجہ کلی و اجمالی موجود ہیں —— جو شے جزوی اور کلی طور پر علم الٰہی میں ظاہر ہے، وہی انسان کامل کے علم میں بالفعل، اور عام انسان کے علم میں بالقوۃ ہویدا ہے —— بلکہ اُس کا علم اِس کا علم، اِس کی ذات اس کی ذات ہے۔ لیکن نہ بطریق اتحاد وحلول اور ضرورت، کیونکہ یہ بات تو دو وجودوں میں ہوتی ہے —— جبکہ یہاں سوائے ایک وجود کے اور کچھ نہیں۔ —— اور کل موجودات اسی ایک وجود سے موجود ہیں۔

اس وجود کے بہت سے ظہور ہیں، جن کو عالم کہتے ہیں —— اور بہت سے بطون ہیں، جن کو اسماء کہتے ہیں ——

لہٰذا ظہور، ظہور کا آئینہ ہے —— اور بطون، بطون کا آئینہ۔ —— جو چیز ان دونوں آئینوں کے درمیان ہے وہ اجمال وتفصیل کے اعتبار سے آئینہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ

اب ہم پھر اسی طرف آتے ہیں کہ جیسے فیما بین ذاتِ حق، اور ذاتِ انسان —— اور علم حق، اور علم انسان میں مشابہت ہے۔ یعنی:

☆ —— جو اس میں مجمل ہے، وہی اس میں مجمل ہے۔

☆ —— جو اس میں مفصل ہے، وہی اس میں مفصل ہے

اسی طرح فیما بین قلم اور روح انسان کے، اور روح وقلب انسان اور عرش، جسم انسان کے —— اور کرسی ونفس انسان میں مشابہت ہے —— ان میں ہر ایک اپنے اپنے مشابہ کا آئینہ ہے ——

نقشہ آئینہ مشابہت ملاحظہ فرمائیں:

ذاتِ حق	ذاتِ انسان
علم حق	علم انسان
قلم	روح انسان
لوح محفوظ	قلب انسان
عرش	جسم انسان
کرسی	نفس انسان

یعنی جو کچھ قلم میں مجمل ہے وہی روح انسان میں مجمل ہے —— جو کچھ لوح میں مفصل ہے، وہی اس کے قلب میں مفصل ہے —— جو کچھ عرش میں مجمل ہے، وہ اس کے جسم میں مجمل ہے: —— جو کچھ کرسی میں مفصل ہے، وہ اس کے نفس میں مفصل ہے۔

انسان ہی شک وشبہ سے بالا کتاب ہے:

انسان کتبِ الٰہیہ و کتبِ کونیہ کی ایک جامع کتاب ہے —— جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم، تمام اشیاء کے علوم کو مستلزم ہے —— بے شک وہ جمیع اشیاء کو اجمالاً اور تفصیلاً جانتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا

''اپنا لکھا، پڑھ لے، تو ہی کفایت کرتا ہے آج کے دن اپنا حساب کرنے کو۔''

غرض کہ جس نے یہ کتاب پڑھی، بے شک اس نے یہ معلوم کرلیا کہ

''جو ہو چکا ہے —— جو ہو رہا ہے —— اور جو ہوگا۔''

اگر سب نہیں پڑھ سکتا تو اس میں سے جتنا ہوسکے، پڑھ لے —— ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

"یہ وہ کتاب کامل ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔"

☆ —— الف سے احدیت ذاتِ حق کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے وہ ذاتِ احدیت ازل، آلازال میں سب سے پہلے ہے، ایسے ہی الف بھی مقدم ہے۔

☆ —— لام سے وجود کی طرف اشارہ ہے۔ جو کہ موجودات پر پھیلا ہوا ہے۔

—— کیونکہ ل میں ایک ستون ہے، وہ تو الف ہے —— اور ایک دامن ہے، اور وہ نون کا دائرہ ہے۔ دائرے کو نون کہتے ہیں —— لہٰذا الف کا ل سے متصف ہونا کون کے اوپر وجود کے پھیلنے کی دلیل ہے۔

☆ —— میم سے جامع وجود کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انسان ہے۔

لہٰذا عالمِ انسان وہ کتاب ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں۔ ارشاد باری ہے:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ

"کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ بس ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان، اور جس کو کتاب کا علم ہے۔"

فَهٰذَا يَا وَلَدِيْ هُوَ اُمُّ الْكِتَابِ وَعِلْمُ الْكِتَابِ وَاَنْتَ الْكِتَابُ وَعِلْمُكَ بِكَ عِلْمُ الْكِتَابِ وَلَا رَطْبٍ اَيْ عَالَمُ الْمُلْكِ وَلَا يَابِسٍ وَّهُوَ عَالَمُ الْمَلَكُوْتِ وَلَا اَعْلٰى مِنْهُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ وَّهُوَ اَنْتَ

"اے میرے فرزند! تو وہ ام الکتاب ہے —— اور علم الکتاب، اور تو کتاب ہے، اور تیرا علم تیری اپنی ذات کا علم، الکتاب ہے —— اور نہ کچھ تر یعنی عالم ملک (عالم خلق) اور نہ عالم خشک (عالم امر) یعنی عالم ملکوت، اور نہ اس سے برتر —— مگر کتاب مبین میں ہے، اور وہ تو ہی ہے۔"

اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ تعلیم فرمائی کہ پس اپنے نفس میں فکر کر —— اسی میں درد ہے اور اسی میں اس درد کی

دوا ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں —— جو کچھ نظر کے سامنے موجود ہے، یہ محض اعتبارات ہیں —— عالم اکبر خود تیرے اندر موجود ہے، کوئی شے خارج میں نہیں ہے۔ صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔

غرض کہ انسان ایک نسخہ عجیب و جامع کل ہے۔ ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ —— یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں۔ فی الحقیقت وہ کتاب ذاتِ انسان ہے —— اب رہی وہ کتاب جو انسانِ کامل و خیر البشر پر نازل ہوئی ہے، وہ ذاتِ انسانی کا معرف ہے، اور اس کے جزوی و کلی حالات سے حکایت کرنے والی ہے —— یعنی وہ انسان کے مراتبِ کلیہ و جزویہ کا مجمل و مفصل بیان ہے —— اور انسان اس کی وحدت و جمعیت کا مرتبہ ہے۔ اس لیے کہ اس کے مقامات و مراتب، ذات وصفات اور افعال کے فرق کا بیان اس کتاب منزل میں ہے۔ کیونکہ وہ کتاب ذات، اسماء، صفات، افعال عوالم، مراتب عالم اور اہل عالم کے ہر موقع سے، اس کے اہل کے اقتضا سے با اجمال و تفصیل حکایت کرتی ہے۔ —— یہ تفاصیل دراصل انسان کے مراتب ہیں، اور وہ سب کا مجموعہ ہے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ یہ کتاب انسان کی معرف ہے۔ کلی اور جزوی مراتب بیان کرنے والی ہے —— اس کتاب میں سورۃ فاتحہ اُم الکتاب ہے۔ سورہ فاتحہ بسم اللہ شریف میں —— اور بسم اللہ شریف با کے نقطے میں مندرج ہے —— نقطہ احدیتِ ذات ہے —— تمام کتاب میں جو حروف مقطعات و مفصلات، الفاظ و کلمات، آیات وسورتیں ہیں، ان سے یہ مراد ہے کہ کتاب کی کشادگی سب سے متعین ہوگئی ہے —— اس میں تمام حالات کا مندرج ہونا عبارت ہے۔

جو شخص عدم انبساط سے اس قول کو سمجھ لے گا تو اس پر اس آیت کے معنی کھل جائیں گے —— ارشاد باری ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا (۱۹، ع۳، فرقان)

''کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا، کیسے دراز کیا سائے کو، اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا رکھتا —— پس کیا ہم نے آفتاب کو سائے کی شناخت پر راہنما۔ پھر پکڑا ہم نے سائے کو اپنی طرف آسان پکڑنا۔''

مَدُّالظِّلَ —— یعنی سائے کی درازی نقطہ وجودیہ کی کشادگی، حروفِ الٰہیہ و حروف کونیہ کے تعینات سے عبارت ہے —— سکون، نقطہ وجودیہ کے کشادہ نہ ہونے سے اور حروفِ الٰہیہ و حروف کونیہ کے عدم تعین سے عبارت ہے —— جبکہ شمس، ذاتِ حق سے عبارت ہے —— اگر آفتابِ احدیت، مطلعِ عزت سے نہ چمکے تو سایہ ندارد ہے —— یہاں سائے کا ہمسایہ آفتاب ہے۔

اوچو خورشید است وماچون سایہ ایم	ہم چو نور و سایہ ما ہمسایہ ایم
تابع نوراست سایہ روز و شب	نور خواہی گو بیا سایہ طلب
ہستی سایہ یقین از نور دان	سایہ را بے شک دلیل نور خوان
ے نماید سالہا از عکس نور	سایہ را از نور نتواں کرد دور
گر نہاں گردد زمانے نور خود	سایہ ہم ناچیز گردد سر بسر
سایہ ھا چون محو نور خود شود	وصل اور اور زمان در خود شود

''وہ جو آفتاب عالم تاب کی مانند ہے، تو ہم سائے کی مثال ہیں —— ہم نور و سائے کی طرح ہمسائے ہیں۔

روز و شب کا سایہ نور ہی کا تابع ہے —— اگر تو نور کو چاہتا ہے تو آ سایہ (مرشد کامل جو ظل اللہ ہے) کو طلب کر، اور اس کے زیر سایہ ہو۔

تو سائے کی ہستی کو نور ہی سے سمجھ۔ اور تو بے شک سائے کو نور کی ہی دلیل جان۔

نور کے عکس سے وہ برسوں سے (مدت مدید سے) نظر آتا ہے۔ سائے کو نور سے جدا نہیں کر سکتے۔

اگر نور خود ایک مدت تک چھپ جائے، تو پھر یہ سایہ بھی خود بخود سر بسر ناچیز

و ناپید ہو جائے۔

جب نور آفتاب سے سائے محو اور غائب ہو جائیں تو پھر اس کا وصل اس وقت نور خورشید ہی میں ہوتا ہے۔''

؎ گر نہ خورشید جمال یار گشتے رہنموں　　　از شب تاریک غفلت کس نبردے رہ بروں

''اگر جمال یار کا خورشید منور خود راہنمائی نہیں کرتا تو کوئی بھی شب تاریک کی غفلت کی وجہ سے باہر نکلنے کا راستہ ہرگز نہ پاتا۔''

؎ روئے صحرا چو ہمہ پرتو خورشید گرفت　　　نتواند نفسے سایہ بآن صحرا شد

''جب روئے صحرا نے تمام سورج کا پرتو حاصل کر لیا تو پھر وہ لق دق صحرا ایک دم کے لیے بھی سایہ نہیں رکھے گا ـــــ یعنی نور آفتاب کی وجہ سے پھر وہاں سائے کا وجود ہرگز نظر نہیں آئے گا۔''

اس آیت کی تفسیر بھی ''تفسیر جواہر'' میں خوب لکھی ہے ـــــ یہ نقطۂ وجود یہ خزانہ ذاتِ احدیت کُنۡتُ کَنۡزًا مُخۡفِیًّا سے ہے۔

ـــــ اب یہ نقطہ بائے بسم اللہ کا نقطہ وجودیہ کی طرف اشارہ ہے ـــــ اور بائے بسم اللہ کا اشارہ دوسری اُم الکتاب ''قلم'' کی طرف ہے ـــــ اور بسم اللہ کا اشارہ تیسری اُم الکتاب ''عرش'' کی طرف ہے ـــــ فاتحہ کا اشارہ کتابِ جامع ''انسان'' کی طرف ہے ـــــ بے شک اپنے ظہور سے پہلے جمیع مراتب میں مندرج تھا۔ جیسے جمیع اشیاء اس کے ظہور کے بعد اس میں مندرج ہیں ـــــ نقطے کا کشادہ ہونا اپنی ذات میں کتاب مبین اوّل کی طرف اشارہ ہے ـــــ اور باء کا کشادہ ہونا سین تک کتاب مبین ثانی کی طرف اشارہ ہے ـــــ بسم اللہ کے حرفوں کا متصل و منفصل ہونا کتاب مبین ثالث کی طرف اشارہ ہے ـــــ بسم اللہ کے حروف کا فاتحہ میں مکرر ہونا، اور ایک کا ایک سے مشابہ ہونا کتاب جامع کی طرف اشارہ ہے ـــــ اور فاتحہ سے والناس تک تمام قرآن مجید مراتب عالم اور اس کے اجزا کی طرف اشارہ ہے۔ فافہم!

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

۱	نقطہ بائے بسم اللہ	نقطہ وجودیہ
۲	بائے بسم اللہ	قلم
۳	بسم اللہ	عرش
۴	فاتحہ	انسان
۵	کشادگی نقطہ	اول کتاب مبین: علم حق
۶	باء کی کشادگی سین تک	ثانی کتاب مبین: لوح محفوظ
۷	اتصال وانفصال حروف بسم اللہ	ثالث کتاب مبین: کرسی
۸	مشابہت وتکرار حروف بسم اللہ وفاتحہ	کتاب جامع: انسان
۹	سورہ فاتحہ تا والناس تمام قرآن	اشارہ بطرف مراتب عالم معہ اجزا

ع درخانہ اگر کس ست یک حرف بس است

''اگر تیرے گھر (باطن) میں کچھ قابلیت ہے تو تجھے بس ایک حرف ہی کافی ہے۔''

دل گفت مرا علم لدنی ہوس است تعلیمے کن اگر ترا دسترس است

گفتم کہ الف گفت دگر گفتم ہیچ درخانہ اگر کس ست یک حرف بس است

''دل نے کہا: ''مجھے علم لدنی (علم اسرار) کی ہوس وآرزو ہے —— تو مجھے یہ تعلیم کر۔ اگر تجھ کو اس میں کچھ دسترس اور واقفیت ہے۔''

میں نے کہا: ''الف''! —— اس نے کہا: ''اور دوسرا ——'' میں نے کہا: ''بس اور کچھ نہ کہہ۔ اگر تیرے گھر میں (باطن میں) کچھ ہے تو بس یہی ایک حرف کافی ہے۔''

اپنے نفس کا عرفان کافی ہے:

انسان کو اپنی ذات کا فکر، اپنے نفس کا عرفان، اپنی حقیقت کا انکشاف کافی ہے —— امام غزالی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث پاک بیان فرمائی:

فَاِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ فَاَعْرِفْ نَفْسَکَ یَا اِنْسَانُ تَعْرِفْ رَبَّکَ

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انسان کو اپنی صورت پر، پس پہچان اپنے نفس کو اے انسان! ـــــ تا کہ پہچانے تو اپنے خدا کو۔"

چنانچہ جب عرفان حاصل ہوا تو امرونہی کی تعمیل، خدائی اور بندگی کے القاب اور اِنَّــــا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً کا خطاب ایسا ہے جیسے سکندر قاصد بن کر نوشابہ کے روبرو گیا تھا ـــــ نوشابہ نے چونکہ پہچان لیا تھا، اس لیے فوراً پکار اٹھی:

؎ میانجی نہ شاہِ آزادۂ فرستندۂ نے فرستادۂ

"تو کوئی ملازم و قاصد نہیں ہے۔ تو خود آزاد بادشاہ ہے۔ تو بھیجا ہوا نہیں ہے ـــــ بلکہ تو بھیجنے والا ہے۔(یعنی تو خود ہی آقا و مالک ہے۔)"

اگر اس مشت خاک میں سر کبریائی (بڑائی کا راز) پوشیدہ نہ ہوتا تو سجدہ صرف حضرت ذات پاک کے لیے مخصوص ہے ـــــ ملائکہ سے آدم علیہ السلام کو نہ کرایا جاتا ـــــ چونکہ اس ویرانے میں خزانہ سلطانی پنہاں رکھنا منظور تھا، اس لیے عالم ملکوت میں منادی کی گئی:

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ

"جب میں ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں اپنی جان، تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔" (پ ۲۳، ع ۱۳، ص)

الحاصل تمام ملائکہ نے تعمیل ارشاد کی، سجدہ میں گر پڑے۔ لیکن ابلیس لعین نے حکم نہ مانا۔ انکار و استکبار کیا، مردود بارگاہ ٹھہرا۔ ـــــ آدم علیہ السلام کو بہکایا، جنت سے نکلوایا ـــــ خود گمراہ بنا، اوروں کو گمراہ کیا ـــــ

ارباب فہم کو اس مقام پر غور کرنا چاہیے کہ جب کوئی شے حضرت انسان سے خارج نہیں، اور عالم اکبر خود اس کے اندر موجود و مندرج ہے ـــــ اور خود اسے اپنے نفس میں غور و فکر کی ہدایت کی گئی ہے ـــــ تو یہ کیا معاملہ تھا:

☆ ——کون مسجود تھا، اور کون ساجد!

☆ ——انکار کس نے کیا، اور حکم کس نے دیا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَّاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (پ ۲۸ ع ۱۵ لقمان)

''وہ اللہ کہ پیدا کیا تم کو—— پھر تم میں سے بعض کو کافر اور بعض کو مومن کیا—— اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

بعض مفسرین نے یوں معنی لکھے ہیں:

''وہ اللہ جس نے پیدا کیا تم کو، پھر تم میں سے ہر واحد کے بعض اجزاء کو کافر (مثل افعال قبیحہ اور عادات خبیثہ کے)—— اور پیدا کیا تم میں ہر واحد کے بعض اجزا کو مومن (مانند اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے)—— ہر واحد تم میں ان دو جزو کا جامع ہے—— اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے جو شخص جس جزو کا تابع ہے۔''

مولانا روم اور حقیقت انسان:

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

کاندرین یک شخص ہر دو فعل ہست ۔ گاہ ماہی باشد واو گاہ شست

نیم او مومن بود نیمش گبر ۔ نیم او حرص آوری نیمش صبر

گفت یزدانت فَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۔ بار مِنْكُمْ كَافِرٌ گبر کہن

ہم چوگاوے نیمہ جلدش سیاہ ۔ نیمہ دیگر سفید او ہم چو ماہ

ہر کہ این نیمہ بہ بیند رو کند ۔ ہر کہ آن نیمہ بہ بیند کد کند

از جمالِ یوسف اخوان بس نفور ۔ لیکن اندر دیدہ یعقوب نور

''کیونکہ اس مقام پر ایک شخص دو فعل رکھتا ہے۔ یعنی دو حالت اور کیفیت سے دو چار ہے—— کبھی تو وہ مچھلی (کی شکل) ہوتا ہے، اور کبھی شکاری

کی ڈور کاٹنا بنتا ہے۔

آدھا اس کا مومن ہوتا ہے اور آدھا کافر و مشرک ـــــ اس کا آدھا نفس حرص و لالچ قبول کرتا ہے، اور آدھا صبر و شکیب کی حالت میں رہتا ہے۔

جیسا کہ حضرت یزداں نے فرمایا ہے کہ: تم میں سے بعض مومن ہو اور بعض کافر ـــــ تمہاری حالت کبھی ایمان کی ہوتی ہے، کبھی کافرانہ ہوتی ہے ـــــ یعنی تمہارے اندر دونوں خاصیتیں ہیں۔ (جو صورت و کیفیت غالب ہو جائے تم وہی ہو جاتے ہو)

جس طرح کہ کوئی گائے کہ اس کی آدھی جلد سیاہ اور آدھی سفید چاند کی طرح چمکتی ہو ـــــ جو کوئی اس سیاہ رنگ کو دیکھے تو نفرت و کراہت کرے، اور جو کوئی اس آدھی سفید براق صورت کو دیکھے تو وہ اس کو پسند کرے۔

اور جس طرح سے حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی ان کے جمال زیبا کو دیکھ کر سخت نفرت کرتے تھے۔ مگر اسی پرنور اور دلکش صورت کو دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی بے نور آنکھوں میں نور آ گیا۔"

ذاتِ واحد کی دو صفات:

جبکہ یہ سب کچھ اس کے اندر داخل ہے۔ پس یہی آدم ہے، یہی رحمان ہے، یہی فرشتہ، یہی شیطان۔

رحمن و رحیم و رحمت اللہ مائیم شیطان رجیم و لعنت اللہ مائیم
ہر نیک و بدے کہ در جہان ے گزرد بـــالله مائیم ثــم بـــالله مائیم

"رحمٰن و رحیم اور اللہ کی رحمت ہم ہی ہیں ـــــ اور شیطان گمراہ و مردود اور اللہ کی لعنت بھی ہم ہی ہیں۔

جو کچھ نیک و بد دنیا میں ہوتا ہے، خدا کی قسم! ہم ہی نہیں، ہم ہی ہیں ـــــ"

یعنی سب کچھ ہم سے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان مظہر ذاتِ الٰہی ہے۔

جب امر ربی یعنی روح تن خاکی میں پھونکی جاتی ہے تو عقل و فہم، تمیز وادراک، ہوش وحواسِ مثل ملائکہ اس کے سجدہ کو سر جھکاتے ہیں، اور اطاعت بجالاتے ہیں ——— لیکن ہوائے شہوانی اور لذت و خواہشاتِ نفسانی بالکل نافرمان اور آدم کے شیطان ہیں ——— اس کو بے نیازی کے نعیم و مقیم سے نکال کر حاجت مندی اور حرص و ہوا کی زمین پر لا ڈالتا ہے۔ ——— ہر چند کہ روح و عقل و نفس ہر ایک بجائے خود جدا ہے۔ لیکن ذاتِ انسان سے کوئی خارج نہیں ———

اگر کہا جائے کہ خود انسان ہی روح ہے، عقل ہے، نفس ہے، تو درحقیقت درست ہے ——— اور اگر کہا جائے کہ صرف روح یا عقل یا صرف نفس تو انسان نہیں، تو یہ بھی سچ ہے ——— انسان کہتا ہے کہ:

''میری روح ہے، میری عقل ہے، میرا نفس ہے۔''

پس وہ کون ہے جس کی طرف یہ سب مضاف ہیں۔ اگر بغور سوچو تو یہ خود ہی مضاف ہے، اور خود ہی مضاف الیہ ——— پھر خود ہی اس کا کہیں پتہ نہیں ——— روح بھی ہے، عقل بھی ہے، نفس بھی ہے، لیکن انسان کہاں! ———

☆ ——— اگر عقل رہنما ہے تو کس کے لیے؟

☆ ——— اور نفس گمراہ کرنے والا ہے تو کس کے لیے؟

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت وضلالت کا فاعل اپنی ہی ذات کو بتلایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ ——— فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ

''پس گمراہ کرتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے، اور ہدایت کرتا ہے، جسے چاہتا ہے۔'' (پ۲۲، ع۱۳، فاطر)

☆ ——— وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (پ۱۴، ع۹، نحل)

''اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو سب کو ایک ہی فرقہ بنا دیتا، ولیکن گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

☆ —— اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا (پ۱۳، ع ۱۰، سجدہ)

''اگر چاہے اللہ تو راہ پر لائے سب لوگوں کو۔''

☆ —— وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰيهَا (پ۲۱، ع ۱۰، سجدہ)

''اگر ہم چاہتے تو ہم دیتے ہر نفس کو سوجھ اپنی راہ کی۔''

حدیث پاک میں ہے:

مَنْ يَّهْدِى اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ

''جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے، کوئی اسے گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جس کو گمراہ کرے، کوئی اسے ہدایت کرنے والا نہیں۔''

غرض کیا ہدایت، کیا ضلالت، ہر فعل کو اپنی ہی طرف منسوب کیا ہے۔ —— پھر کیا آدم، کون فرشتہ، کیا شیطان! ——

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے چالیس روز کے بعد جب توریت لے کر واپس آئے، اور قوم کو گوسالہ پرستی و گمراہی میں دیکھا تو عرض کیا:

''یہ مگر تیرے ہی کرتوت ہیں۔ گمراہ کرتا ہے تو ساتھ اس کے جس کو چاہے، اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہے۔'' (پ۹ ع ۸، اعراف)

اگر شیطان و رحمٰن دو فاعل ہوتے جیسے گبر و ترسا'' اھرمن (مضل) اور یزدان (رحمٰن)'' کہتے ہیں تو خدا کی خدائی آدھی رہ جاتی —— ایک راہ پر لاتا، ایک بہکاتا —— ایک بناتا، ایک بگاڑتا —— اس کھینچا تانی میں خلقت تمام ہو جاتی ——

ارشاد باری ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

''اگر ہوتے ان دونوں میں (یعنی زمین و آسمان میں) اور خدا سوائے اللہ کے، تو البتہ دونوں خراب ہو جاتے۔'' (پ۱۷، ع ۲، انبیاء)

اس سے ثابت ہے کہ ذاتِ واحد کی دو صفات ہیں:

(۱) ——ایک صفت جمال (۲) ——دوسری صفت جلال

اور یہ دونوں صفات حضرت انسان میں موجود ہیں—— چنانچہ وہ خود ہی هــادی ہے خود ہی مضل—— کیا خوب فرمایا ہے:

دَدَائُکَ وَ دَوَائُکَ فِیْکَ فَلَیْسَ شَیْءٌ خَارِجًا مِّنْکَ اَنْتَ اُمُّ الْکِتٰبِ

''دوئی کا خیال درد وغم ہے، اور وحدت و یگانگی دوائے اُتم۔ جس وقت تجھے فکر کرنے سے یہ راز منکشف ہوگا تو ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی شے تجھ سے خارج نہیں—— انکشاف توحید جب اس وسعت کو پہنچے گا تو معلوم ہوگا کہ تو ام الکتاب ہے۔''

حضرت شیخ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تو بمعنے جان جملہ عالمے	ہر دو عالم خود توئی بنگر دمے
لوح محفوظ است درمعنی دولت	ہرچہ خواہی شود زوحاصلت
درحقیقت خود توئی ام الکتاب	خود زخود آیات حق را بازیاب
صورت نقش الٰہی خود توئی	عارف اشیاء کماہی خود توائی
انتخاب نسخۂ عالم توئی	سرشناس علم الآدم توئی
توبمعنے برتری از انس و جان	ہرچہ بنی خود توئی بنگر بدان
ازکمال قدرتش بین بے شکے	ہر دو عالم را نماید در یکے
نقش آدم را رقم نوعے زند	ہر دو عالم را درو پنہاں کند
درسہ گز قالب نماید درعیان	ہرچہ بود و ہرچہ باشد درجہان
بحر عمان آمدہ در کوزہ	کرد عالم از درش دریوزہ
ہست انسان برزخ نور و ظلم	مطلع الفجرش ہمیں گفتند ہم
برزخ جامع خط موہوم اوست	چون نماید وہم تو معلوم اوست

آں چہ مطلوبت جہان در جہاں ہم تو داری باز جواز خود نشان

من عرف زان گفت شاہ اولیا عارف خود شو کہ بہ شناسی خدا

دانش آفاق راز نفس خوان تا کہ گردی عارف اسرار دان

گرہمی خواہی کہ گردی حق شناس خویش را بہ شناس از راہ قیاس

تاز راہ کشف و تحقیق و یقین عارف خودشو کہ حق این است و ایں

گربسر خود بیابی تو رہی ہم ز خود تو از خدا ہم آگہی

ہم ملک ہم نہ فلک بہ شناختی چوں بہ کنہ خویشتن رہ یافتی

چوں بدانی تو کماہی خویش را علم عالم حاصل آید مر ترا

کے شودایں سرتراعین الیقین تانگر دی محو حق اے نازنین

چوں بہ عشق دوست گردی جاں فشاں پر ز خود بینی ہمہ کون و مکاں

شدمقید روح تو درجبس تن کے توانی کرد فہم این سخن

تانگردی بے خبر از خود تمام کے خبر یابی زحق اے نیک نام

گربقا خواہی فنا شو کین فنا چون بمعنی بنگری باشد بقا

گر بہ کنہ خود ترا باشد رہی از خدا و خلق بے شک آگہی

آں کہ سبحانی ہمی گفت آن زمان این معانی گشتہ بود اور اعیان

ہم ازیں روگفت آن بحر صفا نیست اندر جبہ ام غیر از خدا

آن انا الحق گفت این معنی نمود گربصورت پیش تو دعویٰ نمود

لیس فی الدارین آں کوگفتہ است در این معنی چہ نیکو سفتہ است

ہر کس این معنی بنوعے باز گفت گہ نہاں و گہ عیاں ایں راز گفت

ہر کہ این رہ را بہ پایاں بردہ است ہم ازیں معنے بیانے کردہ است

گرہمی خواہی کہ یابی زین نشان سربنہ بر خاکپائے کا ملاں

گر بامرش سیر کردی این طریق نیست گردی عاقبت ہم زین حیق

چون نماند از توئی با تو اثر بے گمان یا بے ازیں معنی خبر

سرور اقطاب، عالم بایزید — آں کہ خودرا آں چناں کہ ہست دید
زد یکے پر سید شیخا عرش چیست — شیخ گفت اور امنم برظن بالیس
گفت کرسی چیست گفتا کہ منم — موج گفتا گفت دانا کہ منم
باز پرسید او کہ چہ لود خود قلم — شیخ گفتش گرندانی ہم منم
باز پرسیدش کہ حق را بندگان — گفتہ اندوحال ہست اندر زمان
کہ چو ابراہیم و موسیٰ اندبدل — چون محمد ہم چو عیسیٰ اندبدل
شیخ گفتا آں ہمہ آخر منم — ہم بمعنی آفتاب روشنم
گفت مے گویند حق راہ درجہاں — بندگان بودند و ہستند ایں زمان
قلب شان جبرئیل و میکائیل وار — باز عزرائیل و اسرافیل دار
گفت صدق آدر کہ آن جملہ منم — تازپنداری من این جان و تنم
بایزیدش گفت ہر کو در خدا — محو گردد از خدا بہ نود جدا
درحقیقت ہرچہ ہست اے مردین — خود ہمہ حق اوست باطل نیست این
اوچو فانی گشت اندر نورِ ربّ — حق ہمہ خود رابہ بیند اے عجب
اوچو خالی کرد خود را از خودی — دید خود را عین نور ایزدی
صد ہزاراں بحر در قطرۂ نہاں — ذرّہ گشتہ جہان اندر جہان
لامکان اندر مکان کردہ مکان — بے نشان گشتہ مقید در نشان
کے بگنجد بحر اندر قطرہ — مہر پنہاں چون شود در ذرّہ
این ابدعین ازل آمد یقین — باطن این جاعین شد ظاہر مبین
پیش چشمت ہست دریائے رواں — دیدہ دانستی ازانی در گمان
عین آبی آب مے جوئی عجب — نقد خود رانسیہ مے گوئی عجب
من کہ آبم تشتہ آبم چرا — درعطش اندر تب و تابم چرا
شد بہ نقش موج ما در عیاں — موج ساز و بحر را فاش جہاں
خویش را از راہ خود بردار زود — کے کنی تا باخودی از خویش سود

گنج عالم داری و کدے کنی | خود کہ کردہ آں کہ باخود ے کنی
بادشاہی ازچہ ے گردی گدا | گنج ھا داری چرائی بے نوا
جملہ عالم ہست حاجت مند تو | تو گدایانہ چہ گردی کو بہ کو
از توئی دریائے تو خس پوش شد | خس نماند بحر گر در جوش شد
مانع راہ تو ہم ہستی تست | نیست شو تارہ بخود یابی درست
گشت خورشیدت نہاں در زیر میغ | قیمت خود را ندانستی دریغ
مخزن اسرارِ ربانی توئی | مجمع اوصاف رحمانی توئی

ہرچہ موجود است در عالم توئی
وانچہ تو جویائے آنی ہم توئی

"درحقیقت تو تمام عالم کی جان کے معنوں میں ہے۔اور دونوں عالم بھی اصل ہیں۔خودتو ہی ہے، ذرا دم بھر کر غور وفکر تو کر۔"

تیرا دل لوح محفوظ کے معنوں میں ہے،تو اس کو حاصل کر کے جو چاہتا ہے حاصل کر،وہ ہوجائے گا۔

حقیقت میں تو خود ہی"ام الکتاب" (سب کتابوں کی ماں) ہے—— بس تو اپنے آپ ہی سے آیاتِ حق اور رموزِ الٰہی کو حاصل کر۔

تو خود ہی نقش الٰہی کی شکل وصورت ہے۔اور تو خود ہی تمام اشیائے عالم کی حقیقت کا عارف (جاننے والا) ہے۔

تو ہی نسخہء عالم (کتاب کائنات) کا انتخاب اور لب لباب ہے۔

——تو ہی"آدم کو سکھایا" کے اسرار وحقیقت کو سمجھنے والا ہے۔

تو اپنے معنوں کے لحاظ سے (حقیقت میں) جن و انسان سب سے بڑھ کر ہے—— جو کچھ تو دیکھتا ہے،حقیقت میں وہ سب تو ہی ہے۔ہاں تو، دیکھ اور جان لے!

مگر بے شک تو اس کو اس کے کمال قدرت کے ساتھ دیکھ۔وہ تجھ کو دونوں عالم کو

ایک ہی حقیقت دکھائے گا۔ اس باکمال خالق بے مثال نے نقش آدم علیہ السلام کی ایک رقم لکھ کر ایک بے شمار نوع و نسل بنا دی، اور تمام عالم کو (اس مظہر تام) میں چھپا دیا۔ جب تجھ کو حقیقت کا علم ہوگا تو پھر تجھ کو اس راز کا انکشاف ہوگا۔

اور تو دیکھ لے اگر چہ ظاہر میں جسم انسانی (قالب) صرف دو تین گز کا ہی نظر آتا ہے۔ مگر جو کچھ بھی جہان میں ہوا ہے، اور جو کچھ بھی ہوگا سب اسی سے متعلق ہے۔

''بحرِعمان (عرب کے قریب ایک سمندر، جس میں سے موتی نکلتے ہیں۔) بھی اس کے سامنے (اور اس کا) ایک کوزہ ہے۔ تمام عالم اس کے در کا بھاری ہے، اور سب اس کے آگے نیاز مند ہیں۔

یہ ذاتِ انسان جو مظہر کل ہے، نور و ظلمات کا برزخ (درمیان والا مقام) ہے —— اس کو مطلع الفجر بھی کہتے ہیں۔ یعنی صبح وحدت کا نور اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے۔

برزخ جامع اس کا خط موہوم (وہمی وخیالی) ہے۔ جب اس کا فکر و وہم اس کو ظاہر کرے تو وہ معلوم وظہور پذیر ہوتا ہے۔

سارے جہاں میں جو کچھ تجھ کو خواہش وطلب ہو، وہ سب تو خود اپنے اندر رکھتا ہے۔ تو مکرر اس کی تلاش وجستجو کر، وہ تجھ کو ضرور ملے گا —— یعنی قادر مطلق نے اس خاکی انسان کو اپنا ''خلیفہء ارضی'' بنایا ہے۔ اور اس کو حیرت انگیز طاقتوں اور عجیب و غریب صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے فکر و عمل سے ہر مطلوبہ شے حاصل کر لیتا ہے۔

اسی وجہ سے حضرت مولیٰ علی شاہ اولیاء نے مَنْ عَرَفَ یعنی تو اپنے نفس وذات کی حقیقت کو پہچان، فرمایا —— جس نے اپنی حقیقت کو جانا اس نے اپنے خالق کل کو جانا —— اس لیے تو بھی اپنی ذات کا عارف بن، تاکہ تجھے بھی خداشناسی نصیب ہو۔

تو سارے دنیا جہان کی عقل و دانش کو اپنی ذات ہی میں سمجھ۔ تاکہ پھر تو عارف اسرار و رموز ہو جائے۔

اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تو حق شناس ہو جائے تو تو اپنے آپ کو پہچان —— اور راہ قیاس سے اس حقیقت کا اندازہ کر —— تاکہ تو کشف کی راہ سے اور تحقیق و یقین سے اپنی ذات کا عارف ہو جائے۔ خوب سمجھ لے کہ حق یہی ہے۔

اگر تو اپنے راز و بھید کی راہ معلوم کرے گا، تو تو خود بخود اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لے گا —— پھر تو فرشتوں کو بھی اور تمام افلاک کو بھی پہچان لے گا —— جب تو اپنی حقیقت معلوم کر لے گا، اور جب تو پوری طرح سے اپنی حقیقت سے واقف ہو جائے گا تو پھر تجھ کو تمام عالم کا علم حاصل ہو جائے گا۔

اے ناز پروردہ، پیارے! یہ راز حقیقت ''عین الیقین'' تجھے کب حاصل ہوگا —— یہ تجھے صرف اسی وقت ہی حاصل ہوگا کہ جب تو اپنے مولیٰ تعالیٰ کی محبت میں محو و مستغرق ہوگا —— جب تو اس حقیقی دوست کی محبت میں جاں فشانی کرے گا —— مگر تمام کون و مکان تیری قید میں ہے۔ پھر بھلا تو اس راز حقیقت کو کب سمجھ سکتا ہے —— جب تک تو پورے طور سے اپنے آپ سے بے خبر نہ ہو جائے۔ اور اپنی اس ظاہری ہستی کو فنا نہ کر لے۔ اے نیک نام! تو کب حق کی خبر پا سکتا ہے۔

اگر تو بقا چاہتا ہے تو بس فنا ہو جا۔ کیونکہ یہی تیری فنا، اگر تو حقیقت معنی کی نظر سے دیکھے تو یہی تیری بقا اور حیات دوام ہے۔

اگر تجھ کو اپنی حقیقت اور راز ہستی کی آگاہی ہو جائے تو بلاشبہ تو خدا اور تمام مخلوق سے آگاہ ہو جائے گا۔

وہ برگزیدہ ہستی جنہوں نے ''سبحان'' یعنی پاک و اعلیٰ ہے تیری ذات، اس وقت (حالت فنا) میں فرمایا تھا۔ یہ راز و معانی درحقیقت اس وقت (باقی باللہ) ہو کر حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ پر عیاں ہوا تھا —— اسی وجہ سے ان اہل حقیقت بحر صفا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس وقت میرے جبہ (گدڑی) میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود نہیں ہے۔ (یعنی انہوں نے اپنی ظاہری ہستی کو فنا کر دیا تھا)۔

اور اس بزرگ (منصور حلاج علیہ الرحمہ) نے جو بحر حقیقت میں مستغرق ہو گئے

تھے۔انہی معنوں کے لحاظ سے انا الحق (یعنی میں خدا ہوں) فرمایا تھا——اگر یہی کیفیت اور حقیقت حال تجھ کو پیش آئے تو تو بھی یہ دعویٰ کر۔

ایک وہ بزرگ تھے جنہوں نے حالت استغراق میں یہ فرمایا تھا کہ درحقیقت دونوں جہان میں سوائے اس کے (اللہ تعالیٰ) اور کوئی نہیں ہے۔ان معنوں میں انہوں نے کیا خوب معرفت کے موتی پروئے ہیں۔

اس گروہ حق آگاہ میں سے ہر ایک نے ان معنوں میں اس بات کو بار بار کہا ہے، اور کسی نے اس راز حقیقت کو پوشیدہ طور سے بیان کیا، اور کسی نے کھلم کھلا بیان کر دیا——اس راہ کو جس کسی نے بھی آخر تک طے کیا ہے، اس نے یہی حقیقی معنی اور راز بیان کیا ہے۔

اگر تو بھی اس ''نشان حقیقت'' کو پانا چاہتا ہے، تو پھر تو اپنا سر ادب وعقیدت سے کاملان معرفتِ الٰہی کے قدم مبارک پر رکھ دے۔

اگر تو نے ان کے حکم کے موافق اس طریقہ کی سیر کی، تو آخرکار تو اس طرح اپنے آپ کو نیست و فنا بنائے گا۔ جب تیری ذات کے اندر تیری خودنمائی کا مطلق اثر باقی نہیں رہے گا، تو بے گمان و بلاشبہ ان حقیقی معنوں کی خبر پالے گا۔

تمام دنیا کے قطبوں اور اولیاء کے سردار حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے جب کہ اسی طرح اپنے آپ کو مٹا کر دیکھا، یعنی جب وہ ''فنافی اللہ ہو کر بقاباللہ'' ہو گئے۔تو ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ:

''حضرت! عرش اعظم کیا ہے؟''——شیخ وقت نے اس سے فرمایا کہ:

''میں ہی ہوں۔''——تجھے اس بات کا یقین کرنا چاہئے——پھر اس نے دریافت کیا: ''کرسی کیا ہے؟''——آپ نے فرمایا: ''وہ بھی میں ہی ہوں''——دریافت کیا: ''موج کیا ہے؟''——تو دانائے معرفت نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں ہی ہوں''——پھر اس نے پوچھا کہ: ''قلم خود کیا تھا''——تو شیخ نے فرمایا کہ: اگر تو یہ نہیں جانتا تو جان لے کہ وہ بھی میں ہی ہوں''——پھر اس نے پوچھا کہ: ''اللہ تعالیٰ

کے بندوں نے فرمایا ہے کہ اس زمانے میں بھی صاحبِ حال اہل کمال ہیں کہ وہ مثل ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بدل ہیں"—— شیخ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ:"وہ سب آخر میں ہی ہوں، اور میں ہی آفتاب روشن کے معنوں میں بھی ہوں"—— پھر اس نے کہا کہ" کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دنیا میں برحق بندے ہیں، اور اس زمانے میں ان کا قلب منور حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی طرح سے ہے"—— تو شیخ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"تو حق جان کہ وہ میں ہی ہوں، اور تجھ کو یہ گمان و وہم نہ ہو کہ میں اپنی اس جان وجسم سے ہوں۔"

آخر کار حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے اس شخص سے ارشاد فرمایا کہ:"تو یہ حقیقت جان لے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ میں محو و مستغرق ہو جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں ہوتا۔"

اے دنیا کے مرد! حقیقت میں جو کچھ بھی تمام عالم میں ہے وہ سب خود حق ہی ہے، یہ باطل ہرگز نہیں ہے۔

وہ بندۂ عارف جب نور رب العالمین میں فنا ہوا تو وہ تمام اپنے آپ کو حق ہی دیکھتا ہے۔ اور یہ اہل ظاہر کے لیے تعجب کی بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اس نے اپنے آپ کو خودی وخودنمائی سے خالی کرلیا تو پھر اس نے اپنے آپ کو حقیقت میں بالکل نور ایزدی ہی دیکھا۔

سینکڑوں ہزاروں سمندر ایک قطرے کے اندر پوشیدہ ہیں، اور ایک ننھا سا ذرہ بھی اپنے اندر جہان اندر جہان رکھتا ہے۔

لامکان نے مکان کے اندر مکان کیا ہے، اور بے نشان، نشان کے اندر مقید ہوگیا ہے۔ بھلا ایک بحر زخار ایک چھوٹے سے قطرے کے اندر سما سکتا ہے۔ (مگر اس طرح)

جیسے آفتاب درخشاں ننھے سے ذرّے کے اندر چھپا ہو۔

یہ ابد (روز آخر ہمیشہ) عین ازل (روز اول) آیا ہے، یقین رکھ۔ اور اس جگہ باطن عین ہو کر کھلم کھلا ظاہر ہوا ہے۔

تیری آنکھوں کے سامنے ایک بہت بڑا دریا رواں ہے۔ اور تو جان بوجھ کر پیاس کا گمان کرتا ہے۔ مگر تو خود عین آب ہے—— تعجب کی بات ہے کہ تو پانی ڈھونڈتا ہے، اور یہ بھی حیرت ہے کہ تو اپنے نقد کو ادھار کہتا ہے—— میں جبکہ خود پانی ہوں تو پھر پانی کا پیاسا کیوں ہوں، اور پیاس کے مارے کیوں بے وجہ حیران و پریشان ہوں۔

حقیقت میں موجوں کی شکل سے خود دریا ظاہر ہے—— اور جہان کے سمندر کو بالکل فاش (ظاہری طور سے) موج بنایا—— پس تو اسی ظاہر کی راہ سے اپنے آپ کو جلدی اٹھالے۔ اس طرح تو اپنی خودی کے ساتھ بھلا کب فائدہ اٹھائے گا۔

تو تو خود اپنے اندر سارے جہان کا خزانہ رکھتا ہے۔ اور اس سے نفرت و پرہیز کر کے بے سود دوسری جگہ تلاش کرتا ہے—— کسی نے تیرے ساتھ (ایسا برا) کب کیا ہوگا؟ جیسا کہ تو خود اپنے ساتھ کرتا ہے۔

تو تو خود بادشاہ عالم ہے۔ تو کس لیے گدائی کرتا ہے—— تو تو خود خزانہ معمور رکھتا ہے، کیوں بے نوا بھکاری کی طرح پھرتا ہے۔

تمام عالم تیرا حاجت مند بنا ہوا ہے۔ تو بھلا کس لیے ہر گلی کوچے میں گدائی کرتا بھیک مانگتا پھرتا ہے۔

تیری ہی (خودی وخودنمائی اور غلط فہمی کی) وجہ سے تیرا دریائے بے پایاں خس پوش ہوا ہے—— دریا و سمندر جب جوش میں آتے ہیں تو پھر خس و خاشاک کب باقی رہتے ہیں۔

تیری (راہ حقیقت) کی مانع و رکاوٹ خود تیری ہی ہستی ہے۔ تو خود نیست و نابود اور فنا ہو جا۔ تاکہ آسانی سے اپنی سیدھی راہ پالے——

تیرا خورشید منور تو بادلوں کے پردے میں چھپ گیا ہے۔

افسوس! کہ تو اپنی قدر و قیمت کو نہیں پہچانتا۔ اسی لیے حقیر و ذلیل اور پریشان ہو رہا ہے۔

دراصل تو ہی اسرار ربانی کا خزانہ ہے اور تو ہی حقیقت میں اوصاف رحمانی کا مجموعہ ہے —— یعنی اللہ تعالیٰ نے تیری ہستی میں بے شمار صلاحیتیں اور عجیب و غریب صفات رکھی ہیں۔

تمام عالم میں جو کچھ موجود ہے، تو ہی ہے —— اور جو کچھ بھی تو تلاش کرتا ہے، وہ بھی خود تو ہی ہے۔"

نظرے بہ سوئے خود کن کہ تو جان دلربائی	مفگن بہ خاک خود را کہ تو از بلند جائی
تو زچشم خود نہانی تو کمال خود چہ دانی	چو در از صدف بروں آ کہ تو بس گراں بہانی

"تو خود اپنے آپ پر نظر ڈال، درحقیقت تو خود جان اور دل ربا ہے۔
—— تو اپنے آپ کو خاک پر مت گرا۔ کیونکہ تو بلند اور اعلیٰ مقام رکھتا ہے —— یعنی اپنی ہستی کو ناقدری سے کمتر و حقیر نہ بنا۔

تو خود اپنی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔ بھلا تو اپنا کمال کیا جانے۔ تو پہلے موتی کی طرح سے اپنے جسم ظاہر (صدف) سے باہر آ۔ (پھر تجھے اپنی قدر و قیمت معلوم ہوگی) تو انتہائی قیمتی موتی ہے۔"

تیری دوا تجھی میں ہے، تجھ کو خبر نہیں	تیرا مرض تجھی سے ہے، تجھ کو، خبر نہیں
تنہا سا جسم جانتا ہے اپنے آپ کو	پیچیدہ تجھ میں عالم اکبر مگر نہیں
ام الکتاب تو ہے کہ جس کے حروف سے	ظاہر ہے سب چھپا ہوا کچھ مستتر نہیں

شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ہست انسان برزخ نور و ظلم	مطلع الفجرش ازیں گفتند ہم
عابد و معبود غیر یار نیست	درحقیقت غیر او دیار نیست
سر نہاں است در زیر نقاب	فہم کن واللہ اعلم بالصواب
دید راہ تو توئی آمد بدان	ورنہ حق پیداست در کون و مکان

نیست از خود شو کہ تایابی نجات　　　چون تو برخیزی نشیند حق بجات

دیدہ حق بین اگر بودے ترا

ادرخ از ہر ذرّہ بہ نمودے ترا

''حقیقت میں انسان نور وظلمات کا برزخ ہے۔ یعنی اس میں یہ دونوں صفات موجود ہیں —— اسی وجہ سے اسے مطلع فجر یعنی صبح کے نکلنے کا مقام بھی کہتے ہیں۔

اصل میں عابد و معبود اس دوسرے کے علاوہ اور کوئی (غیر) نہیں ہے —— حقیقت میں اس کے علاوہ کوئی اور موجود اور رہنے والا نہیں ہے —— یعنی اصل میں اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے۔

یہ تو ایک پردہ و نقاب کے اندر ایک پوشیدہ راز ہے۔ تو اس کی حقیقت کو سمجھ، بس اللہ ہی اچھی طرف خوب جانتا ہے۔

تیری راہ میں تیری یہ دید (ظاہری مشاہدہ) ہی غیر بنی ہوئی ہے۔ تو اس کی حق شناسی کی وجہ سے اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ورنہ تمام کون و مکاں (عالم موجودات) میں حق بالکل ظاہر و موجود ہے،

بس تو اپنے آپ سے نیست اور فنا ہو جا۔ تاکہ تو نجات پائے، اور اس دوئی اور غیر بینی کے چکر سے چھوٹ جائے —— جب تو اپنے آپ سے اٹھ جائے گا، یعنی اپنی ظاہری کو مٹا دے گا تو پھر تیری جگہ پر حق متمکن ہو جائے گا۔ پھر تو نہ رہے گا، بس حق ہی حق رہے گا۔

اگر تیری آنکھیں بھی حق بین ہوتیں تو وہ اپنا رخ پرنور کائنات کے ہر ذرّے میں تجھے دکھا دیتا۔''

فصل سوم:

تفکر کی صورت کیا ہے؟

ہر انسان کو لازم ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر دل کی طرف ہو کر بغور سوچے کہ:

☆—— میں کون ہوں؟

☆—— خدا کیا شے ہے؟

☆—— ظہور عالم جو نمودار ہے، کیا چیز ہے؟

چند روز میں اس کو خود بخود منکشف ہو جائے گا کہ میں یہ جسم نہیں ہوں—— کیونکہ جب جسم نہ تھا تو میں موجود تھا۔ اب جب یہ جسم وصورت نہ رہے گی تو بھی میں رہوں گا—— میں روح اللہ ہوں۔ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ—— وہ روح میں ہی ہوں۔

۔ شد بہ نفس موج ما دریا عیاں	آں چہ در عالم تو جویانی منم
چون ظہور جملہ اشیاء بماست	مظہر اوصاف رحمانی منم
ہر دو عالم شد بہ نور ماعیان	اصل ہر پیداوار پنہانی منم
نیست عالم در حقیقت جزطلسم	گنج بے پایاں اگر دانی منم

''ہم موجوں کی شکل وصورت میں دریا بن کر ظاہر ہوئے ہیں۔ جو کچھ تو عالم میں ڈھونڈتا ہے، دراصل میں ہی ہوں۔

جبکہ تمام اشیائے عالم کا ظہور ہم ہی سے ہوا ہے۔ تو پھر مظہر ''اوصاف رحمانی'' ہم ہی ہیں۔

دونوں عالم ہمارے ہی نور سے ظاہر ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہر ظاہر و پوشیدہ کی اصل ہم ہی ہیں۔

حقیقت میں یہ تمام عالم موجودات سوائے ایک طلسم حیرت انگیز کے اور کچھ نہیں ہے۔۔۔۔ اس لیے اگر تو اس طلسم عالم میں خزانہ بے شمار کو معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ میں ہی ہوں۔"

تفکر کا انداز:

مذکورہ بالا دلائل سے جب یہ ثابت ہو گیا اور یقین دل وحق الیقین سے متحقق ہو گیا کہ،

"ذات خدا کے سوا کچھ موجود نہیں، اور نہ کوئی چیز ذاتِ الٰہی سے خالی ہے۔"

تو انداز فکر اس طور پر ہے کہ مثلاً تم نے کسی چیز کو اشیاء ممکنات سے دیکھا یا سنا، یا کہا تو اس وقت سوچنا چاہئے کہ یہ چیز:

"عالم ناسوت یعنی عالم اجسام میں ہے،۔۔۔۔ ناسوت، عالم ملکوت اور عالم مثال کی صورت رکھتا ہے۔۔۔۔ اور ملکوت، عالم جبروت و عالم ارواح کی صورت رکھتا ہے۔"

یعنی: "حقیقتِ انسانی اور عالم جبروت، عالم لاہوت اور حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت رکھتا ہے۔۔۔۔ عالم لاہوت، عالم ھاھوت اور احدیت کی صورت ہے۔۔۔۔ عالم ناسوت، عین ھاھوت وذات بحت ہے"۔۔۔۔

پھر تنزل کرے۔ یعنی:

"ھاھوت، لاہوت کا باطن ہے۔۔۔۔ لاہوت، جبروت کا باطن ہے۔۔۔۔ اور جبروت، ملکوت کا باطن ہے۔۔۔۔ اور ملکوت، ناسوت کا باطن ہے۔"

پس ھاھوت عین ناسوت کی صورت ہے۔ جو جلوہ گر اور ظاہر ہے۔۔۔۔ اسی طرح عروج ونزول کرتا اور ہر شے کو اسی خیال سے دیکھے۔۔۔۔ چونکہ ہر ایک چیز ایک خاص اسم الٰہی کا مظہر ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

اَلطُّرُقُ اِلَی اللہِ بِعَدَدِ الْاَنْفَاسِ الْمَخْلُوْقَاتِ

اس کے یہی معنی ہیں کہ: "جس چیز کو دیکھو اسی میں راہ موصل الی المطلوب

ہے۔" —— بطریق نزول و عروج جبکہ ہر چیز مظہر الٰہی ہے —— اور ہر ذات میں ذاتِ الٰہی موجود ہے۔ تو بس اپنی ذات میں فکر کرنا بہتر و افضل ہے کہ:

☆ —— میں کون ہوں؟

☆ —— کیا ہوں اور کیا تھا؟

اس طرح فکر کرے گا تو اپنی ذات میں خدا کو پائے گا۔

بدرون تست مصری کہ توئی شکرستانش — چہ غم است گر ز بیروں ورد شکر نداری

شدہ ام مثال صورت بمثال بت پرستان — تو چہ یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری

بخدا جمال خود را چو در آئینہ بہ بینی — بت خویش خود تو باشی بہ کسے گزر نداری

"تیرے اندر ہی مصری و شیرینی ہے۔ کیونکہ تو خود شکرستان (شکر کی جگہ) ہے۔ پھر تجھے کیا غم ہے۔ اگر تو باہر اور ظاہر میں شکر نہیں رکھتا۔

بت پرستوں کی طرح میں خود صورت کی مثل (تصویر حیرت) ہو گیا ہوں۔ افسوس ہے، تو کیسا یوسف جمال ہے مگر تجھ کو خود اپنی خبر نہیں ہے، اور تو اپنی صورت زیبا کو نہیں دیکھتا۔

خدا کی قسم! اگر تو اپنا حسن و جمال آئینے کے اندر دیکھے تو پھر تو اپنی ہی صورت کا عاشق ہو جائے، اور کبھی دوسرے کی طرف نظر نہ کرے۔"

تفکر و تصور کی وادیاں:

اس تفکر و تصور میں یہ چار وادیاں پیش آتی ہیں:

(۱) —— وادیٔ استغناء　　(۲) —— وادیٔ توحید

(۳) —— وادیٔ فقر و فنا　　(۴) —— وادیٔ بقاء

وادیٔ توحید کے بعد گرداب حیرت بھی آتا ہے۔ اس کے بعد دیگر دو وادیاں درپیش آتی ہیں —— خواجہ فریدالدین عطار علیہ الرحمہ ہر وادی کی صفت بیان فرماتے ہیں:

(۱) ——— وادی استغناء:

بعد ازاں وادی استغناء بود	نے درد معنی و نے دعویٰ بود
می جہد از بے نیازی صرصرے	میزند برہم بیک دم کشورے
ہست جنت نیز ایں جا مردہ ایست	ہفت دوزخ ہم چویخ افسردہ ایست
قدرتے تو دارد این جانے کہن	خواہ این جا ہیچ کن خواہی مکن
گر دریں دریا ہزاراں جان فتاد	شبنمے در بحرِ بے پایاں فتاد
گر بیک رہ گشت این نہ طشت گم	قطرہ در ہفت دریا گشت گم

''اس کے بعد وادی استغناء (منزل بے نیازی) ہوتی ہے۔اس کے اندر نہ تو معنی ومطلب ہوتا ہے، اور نہ کچھ دعویٰ ومطالبہ ہی ہوتا ہے۔

اور ایسی بے نیازی کی طوفانی ہوا (آندھی) چلتی ہے کہ وہ ایک دم تمام ملک کو برباد کردیتی ہے۔

اس مقام پر آٹھوں جنتیں بھی مردہ و بیکار ہیں۔اور ساتوں دوزخ بھی اس جگہ برف کی طرح افسردہ اور ٹھنڈی ہیں۔

اس مقام پر تیری یہ پرانی جان ایسی طاقت وقدرت رکھے گی کہ چاہے تو کچھ کرے، چاہے نہ کرے۔

اگر تو اس دریائے موّاج میں ہزاروں جانیں بھی غرق ہو جائیں تو بس اس طرح سے ہو کہ جیسے کسی بحرِ بے پایاں میں ایک قطرہ شبنم ڈال دیا۔

اگر اس کی راہ میں یہ نوطشت (آسمان) بھی گم ہو جائیں تو ایسا ہے جیسے بس ایک قطرہ سات سمندر میں گر کر معدوم ہوگیا۔''

یہاں طالب مستغنی ہو کر خوشی مناتا ہے۔کرامات کا خاطر خواہ ظہور ہوتا ہے——— جو کم حوصلہ ہوتے ہیں، وہ یہاں کا توطن اختیار کرتے ہیں۔لیکن پیر کامل اپنے مرید کو اس منزل میں زیادہ نہیں رہنے دیتا۔تاکہ مغرور ہو کر مقام اصلی تک پہنچنے سے نہ رہ جائے——— وادی توحید میں لاکر بعجلت تمام بیداری کی تعلیم فرماتا ہے۔اور مرید

حیرت کے گرداب میں جا پڑتا ہے۔

یہ منزل نہایت پرخوف و خطر ہے۔ کوئی ٹھہر نہیں سکتا —— اجاڑ سنسان میدان میں بھلا کس کا جی لگتا ہے —— اس جنگل میں شیر کے جگر والا مرد رہ سکتا ہے۔ دوسرے کی کیا ہستی ہے"۔

(۲) —— وادی توحید:

بعد ازاں وادی توحید آیدت — منزل تفرید و تجرید آیدت

روئے ہاچوں بیاباں درکنید — جملہ سر از یک گریباں برکنید

گر بسے بینی عدو گر اند کے — از یکے باشد بدیں وہ در یکے

چون بسے باشد یک اندر یک مدام — از یک اندر یک یکے باشد تمام

نیست اینک کان احد آید ترا — زاں یکے کا ندر عدد آید ترا

چون برون است این زحد و درعدد — از ازل قطع نظر کن وز ابد

چون ازل گم شد ابد ہم جاوداں — ہر دورا کے ہیچ ماند درمیان

چون ہمہ ہیچ بود ہیچ آن ہمہ — کے بود دراصل جز ہیچ آن ہمہ

"اس کے بعد تجھے وادیٔ توحید سے واسطہ پڑے گا۔ تیرے سامنے منزل تفرید و تجرید (یکتائی اور علیحدگی) آئے گی۔

جب اس بیابان حیرت اور لق و دق صحرا میں اپنا رخ کریں تو بے شمار لوگ بھی اپنا سر ایک ہی گریبان میں (حیرت و تعجب سے) ڈال لیں۔

خواہ وہاں بہت سے دشمن دیکھیں یا تھوڑے سے، اس جگہ وہ دس بھی ایک ہی ہو جائیں۔ یعنی میدان توحید میں کثرت مبدل بہ وحدت (یکتائی) ہو جاتی ہے۔

جس طرح ایک کے اندر بہت سے ہوں، تو وہ ہمیشہ ایک کے اندر ایک ہی رہیں گے ——

اسی طرح ایک سے ایک کے اندر ہمیشہ ایک ہی ہوں گے۔ یعنی جو شے ایک ذاتِ واحد سے ظاہر ہوگی، وہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہوگی، اور آخر کار ایک

ہی ہو کر اپنی اصل میں رجوع کرے گی۔

کیا یہ ایک (واحد) نہیں ہے جو تیرے باطن (اندر) میں رہتا ہے۔ اور یہ بھی اس ایک ہی سے ہے جو بظاہر تجھ میں عدد کی شکل میں رونما ہوا ہے۔

جبکہ یہ ایک وحدت تمام حدود اور اعداد سے باہر ہے تو پھر تو (ہر حال میں) اس کی شان وحدت یکتائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے) ازل وابد (اول و آخر) سے بھی قطع نظر کرلے ـــــ یعنی بس اول و آخر ہے ـــــ اور یہ وحدت ہی بس دوامی ہے۔ یہ بظاہر کثرت و تعداد جو ہے، یہ فانی اور معدوم ہے۔

جب ازل وابد اور جاوداں (ہمیشگی) میں بھی گم ہو جائے، تو پھر یہ دونوں زمانے درمیان میں کچھ بھی باقی نہ رہیں گے۔

جبکہ سب کچھ ہیچ ہے (کچھ نہیں ہے) تو یہ سب ہیچ (معدوم) اس اصل (حقیقت) کا سوائے کچھ نہ ہونے کے اور کیا جز ہوگا ـــــ یعنی حقیقت میں سب کچھ اصل اور وحدت ہی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بس لاموجود الا اللہ (سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ موجود نہیں ہے۔"

گرداب حیرت:

اس وادیٔ توحید میں ایک گرداب حیرت آتا ہے کہ نہایت سخت و شدید عقبہ ہے کہ دین وایمان کفر واسلام کچھ نہیں رہتا۔ نہ اپنی خبر رہتی ہے نہ دوسرے کی۔

مولانا عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بعد ازاں گرداب حیرت آیدت — کار دائم درد و حسرت آیدت
ہر نفس ایں جا چو تیغے باشدت — ہر دمے ایں جا دریغے باشدت
آہ باشد درد باشد سوز ہم — روز باشد نے شب و نے روز ہم
آتشے باشد فردہ مرد این — بادل و جان سوختہ از درد این
مرد حیران چون رود زیں جائے گاہ — در تحیر مردہ و گم کردہ را
ہرچہ زد توحید بر جانش رقم — جملہ گرد و محو از او نیز ہم

گر بدو گویند ہستی یا نہ | نیستی گوئی کہ ہستی یا نہ
درمیانی یا برونی از میان | بر کناری یا نہانی یا عیاں
فانی یا باقی یا ہر دوئی | یا نہ ہر دوتوئی یا نہ توئی
گوید اصلا من ندانم کیستم | نے مسلمانم نہ کافر چیستم
لیک از عشقم ندارم آگہی | ہم دل پر عشق دارم ہم تہی

''اس کے بعد تیرا سامنا گرداب (بھنور) حیرت سے ہوگا۔ پھر ہمیشہ تجھے درد و حیرت سے کام پڑے گا۔

اس مقام پر اپنا ہر سانس آب دار تلوار کی طرح مہلک اور تیز معلوم ہوگا —— اس جگہ ہر وقت فکر و افسوس ہوگا۔

اس وقت تجھے آہ و درد اور سوز و جلن ایسی شدید ہوگی کہ پھر تجھے دن رات کی مطلق خبر نہ ہوگی، اور تیرے لیے دن رات کا کچھ فرق یا امتیاز باقی نہ رہے گا۔

افسردہ دل مرد بھی اس جگہ آگ کی مثال ہوتا ہے۔ اس درد و سوز سے اس کی جان و دل سوختہ ہوتے ہیں۔

جب کوئی حیران مرد اس مقام پر جاتا ہے تو وہ محو حیرت ہو کر مردہ اور گم کردۂ راہ ہو جاتا ہے۔

اپنے دل و جان پر اس نے توحید کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہو، وہ سب کچھ اس جگہ پر فراموش ہو جاتا ہے۔ اور وہ خود بھی حیرت کے اس بھنور میں کھو جاتا ہے۔

اس وقت اگر اس سے یہ کہیں کہ تو موجود بھی ہے یا نہیں تو وہ بھی نہ کہے گا کہ ''وہ'' ہے بھی یا نہیں۔

اس حال میں اس کو یہ خبر نہیں ہوگی کہ وہ درمیان میں ہے، یا بیچ میں ہے —— دریا کے کنارے پر ہے، یا چھپا ہوا ہے۔ یا ظاہر ہے —— نہ یہ معلوم ہوگا کہ فانی ہے یا باقی ہے، یا دونوں صفات رکھتا ہے یا نہیں —— ہر دونوں تو ہی ہے، یا تو نہیں ہے —— غرض اس عالم حیرت میں اس کے ہوش حواسِ مطلق گم ہوں گے —— اگر

وہ کچھ کہے گا تو بس یہ کہے گا کہ ـــــ:

"میں ہرگز کچھ خبر نہیں رکھتا کہ میں کیا شے ہوں ـــــ نہ میں یہ جانتا ہوں اور نہ وہ جانتا ہوں ـــــ اور نہ اپنے آپ کو ـــــ لیکن میں عاشق ضرور ہوں، مگر یہ نہیں معلوم کہ میں کون ہوں؟ ـــــ نہ تو میں مسلمان ہوں نہ ہی کافر ہوں ـــــ پھر خبر نہیں میں کیا ہوں ـــــ میں عشق کی حقیقت سے خبر و واقفیت نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے میں عشق سے بھرپور دل رکھتا ہوں، اور دل (پر ماسوا شے سے) خالی بھی رکھتا ہوں۔"

وادیٔ فقر وفنا:

جب طالب یہاں گرداب حیرت اپنے پر پرزے سنبھال لیتا ہے تو پھر شیخ بہ عجلت تمام یہاں سے نکال کر وادیٔ فنا میں لاتا ہے۔ اس منزل میں فنا در فنا، محو در محو کی تعلیم فرماتا ہے ـــــ یہاں طالب کو بالکل بے خبری کا عالم ہوتا ہے ـــــ بعض لوگ یہاں رہ جاتے ہیں ـــــ یہ وادیٔ ہشتم ہے۔

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بعدازاں وادی فقر است وفنا	کے بود این جا سخن گفتن را
عین ایں وادی فراموشی بود	گنگی و کری و مدہوشی بود
صد ہزاراں سایہ جاوید تو	گمشدہ بنی زیک خورشید تو
بحر کلی چون بہ جنبش کرد رائے	نقش ہا در بحر کے ماند بجائے
ہر دو عالم نقش آں دریا بود	ہر کہ گوید نیست آن سودا بود
ہر کہ در دریائے کل گم بودہ شد	دائماً کل بودۂ کل بودہ شد
دل دریں جانیست در آسودگی	ے نیاید ہیچ جز گم بودگی
گرازیں گم بودگی بارش دھند	صنع ہیں گردد بسے کارش دہند

"اس کے بعد وادیٔ فقر وفنا ہے۔ اس مقام پر بھلا کوئی گفتگو کرنا کب جائز ہے۔ اس وادی کی حقیقت واصل خود فراموشی ہے، اور گونگا و بہرا ہونا اور مدہوشی ہے۔

یہاں سینکڑوں ہزار دوامی سایہ بھی، تو خود اپنے خورشید منور میں گم دیکھے گا۔ یعنی اس مقام پر تیری اصل وحقیقت کا آفتاب ایسا چمکے گا کہ تیری تمام ظلمت دور ہو جائے گی۔

جب حقیقت کا بحرکل جنبش کر کے جوش میں آ جائے، تو پھر کوئی نقش (موہوم) بھول کر کب اپنی جگہ پر رہ سکے گا۔

درحقیقت یہ دونوں عالم (ظاہری و باطنی) اسی دریائے بے پایاں کے نقش ہیں۔

اور جو کوئی یہ کہے کہ نہیں تو اس کو سودا و دیوانہ پن ہے۔

اور جو بھی اس دریائے کل میں گم ہو گیا، وہ ہمیشہ کے لیے بس کل ہی ہو گیا۔

اس جگہ دل کو مطلق آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ اور سوائے گم ہو جانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اگر (خوش نصیبی سے) تجھے بھی اس گم بودگی (خود فراموشی) اور منزل ''فقر و فنا'' میں بازیابی عطا فرمائیں تو یہ ایک ایسی عجیب و بیش بہا صفت ہے جو بہت سے کام دے —— یعنی یہ نعمت بے مثال ایسا گراں بہا عطیہ الٰہی ہے کہ اس سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔

فصل چہارم:

اقلیم معرفت، فنا و بقائے سالک

معرفت کیا ہے؟

معرفت کے معنی ہیں: ''کسی چیز کا پہچاننا''—— چونکہ حق کی شناخت حاصل ہوتی ہے، اس لیے اس کا نام ''معرفت'' رکھا ہے۔

☆—— وادی بقا:

جب فنائے اتم حاصل ہو جاتی ہے تو پھر طالب کو پیر کامل وادئ بقا میں لے جاتا ہے۔ اور صحو کی تعلیم فرما کر ملک بے زوال معرفت کلی میں پہنچا دیتا ہے—— یہ وادی ہفتم ہے۔

شیخ عطار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

محبت ہرگز گر نواست دور کہن — از بقا و از فنا کس را سخن
ہم چناں کا واز دوراست از نظر — شرح او دور ست از وصف وخبر
تا تو ہستی در وجود و در عدم — کے توانی زد دران منزل قدم
چوں نہ این ماند نہ آن در دہ ترا — ازبقا روشن شود آنکہ ترا
منزل دور است از جان آہ کن — جان چو رامت گشت عزم راہ کن
درنگر تا اول و آخر چہ بود — تا با خردانی این آخر چہ بود
نطفۂ پرورده در صد عزو ناز — تا شده ہم عاقل و ہم کار ساز
او را واقف اسرار خویش — داد او را معرفت در کار خویش

بعد از انش محو کردہ برگ گل	زاں ہمہ عزت وراقگندہ بذل
باز گر دانیداد را خاک راہ	باز کردہ فانی او رہ چند گاہ
پس میان ایں فنا صد گونہ راز	گفتہ با اوگفتہ بے او نیک باز
بعد ازاں او را بقائے داد گل	عین عزت کردہ بروئے عین دل
تا نیابی در فنا کم کاستی	در بقا ہرگز نہ بنی راستی
نیست شو تا ہست از پے در رسد	تا تو ہستی ہست در تو کے رسد

''یہاں (اگر اس مقام پر) کوئی آواز نہیں ہے۔ مگر یہ مقام قدیمی اور پرانا ہے۔ بقا اور فنا کے حال میں بھلا کس کو بولنے کی مجال ہے۔

اسی طرح سے جو کہ نظر سے بھی دور (مقام) ہے، اس کی شرح و احوال خبر و بیان کے وصف سے بھی دور ہے۔

جب تک تو وجود اور عدم کے مقام پر موجود ہے، تو بھلا اس منزل میں کب اپنا قدم رکھ سکتا ہے۔

جب تیری راہ میں نہ یہ رہے گا، اور نہ وہ رہے گا۔ یعنی جب تو وجود و عدم دونوں حالتوں سے گزر جائے گا۔ اس وقت تجھ پر منزل بقا کی حقیقت روشن ہوگی۔

یہ منزل اعلیٰ بہت ہی دور دراز ہے۔ تو اپنی جان سے ہاتھ دھولے اور آہ کر! —— جب تیری جان اس دشوار گزار منزل کو طے کرنے کو تیری رام (غلام) ہو جائے تو پھر تو عزم راہ کر۔

اور تو دیکھ اور غور کر کہ اول و آخر (تیرا) کیا تھا —— یعنی اپنی اصل حقیقت پر غور وفکر کر۔ تاکہ تو آخر تک جان لے کہ آخر یہ کیا تھا۔

(پہلے تو اس حقیقت کو سمجھ) کہ اول نطفے کو سو عزت و ناز سے پرورش کیا۔ یہاں تک کہ وہ بڑا ہو کر عاقل و کارساز ہوا۔ (یعنی اس نے پیدائش، بچپن اور جوانی وغیرہ کی منزلیں بخوبی طے کیں —— پھر اس کے علم و عقل سے بہرہ یاب ہونے کے بعد، اپنے حقیقی اسرار سے (حق تعالیٰ جل شانہ، نے) نوازا —— اور اس کو اپنے امور قدرت

اور حقیقت کی معرفت عطا کی۔)

پھر اس کی (ہستی) پھول کی پتی کی طرح محو و غائب کر دی، اور اس کی وہ تمام عزت خاک میں مل گئی —— پھر اس کو خاکِ راہ بنا دیا۔ پھر اس کو چند مرتبہ فانی کر دیا —— اس فنا میں بھی سینکڑوں راز ہیں۔ اور یہ (حقائق) کہے، جیسے کہے ہیں۔ اور نااہلی سے نہیں کہے ہیں ——

اس کے بعد اس کو (مٹی کو) بقا بخشی، اور پھر اس کی حقیقی عزت و توقیر بڑے لطف و مہربانی سے فرمائی۔

لہٰذا جب تک تو فنا نہیں ہوگا، یہ اعلیٰ مقام ہرگز حاصل نہیں کرے گا —— اور سچ یہ ہے کہ اس وقت تک تو مقام بقا کو نہیں دیکھے گا۔

لہٰذا تو نیست و نابود ہو جا تا کہ تو ہست کے مرتبہ کو پہنچے۔ مگر جب تک تو موجود رہے گا تو اس مقام بقا (دوام) میں کیسے پہنچے گا"۔

فصل پنجم:

تمثیل کے انداز میں خلاصۂ ملاتقدم و دیگر حالات طلسم مذکور

جلوہ گاہ معرفت:

اس خوں خوار ہفت وادی سے رہبر کامل کے بغیر گزرنا محال ہے ـــــ بعض کاملین اپنے مرید کو تاریکی میں چلاتے ہیں تاکہ گھبرا کر طے منازل سے رہ نہ جائے ـــــ ایسا شخص لاکھوں میں کوئی ایک ہوتا ہے ـــــ بعض مردان خدا ایسے زبردست ہوتے ہیں کہ مرید کو اپنی صحبت کی ریل میں بٹھا کر وادیٔ توحید میں لاتے ہیں، اور توحید سے معرفت میں پہنچا دیتے ہیں۔ ایسا مرد خدا کروڑوں میں کوئی ایک ہوتا ہے ـــــ جیسا کہ اس زمانے میں حضرت مولانا سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہٗ تھے۔ سالک جب مقام معرفت میں پہنچ جاتا ہے تو سلطانِ معرفت کو کہ جس کے شوق دیدار میں یہ مصیبتیں اٹھا کر پہنچا ہے، طلب و تلاش کرتا ہے ـــــ جب بغور دیکھتا ہے تو ہر منزل و مقام میں حاکم و محکوم، پیر و مرید، رسول و امت، بندہ و خدا، شہنشاہ و رعایا اپنے آپ ہی کو پاتا ہے ـــــ بقول عارف کہ جس وقت ذات بے چون و بے نمون نے كُنْتُ كَنْزً مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ کا فرمان جاری کیا تو میں بھی لاتعین وبطون سے تعین وظہور میں آیا ـــــ حکم ہوا کہ اس وقت تیرا یہاں رہنا مناسب نہیں، جا، اور ملک معرفت کی سیر کر ـــــ وہ یہاں سے کئی منزل پر ہے ـــــ ہر منزل میں عقبہ ـــــ ہر عقبہ میں بہت دشواریاں اور بے شمار تکلیفیں ہیں ـــــ وہ طلسمات سے بھرپور ہے۔

ـــــ اگر تو صحیح و سلامت پہنچا تو ازل سے ابد تک تیری قرارگاہ ہے ـــــ اور

اگر کچھ بھی عہد شکنی کی اور ڈگمگایا، تو یاد رکھ کہ فراق ابدی میں مبتلا رہے گا ——

اب ہمارے وزیر اعظم کی خدمت میں جا اور جو کچھ فرمائیں اس پر حکم فَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (پ۲۲، ع۱۵ اعراف) پر عمل پیرا ہو —— عہد و پیان کر کے وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کا نام حقیقت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے —— یہاں سے بھی حکم ہوا کہ ہمارے نائب کے پاس جا اور جو کچھ دریافت کرنا ہو، کر کے اپنی راہ لے۔

طلسم کدۂ انساں:

ارشاد کے مطابق وزیر ثانی ''حقیقتِ انسانی'' کی خدمت میں حاضر ہوا ——

انہوں نے فرمایا:

''جا اپنے ملک کی سیر کر جو تیرے آباء واجداد کا مسکن ہے۔''

طالب نے عرض کیا:

''اس ملک کی کچھ تعریف اور راہ کی کیفیت تو بیان فرما دیجئے۔ جانے پہچانے بغیر کیسے پہنچ سکوں گا۔''

وزیر ثانی نے فرمایا:

''یہاں سے کچھ منزلیں طے کر کے ملک معمور طلسمات میں پہنچے گا جس کا نام عالم اجسام وانفاس ہے —— اول تیرا گزر ایک طلسمی شہر[1] میں ہوگا۔ جس میں دو دریا (خون اور پانی) ہیں —— اور سات پہاڑ،[2] —— تین منزلیں[3] —— چار طبقے[4] اور اس کی دو فصلیں ہیں۔

شہر انساں کی فصیلیں:

اس طلسمی شہر کی دو فصیلیں ہیں:

☆ —— ایک فصیل ظاہر

---

[1] طلسمی شہر یعنی جسم [2] سات پہاڑ یعنی ہفت اندام [3] تین منزلیں یعنی بچپن، جوانی، بڑھاپا۔
[4] چار طبقے یعنی عناصر اربعہ: آگ، مٹی، ہوا، پانی۔

☆—— دوسری فصیل باطن

ہر فصیل کے پانچ پانچ دروازے ہیں —— ہر دروازے پر ایک ایک دربان متعین ہے۔

☆—— فصیل ظاہر کے دروازے:

۱—— دروازۂ لمس ۲—— دروازۂ بصر
۳—— دروازۂ سمع ۴—— دروازۂ ذوق
۵—— دروازۂ شم

(۱) دروازۂ لمس:

فصیل اول کے پہلے دروازہ کا نام لمس ہے —— دربان لامسہ خون پر بیٹھا ہے —— صلح و فساد اس کا کام ہے —— حاکم شہر اشیاء کی سختی و نرمی کا طلسم اس کے ہاتھ میں ہے۔

(۲) دروازۂ بصر:

فصیل اول کے دوسرے دروازے کا نام بصر ہے —— اس کا دربان باصرہ ہے —— ناظم شہر خوبصورت و بدصورت اشیاء کا طلسم رکھتا ہے۔

(۳) دروازۂ سمع:

تیسرے دروازے کا نام سمع ہے —— اس کے دربان کا نام سامعہ ہے —— آگ پر بیٹھا ہوا ہے —— خوش آوازی و بدآوازی کا طلسم اس کے قبضے میں ہے —— وہ جاسوس اور مخبر شہر ہے۔

(۴) دروازۂ ذوق:

چوتھے دروازے کا نام ذوق ہے —— اس کا دربان ذائقہ ہے۔ جو تخمیر کے چبوترے پر بیٹھا ہے —— چیزوں کی خوش گواری و بدگواری کا طلسم رکھتا ہے —— اور

وکیل شہر ہے۔

(۵) دروازۂ شم:

پانچویں دروازے کا نام شم ہے—— اس کا دربان شامہ ہے—— ہوانشین ہے—— شہر کی صفائی کی خبر رکھتا ہے۔ طلسم خوش بو اور بدبو اس کے اختیار میں ہے۔

☆—— فصیل باطن کے دروازے:

فصیل اوّل کی طرح اس کے بھی پانچ دروازے ہیں:

(۱)—— دروازہ حس مشترک (۲)—— دروازہ خیال

(۳)—— دروازہ وہم (۴)—— دروازہ فکر

(۵)—— دروازہ حفظ

(۱) دروازۂ حس مشترک:

دوسری فصیل کے پہلے دروازے کا نام ''حس مشترک'' ہے—— اس کے دربان کا نام حس مشترکہ ہے—— پانی پر بیٹھا ہوا ہے—— طبع مائل بہ رطوبت فراموشی کا طلسم رکھتا ہے۔ جو بات پوچھو فوراً بیان کرتا ہے، مگر یاد نہیں رکھتا۔

(۲) دروازۂ خیال:

دوسرے دروازے کا نام خیال ہے—— اس کا دربان متخیلہ ہے—— جو خاک نشین ہے اور طبع خشکی مائل طلسم نافہمی رکھتا ہے۔ جب سمجھ جاتا ہے تو فراموش نہیں کرتا—— اس وقت اس کا نام ذاکرہ ہے۔

(۳) دروازۂ وہم:

تیسرے دروازے کا نام وہم ہے—— اس کا دربان واہمہ ہے—— جو ہوا نشین ہے۔ اور طبع مائل بر برودت، کذابی، فتنہ پروری اور لغوگوئی کا طلسم رکھتا ہے۔

(۴) دروازۂ فکر:

چوتھے دروازے کا نام فکر ہے —— اس کا دربان مدرکہ ہے —— آتش نشین ہے، اور طبع مائل بہ حرارت، بصفات ملکی، کبھی بصفت شیطانی موصوف ہے —— عجائب وغرائب طلسمات وشعبدات، کیمیا وسیمیا، سحر وجادو کا طلسم رکھتا ہے —— طرح طرح کی چیزیں اور رنگ برنگ کی اشیاء جمع کر کے جدا کرنا اس کا کام ہے۔

(۵) دروازۂ حفظ:

فصیل باطن کے پانچویں دروازے کا نام حفظ ہے —— اس کا دربان حافظہ ہے —— یادداشت کا طلسم رکھتا ہے۔ مکر وحیلہ مگر اس پر غالب ہو جاتے ہیں۔ تو دہ تخمیر پر بیٹھا ہوا ہے —— معتدل مزاج ہے اور بڑا امین ومحافظ شہر ہے —— اس شہر میں مختلف قسم کے لوگ رہتے ہیں:

☆ —— کوئی خام کو جلاتا ہے، کوئی پکاتا ہے،

☆ —— کوئی تقسیم کنندہ ہے، لطیف کو لطیف، کثیف کو کثیف پہنچاتا ہے۔

☆ —— کوئی ایسا ہے کہ جو چیز اسے ملتی ہے، اپنے میں شامل کر لیتا ہے۔

☆ —— کوئی ہر اشیاء کو مہیا ومرتب کر کے شہر کی مرمت میں مشغول ہے۔

☆ —— ایک شخص مہیب صورت خوفناک شکل طریقہ چاپلوسی رکھتا ہے۔

پھر تم کو ایک عجیب عجوزہ پیرزالہ نامی مکار وخونخواہ بڑھیا ملے گی۔ جو کہ ہزارھا طرح کی طلسمات وشعبدات رکھتی ہے —— اس سے بچنا دشوار ہوتا ہے ——

چار مقام اور ہیں:

اگر ان سب بلیات (مذکورہ بالا) سے بسلامت گزر گیا تو آگے چار مقام اور ہیں:

(۱) —— شریعت　　(۲) —— طریقت

(۳) —— حقیقت　　(۴) —— معرفت

ہفت وادی خونخوار:

اور ہفت وادی خونخوار ہیں۔ ہر ایک بڑے بڑے طلسمات سے معمور ہے۔۔۔۔۔ اگر خدانخواستہ کسی طلسم میں پھنس کر رہ گیا تو بس گیا گزرا ہوا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ فراق ابدی میں گرفتار ہوگا۔ وادیاں یہ ہیں:

(۱)۔۔۔طلب (۲)۔۔۔عشق (۳)۔۔۔معرفت (۴)۔۔۔استغناء

(۵)۔۔۔توحید (۶)۔۔۔حیرت (۷)۔۔۔فقر و فنا و بقا

ان مقامات و منازل کا طے کرنا دل سے ہوتا ہے نہ کہ پاؤں سے۔۔۔۔۔ مگر ان دشوار گزار مقامات اور وادیوں سے پیر کامل کی مدد کے بغیر نکلنا خیال محال ہے۔۔۔۔۔ اگر بفضلہٖ تعالیٰ کوئی مرد خدامل گیا تو سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی، ورنہ اپنی بدقسمتی کو رویا کرنا۔۔۔۔۔ جاؤ رخصت، خدا حافظ!

زائر وزیر ثانی کے ارشاد کے مطابق کمر ہمت کو چست کر کے

؎ دریں دریائے بے پایاں، دریں طوفان موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریھا و مرسھا

''اس دریائے بے پایاں (بے تھاہ و بے کنار) اور شدت سے موجیں مارتے ہوئے طوفان میں ہم ''بسم اللہ'' کہہ کر اپنا دل تو پھینکتے ہیں۔ یعنی ہم جو یہ خطرناک سفر شروع کرتے ہیں تو بس وہی اپنے فضل و کرم سے اس بیڑے کو چلانے والا اور منزل مقصود پر پہنچانے والا ہے۔''

روانہ ہوا اور پیر کامل کی مدد سے منازل و مقامات طے کرتا ہوا معرفت میں جب آنکھ کھلی اور بغور دیکھا تو اول و آخر، ظاہر و باطن، حاکم و محکوم، شہنشاہ و وزیر، پیر و مرید منزل و مقام سب کچھ میں ہی میں تھا، میرے سوا دوسرا نہ تھا۔ فَھِمَ مَنْ فَھِمَ

قصہء انسان کا لبِ لباب:

لب لباب اس قصے کا بلکہ تمام کتاب کا بقول حضرت غوث صمدانی قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز یہ ہے کہ:

"وہ وجود مطلق تعالیٰ شانہ، مستغنی عن العالمین:—— نہ عاشق ہے نہ معشوق—— نہ خالق ہے نہ مخلوق—— نہ صانع ہے نہ مصنوع—— نہ رازق ہے نہ مرزوق—— نہ عابد ہے نہ معبود—— نہ فاعل ہے نہ مفعول—— بلکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَـــــد" یعنی "اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہے"—— اَللّٰهُ الصَّمَدُ "اللہ بے نیاز ہے"—— لَمْ یَلِدْ "نہ اس نے جنا—— وَلَمْ یُوْلَدْ "اور نہ جنا گیا"—— وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ "اور نہیں کوئی اس کے جوڑ کا"—— تَعَالٰی شَانُهٗ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔"

لیکن یہ ارشاد اکثر آدمیوں کے پیمانۂ فہم وادراک سے باہر ہے۔

حضرت ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ:

"خلق درراہ حق نیست وحق درارہ خلق نیست"

"خلق راہ حق میں نہیں ہے اور حق راہ خلق میں نہیں ہے۔"

یعنی خدا یگانہ ہے، اور اگر یگانہ ہے تو یہ بھیڑ بھاڑ کیسی۔

؎ جبکہ اُس بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے!

—— اگر یہی بھیڑ بھاڑ ہے تو خدا کا پتہ محال ہے۔ سمجھ میں کیا خاک آئے —— ایک سمجھنے والا ایک سمجھ—— ایک وہ جس کو سمجھے—— جب یہ ہنگامہ ہے تو یگانگی وتوحید کہاں!—— اور اپنا تو مسلک اَلتَّوْحِیْدُ اِسْقَاطُ الْاِضَافَاتِ مَاسِوَی اللّٰهُ ہے۔

غرض ہم ہیں تو خدا نہیں، اور اگر خدا بالذات موجود ہے تو ہم نادرد ہیں—— پس اس امر کا فہم اس وقت ممکن ہے کہ نہ فہم رہے، نہ صاحب فہم نہ مفہوم—— یا ان تین مراتب میں سے کسی مرتبہ کی پوری سمجھ رکھتا ہو:

☆—— علم الیقین ☆—— عین الیقین ☆—— حق الیقین

ورنہ یہ زبانی باتیں زندقہ والحاد وکفر کی ہیں—— اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ!

ے برسماع راست ہر تن چیز نیست طعمۂ ہر مرغ کے انجیر نیست

''یہ صحیح معنوں میں ہر کوئی سماع سننے کا اہل نہیں۔ جیسے کہ ہر پرندے کی غذا انجیر نہیں ہے۔''

یاد رہے کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ میں نے اپنے خیال کے موافق لکھا ہے۔۔۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے۔۔۔ اور نہ آج تک کسی پر یہ راز منکشف ہوا کہ ہمارے حضرت قبلہ مولانا مولوی سید محمد غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری قدس سرہٗ العزیز بھی وجود وشہود، تشبیہ وتنزیہہ میں سے کوئی خاص مسلک رکھتے تھے۔۔۔ کیونکہ بحر ناپیدا کنار کے غواص کو مسلک ومقام سے کیا سروکار!۔۔۔ وہاں نہ یارائے گفتار، نہ پائے رفتار، نہ تاب افکار!۔۔۔ البتہ جب مرتبۂ بیان میں تعلیم فرماتے تھے تو ہر مسلک ومقام کی تشریح وتوضیح ہوتی تھی۔۔۔ نہ کسی کا اثبات مقصود تھا نہ کسی کی نفی، بلکہ ہر مسلک کو بجائے خود صحیح ودرست فرماتے تھے۔۔۔ اور جو معاملہ ورائے مسلک ومقام ہے، وہ تقریر وبیان سے خارج ہے۔۔۔ اس کو نہ کوئی اب تک کہہ سکا۔ اور نہ آئندہ کہہ سکے گا۔

ع نکتہ دان را گنگ باید شد ز حرف

''نکتہ دان کو بس ایک حرف ہی دریائے گنگ، (معنی کا خزانہ) ہے۔''

البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے، حضرت اقدس کی تعلیم کا اثر اور آپ کے فیضان صحبت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میں کہاں اور بحر لاتعین کی غواصی کہاں۔۔۔ اور پھر اس میں سے دریائے معارف کا نکالنا، اور عرصۂ شہود میں لا کر ان کو پیش کرنا میری تاب وطاقت سے باہر ہے۔ یہ تو اسی سحاب گہر بار کے رشحات اور اسی بحر مواج کے قطرات ہیں۔ والسلام؟

ایک شب خیال ہوا:

ایک رات تنہائی میں یہ خیال پیدا ہوا کہ تم نے جس بے نام ونشان کی سراغ رسانی کے لیے یہ کتاب لکھی ہے، اس میں حمد وثناء یا تو یہ محتمل بر کذب* ہے، یا مبنی بر سہود

خطا — کیونکہ دیکھے بھالے بغیر کسی کے اوصاف حمیدہ و کمالات پسندیدہ، خوبی ہائے حسن و جمال، سیرت ہائے خوش خصال سنے سنائے بیان کرنا کہاں تک وقعت کے قابل و صحیح ہو سکتے ہیں — اس لیے کہ اس بے نام و نشان تک کسی کی رسائی ہی نہیں۔ تو حمد و ثناء کیسی! — براہینِ صادقہ و نصوصِ قطعیہ سے کہ زبان زدِ خلائق ہے کہ وہ ہے اور ضرور ہے۔ مگر بقول شخصے:

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

میں نہ مانوں گر کے بنیاں جو نہ دیکھوں اپنے نیناں

تاکہ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ہو — اس خیال کے آتے ہی یہ خبط دل میں سمایا کہ:

"جب وہ ہے تو اس بے نشان کو کہیں تلاش کروں — اور اگر اس سعی و کوشش میں کامیاب ہو کر دیکھ پاؤں تو اس کے سامنے صدق دل سے سیس نواؤں اور سچے گن گاؤں۔"

مرتبہ احدیت میں اُس بے نشاں کی تلاش:

سب سے پہلے میں نے مرتبۂ احدیت ذات بحت وجودِ مطلق پر (کہ ہستی محضہ و ہویت مطلقہ ہے) نظر ڈالی — اس کی جستجو میں ادراک فکر و عقل نے کوشش بلیغ فرمائی۔ لیکن ادراکِ عقل و فکر کا تیز پرواز شاہین اس کے کنگرۂ تقدیس تک پرواز نہ کر سکا — اور ذاتِ مطلق کو مطلق بے نام و نشان پایا — اس لیے کہ اس مرتبہ میں:

"نہ کوئی حامد ہے نہ محمود — نہ واصف ہے نہ موصوف — نہ عابد ہے نہ معبود — نہ ذاکر ہے نہ مذکور — نہ طالب ہے نہ مطلوب — نہ عاشق ہے نہ معشوق — نہ محب ہے نہ محبوب — نہ کوئی عارف ہے نہ معروف!"

بلکہ وہ ہستی محضہ ہے۔ اب دریافت کروں تو کس سے بھلا۔ جہاں کسی کا بھی کچھ پتہ نہ چلے — بقول حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:

"كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ"

''اللہ تھا، اور کوئی شی اس کے ساتھ نہ تھی۔''

یہاں کس کی حمد و ثناء اور کون حامد و محمود ــــ جب میں نے یہ دیکھا کہ اس دریائے ناپیدا کنار میں تیری حمد و ثناء کی زروق نہیں چل سکتی، بلکہ ہم ہلاکت میں ہیں۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ

؎ تبر سد خرد مند ازیں بحر خون ــــ کز وکس نبردست کشتی برون
دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار ــــ کہ پیدا نشد تختہ برکنار

''اس خوفناک خونی سمندر سے ہر عقل مند ڈرتا ہے۔ کیونکہ کسی نے اس سے اپنی کشتی پار نہیں لگائی ــــ یعنی اس طوفان خیز ملہم سمندر میں جس نے اپنا بیڑا ڈالا وہ غرق ہی ہوگیا ہے۔

اس میں وہ بھنور پڑتے ہیں کہ ہزاروں کشتیاں اس میں ایسی غرق ہوئیں کہ پھر کبھی ان کا ٹوٹا پھوٹا تختہ بھی کنارے پر ظاہر نہیں ہوا ــــ بس جو یہاں آیا، غرق و معدوم ہی ہوگیا۔''

ناچار خوف زدہ ہو کر بجبوری تمام بے نیل حرام وہاں سے واپس ہوا۔

؎ عنقا شکار کس نشود دام باز چیں ــــ کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

''عنقا (ایک نایاب خیالی پرندہ) آج تک کسی کا شکار نہیں ہوا، اور نہ ہوگا۔ بس تو اپنا جال اٹھالے ــــ کیونکہ اس جگہ تو ہمیشہ ہوا ہی جال کو اڑا لے جاتی ہے۔''

پس میں نے احدیت سے وحدت کی طرف رخ پھیرا۔

مرتبۂ وحدت میں اس مطلوب کی تلاش:

مرتبہ احدیت سے جب مایوسی ہوئی تو مرتبۂ وحدت کی طرف رجوع کیا۔ کہ اگر وہ مطلوب قلبی یہاں مل جائے تو اس کے آگے سر جھکاؤں، اور اکناف عالم میں اس کی خوبی ہائے کمال و جمال کی دھوم مچاؤں ــــ

تلاش و تجسس میں سرگرم ہوا، اور بغور و تامل دریائے تفکر میں غوطہ لگایا ــــ خوبی

قسمت سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا یہ گوہر بے بہا ہاتھ آیا۔۔۔ شبِ معراج جناب باری سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم صادر ہوا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ''تو سجدہ کر اور ہمارے قریب تر ہو جا۔''

تو بحکم الٰہی آپ نے سجدہ کیا اور مرتبۂ وحدت میں پہنچے۔۔۔ آپ کی پہلی نظر توحید افعال پر پڑی۔ کہ یہ ایک مانع ترقی حجاب ہے۔ آپ نے دفع حجاب کے لیے عرض کی:

اَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ

''میں پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کی تیرے عذاب سے۔''

عفو و عذاب دو فعل ہیں۔۔۔ پھر یہاں سے ترقی پا کر آپ کی نظر توحیدِ صفات پر پڑی۔ اور دوسرا حجاب ہے۔۔۔ آپ نے رفع حجاب کے لیے یہ دعا مانگی:

اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ

''میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کی تیرے غصہ سے۔''

رضا اور غصہ دو صفات ہیں۔۔۔ پھر یہاں سے ترقی کر کے توحید ذاتی میں پہنچے۔۔۔ اور حمد و ثناء کا ارادہ کیا تو وہاں پر عظمت و جبروت اور جاہ وجلال کبریائی دیکھ کر گھبرا گئے اور فوراً یہ دعا مانگی:

اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْکَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

''میں تیری ہی پناہ مانگتا ہوں تجھ سے۔ میں پوری نہیں کر سکتا تیری حمد و ثنا۔ جیسا کہ تو خود ہی اپنی حمد و ثنا کرے۔''

یعنی اس مرتبہ میں تو خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود۔۔۔ تو آپ ہی اپنی حمد و ثنا کر سکتا ہے۔ میری قدرت و مجال نہیں کہ میں تیری حمد و ثنا کر سکوں، معافی کا خواستگار ہوں۔۔۔ اب میں نے سوچا کہ اللہ اکبر! یہاں بھی تو اسی بحرِ زخار کی موا‌ٓجی ہو رہی ہے کہ آں سرور انام علیہ التحیۃ والسلام تعریف الٰہی میں اپنا عذر و تقصیر بیان فرما رہے ہیں۔ کہ اس مقام پر تو وہ:

''خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود —— خود ہی واصف ہے اور خود ہی موصوف —— خود ہی ذاکر ہے اور خود ہی مذکور —— خود ہی عابد ہے اور خود ہی معبود —— خود ہی طالب ہے اور خود ہی مطلوب —— خود ہی عاشق ہے اور خود ہی معشوق —— خود ہی محب ہے اور خود ہی محبوب —— خود ہی عارف ہے اور خود ہی معروف!''

چنانچہ میں نے غور کیا کہ اس قلزم محیط میں تیری حمد و ثنا کیا کیا وقعت!

اے راقم! اس گرداب جانکاہ سے نکل کہ یہاں بھی خوف ہلاکت ہے۔

کسانے دریں رہ فرس راندہ اند ——— بلا احصیٰ از تگ فرد ماندہ اند

چوشبہا نشستم دریں سیر گم ——— تحیر گرفت آستینم کہ قم

''اس سخت راہ میں جس نے بھی اپنا گھوڑا ڈالا ہے۔ اس نے بے حد و بے شمار بھاگ دوڑ کی ہے۔ (مگر کہیں نشان منزل کسی کو نہیں ملا۔)

اور جب کہ میں بہت سی راتوں کو بیٹھ کر سیر عجیب میں گم (خود فراموش) رہا۔ تو پھر حیرت ہی نے میری آستین پکڑی کہ اٹھ ہوش میں آ۔''

بروایں دام برمرغ وگرنہ ——— کہ عنقا را بلند است آشیانہ

''جا اور اپنا یہ جال کسی اور پرندے پر ڈال۔ کیونکہ عنقا کا آشیانہ تو بہت ہی بلند ہے۔ (یعنی وہ بلند پرواز کسی طرح تیرے جال میں نہیں آئے گا)''۔

اس مرتبہ میں بھی جب اس بے نشان کا کچھ سراغ نہ ملا تو آخر کار اسی تلاش میں مرتبۂ واحدیت میں آیا۔

مرتبۂ واحدیت میں اس محبوب کی جستجو:

جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس ذاتِ گم گشتہ کا سراغ لگنا مذکورہ بالا ان دو مراتب میں امر محال ہے۔ تو مرتبۂ واحدیت کی جانب (کہ وہ مرتبۂ انسان ہے) مائل ہوا۔

اپنے خیالِ محقق، سریع السیر وفکر، بلند پرواز حقیقت شناس، عقل دور بین نتیجہ رس کو اطراف عالم میں دوڑایا، کہ جاؤ اور اس حبیبِ قلبی کا کہیں سے کچھ پتہ لاؤ —— ایک عرصۂ دراز میں سخت حیرانی و پریشانی کے بعد یہ تینوں صاحب واپس تشریف لائے اور

بیک زبان بیان کرنا شروع کیا:

نہیں لگتا ترے ناقہ کا پتہ اے لیلیٰ! چھان مارے ترے مجنوں نے بیاباں کتنے

یہاں بیت الصنم خالی، وہاں بیت الحرم خالی پتا لگتا نہیں اس کا، عرب خالی عجم خالی

البتہ جس قدر تحقیقات سے ثابت ہوا ہے، اس کا اظہار ضروری ہے —— وہ یہ ہے کہ کل طلسماتِ خلقیہ جو دیدونمود میں آرہا ہے، یہ سب حضرتِ انسان کی ذات و صفات کا نور وظہور ہے —— اس گردش میں جہاں دیکھا، انسان ہی کو دیکھا اور انسان ہی کو پایا —— سوائے انسان کے کچھ نظر نہ آیا:

☆ —— خالق انسان، مخلوق انسان،

☆ —— رازق انسان، مرزوق انسان،

☆ —— صانع انسان، مصنوع انسان،

☆ —— شاہ انسان، رعایا انسان،

☆ —— حاکم انسان، محکوم انسان،

☆ —— طالب انسان، مطلوب انسان،

☆ —— عابد انسان، معبود انسان،

☆ —— عارف انسان، معروف انسان،

☆ —— عاشق انسان، معشوق انسان،

☆ —— محب انسان، محبوب انسان،

☆ —— مرشد انسان، مرید انسان،

☆ —— رسول انسان، مرسل الیہ انسان،

☆ —— جابجا قابض و متصرف انسان، [۱]

☆ —— وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ انسان کی جان، [۲]

☆ —— وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ انسان کا عنوان، [۳]

☆ —— وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ انسان کی شان [۴]

☆ —— وَهُوَ مَعَكُمْ یعنی اِنِّیْ مَعَكُمْ یعنی اَيْنَمَا كُنْتُمْ کامل معیت کا بیان،

---

۱ پ ۲۳، ع ۱۳، ص ۲ پ ۲۶، ع ۲۳، والذاریات

۳ پ ۲۶، ع ۱۵، ق ۴ پ ۲۷، ع ۱۶، حدید

ہر جگہ زمین و آسمان و مافیہا میں انسان ہی کی دھوم دھام ہے —— کل اشیاء پر انسان ہی کا تسلط و قبضہ ہے، باقی سب مخلوقات طفیلی —— جو کچھ آپ کو مطلوب ہے وہ انسان ہی میں ہے —— جمیع اسرارات الٰہیہ انسان میں موجود ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ - بِجَمِیْعِ صِفَاتِ جَمَالِہٖ وَجَلَالِہٖ

وَالْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ شاہد حال ——

انس یعنی محبت یہ صفات الٰہیہ میں سے بدلیل فَاَحْبَبْتُ اوّل درجہ کی صفت ہے۔ —— انسان صفت مشبہ انس سے مشتق ہے —— رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

''تم صفات الٰہیہ میں غور وفکر کرو نہ ذات میں۔''

کہ صفات ذات سے منفک نہیں ہے، اس ذریعہ سے ذات تک پہنچ جاؤ گے —— پس اپنی ہی ذات میں غور و تامل کرے۔ تاکہ وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کا راز منکشف ہو۔

؎ در گزر از ذات و بنگر در صفات   تاصفاتت رو نماید سوئے ذات

''تو اگر حقیقت کی تلاش کرنا چاہتا ہے، تو تو ذات سے گزر (چھوڑ) اور اس کی صفات میں دیکھ۔ تاکہ تجھ کو اس کی صفات ہی ذات کی رونمائی اور مشاہدہ کرائیں۔''

اسی لحاظ سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے فرزند جگر گوشہ کو اپنے ہی اندر خوض وفکر کی تعلیم فرمائی ہے: یَا وَلَدِیْ فِکْرُکَ فِیْکَ یَکْفِیْکَ —— جب سرّ ذات و صفات انسان ہی کے اندر موجود ہے تو پھر دوسری جانب نظر کو دوڑانا محض خام خیالی اور بالکل خلاف عقل نہیں تو اور کیا ہے۔

مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ چو ہر اسم را مظہر آمد ز غیب   جہاں گشت موجود بے ہیچ ریب
رسید انداز. علم اسما بعین   شہادت پذیرفت از غیب این
جہاں فرع اصل است انسان درد   جہان جسم و انسان بگر جان درد

بہر طور اور اظہوریست خاص | کہ دارد درین مرتبت اختصاص
تو روح جہانی و از روح بیش | و لیکن ندانستہ قدر خویش
بدان گر بدانی باہقائے سبع | کہ کونین در نشات تست جمع
توئی نسخہ جامع مختصر | مجو ہر چہ جوئی بجائے دگر
بدانی بہ افنائے قید دوئی | کہ اول تو بودی و آخر توئی

''جبکہ ہر اسم (نام) مظہر غیب سے آیا۔ تو پھر کسی شک کے بغیر یہ عالم موجودات وجود میں آیا —— اور علم الٰہی سے اسماء (چیزوں کے نام) کی حقیقت کو پہنچے۔ یعنی عالم خیال سے اشیاء موجود ہوگئیں۔ اور پھر غیب کے عالم سے یہ عالم شہادت ظاہر ہوا۔

حقیقت میں جہان ایک فروع[1] ہے، اور اس میں اصل انسان ہے۔

—— جہان ایک جسم کی مانند ہے اور انسان اس میں جان کی طرح ہے۔

غرض ہر طرح سے اس (انسان) کا ظہور اس میں خاص طور سے ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مرتبہ اور حقیقت کے لحاظ سے خصوصیت رکھتا ہے۔

تو اصل میں سارے جہان کی روح ہے، اور روح سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن افسوس تو نے اپنی قدر نہیں جانی۔

اگر تو جان سکتا ہے تو ساتوں بقاؤں[2] کے ساتھ جان لے۔ کیونکہ دونوں جہان تمام تیرے ہی ظہور سے موجود ہیں۔ یعنی اگر تو نہ ہو تو یہ کار خانۂ ہست و بود نہ ہو۔ —— پس تو اپنی حقیقت پر غور کر۔ تو ہی کتاب عالم کا تفصیلی نسخہ ہے —— اور تو ہی مختصر بھی ہے۔ لہٰذا جو کچھ تو دوسری جگہ تلاش کرتا ہے (اپنے اندر کے سوا) کہیں نہ تلاش کر۔

تو یہ جان لے کہ اس قید دوئی کی فنا و معدومیت کے بعد تو اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ دراصل اول بھی تو ہی ہے اور آخر بھی تو ہی ہے۔''

---

[1] فروع: شاخیں یعنی اس کے علاوہ زائد چیزیں [2] بقائے سبع: سات انسانی حواس: ۱-قوت ناطقہ ۲-قوت باصرہ ۳-قوت سامعہ ۴-قوت شامہ ۵-قوت لامہ ۶-قوت ذائقہ ۷-قوت حس مشترکہ

رب دو جہاں کی سمائی:

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ:

''قلب انسانی کے سوا میری گنجائش اور کہیں نہیں۔''

پس جبکہ ذاتِ الٰہی انسانی قلب میں ہی ہے —— مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر کو حق فرمودہ است　　من نگنجم ہیچ در بالا و پست

در زمین و آسمان و عرش نیز　　من نگنجم ایں یقین دان اے عزیز

من نگنجم در زمین و آسمان　　لیک گنجم در دل بہ شکستگان

در دل مومن بگنجم اے عجب　　گر مرا جوئی درین دل ھاطلب

''آقائے دو عالم حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ، نے فرمایا ہے کہ میں کسی بلند و بالا اور پست یعنی کسی چھوٹی بڑی چیز میں ہرگز نہیں سما سکتا۔—— نہ زمین و آسمان اور نہ عرش اعظم میں میری گنجائش ہے —— اے عزیز! تو یہ بات یقینی طور سے جان لے۔

اگر چہ میں ایسے عظیم آسمانوں اور زمینوں میں بھی نہیں سماتا۔ مگر میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں (جو محبت الٰہی سے معمور ہوں) سماتا ہوں۔

حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ میں مومن کے دل میں سماتا ہوں۔ اگر تو چاہے تو ان کے دل میں مجھے تلاش کر۔ یعنی میرا نور دل مومن میں تجھ کو ملے گا۔''

تو پھر غیر جگہ تلاش کرنا بے سود ہے۔ بقول شاعر:

دل جسے کہتے ہیں بتلاؤ یہ گھر کس کا ہے؟

رات دن شام و سحر اس میں گزر کس کا ہے؟

یوں تو سب کہتے ہیں یہ خانۂ حق ہے تحقیق

کیوں نہیں کہتے ''خدا ہم میں ہے'' ڈر کس کا ہے؟

رسول اکرم الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

قَلْبُ الْمُؤْمِنْ عَرْشِ اللهِ

''قلب انسانی جلوہ گاہ الٰہی ہے۔''

بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کو شیخ نابینا کی تعلیم:

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کو شیخ نابینا نے جو تعلیم فرمائی ہے اسے مولانا روم علیہ الرحمہ نے یوں بیان کیا ہے:

سوئے مکہ شیخ امت بایزید ‌ ‌ از برائے حج و عمرہ مے دوید

او بہر شہرے کہ رفتے ازنخست ‌ ‌ مرعزیزاں را بکر دے باز جست

گفت حق اندر سفر ہر جا روی ‌ ‌ باید اول طالب مردے شوی

بایزید اندر سفر گشتے بسے ‌ ‌ تا بیابد خضر وقت خود کسے

دیدۂ نابینا و دل چون آفتاب ‌ ‌ ہم چو فیلے دیدہ ہندوستان بخواب

بایزید او را چو از اقطاب یافت ‌ ‌ مسکنت بہ نمود دور خدمت شتافت

گفت عزم تو کجا اے بایزید ‌ ‌ رخت غربت را کجا خواہی کشید

گفت عزم کعبہ دارم از ولہ ‌ ‌ گفت ہیں باخود چہ داری زادرہ

گفت دارم از درم نقرہ دوی است ‌ ‌ نک بہ بستہ سخت برگوشہ روی است

گفت طوف کن بہ گردم ہفت بار ‌ ‌ وین نکوتر از طواف حج شمار

وان درمہا پیش من نہ اے جواد ‌ ‌ واں کہ حج کردی و حاصل شد مراد

عمرہ کر دی عمر باقی یافتی ‌ ‌ صاف گشتی برصفابہ شتافتی

حق آن حقے کہ جانت دیدہ است ‌ ‌ کہ مرا بر بیت خود بہ گزیدہ است

کعبہ ہر چندے کہ خانہ بر اوست ‌ ‌ خلقت من نیز خانہ سر اوست

تا بکرد آن خانہ را دروے نرفت ‌ ‌ واندرین خانہ بجز آن حی نرفت

کعبہ را یک بار بیتی گفت یار ‌ ‌ گفت یا عبدی مرا ہفتاد بار

خدمت من طاعت وحمد خداست ‌ ‌ تانہ پنداری کہ حق ازمن جداست

چشم نیکو باز کن درمن نگر ‌ ‌ تا بہ بینی نور حق اندر بشر

چون مرا دیدی خدارا دیدہ
گرد کعبہ صدق بر گردیدہ

''ایک دفعہ شیخ امت حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ حج و عمرہ کے لیے مکہ

معظمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ دوران سفر وہ جس شہر میں بھی جاتے۔ وہاں کے اہل اللہ اور مردان حق سے ملاقات کرتے۔ جیسے کہ کسی نے درست فرمایا ہے:

''تو سفر میں جس جگہ بھی جائے، پہلے تجھے مردانِ کامل (یعنی عارفان الٰہی) کی طلب وجستجو کرنی چاہیے۔''

اسی وجہ سے حضرت بایزید علیہ الرحمہ اپنے سفر میں بہت ڈھونڈتے پھرتے تاکہ اس وقت کے خضر طریقت (مرشد کامل) کو پائیں۔

آخر تلاش بسیار کے بعد انہوں نے ایک نابینا بزرگ کو دیکھا، جن کا دل آفتاب کی طرح روشن تھا۔ اسی طرح سے جیسے کہ انہوں نے خواب میں ہندوستان کو ایک ہاتھی کی طرح دیکھا ـــــ حضرت بایزید علیہ الرحمہ نے جب ان کو اقطاب زمانہ میں سے پایا تو بڑی عاجزی و انکساری سے ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور بڑے بڑے شوق و ذوق سے ان کے ساتھ ساتھ بھاگ دوڑ کرنے لگے تاکہ ایسا مرشد کامل کہیں نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے ـــــ انہوں نے آپ سے فرمایا:

''اے بایزید! تمہارا کہاں کے سفر کا ارادہ ہے ـــــ اور تم یہ سامان غربت کہاں کھینچے پھرتے ہو۔''

آپ نے عرض کی کہ میں بڑے شوق اور ولولہ سے کعبہ شریف کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

انہوں نے فرمایا:

''دیکھو تو سہی تم اپنے ساتھ کیا سامان سفر رکھتے ہو؟

عرض کیا:

''میں چاندی کے صرف دو درہم رکھتا ہوں۔ اور ان کو میں نے اچھی طرح سے ایک چادر کے کونے میں باندھ رکھا ہے۔''

یہ سن کر ان حضرت نے فرمایا:

''اچھا تم میرے گرد سات بار طواف کرو، اور اس کو تم حج سے بڑھ کر سمجھو ـــــ جو درہم تم نے حج کعبہ کے لیے رکھے ہیں، اے بہادر سخی! وہ تم میرے سامنے رکھو اور بس اب تو یقین جان کہ حج کرلیا۔ اور تیری مراد

حاصل ہوگئی ــــــ تو نے اب عمرہ بھی کرلیا۔ تو نے اپنی باقی عمر بھی پائی۔ تو پاک وصاف ہوگیا۔ جبکہ تو اس راہ صفا پر گامزن ہوا۔"

حق وہ ہے جس کو تیری جان نے دیکھا ہے اور جس نے مجھے اپنے گھر پر چھوڑا ہے۔ کعبہ جہاں تک بھی ہے اس کا گھر مٹی کا بنا ہوا ہے۔ مگر میری خلقت (پیدائش) بھی اس کا ایک اسرار ہے۔ تو کب تک اس کے باہر پھرے گا ــــــ اس گھر کے اندر کیوں نہیں گیا ــــــ اس گھر کے اندر سوائے اس حی (خدا تعالیٰ) کے اور کوئی نہیں گیا ــــــ اس دوست حقیقی نے کعبہ شریف کو تو صرف ایک بار ہی اپنا گھر کہہ کر دیکھا ہے۔ مگر مجھ کو اس نے "اے میرے بندے!" کہہ کر ستر بار یاد فرمایا ہے ــــــ بس میری خدمت اب اللہ تعالیٰ ہی کی طاعت اور اس کی حمد ہے۔ تاکہ تو یہ نہ سمجھے کہ "حق" مجھ سے جدا ہے۔

تو اپنی نیک بین آنکھیں کھول اور میری طرف اور میرے اندر غور سے دیکھ۔ تاکہ تو یہ دیکھ لے کہ نور حق تعالیٰ بشر کے اندر ہے۔

چنانچہ جب تو نے مجھے دیکھا تو بس خدا تعالیٰ کو دیکھا۔ حقیقت میں تو جو میرے گرد پھرا ہے، تو یہ تو نے کعبہ ہی کے گرد طواف کیا ہے۔ یعنی تیرا مقصود اصلی حاصل ہوگیا ہے۔"

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس زمانے تک جمیع اہل اللہ کا کلام اسی طرز و بیان پر آرہا ہے۔ اس کتاب میں بھی پڑھ چکے ہو کہ انسان کو اپنے نفس کا جب عرفان ہوجاتا ہے تو:

☆ ــــــ مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ

☆ ــــــ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ

☆ ــــــ اَنَا الْحَقُّ

وغیرہ کے نعرے لگاتا ہے ــــــ ہم کہہ چکے کہ انسان کے بغیر آپ کو خدا کا پتہ کہیں نہیں ملے گا۔ ہماری تحقیقات میں جو کچھ ثابت ہوا ہے، بیان کردیا ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے ــــــ ان محققین نے جب دلائل سے عقلی و نقلی ثبوت کامل پہنچا دیا کہ

''وہ ذاتِ انسان ہی میں ہے۔''

؎ خدا بندے میں آ کر یوں نہاں ہے — جوں بوگل کی، گل کے درمیاں ہے

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:

فِی الْخَلْقِ عَیْنَ الْحَقِّ اِنْ کُنْتَ ذَا عَیْنٍ وَفِی الْحَقِّ عَیْنُ الْخَلْقِ اِنْ کُنْتَ ذَا عَقَلٍ

''خلق میں عین حق ہے۔ اگر تو صاحبِ بصیرت ہے اور حق میں عین خلق ہے اور اگر تو صاحبِ عقل ہے''—— لاَ رَیْبَ فِیْہِ

؎ او در دل من است و دل من بدست اوست
چوں آئینہ بدست من و من در آئینہ

''وہ محبوبِ حقیقی میرے دل کے اندر ہے اور میرا دل اس کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح سے آئینہ میرے ہاتھ میں، اور میں آئینے کے اندر (نظر آتا) ہوں''۔

؎ خدا بندے میں اور بندۂ خدا میں — عجب نسبت ہے بندے اور خدا کی

واہ سبحان اللہ!

؎ یار نزدیک ترا زمن بہ من است — ویں عجب تر کہ من از دے دورم
چہ کنم با کہ تو ان گفت کہ او — در کنار من و من مہجورم

''وہ میرا دوست مجھ سے بھی زیادہ میرے نزدیک ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ میں اس سے دور ہوں۔ میں کیا کروں۔
اور یہ بات کس سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ محبوب تو میری بغل میں ہی ہے۔ اور میں اس سے مہجور ہوں۔ (یعنی میں اس کی حقیقی قربت سے دور ہوں۔''

؎ مجھ میں اس میں ربط ہے اے ذوق مثل گل
وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوئی کہ وہ ذاتِ انسان میں مخفی و مستور ہے۔ بلکہ ہر جگہ اس کا ظہور ہے۔ کہ اس کے بغیر کوئی شے ''شے'' کے نام سے نامزد نہیں ہوسکتی —— لیکن میری غرض تو یہ ہے کہ دید کے بغیر حمد و ثنا قابلِ پذیرائی نہیں، جبکہ

دیدا امر محال ہے۔ مولانا روم نے فرمایا:

تن ز جان و جان ز تن مستور نیست — لیک کس را دید جان دستور نیست
جان ز پیدائی و نزدیکی است گم — چوں شکم پر آب و لب خشکے چوخم

''جسم جان اور جان جسم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن کسی کا جان کو دیکھنے کا دستور ہی نہیں ہے —— اور جان کا پیدا ہونا (ظاہر ہونا) اور اس کی نزدیکی (اہل ظاہر) کی نظروں سے اس طرح پوشیدہ ہے۔ جیسے کہ پیٹ پانی سے بھرا ہوا ہو، اور ہونٹ خشک ہوں —— جیسے پانی کا مٹکہ۔ کہ اندر تو پانی ہے اور باہر سے خشک ہے۔''

ارشاد باری ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

''اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں (نہ ظاہری نہ باطنی) الا ماشاء اللہ! —— اور وہ آنکھوں کو (یعنی آنکھوں کی بینائی کو) دیکھتا ہے۔ اور وہ لطیف خبر دار رہے۔'' (پ ۶، ع ۱۸)

جب اس کو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تو پھر ایسی سنی سنائی حمد و ثناء کا کیا اعتبار ہے! —— آنکھیں بنیندہ —— تو گونگی —— زبان گویا اندھی —— اور حامد یعنی متکلم اندھا اور محمود بے نام ونشان وہمی و خیالی، تو اب فرمایئے کہ ایسی حمد و ثناء سوائے خیالی پلاؤ کے کیا نتیجہ رکھتی ہے۔

☆ —— مرتبۂ احدیت میں تو نہ کوئی حامد ہے نہ محمود نہ حمد،

☆ —— مرتبۂ وحدت میں خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود، خود ہی حمد

☆ —— مرتبۂ واحدیت میں اس کا کچھ کھوج اور نشان ملتا نہیں کہ وہ کہاں ہے، اور کیسا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ انسان میں ہے —— کوئی کہتا ہے کہ سب میں ہے، اور سب جگہ ہے —— اور کوئی کہتا ہے کہ کہیں بھی نہیں —— بہر حال بے دیکھے بھالے حمد و ثناء وہم وسواس پر دلالت کرتا ہے۔

شارع علیہ السلام کا حکم ناطق ہے کہ:

''غیب پر ایمان لاؤ، اور یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے گروہ میں شامل ہو کر غیبت میں حمد و ثناء کرتے رہو—— اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تم کو دیکھتا ہے، اور تمہاری سب باتیں سنتا ہے اور سب کو جانتا ہے۔''

پس حکم حاکم منظور و قبول کر کے بے دیکھے بھالے حمد و ثنا کرنے پر مجبور ہیں—— اس کا نام حمد و ثنا شرعی ہے نہ حقیقی، اور جن کو عرفان نفس و معرفتِ الٰہی حاصل ہو جاتی ہے۔—— وہ تو لَا اُحْصِی ثناء علیک کما اثنیت علیٰ نفسک کہہ کر دیدار میں مستغرق و فنا ہو جاتے ہیں۔ کہاں کی حمد اور کون حامد اور کیسا محمود۔

؎ سورج کے سامنے نہیں شبنم کو کچھ قرار
ہم پاس تم جو آئے تو پھر ہم کہاں رہے

افسوس صد افسوس!

؎ اے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

پھر وہی تکرار کہ ''انسان کیا ہے''؟

؎ ڈھونڈا کرے کوئی لاکھ کیا ملتا ہے دن کا کہیں رات کو پتہ ملتا ہے
جب تک کہ ہے بندگی خدائی کا حجاب بندے کو بھلا کہیں خدا ملتا ہے

جب یہ ثابت ہوا کہ اس ذات بے نام و نشان کو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اور دیکھے بغیر حمد و ثنا بھی قابل وثوق نہیں۔ لیکن انسان جس کی عالم میں دھوم دھام ہو رہی ہے۔ اس کا کچھ بھید نہ کھلا کہ یہ کیا شے ہے؟—— آیا انسان جسم ہے یا جان—— یا جسم و جان دونوں مل کر انسان ہے—— اس میں یہ بولتا کیا چیز ہے، جو ہمیشہ کہتا رہتا ہے کہ:

''میں ہی ہوں—— میں ایسا ہوں اور میں ویسا ہوں—— اور میں یہ کرتا ہوں اور میں وہ کر ڈالتا ہوں''—— یہ کون ہے اور کیا ہے؟

جمیع عقلاء و عرفائے زمانہ یہی فرماتے چلے آ رہے ہیں کہ مکان جسم فرضی ہے اور جان یعنی روح مکین مجازی، اسی کا نام انسان ہے—— جو انسانی جسم میں متکلم ہے۔ یعنی روح' اس کو بولتا کہتے ہیں—— اس کو نفحہ و نفس رحمانی بھی کہتے ہیں، یعنی ''اللہ

تعالیٰ کی پھونک یا آواز"—— چنانچہ کفار نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے بارے سوال کیا:

"روح کیا شے ہے؟"

مولیٰ کریم نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حکم صادر فرمایا:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

"(اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا حکم (یعنی آواز یا پھونک) ہے—— اور تم کو بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔"

یعنی تم اس قدر قلیل علم سے پروردگار کی کارسازی و حکمت عملی کو نہیں سمجھ سکتے —— اس سرکاری حکمت عملی اور کارسازی کا حال اور آواز و پھونک کی حقیقت سنیئے:

زمانہ حال میں ایک یورپین فلاسفر نے مشین الٰہی کے کل پرزوں کو دیکھ کر (جس کا عنقریب ذکر آتا ہے، ایک مشین ایجاد کی ہے۔ جسے فوٹو گراف اور گراموفون کہتے ہیں۔—— اس کا خاصہ یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی آواز یا کسی قسم کی پھونک بھر دی جائے، پھر اس کو کتنے ہی دور دراز فاصلہ پر لے جا کر اس کو کوک دیا جائے تو اس میں سے بعینہٖ اس شخص کی اور اسی قسم کی آواز آنے لگتی ہے—— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہی شخص اس کے اندر بول رہا ہے۔ یا قرآن شریف پڑھ رہا ہے، یا غزل ٹھمری وغیرہ گا بجا رہا ہے—— حالانکہ وہ بولتا یعنی بولنے والا مکہ، مدینہ یا کلکتہ، دہلی، آگرہ، لندن یا امریکہ بیٹھا ہے، اور یہاں بول رہا ہے—— اگر اس مشین کو کھول کر دیکھا جائے تو پیٹ خالی، فقط لوہے پیتل وغیرہ کے چند پرزے، اور کچھ بھی نہیں—— اب فرمائیے کہ وہ بولتا کیا شے ہے؟—— صرف اس میں بولنے والے کی آواز بھری ہوئی تھی، اور کچھ بھی نہ تھا۔ یہ تو نقلی مشین کا حال ہے۔ اب اصلی مشین الٰہی کی حقیقت سنیئے:

حکیم مطلق نے روز اول میں جسم انسانی کی مشین یعنی بانسری بنائی، اور اس کو کل پرزوں سے درست کیا—— اس میں عظیم الشان طلسم قائم کر کے اپنی روح یعنی "آواز اور پھونک" بھر دی۔ چنانچہ حکیم قدیم ملائکہ کو حکم فرماتا ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ

"عجب میں اس کو ٹھیک بنا چکوں (یعنی جسم انسان کی طلسمی مشین کو) اور پھونکوں اس میں اپنی روح (یعنی اس میں اپنی پھونک اور آواز بھر دوں) تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔"

یعنی میری اس حیرت انگیز کارسازی و حکمت عملی کو دیکھ کر کہ "بنایا کچھ اور دکھایا کچھ" —— پھر اس مشین کی کوک چڑھا کر اس کو عالم ناسوت میں بھیج دیا —— یہاں آتے ہی وہی بولی بولنے لگے جو حکیم مطلق نے اس میں بھر دی تھی۔

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بشنواز نے چون حکایت مے کند	و ز جدائی ھا شکایت مے کند
دو دھان داریم گویا ہم چونے	یک دہان پنہاں است درلب ھادبے
یک دھان نالاں شدہ سوئے شما	ھائے ہوئے در فگندہ در سما
دمدمہ این نالے از دم ھائے اوست	ھائے ہوئے روح از ھے ھائے اوست
سرّ پنہاں است اندر زیر و بم	فاش اگر گویم جہاں برہم زنم
آں چہ نے مے گوید اندرایں دوباب	گر بگویم من جہان گرد د خراب
لیک داند ہر کہ اورا منظر است	کاین فغان وایں سرے ہم زان سرست
برسماع راست ہر تن چیر نیست	طعمۂ ہر مرغ کے انجیر نیست
در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام	پس سخن کوتاہ باید والسلام

"تو نے (بانسری) سے سنا کہ وہ کیسی حکایت بیان کرتی ہے۔ اور (یہ تو) جدائی کی شکایت کرتی ہے —— اسی طرح ہم بھی گویا دو منہ رکھتے ہیں، بانسری کی طرح —— اور ہمارا ایک منہ جو ظاہر نہیں ہے، وہ اس کے ہونٹوں میں ہے۔ (پس جو وہ کہتا ہے، وہی اس ظاہری منہ سے آواز نکلتی ہے۔)

ایک منہ تو تمہاری طرف نالہ زاری کرتا ہے اور ھائے ہو کی آوازیں آسمان تک بلند کرتا ہے —— یہ تمام دمدمہ اور شور اسی کے دم سے ہے۔ ہماری روح کی تمام آواز اور شور وغل اسی کی آواز سے ہے —— اسی زیر و بم (ہلکی اور مدہم آوازوں) میں ایک ایسا راز پوشیدہ ہے کہ اگر میں اس کو کھلم کھلا بیان کردوں تو سارا جہان درہم برہم ہو

جائے۔

جو کچھ اس بانسری سے ان دو سوراخوں کے ذریعے بیان ہوتا ہے اگر میں اس کو برملا کہہ دوں تو یہ جہان خراب اور تباہ ہو جائے۔

لیکن بس وہ بخوبی جانتا ہے جس کا یہ مشاہدہ ہے کہ یہ تمام آواز وفغان جو اس سر سے نکلتی ہے وہ اس سر سے ہے۔ یعنی جو آواز اس بانسری کے دوسرے سوراخ سے نکلتی ہے۔ وہ اوپر والے پہلے سوراخ سے آتی ہے۔ پس اسی طرح تمام کائنات کی آوازوں کی اصل وحقیقت صوت سرمدی کا کرشمہ ہے۔ اس ذات وحدت نے ایک لفظ کـــــن (ہو جا) کہا، اور یہ سارا عالم بے شمار صداؤں (نغمہ وآواز) سے بھر گیا۔

راز حقیقت کو سمجھنے اور سننے کی ہر ایک میں اہلیت نہیں ہے۔ جس طرح ہر پرندے کی غذا انجیر نہیں ہوتا۔ (ہر ایک کی عقل وسمجھ جدا اور ہر ایک کی غذا بھی جدا ہوتی ہے۔)

پختہ حال (اہل عرفان) لوگوں کی کیفیت خام (کچے) مزاجوں یعنی ناسمجھ عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس لیے بس بات کو ختم ہی کرنا چاہئے۔ سب کو سلام ہو۔"

سبحان اللہ! حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہمان مے گویم

"ہم آئینے کے ایک طرف (پہلو) میں کسی طوطی کی طرح بٹھائے گئے ہیں۔ اور جو کچھ وہ "استاد ازل" (خالق کل کائنات) فرماتا ہے، وہی ہم کہتے ہیں"۔

اگر اس مشین کو کھول کر دیکھو تو گوشت پوست، خون واستخوان، رگ وپے وغیرہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں پاؤ گے ـــــ بانسری کی طرح پیٹ خالی ہے۔

اب خود ہی غور کر کے فیصلہ کر سکتے ہو کہ:

☆ ـــــ یہ آواز کس کی ہے؟

☆—— اس جسم میں جان یعنی روح کیا شے ہے؟

☆—— یہ گفت وشنید کون کرتا ہے؟

یہ اسی طلسم ساز کبیر الشان کی طلسم سازی ہے کہ اس ننھے سے انسانی جسم میں عالم کبیر کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا بھر کر ملائکہ کو چکر میں ڈال دیا ہے—— اور وہ پکار اٹھے:

سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ

(پ ا ع ۴) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

مولانا عطار علیہ الرحمہ کے کلام پر خاتمہ کتاب:

صفاتش ذات و ذاتش چون صفات است — چونیکو بنگری خود جملہ ذات است

نکوگوئی نکو گفتہ است درصفات — کہ التوحید اسقاط الاضافات

چو طالب را طلب آید پدیدار — بیاید او بقدر خویش اسرار

چوآید لشکر عشق ازکمین گاہ — نماند عقل را از ہیچ سو راہ

عذاب ایں جا وآں جا درحساب است — ہرآن عاشق کہ مرادرا خطاب است

نورسم عاشقاں ہرگز ندانی — کہ در ماندہ بخود بس ناتوانی

بخود ہستی ز بہر دین گرفتار — حقیقت بت پرستی ہم چو کفار

برسوائی قدم زن ہر دے تو — یقین این جایگہ نامحرمی تو

خراباتی شو این جا در خرابات — رھا کن مسجد و زہد و مناجات

چومن درعشق کے آید پدیدار — کہ لعنت را شود رحمت خریدار

ملامت مے کشم در ہر دو عالم — منم درعشق جاناں شاد و خرم

ملامت می کشم درعشق دلدار — نینیدی شم دمی از لعنت یار

چرا از لعنت حق مے گریزی — چرابا عاشقان ایں جا ستیزی

چو ابلیس ار تو مردی حق بشناس — ز لعنت در نمود عشق مہر اس

اگر مانند شیطان رہبری تو — قدم درکفر لعنت بہ سپری تو

غلط این بد کہ خود بینی نموددار — عنان عشق او کلی ربود او

یقین این بد کہ سر او بدیدہ — نکردہ سجدہ او لعنت گزیدہ

حقیقت عاشق چابک سوار است ‖ کہ دائم اندرین سر پائیدار است
چنان کا ندر جہان او خوار آمد ‖ یقین درعشق برخور دار آمد
کہ درلعنت چنان او استوار است ‖ کہ دائم اندرین سر پائیدار است
توچون عاشق شدی در آخر کار ‖ نمودے لعنت آید پدیدار
شو اندر آخر کارت نظر کن ‖ ولت از کفر روحانی خبر کن
اگر در کفر آئی عشق بینی ‖ نمودے عشق ہم از عشق بینی
اگر از کافری بوے بری تو ‖ زبودے چرخ و انجم بہ گزری تو
اگر کافر شوی باشی مسلمان ‖ ولے گفتن چنین ہر جائے نتوان
اگر از کافری خواہی نشانے ‖ کنون بشنوز من شرح دبیانے
من اندر کافری عاشق نبودم ‖ ہم اندر کافری صادق نبودم
چو کافر گشتم و کفران گزیدم ‖ زکفران روئے خویش خوب دیدم
من اندر کافری اسرار دارم ‖ نمودے جزو و کل دلدار دارم
من اندر کافری بگزیدہ ام یار ‖ ہم اندر کافری من دیدہ ام یار
ہمہ کفر جہان دارم بیک یار ‖ شدم کافرچنین در روئے دلدار
چو جاناں رخ نمودم رایگانے ‖ من این لعنت گزیدم در نہانے
حقیقت نیست جز ذاتت در اسرار ‖ چہ باشد لعنت این جا مرد ہشیار
زہے آن کس کہ ایں جاحق بداند ‖ بجز رحمت دگر لعنت نداند
دم تو ہست عین نفخ رحمان ‖ کہ ایں جاحق شناسد عین شیطان
ازاں نامحرمی و ماندہ غافل ‖ کہ ایں معنی نکردتی تو حاصل
مسلمانی رہا کن گرد کافر ‖ مگر تا چند باشی درپے سر
دے بنگر تو این رمز و اشارات ‖ نمودم عشق و مردم در عبارات
ہنوزم این بیان ماند است بسیار ‖ ولیکن تا نہ بینم من خریدار
عناں را باز کش از راہ اسرار ‖ کہ ہر کس نیست خود آگاہ اسرار
بجز من ہیچ کس رازم نداند ‖ وگر داند بخود حیران بماند

بجزمن ہیچ کس من چون شناسد — کسے باید کہ اوچون من شناسد
بسے جستم درین جا صاحب درد — کہ باشد ہم چومن اندر میاں فرد
کہ تا با او بگویم سر احوال — نمود خویشتن در عین احوال
کجا گویم چو ہمرازے ندیدم — نخواہم چون ہم آوازے ندیدم
بیان من بجز من کس نداند — ہرآن کو خواند این حیراں بماند
بریں گفتارمن جان برفشان حال — بمعنی و بصوت بے نشان حال
کہ بعد از ما وفا داران ہوشیار — بخاک ما فرد گریند بسیار
تولرزاں مانی اندر راہ ترساں — ز ہر چیز سے دل خود را مترساں
اگر خود را نترسانی دریں راز — بہ بینی ناگہاں انجام و آغاز
اگر خود را نترسانی زہر کس — رسی اندر خدا ایں رہ ترا بس
اگر خود رانترسانی درین سر — شود اسرار باطن جملہ ظاہر
اگر خود رانترسانی نہ ترسی — عیاں فاش است چندینی چہ پرسی
ہمہ یک ذات دان ایں جاحقیقت — نہ کفراست و نہ دین و نے طریقت
نے گنجد درین جا کفرو اسلام — نے گنجد درین جا ننگ و بدنام
ہرآں عاشق کہ اوجاناں نگردد — حقیقت شمس اودرخشاں نگردد
ہمہ من باشم و جاناں نباشد — برایں صورت جزاین آسان نباشد
دوئی چون نیست ایں جا آخر کار — یکے باشند چہ نقطہ چہ پرکار
درین دریا چہ ماہی وچہ خرچنگ — کہ ہریک گوہرے دارند درچنگ
من و تو جملہ یکسانم بنگر — دردن جملہ جانا نیم بنگر
یکےحرف است چندینی کتاب است — یکےنوراست چندینی حجاب است
ازیں معنی کہ می گویم شکے نیست — کہ درحق الیقین غیراز یکے نیست
نداند بے خبر اسرار توحید — کہ او ے نگردد جز عین تقلید
حجاب خویش ایں جا صورت تست — اگر خواہی چو مردان خدا جست
حجاب صورتت بردار از پیش — کہ تا معنی بیابے مرد درویش

غبار صورتت چون رفت حق یاب	چرا چندین شدی مانند سیماب
تو برداری حجاب ترک گوئی	چو نیکو بنگری خود جمله اوئی
تو ہستی و لے صورت حجاب است	زصورت جمله اعداد حساب است
تو ہستی او و او در تو نمودار	حجاب اکنون ز پیش خویش بردار
زصورت چون بروں آئی بیک بار	ترا برخیزد از ہر نقش پندرا
رہت نزدیک تو دوری زخود یار	بخود از خود تو مغروری درین کار
طلب می کردمش تا باز دیدم	نموده گم دلے دردے رسیدم
وصالش را طلب کردم ز ہر کس	چو دیدم جملگی من بوده ام بس
گمان بگذار دنبال یقین باش	چو مردان خدا تو پیش بین باش
تو اوئی گر گمان برداری از پیش	یقین بنمایدت جاناں رخ خویش
ہمہ درتست تو اندر گمانی	ازاں اسرار من ایں جا ندانی
ہمہ درتست تو اندر وصالی	نہ نقصانی کہ دائم در کمالی
ہمہ درتست در عین وصالی	چرا افگنده خود را درد بالی
ہمہ درتست بردار ایں گمان را	کہ تا بے شک یکے بینی عیان را
تو از ذاتی و ذات اندر تو موجود	ازاں پنہاں شدستی تو ز مقصود
توئی سلطانِ سرّ لا مکانی	بہ معنی برتر از کون و مکانی
زمین و آسمان نور تو دارد	ہمہ ذرات منشورے تو دارد
خدایا تست و تو در جستجوئی	دریں معنی تو چون نادان روئی
تو با اوئی وا دباتست ہمیشہ	چرا در جستن و جوئی ہمیشہ
چو بودی تست او را می چہ جوئی	چو او ایں جاست با تو تو چہ جوئی
دلا حق بین کہ حق داری تو در خویش	طلب کن در بر خود دلبر خویش
دلا حق بین کہ حق خواہی شدن تو	در آخر جزو کل خواہی شدن تو
حقیقتِ حق عیاں و تو خدائی	عجائب می کنی از خود جدائی
نمی یابی چہ گویم گر بدانی	خدائے آشکارا و نہانی

زجملہ فارغ این جا باش و بنگر | کہ این جاگہ توئی جبار اکبر
کہ تو ہستی خدا این رایقین دان | خدائے اولین و آخرین دان
وجودنست این جاعین بے چون | کہ بہ نمودا ست رخ از کاف وازنون
ہمہ بازار تست و تو خدائی | عجائب می کنی از خود جدائی
بہر معنی کہ مے گویم ترا باز | نے یابی زخود انجام و آغاز
یکے دیداست این جاجز یکے نیست | حقیقت جز خدایم بے شکے نیست
خدا دان و خدا بین و خدا گرد | وگر غیراست از واز وے جداگرد
حقیقت جز خدا غیراست دریاب | براہ فقر صد سیراست دریاب
خدا شد این کہ این سرپے برداد | بجز یک کے حقیقت بنگرداد
بسے اسرار گویا شدہ اسرار | ولے ہرگز نباشد ہم چو عطار
دما دم فہم کن سر الٰہی | کہ می گفتم ترا من بے کماہی
بہر شرح کہ مے گویم ندانی | ہمیں ترسم چنین غافل بمانی
نہ ہر کس صاحب اسرار گردد | نہ ہر سر لائق دیدار گردد
کہ ہم چوں مصطفیٰ در سر اسرار | شود کلی زخود اونا پدیدار
زمن این راز بشنو بار دیگر | کہ مے گویم ترا اسرار دیگر
یقین درعشق کل این جا قدم زن | انا الحق بامن این جادم بدم زن
چومردان زن انا الحق گردکافر | چو این معنی زتوگشت است ظاہر
یقین برکافری برگو انا الحق | نہ باطل باش الا جملگی حق
چومردان زن انا الحق تو ہمیشہ | مترس از دو جہان چوں شیر بیشہ
انا الحق گوئے وبگذر کل ازدین | ہم اندرحق حقیقت عین حق بین
چومردان زن انا الحق تومیندیش | کہ درحق مے نگنجد کفر باکیش
انا الحق زن چومردان تاتوانی | کہ بہر تست اسرار معانی
انا الحق گوجزازحق مبین حق | یقین گفتم ترا اسرار مطلق
دمادم زن انا الحق بامن این جا | جو گفتم راز کلی روشن این جا

دمادم زن انا الحق ہم چو من تو ... انا الحق در ہمہ آفاق زن تو

دمادم زن انا الحق در ہمہ راز ... درون حق نگر انجام و آغاز

انا الحق گوئے برمانند عطار ... کہ آبے زندت این جا بر سردار

دمادم زن انا الحق چوں توئی حق ... شدہ فاش اندریں جا راز مطلق

دمادم زن انا الحق چون الٰہی ... سر دگر چون زنان عذرے نخواہی

بگو ایں جا حقیقت آشکارا ... انا الحق گر کنندت پارا پارا

ہر آن کو راز بین باشد دریں کار ... شود در عافیت اندر سردار

ہر آن کو سر نداند سر فشاند ... یقین در کشتن او حیران بماند

کہ مے بینی کہ چوں منصور و عطار ... نخواہد سر بریدن زود و ناچار

چو اسرایں جا بریدی حق تو باشی ... حقیقت در خدا مطلق تو باشی

چو سر ایں جا بریدی ہم چو عطار ... تو باشی نقطہ اسرار پر کار

چو سر ایں جا بریدی ہم چو عطار ... ترا برخیز دو از ہر نقش پندار

نے گویم کہ جان در باز این جا ... فنا شو تا بیابی راز ایں جا

کسے این جام معنی در کشیدت ... کہ چون عطا راز خود سر بریدت

حقیقت چیست ایں جا سر بریدن ... وصال خویش درخود باز دیدن

نہ چنداں است ایں جا سر اسرار ... کہ جان آید زگفت من پدیدار

نہ چنداں است ایں جا کہ معانی ... کہ بتواں کردنم او را بیانے

ولے ایں راز رامحرم بشاید ... کہ دریا بدہماں ز انسان کہ باید

کہ ایں داند نہ ہر ناچیز جاہل ... کسے باید کہ باشد مرد کامل

ہزاراں شرح گفتم از حقیقت ... تو ماندستی ہنوز اندر طبیعت

بگفتم باتو اسرارے کہ دارم ... نمودم با تو ہرکارے کہ دارم

اگرچہ شرح بسیار است ایں را ... ولیکن مردے جوید یقین را

گرامی گوے ایں اسرار عطار ... کہ در خوابند جملہ نیست ہشیار

عیاں است اندریں جا آں چہ جستی ... یقین میدان کہ بر گام نختی

نکردی تو چیزے گم چہ جوئی ۔۔۔ چو گم چیزے نکردی سے چہ جوئی
گمان بردا۔ اے بہ نمودہ خود را ۔۔۔ فگندہ تجھے ہر نیک و بد را
ہمہ از تست و درتست ایں ہمہ راز ۔۔۔ نہ کس آمد نہ کس خواہد شدن باز
بجز خود ہرچہ بینی بت بود آن ۔۔۔ جو بت بہ شکست یابی گنج پنہاں
تو خود بشناس چون حقی تو درحق ۔۔۔ شدہ فاش اندریں جا راز مطلق
گزر کن ہم زجان و جسم تقلید ۔۔۔ کہ تا بے شک رسی دردیدن دید
نہ جان است و نہ جسم است نہ جاناں ۔۔۔ کہ ابر گویم ایں اسرار پنہاں
تو ہم ہستی بخود خود را طلب گار ۔۔۔ حقیقت نقطہ در عین پرکار
بخود از خود نظر کن ہم توئی تو ۔۔۔ چرا اکنون توئی اندر دوئی تو
ہمہ اندر طلب مطلوب حاصل ۔۔۔ ہمہ با جان و دل بے جان و بیدل
حقیقت چیست پیش اندیش بودن ۔۔۔ زخود بگزشتن و باخویش بودن
حقیقت بین و بگذر از ہمہ باز ۔۔۔ وجود خویش را اندر ہمہ باز
بدان این وچناں گم شود رین کار ۔۔۔ کہ سرگرداں شوی مانند پرکار
چنین خواہی شدن در آخر کار ۔۔۔ کہ ویرانی پذیر و نقش پرکار
سخن این باز بے تقلید گفتی ۔۔۔ زا عیان و ز دید و دید گفتی
کہ می داند کہ این اسرار ھاچیست ۔۔۔ کہ دل ہر لحظہ خون بر جائے بگریست
چنین اسرار ہائے برگزیدہ ۔۔۔ نہ کس گفتہ نہ کس ہرگز شنیدہ
کہ ازد درفلک تا دور آدم ۔۔۔ نہ گفتہ است ایں معانی تادرین آدم
زہر اسرار ھا اسرار دان کو ۔۔۔ حقیقت و اصلی اندر جہان کو

بزن کوس معانی ہم چو عطار
بر افگن پردہ از ز دے اسرار

''اس کی صفات ذات ہیں۔ اس کی ذات صفات کی طرح ہے، اور اگر تو
بالکل ٹھیک طرح سے دیکھے تو خود تمام ذات —— ہی ذات ہیں۔
(کیونکہ شانِ وحدت میں بس یکتائی ہی یکتائی ہے، وہاں بھلا دوئی کا کیا

کام ہے۔)

اگر تو سچ کہے تو یہ بات (کسی بزرگ نے) بالکل سچ کہی ہے کہ ذاتِ حق میں تمام اضافات اور متعلقات کا ساقط اور دور کرنا ہی حقیقی توحید ہے۔

اس لیے جب طالبِ حق کو طلبِ صادق پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی قدر و حوصلہ کے موافق اسرار معلوم کرتا ہے ـــــ لشکرِ عشق اپنی خفیہ کمین گاہ سے نکل کر جب حملہ آور ہوتا ہے تو پھر عقل کو کسی طرف جانے کی راہ نہیں ملتی ـــــ عشاق کے لیے تو اس جگہ (دنیا میں) عذاب ہے ـــــ اہل ظاہر (دنیا داروں کے لیے وہاں (عاقبت میں) حساب و کتاب ہے ـــــ یہ حالت ہر اس عاشق کی ہے جس سے خطاب ہوتا ہے۔ یعنی وہ فراقِ محبوب میں دنیا ہی میں سخت عذاب سے دوچار ہوتا ہے ـــــ تو ان عاشقوں کی رسم وراہ کیا جانے، کہ تو خود سخت ناتوانی میں پڑا ہوا ہے۔ (تجھ سے بھلا یہ سخت منزل کب طے ہوگی۔)

اپنے خیال خام میں تو دنیا و مذہب میں گرفتار ہے۔ مگر درحقیقت تو کفار کی طرح بت پرستی میں مبتلا ہے۔

تو یہاں ہر دم رسوائی کے ساتھ قدم مار۔ یقیناً اس جگہ تو بالکل نامحرم ہی ہے۔ یعنی تو حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ تو اس جگہ خرابات میں خراباتی ہوجا۔ تو اس ظاہری مسجد اور اس دریائی زہد و مناجات کو چھوڑ دے۔

بھلا میری طرح سے کب کوئی عشق حقیقی میں نمودار ہوگا۔ کہ وہ رحمت ہی کی طرح لعنت کا بھی خریدار ہو ـــــ میں دونوں عالم میں (اس کی خاطر) ملامت و محرومی حاصل کرتا ہوں ـــــ میں تو صرف اس ـــــ ''محبوبِ حقیقی'' ہی کے عشق میں شاد و خرم ہوں۔

میں عشق دوست میں خوب ملامت اٹھاتا ہوں۔ ایک دم کو بھی دوست کی لعنت کا فکر و اندیشہ نہیں کرتا۔ پھر تو کس واسطے حق کی لعنت سے بچتا ہے۔ اور کس لیے عشاق سے اس معاملے میں تنازعہ و جھگڑا کرتا ہے ـــــ اگر تو ابلیس کی طرح سے مرد میدان ہے، تو حق کو پہچان! ـــــ

عشق میں اس لعنت و ملامت سے ہی نام ہوتا ہے۔تو اس سے مت ڈر۔یعنی عشق میں اپنی جان کی بازی لگا کر اہل ظاہر کی ملامت سے بے پرواہ ہو جا۔خواہ تجھے لوگ شیطان کی طرح برا بھلا کہیں۔مگر تو منزل عشق ومحبت میں ہمیشہ گامزن رہے۔

اگر تو شیطان کی طرح (بے باکی) سے اس دشوار راہ کو طے کرے تو اپنے قدم کو کفر ولعنت کے سپرد کر۔(یہاں کفر کا مطلب عام کفر نہیں ہے جو اہل دنیا کافروں کا مذہب وشعار ہے)۔بلکہ یہ کفر، کفر عشق ہے جو نعمت دارین کو ترک کر کے صرف ذات مولی کی محبت میں ''فنا فی البقا'' سے حاصل ہوتا ہے —— اس مقام کے مردانِ محبت کی نظروں میں سوائے ''حق'' کے اور ہر شے معدوم ہو جاتی ہے۔

یہ بات بھی غلط ہے کہ اس کی نمود خود بینی سے ہوتی ہے۔بلکہ یہ تو ترک خودی وہستی سے پیدا ہوتی ہے۔اوراس کے عشق کی باگ (لگام) کلی طور پر اسے کھو چکی ہے —— یہ یقینی بات ہے کہ اس نے رازِ حقیقت کو دیکھا، تو اس نے سجدہ نہیں کیا، اور لعنت و ملامت حاصل کی۔حقیقت میں وہ ایک عاشق شہوار ہے کہ وہ ہمیشہ اس راز کے ساتھ ثابت وقائم ہے۔

جس طرح وہ تمام جہان میں ذلیل وخوار ہوا ہے، یقیناً عشق میں برخوردار و کامیاب ہوا ہے۔بھلا اس کی طرح سے لعنت و ملامت میں کون استوار (مضبوط) ہے۔کہ وہ ہمیشہ اس راز سے پائیداری رکھتا ہے۔تو بھی جب عاشق ہوگا تو آخر کار تجھ پر بھی لعنت و ملامت ظاہر ہوگی۔

تو اپنے آخر اور انجام کار پر نظر کر، اور اپنے —— دل کو کفر روحانی سے خبر دار کر۔

اگر تو کفر میں آئے گا تو مقام عشق کو ملاحظہ کرے گا۔یعنی محبوبِ حقیقی کے سواسب کو چھوڑ دے گا، تو پھر تو کامیاب عشق ہوگا۔

اگر تو اس کفر عشق کی خوشبو حاصل کرے گا تو پھر تو ان آسمانوں اور ستاروں کی بلندیوں سے بھی گزر جائے گا۔

اگر تو ایسا ''کافر عشق'' ہو جائے گا تو پھر صحیح معنوں میں تو مسلمان ہوگا —— مگر

اس طرح ہر ایک سے اور ہر جگہ نہیں کہا جا سکتا۔ یعنی جو اس کا اہل ہو یہ بات اسی سے کہی جائے گی —— یہ بھید ہر ایک کو نہیں بتایا جاتا۔ اگر تو اس کافری کا کچھ نشان و پتہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ تو تو مجھ سے اس کی شرح و بیان سن لے۔

میں اس کافری میں عاشق نہیں تھا۔ اور اس کافری میں صادق و سچا بھی نہیں تھا —— مگر جب میں کافر ہو گیا اور کفران کو حاصل کیا تو پھر میں نے اس کفر کی وجہ سے اپنا چہرہ خوب دیکھا —— میں اس کافری میں ایک اسرار رکھتا ہوں۔ جس کی وجہ سے تمام جز و کل مجھ کو دلدار (محبوب) ہی نظر آتا ہے۔ اور اس کے سوا کونین میں مجھ کو اور کچھ نظر نہیں آتا۔

میں نے اس کافری میں اپنے دوست کو بھی چھوڑ دیا۔ یعنی جذبۂ عشق کی شدت سے اسے بھی فراموش کر دیا۔ کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ پھر میں نے اس کافری میں یار حقیقی کو دیکھ بھی لیا۔

ایک مرتبہ تو میں نے سارے جہان کا کفر اکٹھا کر لیا تھا۔ جب میں اپنے دلدار کے سامنے کافر ہوا۔ تو گویا اس محبوب نے مجھے اپنا جلوۂ بیکار دکھایا —— اور میں نے اس لعنت و ملامت کو پوشیدہ طور سے اختیار کیا —— یعنی میں جو ''رازِ حقیقت'' سمجھ کر سب سے بے نیاز ہو گیا۔ تو اس میں یہ راز مخفی تھا کہ درحقیقت (میں کون اور میرا وجود ہی کب تھا۔) کوئی حقیقت (اور) نہیں ہے، مگر صرف اس کی ذاتِ واحد کی ذات پردۂ اسرار میں ہے —— تو اس مقام پر لعنت و ملامت مرد ہوشیار و باخبر کے لیے کیا وقعت رکھتی ہے۔

پس یہ حقیقت بھی سمجھ لے کہ (جب) کہ تیرا سانس بالکل نفخ رحمان (سانس پھونکنا) ہی ہے، تو پھر اس جگہ شیطان کی اصل و حقیقت کو بھی حق ہی سمجھ۔

بس اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے تو محرم راز اور درماندہ و غافل ہے۔ کیونکہ تو ان معنوں و نہیں سمجھ سکتا، اور مطلب کو حاصل نہیں کر سکتا۔

تو اس ظاہری مسلمانی کو چھوڑ دے اور کافر (عشق) ہو جا —— مگر تو کہاں تک اس راز حقیقت کے پیچھے پڑا رہے گا —— تو یکدم کو ان رموز و اشارات کو دیکھ۔ میں

تجھ کو ان عبارات میں عشق اور مردانِ عشق سے آگاہ کرتا ہوں۔

ابھی تو میرا یہ بیان بہت کچھ باقی رہ گیا ہے۔ لیکن میں اس وقت تک بیان نہیں کروں گا جب تک میں کسی خریدار (طالبِ صادق) نہیں دیکھوں گا —— تو اس اسرار کی راہ سے اپنی باگ پھیر لے۔ کیونکہ ہر کوئی اس راہِ حقیقت کا خبردار اور اہل نہیں ہوتا۔

میرا یہ راز میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اگر کوئی جانے گا بھی تو وہ حیران رہ جائے گا۔

کوئی میری طرح سے مجھے جب پہچانے گا کہ وہ مجھ کو میری ہی طرح سے پہچانے۔ —— میں نے اس جگہ کسی صاحبِ درد کو بہت ڈھونڈا (جو اس راز کے سمجھنے کا اہل ہو۔) اور وہ میری طرح سے اس راہِ عشق و محبت میں فرد و یکتا ہو۔

تا کہ میں اسے سے ان احوال کا اسرار بیان کروں، اور اپنی یہ نمود عین (اصل) احوال میں سمجھاؤں۔ پھر میں کہاں بیان کروں جبکہ میں کوئی ہمراز ہی نہ دیکھوں۔ میں اس کو کہنا نہیں چاہتا۔ جبکہ میں نے اپنا ہم آواز بھی کوئی نہیں دیکھا —— میرا بیان میرے سوا کسی نے بھی نہیں جانا، اور نہ سمجھا —— جس نے بھی اسے پڑھا، وہ بس حیران رہ گیا۔

مگر ہاں اگر تو چاہے تو میری اس پر اسرار گفتگو پر سخت جانفشانی کر، ان معنوں اور ان الفاظ و صورت پر بے نشان ہو۔ کیونکہ میرے اور بہت سے وفادارانِ ہوشیار (اہل درد و محبت) میری خاک پر (عقیدت و محبت) سے گریں گے۔

تو اس راہِ محبت و حقیقت میں اگر لرزاں و ترساں ہو تو (حوصلہ رکھ) اور ہر چیز سے اپنے دل کو ترا سا و ہراساں نہ کر —— اگر تو خوف و ڈر نہیں رکھے گا تو یہ راز انجام و آغاز سے تمام تر ناگہاں تجھے معلوم ہو جائے گا۔

اگر تو اپنے آپ کو ہر ایک سے خوف زدہ نہ کرے تو بس اس راہِ حقیقت میں تو خدا تعالیٰ تک پہنچ جائے گا۔

اگر تو اس رازِ حقیقت میں اپنے آپ کو نہیں ڈرائے گا تو پھر تجھ کو تمام ”اسرار باطن“ کا انکشاف ہو جائے گا۔ اگر تو اس مقام پر خود کو نہیں ڈرائے گا تو ہرگز نہیں ڈرے گا۔ تو اس طرح سے کیا پوچھتا ہے، یہ سارا معاملہ عیاں اور بالکل فاش ہے۔

یہاں تو سب کو ایک ہی حقیقت جان۔ اور ایک ہی ذات سمجھ۔ درحقیقت اس مقام پر نہ تو کفر ہے نہ طریقت ہے۔ نہ کوئی دین و مذہب ہی ہے۔

اس مقام یکتائی میں کفر و اسلام نہیں سماتے او نہ اس جگہ ننگ و نام کی گنجائش ہے۔

پر وہ عاشق ہے جو محبوب نہ ہو جائے، اور اس کے آفتاب کی حقیقت روشن نہ ہو جائے۔

اسی طرح یہاں سب کچھ میں خود ہو گیا ہوں۔ اب کوئی اور محبوب نہیں ہے۔ مگر اس صورت سے ہو جانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ جب اس مقام پر مطلق دوئی نہیں ہے۔ تو اس حالت میں آخر کار کیا نقطہ و پرکار سب ایک ہی ہوں گے۔

یہ وہ دریائے حقیقت ہے کہ یہاں کیا مچھلی اور کیا کیکڑا، ہر ایک ہی اپنے چنگل میں ایک گوہر تاب دار رکھتا ہے۔ میں اور تو بھی حقیقت میں ایک ہی ہیں اور یکساں ہیں۔ تو دیکھ تو سہی، اندر سے تمام عالم جاناں ہی ہیں۔—— بس ایک حرف ہے اور بہت سی کتابیں ہیں۔ بس ایک "نور حقیقت" او بہت سے حجابات ہیں —— ان معنوں میں تجھ سے میں بیان کرتا ہوں۔ بالکل شک نہیں ہے کہ درحقیقت ایک کے سوا (حق الیقین) کے لحاظ سے کوئی اور (دوسرا) موجود ہی نہیں ہے۔

بے خبر لوگ "توحید" کے اسرار نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ تقلید کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ اس مقام پر تیرا حجاب تیری صورت ہی ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو تو بھی مردانِ خدا کی طرح حقیقت ہی تلاش کر۔

خود اپنی صورت کا حجاب اپنے سامنے سے اٹھا دے —— اے مرد درویش! تو حقیقی معنی و مطلب (مراد اصلی) حاصل کر لے۔

جب تیری اس صورت (ظاہری) کا غبار سامنے سے ہٹ جائے گا تو پھر تو حق تعالیٰ کو پالے گا۔ تو اس طرح سے بیکار و بے وجہ پارے کی طرح مضطر ہوتا ہے۔

اگر حقیقت میں تو یہ حجاب (پردہ ظاہری) اٹھا دے گا تو پھر تو بخوبی یہ دیکھے گا کہ وہ تمام تر تو ہی ہے۔ یعنی تجھ کو سب کچھ اپنے اندر ہی نظر آئے گا۔

تو ہے تو مگر تیری صورت ہی حجاب ہے۔ اس ظاہری صورت کی وجہ سے یہ تمام

اعداد وشمار اور حساب و کتاب (کثرت کا مظاہرہ) ہے۔

تو وہ ہوگا اور وہ تجھ میں نمودار ہوگا۔ اب تو اپنے سامنے سے حجاب اٹھالے۔

جب تو ایک بار صورت سے باہر آئے گا تو تیرے تمام جھوٹے نقوش پندار (وہم و خیال) ہٹ جائیں گے۔ حقیقت میں تیری راہ تیرے قریب ہے۔ مگر تو اپنے خیالِ باطل کی وجہ سے اپنے محبوبِ حقیقی سے دور ہے۔ اس کام میں تو خود بخود مغرور بنا ہوا ہے۔

میں اس کو طلب کرتا ہوں تا کہ اسے مکرر دیکھوں۔ اگر چہ وہ بظاہر نظر نہیں آتا۔ مگر میں اپنی طلب صادق سے اس تک پہنچ جاتا ہوں۔

میں ہر ایک سے اس کا وصال طلب کرتا ہوں۔ مگر جب نظر حقیقت سے دیکھتا ہوں تو سب کچھ میں ہی ہوں —— بس تو اپنے اس گمان و قیاس کو چھوڑ دے، اور صرف یقین ہی کے پیچھے لگ جا۔ جس طرح سے مردانِ خدا تجھ سے پہلے ہوئے ہیں تو بھی انہی کی پیروی کر۔

اگر تو اپنے سامنے سے گمان کو اٹھالے تو تو حقیقت میں وہی ہے (یعنی بس اس کا وجود ہے، تیری حقیقت کچھ نہیں ہے۔) تو یقین کر کہ جاناں (محبوبِ حقیقی) تیرے چہرے میں تجھے نظر آئے گا۔

سب کچھ دراصل تیرے ہی اندر ہے۔ مگر تو وہم و گمان میں مبتلا ہے۔ اور اسی وجہ سے تو تیری ان اسرار کی باتوں کو نہیں جانتا۔ بس سب تیرے ہی اندر ہے۔ اور تو دراصل عالم وصال میں ہے۔ پھر تو نے کس وجہ سے اپنے آپ کو ایک وبال میں ڈال لیا ہے —— جبکہ سب کچھ تیرے ہی اندر ہے تو تو اُس غلط گمان و وہم کو اٹھالے۔ تاکہ تو بے شک ظاہری طور سے (کھلم کھلا) صرف ایک ہی دیکھے، اور یہ دوبینی دور ہو جائے۔

تو اصل میں ایک ذات سے ہے، اور وہ ذات تیرے اندر موجود ہے۔ اسی وہم و گمان ہی کی وجہ سے تجھ سے تیرا گوہر مقصود پوشیدہ ہے، ورنہ حقیقت میں تو ہی سر لامکان کا سلطان ہے۔ اپنے معنی و حقیقت کے لحاظ سے تو تمام کون و مکان سے برتر ہے۔

یہ تمام زمین و آسمان تیرا ہی نور رکھتے ہیں۔ اور تمام ذرات تیرا ہی منشور رکھتے ہیں۔

وہ خدائے قدوس (ہر وقت) تیرے ساتھ ہے۔ مگر تو اِدھر اُدھر جستجو میں ہے۔ ان

معنوں میں تو بالکل نادانی ہی میں پڑا ہوا ہے۔
تو اس کے ساتھ اور وہ ہمیشہ تیرے ساتھ ہے۔ تو پھر کس لیے اس کی تلاش (باہر) کرتا ہے۔
پھر جب کہ وہ تیرے ہی ساتھ ہے تو پھر تو اس کو کیا ڈھونڈتا ہے۔ جبکہ وہ یہاں تیرے ساتھ ہے۔ تو پھر تو کیوں ڈھونڈتا ہے۔
اے دل تو حق کو دیکھ! کیونکہ تو اپنے اندر ہی حق رکھتا ہے —— لہٰذا تو اپنے دلبر محبوب کو اپنے اندر ہی طلب کر۔
اے دل تو حق کو دیکھ! تجھی کو تہی ہونا ہے۔ اور آخر کار تمام جز وکل میں تجھی کو ہونا ہے۔ (یعنی جبکہ اس واحد حقیقی کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اس پردۂ ظاہر کے دور ہونے کے بعد بھی بس وہی ہوگا۔ کیونکہ جزوں کی اصل "کل" ہی ہے۔
دراصل حقیقتِ حق عیاں ہے، اور تو خدا ہے۔ یعنی تیرا وجود اصلی نہیں ہے۔ بلکہ ہر شے میں وجود اصلی خدا ہی کا ہے۔ کیونکہ سوائے اس کے کوئی شے اپنے حقیقی وجود نہیں رکھتی —— اس لیے یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے رب سے اپنی (اصل و حقیقت سے) جدائی رکھتا ہے۔
تو اس کو نہیں پاتا، میں کیا بیان کروں۔ اگر تو جانے تو تو خدائے آشکار و نہاں ہے۔
تو سب سے فارغ اور بے نیاز ہو جا —— بس تو اسی مقام (وحدت) میں رہ، اور دیکھ کہ اس جگہ تو کبھی جبار اکبر ہوگا —— بس تو یہ یقین کر کہ تو خدا ہے، اور خود کو خدائے اولین و آخرین جان!
اس مقام پر تیرا وجود عین بے چون (بے مثال) کہ اس نے اپنا چہرہ (پردۂ) کاف ونون (کن) میں دکھایا ہے۔
یہ تمام بازارِ عالم تیرا ہی ہے اور تو خدا ہے تو یہ عجیب بات کرتا ہے کہ خود سے جدا ہے۔
میں ان تمام معنوں سے، جو تجھ سے مکرر بیان کرتا ہوں۔ کیا تو اپنا آغاز و انجام نہیں پاتا۔
یہاں بس ایک ہی کی دید ہے۔ اور یہاں ایک کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حقیقت

اس کے سوا کہ میں ''خدا'' ہوں، بے شک نہیں ہے۔

بس تو خدا کو جان اور خدا کو دیکھ اور خدا ہو جا ـــــ اور اگر اس سے غیر ہے تو اس سے جدا ہو جا ـــــ حقیقت سوائے خدا کے نہیں ہے تو اس کو پا۔ فقر کے لیے یہاں سینکڑوں سیریں ہیں، تو معلوم کر۔

خدا یہ ہے کہ یہ راز اس سے تعلق رکھتا ہے۔ سوائے ایک (واحد حقیقی) کے وہ اور حقیقت نہیں دیکھتا ـــــ یوں تو بہت سے اسرار کی باتیں بیان کرنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن ہرگز کوئی عطار جیسا نہیں ہوگا ـــــ بس تو مسلسل اسرارالٰہی کی باتیں سمجھ، کیونکہ میں تجھ سے بے کم وکاست (پوری طرح، تمام) یعنی تمام تر حقائق بیان کر رہا ہوں۔

میں ہر ایک شرح سے بیان کرتا ہوں۔ مگر تو اس کو نہیں جانتا، بس میں یہی ڈرتا ہوں کہ کہیں تو غافل ہو کر محروم نہ رہ جائے۔

دنیا میں ہر ایک سر صاحبِ اسرار نہیں ہوتا، اور نہ ہر ایک آنکھ لائق دیدار ہوتی ہے کہ جو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح سے ''سر اسرار'' حاصل کر کے ـــــ اپنے آپ خود کلی طور سے وہی (خدا) ہو کر (فنافی اللہ) غائب ہو جائے ـــــ یعنی حضور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح سے ہر ایک خدائے عزوجل کا مظہر تام نہیں ہو سکتا۔

تو مجھ سے یہ راز ایک مرتبہ اور (دوبارہ) سن لے! ـــــ کیونکہ میں تجھ سے ایک اور راز بیان کرتا ہوں۔

تو کامل یقین کے ساتھ اس جگہ ''عشق کل'' میں قدم رکھ۔ اور میرے ساتھ دم بدم انا الحق کے نعرے لگا۔

جب تو مردوں کی طرح سے انا الحق کہہ کر کافر ہوگا تو پھر تجھ پر یہ معنی ظاہر ہوں گے ـــــ یقیناً تو کافری کے اوپر ہی انا الحق کہہ ـــــ تو بالکل باطل (غلط اور جھوٹ) نہ ہو، بلکہ پوری طرح سے حق ہو جا۔ جب تو مردوں کی طرح سے انا الحق ہمیشہ کہے تو پھر تو شیر کی طرح ہو، بلیوں سے مت ڈر

تو انا الحق کہہ اور پوری طرح (ظاہری، ریائی) دنیا کو چھوڑ دے۔ اور حق کے

اندر ہی حقیقت کو اچھی طرح (حقیقی) سے دیکھ ـــــ

تو مردوں کی طرح سے انا الحق کہہ دے تا کہ تجھے تمام اسرار معانی حاصل ہوسکیں ـــــ تو انا الحق کہہ اور سوائے حق کے حق کو مت دیکھ، پھر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تجھ کو اسرار مطلق حاصل ہوگا ـــــ یہاں میرے ساتھ تو مسلسل انا الحق کہے جا۔ جبکہ میں نے تجھ سے یہاں اسرار کلی کھلم کھلا بیان کر دیئے ہیں ـــــ پس تو میری ہی طرح دمادم (برابر لگاتار) انا الحق کہہ اور تمام عالم میں انا الحق کا نعرہ لگا۔

تو دمادم انا الحق کہہ ـــــ اور تمام راز کو سمجھ، انجام و آغاز کو حق میں دیکھ۔

تو عطار ـــــ کی طرح انا الحق کہہ۔ کیونکہ یہاں پر سردار (سولی پر) تیری زندگی کا پانی ہے ـــــ یعنی تجھے دار پر چڑھ کر جو شہادتِ عشق حاصل ہوگی تو اس سے ہمیشہ کی زندگی (دوام) مل جائے گی۔

جب کہ تو ہی حق ہے۔ تو برابر انا الحق ہی کہے جا ـــــ اس مقام پر حقیقی راز بالکل عیاں ہوگیا ہے۔

تو متواتر انا الحق کہہ جبکہ تو الٰہی ہے۔ اگر تو عورتوں کی طرح سے عذر نہ کرے گا تو یہ بات تیرے لائق ہوگی۔

تو یہاں اس حقیقت کا آشکارا کر دے، اور انا الحق کہہ دے۔ چاہے تجھ کو یہ کہنے سے پارا پارا کر دیا جائے، ہر وہ شخص اس معاملے میں جو راز دار ہو، اس کی آرام و عافیت دارہی ہوگی۔

جو شخص سر کٹانے کا راز نہیں جانتا، وہ یقیناً اس کے کشتہ ہونے میں حیران ہوگا۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ منصور و عطار کی طرح سے آخر کار مجبوراً سر کٹانا ہی ہوتا ہے ـــــ جب تو اس جگہ اپنا سر کٹا دے گا تو پھر تو حق ہو جائے گا۔ حقیقت میں تو پھر اللہ تعالیٰ میں مطلق (واصل) ہو جائے گا۔

اگر یہاں تو عطار کی طرح سے سر کٹا دے تو پھر تو پرکار کے اسرار کا نقطہ ہو جائے گا۔

اگر اس جگہ تو عطار کی طرح سے اپنا سر کٹائے گا تو تیرا ہر نقش وہمی و خیالی مٹ جائے گا ـــــ میں تجھے یہ نہیں کہتا کہ تو اس جگہ اپنی جان کی بازی لگا دے ـــــ میں

تو یہ کہتا ہوں کہ تو فنا ہو جا تا کہ تو اس مقام پر اسرار حقیقت کو پالے۔

جو بھی یہ جام معنی (حقیقی مطلب کا پیالہ) نوش کرتا ہے، وہ عطار ہی کی طرح سے خود بخود اپنا سر کٹاتا ہے —— حقیقت کیا ہے:

☆ —— اس جگہ سر کٹانا،

☆ —— اپنا وصال اپنے آپ میں پھر دیکھنا یعنی فنا ہو کر اپنی حقیقت میں مل جانا۔"

کیا یہاں اس قدر سراسرار نہیں ہیں کہ میری گفتار سے دوبارہ جان پیدا ہو جائے۔

کیا اس جگہ اس قدر (کثرت سے) مطلب و معانی نہیں ہیں کہ میں ان کا تمام و کمال بیان کروں۔

لیکن اس راز حقیقت کے لیے کوئی محرم چاہئے —— کہ وہ راز کی باتیں انسان سے معلوم کرے۔ جیسا کہ چاہئے۔ کیونکہ ان باتوں کو ہر ناچیز جاہل نہیں جان سکتا۔ —— بس کوئی ایسا چاہئے جو مرد کامل ہو اور ان حقائق سے واقفیت حاصل کرے۔

میں حقیقت کے متعلق تجھ سے ہزاروں شرحیں بیان کر چکا ہوں مگر تو (افسوس) ابھی فلسفہ وطبیعات (علوم عقلی و قیاسی) ہی میں پڑا، ہوا ہے —— یعنی حقیقت و مشاہدہ کی باتیں نہیں سمجھتا۔

وہ تمام اسرار جو میں جانتا تھا میں نے تجھ سے بیان کر دیئے ہیں۔ اور ہر وہ کام جو مجھے آتا تھا، میں نے تجھے بتا دیا ہے —— اگرچہ اس کی شرحیں بہت سی ہیں، لیکن مرد حق شناس اپنے یقین سے ڈھونڈ لیتا ہے۔

یہ اسرار جو عطار نے بیان کئے ہیں نہایت اعلیٰ اور گرامی قدر ہیں —— مگر یہ کس سے کہے کہ تمام اہل دنیا سوئے ہوئے ہیں۔ ہوشیار نہیں ہیں —— اس مقام پر ہر شے عیاں وظاہر ہے۔ جو کچھ بھی تو ڈھونڈتا ہے وہ یہاں موجود ہے مگر تو یقین جان کہ ابھی یہ تیرا پہلا قدم ہے، اور تو ابھی ناواقف اور مبتدی ہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ تو نے یہاں کوئی چیز کھوئی ہی نہیں —— پھر جبکہ تو نے کوئی شے کھوئی ہی نہیں تو ڈھونڈتا کیا ہے؟ (یعنی یہاں مطلوبہ شے موجود ہے مگر تجھ کو نظر نہیں آتی) تو اپنا یہ گمان اٹھا لے (یعنی تو غلط فہمی میں نہ پڑ) —— اے وہ ہستی! جس نے

اپنے آپ کو خود نمایاں اور ظاہر کیا ہے —— تو بے وجہ یہاں ہر ایک نیک و بد پر تہمت دھرتا ہے۔

درحقیقت یہ سب تجھ ہی سے ہے۔ اور یہ تمام راز تیرے ہی اندر ہیں۔ نہ یہاں کوئی (غیر) آیا اور نہ پھر کوئی جائے گا۔ (یعنی اصل میں بس وہی حقیقت ہے جو ازلی و ابدی ہے۔)

اپنے سوا جو کچھ بھی تو یہاں دیکھے گا، وہ بت (تصوری و معدوم) ہوگا —— جب تو اس ظاہر کے سنگین بت (غیر حقیقی مجسمے) کو توڑ دے گا تو پھر تجھے خفیہ خزانہ مل جائے گا۔

تو اپنے آپ کو (اپنی حقیقت) کو پہچان۔ جبکہ حق درحقیقت تو ہے —— بس اس جگہ رازِ مطلق، حقیقی راز فاش ہوا ہے۔ بس تو اپنی جان و جسم اور اس ظاہری تقلید سے علیحدگی اختیار کرتا کہ پھر تو بلاشبہ مقامِ حقیقت کے مشاہدہ کو حاصل کرے۔

اصل میں نہ تو جان ہے نہ جسم ہے اور نہ ہی جاناں ہے —— مگر یہ اسرارِ پنہاں کس سے کہوں۔

تو خود ہی اصل میں ہے، اور خود ہی اپنا طلب گار بھی ہے۔ حقیقت میں تو اصل پرکار کا نقطہ ہے۔ تو اپنے آپ پر خود نظر کر۔ بس (سب کچھ) تو ہی تو ہے —— پھر کس لیے تیرے اندر تیرے سوا دوئی ہے۔ (یعنی تو اپنے اندر سے دوئی کا خیال نکال دے —— ہستی غیر تو اصل میں موجود ہی نہیں ہے۔ حقیقت میں جو کچھ ہے، وحدت ہی وحدت ہے۔

سب کے سب طلب و تلاش میں ہیں اور مطلوب (حقیقت میں) حاصل و موجود ہے —— اور سب کے سب (اپنی غلط فہمی سے) جان و دل رکھنے کے باوجود بے جان اور بے دل بنے ہوئے ہیں۔

اگر وہ اصل حقیقت کو جان لیں تو خود ان کے اندر ہی مطلوب و محبوب پوشیدہ ہے۔

پس اصل حقیقت کیا ہے —— اپنے سامنے ہی دیکھتا ہے:

☆ —— اپنے آپ سے کھو جانا اور گزر جانا،

☆ —— پھر اپنے ساتھ واصل ہو جانا ہے۔

تو حقیقت کو دیکھ اور پھر سب سے گزر جا۔ اور پھر خود (فنافی اللہ) ہو کر اپنے وجود حقیقی کو تمام میں مشاہدہ اور حاصل کر۔

بس تو اس کو جان اور اس کام میں اس قدر گم ہو جا کہ تو پرکار کی طرح سر کے بل گھومنا شروع کر دے —— جب تو اس طرح سے ہوگا تو آخر کار تو پرکار کے نقش قبول نہیں کریگا، یعنی خود نقطہ و مرکز ہو جائے گا۔ —— یہ کلام تو نے پھر بغیر تقلید کے کہا ہے۔ اور یہ سب حقیقت و مشاہدہ کی بات کہی ہے۔

افسوس کون جانے کہ یہ اسرار کیا ہیں؟ —— اور یہ کہ ہر لحظہ میرا دل خون روتا ہے —— بلاشبہ ایسے برگزیدہ اسرار نہ کسی نے بیان کئے، اور نہ کسی سے سنے ہیں —— اس گردش زمانہ سے لے کر دور آدم تک آج تک کسی نے ہرگز نہیں کہے ہیں —— ہر ایک اسرار کے جاننے والا اسرار دان کون ہے —— اور حقیقت واصل کو سمجھنے والا جہان میں کون ہے۔

(ہاں اگر تو جانے) تو تو عطار علیہ الرحمہ کی طرح ناقوس معانی بجا اور اسرار کے چہرے سے یہ پردہ و نقاب اٹھادے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی رَسُوْلِہٖ خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ وَزِیْنَۃِ فَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰاحِمِیْنَ . اٰمِیْنَ ——

اٰمِیْنَ —— اٰمِیْنَ!